"مطالعہ مکتوبات را لازم گیرند کہ سود مند است"
(دفتر اول مکتوب ۲۳۷)

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی

کے

دفتر سوم ۳

کا

اردو ترجمہ

مترجمہ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ

ناشر

ادارۂ مجددیہ، ۲/۵، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

(یہ تو ایک نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے (اس سے) اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے)

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست ... آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

مکتوبات

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کے

دفترِ سوم کا اردو ترجمہ

جس کو حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ خلیفۂ مجاز حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے سنہ ۱۰۳۱ھ میں حضرت موصوفؒ کی خدمت میں رہ کر مرتب فرمایا اور حضرت موصوفؒ کی ہدایت کے مطابق قرآن کریم کی سورتوں کی تعداد کے موافق ایک سو چودہ مکتوبات پر دفترِ ہذا کو ختم کر دیا اور اس کا تاریخی نام "معرفت الحقائق" رکھا۔ نیز لفظ "ثالث" سے بھی اس کی تاریخ نکلتی ہے۔ مزید دس مکتوبات جو بعد میں حاصل ہوئے ان کو بھی دفترِ ہذا کے آخر میں "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ" کے عنوان سے شامل کر دیا ہے۔

مترجمہ

حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحب

شائع کردہ

ادارۂ مجددیہ: ۵/۲-ایچ۔ ناظم آباد ۳ کراچی کوڈ ۷۴۶۰۰

۱۹۹۳ء

مطبوعہ احمد برادرس پرنٹرس ناظم آباد ۲

ترجمۂ مکتوباتِ حضرت مجددِ الفِ ثانیؒ کی چند خصوصیات

ادارۂ مجددیہ سے شائع شدہ مکتوباتِ شریفہ کے ترجمہ کی چند خصوصیات بیان کردی جائیں جن کی وجہ سے اس کا ممتاز ہونا واضح ہوجائے تو بے جا نہ ہوگا بلکہ امید ہے کہ قارئین کے لئے مکتوباتِ شریفہ کے مطالعۂ ذوق و شوق میں اضافہ کا باعث ہوگا۔

(۱) حضرت مجدد الفِ ثانیؒ نے مکتوباتِ شریفہ میں اسمِ مبارک "اللہ" لکھنے میں احتیاط فرمائی ہے اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ لکھنے میں اکتفا کیا ہے لہٰذا ترجمہ میں بھی اس کا لحاظ رکھا گیا ہے —— (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی جو القاب حضرت مجددؒ نے تحریر فرمائے ہیں وہی ترجمہ میں بھی درج کئے گئے ہیں —— (۳) ہر آیت کا حوالہ سورۃ کے نام، نمبر اور آیت نمبر کے ساتھ دیا گیا ہے —— (۴) اسی طرح احادیثِ شریفہ کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں —— (۵) ہر صفحہ کی پیشانی پر دفتر نمبر اور مکتوب نمبر دونوں دیئے ہیں —— (۶) جو مکتوبات عربی میں ہیں ان کی پیشانی پر لفظ "عربی" درج کر دیا گیا ہے —— (۷) ہر مکتوب الیہ کا تذکرہ کر دیا گیا ہے اور یہ کہ ان کے نام کتنے اور کس دفتر میں کس کس نمبر کے مکتوبات ہیں —— (۸) مکتوبات میں جن بزرگوں کے اسماءِ گرامی آئے ہیں ان کا تذکرہ بھی فٹ نوٹ میں دینے کی کوشش کی گئی ہے —— (۹) بعض اصطلاحات کے معنی اس کے ساتھ ہی قوسین میں دیدیئے ہیں اور بعض کے فٹ نوٹ میں۔ (۱۰) مضامین واضح کرنے کے لئے حاشیہ پر عنوانات قائم کردیئے ہیں —— (۱۱) ہر جلد کے آخر میں اشاریہ دیا گیا ہے جس میں آیاتِ قرآنی، احادیث شریفہ، مصطلحاتِ تصوف، اسماء الکتب، اسماء الرجال اور اسماء البلاد وغیرہ شامل ہیں —— (۱۲) تیسرے دفتر میں میزان کل کا بھی اہتمام کیا گیا ہے یعنی دفترِ اول کے ۳۱۳، دفترِ دوم کے ۹۹ اور دفترِ سوم کے مکتوب ۱۲۵، کل تعداد ۵۳۶ ہوگئے، اس طرح ہر مکتوب پر میزان نمبر درج کر دیا گیا ہے —— (۱۳) تیسرے دفتر کے ایک سو چودہ مکتوبات کو علیحدہ کر دیا ہے تاکہ قرآن کریم کی سورتوں سے مطابقت قائم رہے اور بقیہ دس مکتوبات شریفہ کو آیۂ مبارکہ "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ" کے عنوان سے دیدیا گیا ہے —— (۱۴) ہر سہ دفاتر کے "مضامین کا اشاریہ" دفترِ سوم کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے اور ہر عنوان کے آگے اس طرح ۴/۳ صـ۱۲۰ یعنی اوپر "۴" مکتوب نمبر، نیچے "۳" دفتر نمبر اور آگے صفحہ نمبر دیدیا ہے تاکہ مضمون آسانی سے نکالا جاسکے۔

امید ہے کہ ناظرینِ کرام پسند فرمائیں گے۔ ترجمہ کے حُسن و قبح کا فیصلہ ناظرین پر موقوف ہے عاجز اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے۔

ادارۂ مجددیہ: ۵/۲-ایچ۔ ناظم آباد ۳، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ: امابعد یہ عاجز حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا جس قدر بھی شکرادا کرے کم ہے کہ اس نے اس عاجز کو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کے مکتوباتِ شریفہ کے ہر سہ دفاتر کے اردو ترجمہ کی تدوین و ترتیب اور اشاعت کی توفیق بخشی۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔ اگرچہ اس اہم کام کی تکمیل عاجز کے ہاتھوں ہوئی ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ عاجز نہ پہلے اپنے آپ کو اس کام کا اہل سمجھتا تھا اور نہ اب سمجھتا ہے، یہ تو محض حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس اہم کام کی تکمیل کی توفیق بخشی فالحمد للہ ؎

گر بر تنِ من زباں شود ہر موئے یک شکرِ تو از ہزار نتوانم کرد

۱۹۶۴ء میں جب حضرت مولانا سید محمد بدر عالم محدث میرٹھی ثم المدنی علیہ الرحمہ نے اس عاجز کو تحریر فرمایا کہ "حضرت مجدد صاحبؒ کی کتابوں میں سب سے اہم مکتوبات شریفہ ہیں جو شریعت و طریقت کا خلاصہ ہیں، اگر آپ کی توجہ کچھ اس کی جانب مقدم ہو جائے تو بڑا کام ان میں سب متفرقات کا خلاصہ باحسن وجہ موجود ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ سب تو رہی تو رہے" تو عاجز کو بہت تعجب ہوا کہ حضرت مولانا موصوف نے مجھ بے بضاعت کو یہ کیسے لکھ دیا، لیکن چونکہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو اسی طرح منظور تھا اس لئے تقریباً پچیس ۲۵ سال بعد اس عاجز کو توفیق بخشی گئی اور حضرت مولانا موصوفؒ کا فرمان پورا ہو گیا۔

نیز اس موقع پر حضرت مرشدنا و مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب کی یاد بھی تازہ ہو گئی کیونکہ حضرت شاہ صاحب موصوفؒ نے ہی اس ترجمہ کو شروع کیا تھا اگر آپؒ ہی کے ہاتھوں اس کی تکمیل ہو جاتی تو نہ جانے مزید کن کن خوبیوں کا حامل ہوتا لیکن وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمۡرِهٖ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان بزرگوں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

بہر حال یہ سب کچھ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا فضل و کرم اور ان بزرگوں کی برکات کا نتیجہ ہے جو ناظرینِ کرام کے پیشِ نظر ہے۔

مکتوباتِ شریفہ کی افادیت و برکات سے متعلق یہ عاجز کیا عرض کر سکتا ہے جبکہ خود حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں "مطالعۂ مکتوبات را لازم گیرند کہ سود مند است"۔ اسی طرح مکتوباتِ شریفہ کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اصل فارسی مکتوبات نہ جانے کتنی مرتبہ ہزارہا کی تعداد میں کئی مطابع شائع کر چکے ہیں، اور اس کے اُردو تراجم بھی کئی حضرات کر چکے ہیں اور وہ بھی بارہا طبع ہو کر خواص و عوام کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں، حتیٰ کہ عربی میں بھی مکتوباتِ شریفہ کا ترجمہ کئی بار شائع ہو چکا ہے۔

چونکہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے مکتوباتِ شریفہ میں جگہ جگہ فرمایا ہے کہ "ہمارا کلام رموز و اشارات میں ہے"، اور اس کے مضامین کے اسرار و دقائق کے پیشِ نظر عاجز بہت ترساں و لرزاں ہے کہ جس کو ان علوم پر کچھ بھی عبور نہ ہو وہ ان رموز و اشارات کو کیا سمجھ سکتا ہے اور کیا ترجمہ کر سکتا ہے پھر ترجمہ کی ترتیب و تدوین کے دوران جب عاجز نے مختلف نسخوں میں غلطیاں دیکھیں تو اور بھی سہم گیا کہ جب ان فاضل بزرگوں سے غلطیاں ہوئی ہیں تو عاجز سے نہ جانے کس قدر غلطیاں ہوئی ہوں گی لہٰذا مکتوباتِ شریفہ کی تکمیل کی خوشی کے ساتھ ساتھ اپنی کم فہمی اور غیر شعوری کمزوریوں کا احساس بھی بہت ستا رہا ہے لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ حضرت حق سبحانہٗ کے حضور میں اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہوں اور مغفرت کا امیدوار رہوں اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ بہر حال عاجز نے پیشِ نظر سعی کو جس حد تک ممکن تھا بہتر طور پر قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے حق تعالیٰ مقبول فرمائے۔ آمین۔

آخر میں "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" کے تحت ان سب بزرگوں کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کام میں عاجز کی معاونت فرمائی خصوصاً مخدومی حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب مدظلہ العالی جنھوں نے ہر سہ دفاتر کو بغور ملاحظہ فرما کر اصلاح فرمائی اور تمام فارسی اشعار کا منظوم... نیز محترم ڈاکٹر حافظ محمد عادل صاحب مدظلہ نے ترجمہ اور تصحیح کرنے میں عاجز کی بہت معاونت فرمائی۔ اور محترم مولانا قاری عبد الستار صاحب مدظلہ نے بہت محنت و سعی سے ہر سہ دفاتر کی تصحیح فرمائی۔

نیز محترم حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ اور محترم مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم صاحب چشتی مدظلہ سے بھی عاجز وقتاً فوقتاً تصحیح وغیرہ میں استفادہ کرتا رہا ہے بلکہ محترم مولانا عبدالحلیم صاحب چشتی مدظلہ نے از خود "رسالہ تشیید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات امام ربانی" کا نایاب نسخہ عنایت فرمایا۔ عاجز ان سب بزرگوں کا بہت بہت احسان مند ہے، حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان سب حضرات کو دونوں جہان میں بیش از بیش اجر و ثواب عطا فرمائے آمین جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

پیشِ نظر دفتر کے آخر میں مکتوباتِ شریفہ کے ہر سہ دفاتر کے "مضامین کا اشاریہ" بھی پیش کیا گیا ہے اور ہر عنوان کے آگے مکتوب نمبر، دفتر نمبر اور صفحہ بھی درج کر دیا گیا ہے تاکہ مضمون آسانی سے نکالا جا سکے امید ہے ناظرین پسند فرمائیں گے

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور میں نہایت عاجزانہ درخواست ہے کہ محض اپنے فضل و کرم سے ترجمہ ہذا کو حسنِ قبول فرما کر عوام و خواص کے لئے سودمند و نفع بخش فرمائے اور اس عاجز کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔ نیز ناظرینِ کرام کی خدمت میں بھی درخواست ہے کہ جہاں کہیں کوئی غلطی محسوس کریں تو اس کی نشان دہی فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

طالب دعا: احقر محمد اعلیٰ عفی عنہ

بروز پیر ۱۰ ر رجب المرجب ۱۴۱۳ھ

۴ ر جنوری ۱۹۹۳ء

امابعد یہ پاکیزہ کلمات اور یہ عالی درجہ حروف کہ جن کا ہر نقطہ بے قرار دلوں کی پرکار کا مرکز ہے اور محبتِ ذاتیہ کی آتش پر بیگانوں کی بد نظری کے لئے سپند دانہ ہے (یعنی دافعِ نظرِ بد ہے) اور حقائق کی دلہنوں کے رخسار کا زینت بخش خال (تل) ہے۔ اور دقائق والے دُوربین حضرات کی آنکھوں کی پُتلی ہے، جن میں سے ہر ایک (فرد) احدیت کے موجزن دریا کے ملج کا موتی ہے جس کو ایک غواص (غوطہ زن) پاک باطن کے زبردست ہاتھ نے ساحل پر لا نکالا ہے اور وہ صحرائے ہویت کے ہرن کی ناف کا ایک جاں بخش نافہ ہے جس کو ایک سیاح کے بیان کی انگلیاں محفل میں کھینچ لائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فقراء کو اس بے بہا گوہر سے مالامال کرے اور اس خوشبودار ہوا سے ان کی ارواح کے دل و دماغ کو معطر کرے ؎

ز ہر یک نقطہ اش چوں نافۂ تر	شمیمِ وصلِ جاناں می زند سر
ولے آں کز برودت در زکام است	چہ داند نافہ اش گر در مشام است
سرایم مدح آں سیاحِ غواص	کنم خورشید را چوں ذرہ رقاص
ہمیں فرزندِ فاروق ست چوں ابّ	کنوں نطق از زبانِ او کند رَبّ
سراپا نسخۂ اخلاقِ فاروق	بزہرِ منقصت تریاقِ فاروق
چراغِ نقشبندِ ہفت محفل	نگاہش نقشبندِ غیر از دل

(ترجمہ) ہر اک نقطے سے اُس کے مثلِ نافہ	بیسترِ وصلِ جاناں کا شمیمہ
مگر جس کو زکامِ سرد ہوگا	کہاں حاصل اُسے ہو لطف اُس کا
مرا ممدوح ہے سیّاح غواص	کروں سورج کو مثلِ ذرہ رقاص
وہ اعلیٰ شاہ فاروقی نسب ہے	زباں میں جس سے ہر دم فکرِ رب ہے
سراپا خلقِ فاروقی کا پیکر	یقیناً اس سے زائل زہرِ ہر شر
منوّر ہفت محفل اس کے ظِل سے	مٹاتا ہے وہ نقشِ غیر دل سے

آپ مخلوقِ خدا کی فریاد کو پہنچنے والے، بحرِ حقائق و معارف کے غوطہ زن، وصولِ الی اللہ کی معراج، قبولیت کے راستے، رحمت کے خزینے، حکمت کے دفینے، قلوب کو (حق تعالیٰ کا) شرف بخشنے والے، علوم غیبیہ کو شائع کرنے والے، عمل کے دریا، کاملین کی حجت، بزرگوں کی آنکھ کی پتلی، علماء کے گلزار، طریقت کے نور، حقیقت کے پھول، اہلِ جہان کی زینت، اہلِ عالمین کی آنکھ، آرزوؤں کا منبع، امید کا رشتہ، رہنمائی کا آئینہ، محبت کا زینہ، رموز و اشارات کا مطلع، خزانوں اور بشارتوں کا سرچشمہ، حسن و ملاحت کے دریا کے ملاح، صباحت کے گھر کا چراغ، (ولایتِ محمدی اور ولایتِ ابراہیمی) دو سمندروں کے ملانے والے اور دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والے، متکلمین کی جائے استشہاد، متوحدین کی جائے تمسک (دستاویز) سلف کی برہان، خلف کے سلطان، ان وتود (اربابِ معرفت) کے وثیقہ (عہد نامہ) مہدئ موعود کا پیشرو لشکر، اصل و فرع کی روشنی، دین و شرع کی رونق، سید البشر کے وارث، گیارہویں صدی کے روشن کرنے والے یعنی مجدد الفِ ثانی امام ربانی ؎

کجا گردد ز وصفش خامہ آگاہ	چہ نم دریا بدا ز دریا بہ پرِ کاہ
ہماں بہتر کزیں پس گوش باشم	سرایم نغمہ و خاموش باشم

(ترجمہ)

لکھے کیونکر قلم تعریف اُن کی	سمندر سے نمی تنکے میں کتنی
یہی بہتر ہے اب سنتا رہوں میں	سناؤں نغمہ لیکن چپ رہوں میں

آپ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسم کے ہمنام جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی یعنی شیخ "احمد" بن شیخ عبد الاحد، نسباً فاروقی، مذہباً حنفی، مشرباً نقشبندی ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کا سایہ تمام جہان کے سروں پر دائم و قائم رکھے اور آپ کی برکات کے دریا سے قیامت تک (تمام جہان کو) سیراب فرمائے ———— وہ سلیم القلب قاری حضرات، وقت اور حال کے لحاظ سے کس قدر خوش نصیب ہیں کہ جب اُن کی نظر کی سیاہ پتلی اِن اسرار و حکمت والے عظیم ذخیرے پر پڑتی ہے تو علامِ ربانی کے ساتھ (مکتوباتِ شریفہ کے حروف کی) سیاہی سے (حق تعالیٰ کی) حضوری کی امداد حاصل کرتے ہیں اور اپنے دل کے نقطہ کو اس سیاہی کے ساتھ پُر نور کرتے ہیں۔ اور کس قدر خوش مآب و خوش مآل ہیں وہ مستقیم الاحوال (مکتوبات کے) قاری کہ جن کی زبان اس عجیب و غریب بحرِ بیکراں میں غوطہ زن رہتی ہے اور ان کی جان ان الہامِ سبحانی کے شکر کی شکر سے شیریں رہتی ہے

اور سُکر کی مستی میں گم ہو جاتی ہے۔ اور پاک طینت ہم جنس اور نیک اعتقاد سعادتمندوں کو مرحبا کہ جب غایتِ باریکی اور خفا کے باعث ان نکات ورموز کا جمال جو عقل وفہم سے بالاتر ہے ظہور نہیں کرتا تو اپنی عدم یافت اور اپنے قصور کا اقرار کر کے (آمنّا و) صدقنا کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔ ع

کسے راز ایشاں جز ایشاں نداند (ترجمہ) سوا اُن کے نہ کوئی اُن کو جانے

گویا وہ سب کچھ تسلیم کرتے ہیں اور ابدی سعادت کے نقد ثمرات اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں:

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (بینۃ آیۃ ۸) (یہ (سعادت) اپنے رب سے ڈرنے والوں کے لئے ہے)

ان کج بیں مطالعہ کرنے والوں پر اور سننے والے نکتہ چینوں پر افسوس ہے کہ جو کچھ ان غیبی الہامات میں سے ان کی سمجھ میں آتا ہے اور ان کی طبیعت کے موافق ہوتا ہے وہ اس کلام کو صاحبِ کلام کی طرف سے گفتگو کی مہارت اور خیالی بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس بیان میں سے جو کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تو وہ اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے اپنی عیب جوئی والی زبان دراز کرتے ہیں اور اَلْمَرْءُ لَا يَزَالُ عَدُوًّا لِمَا جَهِلَ (آدمی اس کا دشمن ہوتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا) اس مقولے کے موافق وہ جنگ کا باجا بجاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ یہ عالی گروہ (صوفیہ) ان پوشیدہ رازوں کے اظہار کے درمیان میں نہیں ہوتے ع

ایشاں نیند ایں ہمہ الحان زمطرب است (ترجمہ) وہ خود نہیں کہ نغمہ کی مُطرب سے ہے نمود

اللہ سبحانہٗ ہمارے بھائیوں کو اپنے پوشیدہ عیبوں سے اور صفا کیش پاک دل والوں کے اسرارِ غیب سے واقف کرے اور ان دانائے راز مخلصوں کو ان کے کینے کی پُرفریب زنجیر اور مکر کی قید سے جو وہ اپنے دل اور گردن میں ڈالے ہوئے ہیں رہائی بخشے ——— اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ یہ حضرات ان اسرار کے اظہار کے وقت درمیان میں نہیں ہوتے اس کی دلیل بھی خود صاحبِ اسرار سے سُن لیں۔

ع برحالِ تو ہم حالِ تو برہان و دلیل (ترجمہ) حال ہی حال کے لئے ہے دلیل

جب مکتوبات معدن الفتوحات کی جلد اول جس کا نام "درالمعرفت" ہے اتمام و اختتام کی تاریخ کو پہنچ گئی تو گفتگو کے صاف اور شیریں پانی کے بعض پیاسوں نے خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ اگر حضور کا اشارۂ عالیہ ہو تو یہ اسرار کی تہریں جو اس گوہر بار قلم کے چشمے سے ظہور میں آئی ہیں ان کو جمع کر کے دوسری جلد کا دریا جاری کیا جائے تو بندگانِ حضرت (حضرت مجددؒ) ——— نے

[تحریر شدہ علوم کی مقبولیت کا الہام]

نہایت انکساری اور عاجزی کے ساتھ حق تعالیٰ کے خوف سے ڈرتے ہوئے فرمایا کہ "میں تو اس فکر و حیرت میں ہوں کہ یہ تمام علوم جو بیان و تحریر میں آئے ہیں آیا وہ حق جل و علا کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہیں یا نہیں"؟ ــــ پھر خاموش ہو کر بشارت کے منتظر اور (ملہم حقیقی کے) اشارہ کا انتظار کرنے لگے۔ بعد ازاں دوسرے روز فرمایا کہ گذشتہ شب ندا آئی اور ظاہر کیا گیا کہ "ایں ہمہ علوم کہ نوشتۂ بل ہر چہ گفتگوے تو آمدہ ہمہ مقبول و مرضی است" (یہ تمام علوم جو لکھے گئے یا تمہاری گفتگو میں آئے سب مقبول و پسندیدہ ہیں)۔ اور میرے لکھے ہوئے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "ایں ہمہ ما گفتہ ایم و بیانِ ما است" (یہ سب کچھ ہم نے ہی کہا ہے اور ہمارا ہی بیان ہے)۔ اور اس وقت یہ تمام علوم میری نظر کے سامنے تھے اور میں نے اجمالاً و تفصیلاً ہر ایک پر نظر ڈالی بالخصوص ان علوم پر جن کے بارے میں خود مجھے تردد تھا ان سب کو بھی اسی حکم میں داخل پایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى الْاِحْسَانِ (اس احسان پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے) ــــ لہٰذا "محرم قلم" کو ان "اسرارِ قدم" کے لکھنے میں جاری کر دیا اور جب وہ جلد دوم ننانوے مکتوب پر پہنچ گئی جو "اسماءِ حسنیٰ" کے عدد کے مطابق ہے تو اس کو اسی پر ختم کر دیا گیا جس کا سالِ تاریخ "نور الخلائق" سے ظاہر ہے ــــ بعض مکاتیب کہ اس کے بعد گذارش و صحیفۂ نگارش میں منصۂ شہود پر آئے ان کے بارے میں امیر النسیب و سید الحسیب، قطبِ زمانہ دُرِّ یگانہ، بیت

دُرِ تفرید را بحرے و کانے ــــ تنِ تجرید را روحے و جانے

دم از آئینہ سازد نور زائل ــــ دم او صیقل از آئینۂ دل

(ترجمہ) دُرِ تفرید کے وہ بحر اور کان ــــ تنِ تجرید کے وہ روح اور جان

چمک آئینے کی مِٹ جائے دم سے ــــ مگر دل ہے منور اُن کے دم سے

ایقان و عرفان کی کان یعنی محمد نعمان بن شمس الدین یحییٰ مشہور بہ میر بزرگ بدخشانی سلمہ اللہ و ابقاہ جو حضرت ایشاں (مجدد الفِ ثانیؒ) کے کامل اور بزرگ خلفا میں سے ہیں اور حضرتؒ ہی کے حکمِ عالی سے دکن کے گرد و نواح میں مخلوق کی رہنمائی اور اس طریقۂ عالیہ کے رواج دینے میں مصروف ہیں انھوں نے اس آرزو کا اظہار فرمایا کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو جمع کر کے جلدِ ثالث کے لئے خزانہ مہیا کیا جائے۔ چنانچہ وہ التماس مقبول ہو گئی۔ اور جب مکتوبات تیس ۳۰ سے کچھ زیادہ جمع ہو گئے

تو حضرت سیادت و نقابت پناہ (میر محمد نعمانؒ) اور اس درگاہ کے خادموں کے درمیان ظاہری جدائی حائل ہوگئی اور حضرتِ ایشاں (مجدد الفِ ثانیؒ) کا ضمیر بے نظیر بھی مدت دراز تک کوئی معارف لکھنے اور مکاشفہ بیان کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوا[1]۔ یہانتک کہ خداوند جل شانہ کی تائید اور ہدایت سے چند سال بعد اس ضعیف آرزومند (خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ کہ جس کا نام اِس جلد کے اول مکتوب کے آخری حصے میں (حضرت مجددؒ کے) قلم شریف سے لکھا گیا ہے اس ۱۰۳۰ سنہ میں کہ جس کے عدد لفظ "خاک نشین" سے ظاہر ہیں اس عالی جناب کی خاک نشینی کی سعادت حاصل ہوئی تو اسی وقت حضرت ایشاں کی لسان الغیب کا دریا اور انگلیوں کا چشمہ تقریر کی موج اور تحریر کے جوش میں آیا اور اس غریب نواز (حضرت مجددؒ) نے انتہائی شفقت اور عنایت سے اس کمترین کو ان مسودات کے جمع کرنے اور مسودہ کو بیاض میں نقل کرنے کے لئے ممتاز فرمایا — اور اسی سال میں کہ وہ لفظ "ثالث" سے معین ہے تیسری جلد کے اتمام سے سرفراز ہوا — اور جب مکتوبات کا شمار ایک سو تیرہ تک پہنچا جو حرف "باقی" کے عدد کے موافق ہے اور "تین اعتبار"[2] سے اس کو یہیں ختم کرنا نہایت شایاں اور مناسب تھا اس جلد کو اسی سال کہ جس کا عدد "کاس الراسخین" کے موافق ہے ختم کر دی گئی، اس کے بعد ایک مکتوب جو کہ علومِ جدیدہ اور اسرارِ غریبہ کی تازگی کے ساتھ ظاہر ہوا تھا (حضرت مجددؒ نے) فرمایا اس کو بھی مسکۃ الختام (یعنی اس کو مشک کی مہر) بنایا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس (ایک مکتوب) کے شامل کرنے سے قرآن کریم کی سورتوں کے عدد سے مطابقت عیاں ہوگئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا (اول و آخر ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے) طالبانِ حق کے لئے اس فائدوں سے بھرے خوانِ جان کی خوراک اور ایمان کی قوت حق تعالیٰ کے فضل سے قیامت تک نصیب ہو۔ وَهُوَ يَهْدِي إِلَىٰ سَبِيلِ الرَّشَادِ (اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرنے والا ہے)

---

[1] غالباً اس سے مراد وہ واقعات ہیں جن کی وجہ سے حضرت میر محمد نعمان کو دکن جانا پڑا اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو جہانگیر کے دربار میں حاضر ہونا پڑا اور سجدۂ تعظیمی نہ کرنے کے باعث ماہِ جمادی الآخر ۱۰۲۸ھ قلعہ گوالیار میں آپ کو قید کر دیا گیا تو جلد ثالث کی تکمیل رُک گئی۔

[2] مولانا نور احمد امرتسری "تین اعتبار" کی شرح میں فرماتے ہیں "اعتبارِ اول یہ کہ حضرت خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ کا اسم مبارک ہے۔ دوسرے ان معارف کے قیامت تک "باقی رہنے" کی طرف اشارہ ہے۔ تیسرے مقام "بقا" کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۱۳ + ۹۹ + ۱ = ۴۱۳

مکتوب ۱ اول

بیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمانؒ کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان کے اس سوال کے جواب میں جو حق جل سلطانہٗ کی ذات وصفات اور افعال کی اقربیت کے بارے میں کیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ نے بہت تکلیف اٹھائی حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کی کوشش کو مشکور فرمائے ـــــ چونکہ آپ نے کئی مرتبہ حق جل سلطانہٗ کی ذاتِ واجبی اور افعال وصفات کی اقربیت کے بارے میں دریافت کیا اور اس بیان کے بڑے مشتاق ہیں لہٰذا ضرورت کے مطابق اظہار کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ہر شئے اپنی اصل کے ساتھ ایک شئے ہے اور اس شئے کی ماہیت کے ثبوت کے لئے کسی بنانے والے کی بناوٹ درکار نہیں بلکہ شئے کا ثبوت خود اس کے نفس کے لئے ضروری ہے، اسی وجہ سے (فلاسفہ) کہتے ہیں کہ نفسِ ماہیات میں جعل (بناوٹ) ثابت نہیں اور ماہیات مجعول (بنی ہوئی) نہیں ہیں، جعلِ جاعل (بنانے والے کی بناوٹ) وجود کی ماہیات کی صفت پیدا کرنے کے لئے درکار ہے (مثلاً) رنگریز کا فعل کپڑے کے رنگنے کے وصف میں ہے نہ کہ کپڑے کو کپڑا بنائے یا رنگ کو رنگ بنائے، کیونکہ یہ محال ہے اور تحصیل حاصل ہے۔ لہٰذا نفسِ شئے میں جعل نہیں ہوا بلکہ اس شئے کے وجود کے ساتھ متصف ہونے میں ہوا۔ پس ثابت ہوا کہ شئے اپنی ماہیت کے ساتھ شئے ہے، اور یہ معنی نظرِ کشفی میں ظلِ شئے وعکسِ شئے میں مفقود ہیں کیونکہ کسی شئے کا عکس اور ظل اپنی عکسی وماہیت سے ظل اور عکس نہیں ہے بلکہ اپنے اصل کی ماہیت سے ظل اور عکس ہو گیا ہے کیونکہ ظل کوئی ماہیت نہیں رکھتا بلکہ اسی اصل کی ماہیت ہے جس نے ظل میں خود کو ظاہر کیا ہے لہٰذا ظل کے لئے اس کے اپنے نفس سے اس کا اصل ظل زیادہ قریب ہوگا کیونکہ ظل اپنی اصل سے ظل ہے نہ کہ اپنے نفس سے۔

اور جبکہ تمام عالم واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کے افعال کے ظلال اور عکوس ہیں تو لازمی طور پر یہ افعال جو کہ عالم کے اصول ہیں عالم سے زیادہ قریب ہوں گے اور اسی طرح جبکہ افعال واجب تعالیٰ کی صفات کے ظلال ہیں تو یقیناً

سلہ آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر درج ہے۔

عالم کے صفات عالم سے اور ان اصولِ عالم سے جو کہ افعال ہیں زیادہ قریب ہوں گے کیونکہ وہ اصل الاصول ہیں، اور جبکہ صفات بھی حضرت ذات تعالیٰ کی ظلال ہیں اور حضرت ذات جل سلطانہ، تمام اصولوں کی اصل ہے تو یقیناً حضرت ذات تعالیٰ عالم سے عالم کی نسبت اور افعال وصفات واجب تعالیٰ کی نسبت زیادہ قریب ہے۔

یہ ہے اس تعالیٰ کی اقربیت کا بیان جو تحریر و بیان میں آسکتا ہے۔ عقلاء اگر انصاف سے کام لیں تو امید ہے کہ اس معنی کو قبول کر لیں گے، اور اگر قبول نہ کریں تو بھی کوئی غم نہیں کیونکہ بحث سے خارج ہیں۔ اور چونکہ اس بیان میں عقلی مقدمات بھی درج ہیں اس لئے اگر سیادت پناہ میر شمس الدین علی کو بھی اس مکتوب کے مطالعہ میں شریک کر لیں تو اس کی گنجائش ہے۔

آپ نے تحریر کیا تھا کہ مکتوبات کی جلد ثالث شروع کر دی جائے۔ تو آپ ایسا ہی کریں کیونکہ اہل اللہ جس کام میں صلاح دیکھتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس میں برکت ہو۔ اور جب آپ میر مشارٌ الیہ (میر شمس الدین علی) کو یہ کام سپرد کر دیں تو ان سے فرما دیں کہ متعدد نسخے تیار کریں اور اس کی ایک نقل سرہند بھیج دیں۔ اور مسودات کو حفاظت سے رکھیں، شاید ان کی ضرورت پڑ جائے۔

دوسرے یہ کہ فقیر آپ کے جانے اور رہنے کے بارے میں حیران ہے کیونکہ آپ کی ملاقات کے لئے بہت زیادہ خواہشمند ہے اس لئے آپ کے جانے کے لئے لب کشائی نہیں کر سکتا اور نہ آپ کے رہنے کے بارے میں رہنمائی کر سکتا ہے مبادا آپ کے قیام سے بہت لوگوں کی مصلحتیں فوت ہو جائیں۔ البتہ اگر آپ تشریف لے جائیں تو خواجہ محمد ہاشم[1] کو ہماری طرف بھیجدیں کہ چند روز صحبت میں رہے اور بعض علوم و معارف کو اخذ کرے چونکہ بظاہر جوان قابل نظر آتا ہے اور مشارٌ الیہ (خواجہ محمد ہاشم) آپ کا تربیت یافتہ ہے اور آپ کے مذاق سے بھی واقف ہے اس لئے اپنے سوالوں کو بھی اس کے حوالے فرمائیں تاکہ وہ جواب حاصل کر کے آپ کی خدمت میں پہنچائے۔ والسلام

حضرات جامع الاسرار والعلوم مخدوم زادگانِ گرامی خواجہ محمد سعید[1] و خواجہ محمد معصوم[2] سلمہا اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا وعظ و نصیحت کے طور پر مخلوق سے ———

[1] آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر ہے اور [2] آپ کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر ہے۔
[3] گوالیار کے قلعہ سے تحریر فرمایا۔

حق تعالیٰ کی ذات واجبی اور افعال وصفات کی اقربیت

قطع تعلق کرنے اور حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی جناب کے ساتھ وسیلہ کرنے کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَفِی الْیُسْرِ وَالْعُسْرِ وَفِی النِّعْمَۃِ وَالنِّقْمَۃِ وَفِی الرَّحْمَۃِ وَالزَّحْمَۃِ وَفِی الشِّدَّۃِ وَالرَّخَاءِ وَفِی الْعَطِیَّۃِ وَالْبَلَاءِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ مَّا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِّثْلَ اِیْذَائِہٖ وَمَا ابْتُلِیَ رَسُوْلٌ نَحْوَ ابْتِلَائِہٖ لِھٰذَا صَارَ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ وَسَیِّدَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ (خوشی ہو یا غمی، آسانی ہو یا تنگی، نعمت ہو یا عذاب، رحمت ہو یا زحمت، دکھ ہو یا سکھ، عطا ہو یا بلا (غرض ہر حال میں) اللہ رب العالمین کی حمد ہے، اور صلوۃ و سلام ہو اس نبیؐ پر جس کی مانند کسی نبی کو ایذا میں مبتلا نہیں کیا گیا، اسی لئے آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت اور اولین و آخرین کے سردار ہوئے)۔

فرزندانِ گرامی! اگرچہ ابتلا و مصیبت کا وقت تلخ و بے مزہ ہوتا ہے لیکن اگر (اس میں) فرصت دیدیں تو غنیمت ہے۔ چونکہ تم کو اس وقت فرصت مل گئی ہے لہذا اللہ جل شانہٗ کی حمد بجالائیں اور اپنے کام میں مشغول رہیں اور ایک لمحہ یا ایک لحظہ کے لئے بھی آرام و فراغت کو اپنے لئے پسند نہ کریں اور چاہئے کہ تین[۳] چیزوں میں سے کسی ایک میں ضرور مشغول رہیں — (۱) قرآن مجید کی تلاوت — (۲) طویل قرأت کے ساتھ نماز — (۳) اور کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تکرار — چاہئے کہ کلمۂ لَا سے اپنے نفس کی خواہشوں کے اِلٰہ (معبود) کی نفی کریں اور اپنی مرادوں اور مقاصد کو دور کریں کیونکہ اپنی مراد کا طلب کرنا اپنی خدائی کا دعویٰ کرنا ہے۔ لہذا چاہئے کہ کسی بھی مراد کی سینے کے میدان میں گنجائش نہ ہو اور خیال میں بھی کوئی ہوس باقی نہ رہے تاکہ بندگی کی حقیقت ثابت ہو جائے — — اپنی مراد کا چاہنا اپنے مولا کی مراد کے رد کرنے کو مستلزم ہے اور اپنے مولا سے مقابلہ کرنا ہے یہ بات اپنے مولا کی نفی کے لئے مستلزم اور اپنے مولا ہونے کے اثبات میں ہے۔ اس بات کی برائی کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اپنے دعوائے الوہیت کی اس درجہ نفی کریں کہ ہوا و ہوس سے مکمل طور پر پاک ہو جائیں اور مولیٰ تعالیٰ کی مراد کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے۔ اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے امید ہے کہ ان مصیبت کے دنوں میں اور امتحان کے اوقات میں یہ بات آسانی سے میسر آجائے گی ورنہ اس زمانے کے علاوہ یہ ہوا و ہوس سدِّ سکندری کی طرح موانعِ عظیمہ ہے۔ چاہئے کہ گوشہ میں بیٹھ کر اس کام میں مشغول رہیں کہ یہ فرصت غنیمت ہے۔ فتنوں کے زمانے میں تھوڑے کام کو بہت اجرت کے عوض قبول کر لیتے ہیں اور فتنے کے زمانے کے علاوہ سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہوتے ہیں۔ اطلاع دینا ضروری ہے

فرصت کے اوقات میں تین کام

اپنی مراد کی حقیقت

راضی برضا

شاید ملاقات ہو یا نہ ہو، بس یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد و ہوس باقی نہ رہے ——— اپنی والدہ کو بھی اس بات کی اطلاع دیدیں اور اُن کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیں۔ چونکہ اس دنیا کے حالات بہر حال گزر جانے والے ہیں اس لئے ان کو کیا بیان کروں ——— چھوٹوں پر شفقت رکھیں اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دیں اور جہانتک ممکن ہو تمام اہلِ حقوق کو ہماری طرف سے راضی کر دیں، اور ایمان کی سلامتی کی دعا سے ممد و معاون رہیں۔

مکرر تاکید کے ساتھ یہی لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بے فائدہ کاموں میں ضائع نہ کریں اور ذکرِ الٰہی جل شانہٗ کے علاوہ کسی کام میں مشغول نہ ہوں اگرچہ وہ کتابوں کا مطالعہ اور طلبا کے ساتھ تکرارِ علم ہی کیوں نہ ہو۔ اب ذکر کا وقت ہے ——— تمام خواہشاتِ نفسانی کو جو کہ معبودانِ باطل ہیں کلمۂ "لا" کے تحت لاکر تمام (خواہشات) کی نفی کریں تاکہ کوئی مراد اور کوئی مقصود سینے میں باقی نہ رہے حتیٰ کہ میری (قید سے) رہائی بھی جو کہ تم لوگوں کے اہم مقاصد میں سے ہے وہ بھی تمہاری مراد نہ ہو۔ بس تقدیر اور اس تعالیٰ کے فعل و ارادہ پر راضی رہیں اور کلمۂ طیبہ کے اثبات کی جانب میں غیبِ ہویت (حق تعالیٰ کی ذات) کے سوا جو کہ معلومات و خیالات سے وراء الوراء ہے کوئی چیز باقی نہ رہے۔

حویلی[1]، سرائے، کنواں، باغ، کتابیں اور دوسری تمام اشیاء کا غم بیکار ہے ان میں سے کوئی چیز بھی تمہارے وقت میں مزاحم نہ ہونی چاہئے اور حق جل و علا کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد و مرضی نہ ہو اگر ہم مرجائیں تو یہ چیزیں بھی ہم سے چھوٹ جائیں گی، اگر ہماری زندگی میں چلی گئیں تو کوئی فکر کی بات نہیں۔ اولیاءؒ نے ان تمام چیزوں کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے ہم حق تعالیٰ کی مرضی اور اختیار سے ان چیزوں کو چھوڑ دیں اور شکر بجالائیں تو امید ہے کہ مخلصین میں سے ہو جائیں گے ——— جہاں تم بیٹھے ہو[2] اسی کو اپنا وطن خیال کرو، چند روزہ زندگی ہے جہاں بھی گذرے حق جل شانہٗ کی یاد میں گذرے۔ دنیا کا معاملہ آسان ہے (اس کو چھوڑ کر) آخرت کی طرف متوجہ رہیں اور اپنی والدہ کو تسلی دیں اور آخرت کی ترغیب دلائیں۔ اگر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے کی ملاقات ہو جائے ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہیں اور دعا کریں کہ دار السلام (جنت) میں ہم سب جمع ہوں، اور حق تعالیٰ کے کرم سے دنیا کی ملاقات کی تلافی کو آخرت کے حوالہ کریں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (ہر حال میں اللہ تعالیٰ

[1] حضرت مجددؒ کے قید ہونے پر یہ چیزیں بھی قبضے سے نکل گئیں۔ [2] گویا اب متعلقین بھی سرہند میں نہیں تھے۔

سیادت مآب میر محب اللہ[۱] مانک پوری کی طرف کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی کے بیان میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (یعنی کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جو الوہیت و معبودیت کا حق رکھتی ہو سوائے اس بے مثل و بے مانند خدائے جل شانہٗ کے جو واجب الوجود ہے اور نقص و حدوث کے تمام نشانات سے منزہ و مبرا ہے کیونکہ عبادت جو کمال درجہ ذلت، خضوع اور انکساری سے مراد ہے اس کا مستحق وہی ہے جس کے لئے تمام کمالات ثابت ہیں اور جو تمام نقائص سے پاک ہے اور تمام اشیاء اپنے وجود اور توابع وجود (یعنی صفات و افعال) میں اسی کی محتاج ہیں اور وہ کسی بھی امر میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہے اور نفع و نقصان بھی اسی کی طرف سے ہے اور کوئی چیز بھی اس کی اجازت کے بغیر کسی کو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتی، ایسی کامل صفات والی ہستی حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اگر کوئی دوسرا ان صفاتِ کاملہ کے ساتھ بغیر کمی و زیادتی کے ثابت ہو جائے تو وہ غیر نہ ہوگا اس لئے کہ لِاَنَّ الْغَیْرَیْنِ مُتَمَائِزَانِ وَلَا تَمَایُزَ ثَمَّۃَ (کیونکہ دو غیر ایک دوسرے سے متمیز ہوتی ہیں اور یہاں کوئی تمیز و جدائی باقی نہیں) ———

اور اگر ہم غیریت کا اثبات تمیز کے اثبات کے ساتھ کریں تو اس کا نقص لازم آتا ہے جو الوہیت اور معبودیت کے منافی ہے کیونکہ اگر ہم تمام کمالات اس کے لئے ثابت نہ کریں جس سے ان میں تمیز پیدا ہو تو بھی اس کا نقص لازم آتا ہے اور اسی طرح اگر تمام نقائص اس سے دور نہ کریں تو بھی نقص لازم رہتا ہے اور اگر تمام اشیا اس کی محتاج نہ ہوں تو وہ ان کے لئے کس طرح عبادت کا مستحق ہوگا۔ اور اگر وہ اشیا میں سے کسی شے کا یا کاموں میں سے کسی کام میں بھی کسی کا محتاج ہو تو وہ ناقص ہوگا۔ اور اسی طرح اگر وہ نفع و نقصان پہنچانے والا نہ ہو تو تمام اشیا کس طرح اس کی محتاج ہوں گی اور وہ عبادت کا مستحق کیسے ٹھہرے گا۔ اور اگر کوئی اس کی اجازت کے بغیر کسی شے کو ضرر اور

[۱] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۰۲ پر گذر چکا ہے۔

نفع پہنچا سکتا ہو تو وہ بیکار ہوگا اور عبادت کا مستحق نہیں رہے گا۔ پس ان صفاتِ کاملہ کا جامع صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی کوئی اس واحد القہار کے علاوہ عبادت کا مستحق ہے۔

سوال: ان صفات کا امتیاز جس طرح بیان کیا گیا ہے اگرچہ وہ نقص کو مستلزم ہے جو الوہیت اور معبودیت کے منافی ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ غیر کچھ دوسری صفات رکھتا ہو جو امتیاز کا باعث ہوں اور کوئی نقص بھی لازم نہ آئے۔ اگرچہ ہم نہیں جانتے کہ وہ صفات کیا ہیں؟۔

جواب: وہ صفات بھی دو حال سے خالی نہیں ہیں یا تو صفاتِ کاملہ ہوں یا صفاتِ ناقصہ۔ ہر صورت میں وہی مذکورہ بالا محذور (جس سے بچا جائے) لازم آتا ہے، اگرچہ ہم ان صفات کو خصوصیت کے ساتھ نہیں جانتے کہ کیا ہیں لیکن اس قدر معلوم ہے کہ وہ کمال و نقص کے دائرہ سے خارج نہیں ہیں اور ہر صورت میں نقص دامنگیر ہے جیسا کہ بیان کیا گیا۔

اور دوسری دلیل حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا معبودیت کے عدم استحقاق کی یہ ہے کہ وہ تعالیٰ ہر جگہ اور ہر وقت تمام ضروریاتِ وجودی اور توابع وجودی اشیا میں کافی ہے اور اس سبحانہٗ کے ساتھ تمام اشیاء کا نفع نقصان بھی وابستہ ہے اور دوسرا محض بیکار و لاحاصل ہے اور اشیا کو بھی اس کی طرف کوئی احتیاج نہیں، پھر عبادت کا استحقاق اس کے لئے کیسے ہوسکتا ہے اور اشیا اس سے کس لئے ذلت، خضوع اور انکساری کے ساتھ پیش آئیں گی۔

کفار بدکردار، غیر حق سبحانہٗ کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بتوں کو اپنا معبود بناتے ہیں۔ اپنے اس فاسد زعم کی بنا پر کہ یہ بت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے حضور میں ہماری سفارش کریں گے اور ہم کو ان کے توسل سے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا ——— یہ لوگ کیسے بے وقوف ہیں اور انہوں نے کہاں سے یہ جان لیا ہے کہ ان بتوں کو شفاعت کا مرتبہ حاصل ہوگا اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو شفاعت کی اجازت دے گا۔ محض وہم کی بنا پر کسی کو حق جل وعلا کی عبادت میں شریک کرنا انتہائی بدنصیبی اور خسارہ کی بات ہے۔ عبادت آسان کام نہیں ہے جو ہر سنگ و جماد (پتھر اور بے جان) چیز کی عبادت کی جائے، اور ہر عاجز چیز کو بلکہ اپنے سے بھی عاجز کو عبادت کا مستحق تصور کرلیا جائے۔ الوہیت کے معنیٰ کے بغیر عبادت کا استحقاق متصور نہیں ہے بلکہ وہی عبادت کا مستحق ہے جو الوہیت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور جس کو یہ صلاحیت

حاصل نہیں ہے اس کو یہ حق بھی نہیں۔ اور الوہیت کی صلاحیت وجوب وجود کے ساتھ وابستہ ہے لہذا جو وجوب وجود نہیں رکھتا وہ الوہیت کا سزاوار اور عبادت کا مستحق بھی نہیں ہے ــــــ یہ لوگ کتنے بے عقل ہیں کہ وجوب وجود میں تو حضرت حق سبحانہٗ کا شریک نہیں جانتے لیکن عبادت میں اُس تعالیٰ کی شرکت کا اثبات کرتے ہیں اور اتنا نہیں جانتے کہ وجوب وجود استحقاقِ عبادت کی شرط ہے، اور جب وجوب وجود میں کوئی شریک نہیں تو عبادت کے استحقاق میں بھی کوئی شریک نہیں ہے، استحقاقِ عبادت میں کسی کو شریک کرنا وجوب وجود میں شریک کرنے کو مستلزم ہے، لہذا اس کلمۂ طیبہ کی تکرار کے ساتھ وجوب وجود کے شریک کی بھی نفی کرنی چاہیئے، بلکہ استحقاقِ عبادت کے شریک کی نفی بھی بہت ضروری ہے کیونکہ اس راہ میں استحقاقِ عبادت کے شریک کی نفی بہت زیادہ ضروری اور نفع بخش ہے اس لئے کہ یہ نفی انبیاء علیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات کی دعوت کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ مخالفین جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ملّت کو لازم نہیں جانتے وہ بھی عقلی دلائل کے ذریعے وجوب وجود کے شریک کی نفی کرتے ہیں اور واجب الوجود سوائے ایک ذات جل شانہٗ کے کسی کو نہیں جانتے، لیکن استحقاقِ عبادت کے معاملے سے غافل ہیں اور استحقاقِ عبادت کے شریک کی نفی سے بھی فارغ ہیں، وہ غیر کی عبادت سے بھی پرہیز نہیں کرتے اور دیر و بت خانہ کی تعمیر سے بھی باز نہیں آتے، حالانکہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات بت خانوں کو گراتے ہیں اور غیر کی عبادت کے استحقاق کو ختم کرتے ہیں۔ ــــــ ان بزرگوں کی زبان میں مشرک وہ شخص ہے جو غیرِ حق سبحانہٗ کی عبادت میں گرفتار ہے اگرچہ وہ وجوب وجود کے شریک کی نفی کا قائل ہے کیونکہ ان کا اہتمام حق سبحانہٗ کے ماسوا کی عبادت کی نفی ہے جو عمل اور معاملہ سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں وجوب وجود کے شریک کی بھی نفی لازم آتی ہے - لہذا جب تک کوئی شخص ان بزرگوں (انبیاء) علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کے ساتھ جو ماسوی کی عبادت کے استحقاق کی نفی کی خبر دیتے ہیں متحقق نہ ہو جائے اس وقت تک شرک سے نجات حاصل نہیں کر سکتا اور آفاقی و انفسی معبودوں کی عبادت کے شرک سے خلاصی نہیں پا سکتا کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعتیں اسی معنی اور مسلک کی ضامن ہیں، بلکہ ان کی بعثت کا مقصود ہی اس دولت کا حصول ہے اور ان بزرگوں کی شریعتوں کے بغیر اس شرک سے نجات میسر نہیں ہوتی، اور ان علیہم الصلوات والتحیات کی ملت کو لازم کئے بغیر

مشرک وہ ہے جو غیر حق کی عبادت میں گرفتار ہے

توحید ممکن نہیں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ (نساء آیت ۴۸)
(بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت نہیں فرمائے گا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک کرے)۔

آیتِ کریمہ کا حقیقی مطلب تو اللہ سبحانہٗ ہی جانتا ہے، ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ (حق تعالیٰ) اس کو نہیں بخشے گا جو شریعتوں کا التزام نہیں کرے گا کیونکہ شریعت کو (اپنے اوپر) لازم نہ کرنا شرک کو لازم کرنا ہے۔ پس اس آیت میں ملزوم کو ذکر کر کے لازم مراد لیا ہے۔ اس بات سے یہ وہم بھی دور ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ جس طرح شرک نہیں بخشا جاتا اسی طرح تمام شریعتوں کا انکار بھی نہیں بخشا جائے گا تو پھر شرک کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ کے معنی اَنْ یُّکْفَرَ بِہٖ (کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے) کے ہوں، اس لئے کہ شرائع کا انکار، اللہ سبحانہٗ کا انکار ہے لہذا وہ بھی نہیں بخشا جائے گا۔ اور شرک و کفر کے درمیان خصوص و عموم کا علاقہ (نسبت) ہے۔ یعنی شرک، کفر میں سے ایک خاص قسم کا کفر ہے۔ پس (حق تعالیٰ نے) خاص کا ذکر کیا لیکن عام مراد لیا۔ اس صورت میں بھی یہ وہم دور ہو جاتا ہے کہ جس طرح شرک نہیں بخشا جائے گا اسی طرح تمام شریعتوں کا انکار بھی نہیں بخشا جائے گا پھر کفر کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

جاننا چاہیئے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا غیر کی عبادت کا عدم استحقاق بدیہی (ظاہر و باہر) ہے (کسی دلیل کی ضرورت نہیں) اور کم سے کم حدس (سمجھ دار آدمی) کے لئے جو عبادت کے معنی خوب سمجھتا ہو وہ حق سبحانہٗ کے غیر میں بھی اچھی طرح غور کرتا ہو تو وہ بلا توقف غیر کے لئے عبادات کے عدم استحقاق کا حکم کرے گا کیونکہ وہ مقدمات جو اس معنی کے بیان میں لائے گئے ہیں وہ شبہات کی قسم سے ہیں جو بدیہیات پر کرتے ہیں۔ لہذا ان مقدمات پر نقض و مناقضہ اور معارضہ کرنا مناسب نہیں ہے، نورِ ایمان ہونا چاہیئے تاکہ ان مقدمات کو فراست کے ساتھ سمجھ سکے۔ بہت سی بدیہیات ایسی ہیں جو کم فہموں اور بے وقوفوں پر پوشیدہ رہتی ہیں، اور اسی طرح ان لوگوں پر بھی جو مرضِ ظاہر اور علتِ باطن میں گرفتار ہیں ان پر بھی یہ ظاہری اور باطنی بدیہیات پوشیدہ رہتی ہیں۔

سوال: مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارت میں واقع ہے کہ جو کچھ بھی تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے۔ اس عبارت کے کیا معنی ہیں اور اس کی وجہ صداقت کیا ہے؟۔

جواب: آدمی کا مقصود وہی ہوتا ہے جس کی طرف اس کی توجہ ہوتی ہے اور وہ شخص

جب تک زندہ رہتا ہے اس مقصود کے حصول میں اپنے آپ کو معاف نہیں کرتا اور ہر قسم کی ذلت و انکساری جو بھی اس کے حصول میں پیش آئے برداشت کرتا ہے اور ذرا بھی سستی نہیں کرتا اور یہی معنی عبادت کا ماحصل ہے جو کہ کمال درجہ ذلت و انکساری کی خبر دیتا ہے۔ لہٰذا کسی شے کی مقصودیت اس شے کی معبودیت کو مستلزم ہے، پس غیر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی معبودیت کی نفی اس وقت متحقق ہوتی ہے جب حق سبحانہٗ جل و علا کے علاوہ کوئی مقصود باقی نہ رہے اور اس کی مراد اس تعالیٰ کے سوا کوئی اور چیز نہ ہو۔ اس دولت کے حاصل کرنے میں سالک کے حال کے مناسب کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنی لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہ ہیں (یعنی اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں ہے)۔ کچھ عرصہ تک اس کلمہ طیبہ کی تکرار کرنی چاہئے کہ غیر کی مقصودیت کا نام و نشان مٹ جائے اور سوائے اس تعالیٰ کے کوئی چیز مراد نہ رہے تاکہ غیر کی معبودیت کی نفی میں صادق ہو اور بکثرت معبودوں کے دور کرنے میں حق بجانب ہو۔ اور بکثرت معبودوں کی اس طرح نفی کرنا اور مقصودیت کی نفی سے معبودیتِ غیر کی نفی کرنا کمالِ ایمان کی شرط ہے جو ولایت سے وابستہ ہے، اور خواہشات کے معبودوں کی نفی کے ساتھ متعلق ہے۔ جب تک نفس مطمئنہ نہ ہو جائے یہ معنی متوقع نہیں ہیں اور اطمینانِ نفس فنا و بقا کے کمال کے بعد متصور ہے۔

اور ظاہر روشن شریعت جو آسانی اور سہولت پر مبنی ہے اور بندوں کی تکلیف و تنگی کو دور کرنے والی ہے کیونکہ بندے ضعیف و کمزور پیدا کئے گئے ہیں لہٰذا اگر انسان کسی مقصود کے حاصل کرنے میں العیاذ باللہ سبحانہٗ، اگر شریعت کے حلقہ سے باہر نکل گیا اور اس کے حصول میں حدودِ شرعیہ سے تجاوز کر گیا تو وہ مقصود اس کا معبود ہو گیا اور اس کا اِلٰہ بن گیا۔ اور اگر وہ مقصود ایسا نہیں ہے اور اس کے حاصل کرنے میں شریعت کی ممنوعات کا ارتکاب نہ کرے تو وہ مقصود شرعی طور پر ممنوع اور محذور نہیں ہے گویا وہ مقصود اس کے مقاصد میں سے اور وہ مطلوب اس کے مطالب میں سے نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اس کا مقصود حق سبحانہٗ ہے اور اس کا مطلوب اس تعالیٰ کی شریعت کے اوامر و نواہی ہیں۔ اور اس مقصودِ شے میں طبعی رغبت سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور وہ بھی احکامِ شرعیہ سے مغلوب ہے۔ اور حقیقتِ شریعت جو کمالِ ایمان پر دلالت کرتی ہے غیر کی مقصودیت کے مادہ کو ختم کرنا چاہتی ہے۔

کیونکہ غیر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مقصودیت کی تجویز میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نفسانی

ہوا و ہوس کے غلبہ کی مدد کی وجہ سے غیر کی مقصودیت حق سبحانہ وتعالیٰ کی مقصودیت سے مقابلہ کرتی ہے بلکہ اس کے حصول کو حق جل و علا کی مرضی کے اوپر اختیار کرلیتی ہے اور ابدی خسارہ حاصل کرلیتی ہے۔

پس غیر کی مقصودیت کی مکمل طور پر نفی ایمان کے کامل کرنے میں ضروری ہے تاکہ زوال اور رجوع سے مامون و محفوظ رہے ـــــــ ہاں بعض خوش نصیبوں کو نفیِ ارادہ اور رفعِ اختیار کے بعد صاحب اختیار و ارادہ بنا دیتے ہیں اور اس جزئی اختیار و ارادہ کو اس سے دُور کرکے کلی طور پر صاحبِ اختیار و ارادہ بنا دیتے ہیں۔ اس معنی کی تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے مکتوب میں کی جائے گی۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (تحریم آیت ۸ ۶۶) (اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے نور کو کامل کردے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالْبَرَكَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰی علیہ وعلی جمیع الانبیاء الصلوات والتحیات والتسلیمات والبرکات اتمہا واکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)۔

۳۱۳ + ۹۹ + مکتوب ۴ چہارم = ۴۱۶

یا دشتا رشاد پناہ میر محمد نعمان[1] کی طرف آیۂ کریمہ لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کی تاویل میں صادر فرمایا۔

آیۃ لا یمسہ کی تاویل

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (واقعہ آیت ۷۷ تا ۷۹ ۵۶) (بلاشبہ یہ بڑے مرتبے والا قرآن ہے جو کتاب محفوظ میں لکھا ہوا ہے جس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوتا) ـــــــ اس آیۂ کریمہ کی (حقیقی) مراد تو اللہ سبحانہٗ ہی جانتا ہے البتہ وہ رمز (راز) جو اس مقام میں (فقیر کی) فہم قاصر میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے پوشیدہ اسرار تک وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو بشریت کے تعلقات کی آلودگی سے پاک ہوگئے ہوں۔ اور جب قرآنی اسرار کا مساس (چھونا) پاک لوگوں کا حصہ ہو تو پھر دوسروں کو کیا حاصل ہوگا ـــــــ اور دوسرا راز یہ ہے کہ نہیں پڑھیں قرآن کو یعنی نہیں چاہئے کہ پڑھیں قرآن کو مگر وہ لوگ جن کے نفوس ہوا و ہوس سے مزکی و پاک ہوگئے ہوں اور شرک جلی و خفی اور آفاقی و انفسی معبودوں سے مطہر (پاک) ہوگئے ہوں

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر درج ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ مبتدیٔ سلوک کے حال کے مناسب ذکر کرنا اور ماسوائے مذکور کے ہر چیز کی نفی کرنا ہے یہاں تک کہ ماسوا میں سے اس کے علم میں کچھ بھی نہ رہے، اور حق سبحانہ کے علاوہ اس کی کوئی مراد نہ ہو۔ اگر تکلف کے ساتھ بھی اشیاء یاد دلائیں تو بھی اس کو یاد نہ آئیں اور اس کا مقصود نہ ہوں۔ اور جب ایسا حال ہو جائے تو وہ شرک سے پاک اور آفاقی و انفسی معبودوں سے آزاد ہو جائے گا، اس وقت اس کے لئے مناسب ہے کہ بجائے ذکر کے تلاوتِ قرآن کرے اور تلاوت کی دولت کے ذریعے ترقی حاصل کرے۔ اس حالتِ مذکورہ کے حاصل ہونے سے پہلے تلاوتِ قرآن کرنا ابرار کے اعمال میں داخل ہے اور اس حالت کے حصول کے بعد تلاوتِ قرآن مقربین کے اعمال میں سے ہے مگر یعنی) ابرار کے اعمال جملہ عبادات سے ہیں اور مقربین کے اعمال جملہ تفکرات کی قسم سے ہیں۔ تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ اَوْ سَبْعِيْنَ سَنَةٍ[1] (ایک ساعت کا تفکر ایک سال یا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے) آپ نے سنا ہو گا ـــــ اور تفکر سے مراد باطل کو چھوڑ کر حق میں مستغرق ہونا ہے۔ جسقدر ابرار و مقربین کے درمیان فرق ہے اسی قدر ان کی عبادت و تفکر کے درمیان بھی فرق ہے ـــــ جاننا چاہئے کہ مبتدی کا وہ ذکر جو مقربین کے اعمال میں شمار ہوتا ہے، وہ ہے جو اس نے شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو اور اس کا مقصود سلوکِ طریقت ہو، ورنہ وہ ذکر بھی ابرار کے اعمال کی قسم سے ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اور اللہ سبحانہ ہی بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ و علیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات اتمہا و اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)۔

مکتوب ۵ پنجم

۳۱۳ + ۹۹ + ۵ = ۴۱۷

یہ مکتوب بھی سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ـــــ حضرت مجددؒ کے بعض خاص احوال و اذواق کے بیان میں جو (قلعۂ گوالیار میں قید و بند کے) بعض مصائب کے ذریعے ظہور میں آئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ پوشیدہ نہ رہے کہ جبتک اللہ سبحانہ کی عنایت سے کہ وہ عنایت حق تعالیٰ نے جلال و غضب کی صورت میں تجلّی فرمائی تھی میں قیدخانہ کے قفس میں قید نہ ہوا

[1] ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کو شرح شمائل میں ذکر کیا ہے۔

تب تک ایمانِ شہودی کے تنگ کوچہ سے پوری طرح آزادی نہیں ملی، اور خیال و مثال کے ظلالی کوچوں سے پورے طور پر باہر نہ آیا، اور ایمان بالغیب کی شاہراہ میں مطلق العنان (کُلّی طور پر آزاد ہو کر) نہ دوڑا، اور حضور سے غیب کے ساتھ اور عین سے علم کے ساتھ اور شہود سے استدلال کے ساتھ کامل طور پر نہ ملا اور ذوقِ کامل اور وجدانِ بالغ کے ساتھ دوسروں کے ہُنر کو عیب اور ان کے عیب کو ہُنر معلوم نہ کیا اور فراخی و عزت کے خوشگوار شربت اور خواری و رسوائی کے مزے دار مربّے نہ چکھ سکا، اور مخلوق کے طعن و ملامت کے جمالی کا حظ نہ پایا، اور لوگوں کے بَلا و جفا کے حُسن سے محظوظ نہ ہوا، مُردے کی طرح غسّال کے ہاتھوں میں پوری طرح ہو کر اپنے ارادہ و اختیار کو ترک نہ کر سکا، اور آفاق و انفس کے تعلقات کے رشتوں کو کامل طور پر نہ توڑا، اور تضرع و التجا، انابت و استغفار اور ذلت و انکسار کی حقیقت کو حاصل نہ کیا، اور حضرتِ حق سبحانہٗ کے بلند مرتبہ کی ترازو جو عظمت و کبریائی کے پردوں میں پوشیدہ ہے مشاہدہ نہ کیا اور اپنے آپ کو بندۂ خوار و زار و ذلیل و بے اعتبار اور بے ہنر و بے اقتدار اور کامل محتاج و فقیر معلوم نہ کیا، وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (یوسف ۱۲ آیت ۵۳) (اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا بیشک نفس تو بہت زیادہ برائی کی طرف حکم کرنے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے، بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے)۔

قید کے مصائب پر انعامات

اگر محض حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کے فضل و کرم سے فیوض و واردات اور اُس سبحانہٗ کے نامتناہی عطیات و انعامات پے در پے اس محنت کدہ (قید خانہ) میں اس شکستہ دل کے شاملِ حال نہ ہوتے تو قریب تھا کہ معاملہ ناامیدی کی حد تک پہنچ جاتا اور امید کا رشتہ ٹوٹ جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ جس نے اس فقیر کو عین بلا میں عافیت عطا فرمائی اور نفس کی جفائیں مجھ پر کرم فرمایا اور سختی کی حالت میں احسان کیا اور خوشی و تکلیف میں شکر کی توفیق بخشی، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تابعداروں اور اولیاء کرام کے نقشِ قدم پر چلنے والوں اور علماء و صلحا سے محبت کرنے والوں میں سے بنا دیا۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَسْلِیْمَاتُہٗ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ اَوَّلًا وَعَلٰی مُصَدِّقِیْھِمْ ثَانِیًا (اول انبیاء پر اور پھر ان کی تصدیق کرنے والوں پر اللہ سبحانہٗ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام ہو)۔

+۹۹+۳۱۳ **مکتوب ۶** ششم = ۴۱۸

معارف آگاہ شیخ بدیع الدین[1] کی طرف (قید خانے سے) صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ محبوب کی طرف سے تکلیف اس کے انعام سے اور اس کا جلال اس کے جمال سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ صحیفۂ شریفہ جو آپ نے شیخ فتح اللہ کی معرفت بھیجا تھا موصول ہوا۔ آپ نے مخلوق کی جفا و ملامت کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا، یہ (ملامتِ مخلوق) خود اس گروہ (صوفیہ) کے لئے جمال ہے اور ان کے زنگار کے لئے صیقل ہے پھر قبض و کدورت کا باعث کیوں ہو؟ - ابتداءِ حال میں جب یہ فقیر (بحکم جہانگیر) اس قلعۂ (گوالیار) میں پہنچا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مخلوق کی ملامت کے انوار شہروں اور بستیوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے (میری طرف) پہنچ رہے ہیں اور کام کو پستی سے بلندی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ (کارکنانِ قضا و قدر جو) سالہا سال سے جمالی تربیت کے ساتھ مراحل طے کرا رہے تھے اب جلالی تربیت کے ساتھ مسافت طے کرا رہے ہیں، لہٰذا آپ مقامِ صبر بلکہ مقامِ رضا میں رہیں اور جمال و جلال کو مساوی جانیں۔

خلق سے طعن وملامت میں ثمرات

آپ نے لکھا تھا کہ فتنے کے ظاہر ہونے کے وقت سے (یعنی آپ کے قید ہونے کے وقت سے) "نہ ذوق باقی رہا نہ حال"۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ذوق و حال دوگنا ہو جاتا کیونکہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہوتی ہے، تعجب ہے کہ آپ عام لوگوں کی طرح باتیں کر رہے ہیں اور محبتِ ذاتیہ سے دور نکل گئے ہیں، گذشتہ کے برخلاف آپ جلال کو جمال سے زیادہ سمجھیں اور درد و الم کو انعام سے زیادہ تصور کریں، کیونکہ جمال و انعام میں محبوب (یعنی حق تعالیٰ) کی مراد اپنی مراد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اور جلال و ایلام میں خالص محبوب ہی کی مراد ہے جو ہماری مراد کے بالکل خلاف ہے۔ یہاں (بحالتِ قید) جو وقت اور حال وارد ہے وہ سابقہ وقت اور حال سے مختلف ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کے بارے میں لکھا تھا تو اس میں کیا مانع ہے؟ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (آل عمران آیت ۱۷۳) (کافی ہے ہم کو اللہ تعالیٰ اور وہی اچھا وکیل ہے)۔

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۱۷۲ پر تذکرہ درج ہے۔

سیادت پناہ میر محب اللہ[1] مانک پوری کی طرف مخلوق کی ایذا و تکلیف برداشت کرنے کے بیان میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد واضح ہو کہ میرے بھائی سیادت پناہ میر سید محب اللہ کا صحیفۂ شریفہ موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ـــــ مخلوق کی ایذا دہی برداشت کرنے اور قریبی رشتہ داروں کی جفا پر صبر کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو امر کرتے ہوئے فرمایا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (احقاف ۴۶ آیت ۳۵) (پس صبر کیجئے جس طرح اولا العزم رسول صبر کرتے رہے ہیں اور ان کے لئے (بد دعا میں) جلدی نہ کریں)۔ اِس مقام کی سکونت میں اگر کوئی نمکینی ہے تو یہی ایذا و جفا ہے لیکن آپ اس نمکینی سے بھاگ رہے ہیں۔ ہاں شکر پرورده (عیش میں پلا ہوا) نمکینی کی تاب نہیں لا سکتا مگر کیا کیا جائے

؎ ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنینِ عالم است　　　نازکی کے راست آید بارمی باید کشید

آپ نے تحریر کیا تھا کہ "اگر اجازت ہو تو الہ آباد میں سکونت اختیار کر لوں"۔ (جواباً عرض ہے) کہ آپ اپنے قیام کے لئے کوئی جگہ متعین کر لیں تاکہ وہاں جاکر لوگوں کی زیادتی سے کچھ آرام کر سکیں، لیکن یہ رخصت کا طریق ہے اور عزیمت کا طریق یہی ہے کہ آپ (لوگوں کی) ایذا پر صبر و تحمل فرمائیں۔

اس موسم میں فقیر پر ضعف غالب ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس وجہ سے چند کلمات پر اکتفا کیا گیا والسلام

خلق کی ایذا پر صبر کرنا عزیمت ہے

حقائق آگاہ مولانا محمد صدیق[2] کے نام غیب کے اصل ہونے اور شہود کے ظل ہونے کے بیان میں صادر فرمایا۔

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۷۲ پر گذر چکا۔
[2] آپ کے نام تیرہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ پر درج ہے۔

غیب اکمل اور شہود ظلال سے

لے محبت کے نشان والے! غیب شہود کے مقابل ہے، اور (شہود) ظلیت کی آمیزش رکھتا ہے اور غیب اس آمیزش سے پاک ہے۔ لہذا غیب شہود کے مقابلہ میں بہت زیادہ اکمل ہے لیکن جب سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج میں رویت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں جو ظلال کے پردوں سے وراء الوراء ہے اور ظلیت کی آمیزش اور شائبہ سے پاک ہے تو پھر آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں غیب رویت سے اکمل کیوں ہو۔ کیونکہ غیب پر اکتفا کرنا ظلیت کے رفع کرنے کے لئے تھا اور جب ظلیت پوری طرح رفع ہوگئی اور عین حضور میسر ہوگیا تو پھر غیب کی کیا ضرورت ہے؟ ——— یہ (شہود کی) وہ دولت ہے جو صرف سید الکونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص ہے، اور اس مقام میں آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تابعدار(ان) کو بھی تبعیت و وراثت کے طور پر اس سے حصہ حاصل ہے۔ لیکن چونکہ اس مقام میں رویت نہیں ہے شہود و مشاہدہ بھی نہیں ہے۔ اس مقام کی غیب کے ساتھ نسبت کرنا بہترین تعبیر ہے۔ اور اس مقام کی تفصیل بیان میں نہیں آسکتی۔ ہر شخص اپنی یافت کے اندازے کے مطابق (اس کو) پالے گا۔ لیکن وہ (ذات) اس سے بھی وراء الوراء ہے اور اقلّ قلیل کے علاوہ کسی کو بھی اس مقام سے حصہ حاصل نہیں۔ والسلام

مکتوب ۹ (عربی)

۳۱۳ + ۹۹ + ۴۲۸ =

سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا ——— آیۂ کریمہ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ الخ کے بیان میں۔

تقوی کا بیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (حشر آیت ۵۹) (رسول جو کچھ تم کو (حکم) دے اس کو قبول کرلو اور جس سے وہ منع کرے اس سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو)۔ (اس آیہ کریمہ میں) اوامر کے بجالانے اور نواہی سے پرہیز کرنے کے بعد تقویٰ اختیار کرنے کا ذکر ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منہیات سے بچنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ یہی تقویٰ کی حقیقت ہے جو کہ دین کا اصل مقصود ہے

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۱۱۹ میں آپ کا تذکرہ درج ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: مِلَاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ [1] (ورع (تقوی) تمہارے دین کی اصل بنیاد ہے) ــــ اور آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے دوسری جگہ فرمایا ہے: لَا تَعْدِلْ بِالرِّعَةِ شَيْئًا [2] (ورع کے برابر کسی چیز کو نہ گردانو) ــــ اور "رعۃ" یہی ورع و تقوی ہے۔ اور اس کے اہتمام کی وجہ اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانتا ہے (البتہ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے) کہ پرہیزگاری تقوی وجود کے لحاظ سے بہت عام ہے اور نفع کی رو سے بھی زیادہ ہے کیونکہ یہ باز رہنا اوامر کے بجا لانے میں بھی پایا جاتا ہے، اس لئے کہ کسی امر کا بجا لانا اس کی ضد سے باز آجانا ہے اور یہ بات ظاہر ہے۔ لیکن انتہا یعنی منہیات سے باز آجانے کا عموم جہت کے سوا اکثر النفع اس لئے ہے کہ اس میں خالص نفس کی مخالفت ہے اور نفس کی لذت کا اس میں کوئی شائبہ نہیں ہے بخلاف امتثال کی صورت کے کہ اس میں بعض اوقات نفس کی لذت بھی شامل ہوتی ہے، اور جس چیز میں نفس کی مخالفت زیادہ ہو اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا نفع بھی زیادہ ہوگا اور نجات کے لئے سب سے قریب ترین راستہ یہی ہے، کیونکہ تکالیفِ شرعیہ کا اصل مقصد نفس کو مغلوب کرنا ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہٗ کی دشمنی پر ڈٹا ہوا ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے: عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِيْ [3] (تو اپنے نفس کو دشمن سمجھ کیونکہ وہ میری عداوت پر کمر بستہ ہے)

پس مشائخ کے طریقوں میں سے ہر وہ طریقہ جس میں احکامِ شرعیہ کی رعایت سب سے زیادہ ہوگی وہی اللہ سبحانہٗ کی طرف سب سے زیادہ قریب ترین راستہ ہوگا کیونکہ اس میں نفس کی زیادہ مخالفت ہے، اور آگاہ رہو کہ وہ طریقہ نقشبندیہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے آقا اور قبلہ شیخ اجل شیخ بہاء الدین مشہور نقشبند نے فرمایا ہے کہ میں نے (حق تعالیٰ کی طرف سے) ایک ایسا طریقہ پایا ہے جو وصول الی اللہ کے طریقوں میں سب سے زیادہ قریب ترین طریقہ ہے جس میں نفس کی مخالفت زیادہ ہے اور اس میں احکامِ شریعت کی رعایت زیادہ سے زیادہ ہے جیسا کہ منصف مزاج اور دوسرے مشائخ کے طریق میں غور کرنے والے شخص پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود فقیر نے اس مضمون کو اپنے بعض رسائل میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور اللہ سبحانہٗ ہی حقیقت حال کو خوب جانتا ہے اور وہی سبحانہٗ مجھے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ وَكَرَّمَ والسلام علی من تبع الہدیٰ۔

---

[1] بیہقی بروایت حضرت عائشہؓ۔ [2] ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ بروایت حضرت جابرؓ

[3] بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ داؤد علیہ السلام کی حدیث قدسیات میں سے ہے۔

(یہ مکتوب بھی) سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف آیۂ کریمہ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ کی تفسیر میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ـــــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ (بقرہ ۲ آیت ۱۸۶) (اور جب میرے بندے آپ سے (میرے متعلق) سوال کریں تو (کہہ دیجئے کہ) یقیناً میں ان سے قریب ہوں) ـــــ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا قرب اگرچہ بے چون وبے چگونہ (بے مثل وبے کیف) ہے لیکن وہم کو وہاں تک گنجائش ہے۔ وہ اس تعالیٰ کی اقربیت ہی ہے جو وہم کے احاطہ سے خارج اور خیال کے دائرہ سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرب والے تو بہت ہیں لیکن اقربیت دان بہت ہی کم ہیں۔ قرب کی انتہا اتحاد کے حاصل ہونے تک ہے اگرچہ اتحاد بھی محض وہم ہے اور اقربیت قرب کی جانب میں اتحاد سے گذر جانے کے بعد ہے۔ اگرچہ عقل اپنے آپ سے زیادہ نزدیک چیز کو بعید تصور کرتی ہے لیکن یہ عقل کی کوتاہ نظری ہے جو دُور بینی کی عادی ہوگئی ہے اور اپنے آپ سے نزدیک تر کو نہیں پاتی۔ والسلام

حق تعالیٰ کی اقربیت

سیادت پناہ میر شمس الدین علی خلخالی[1] کی طرف انسان کی جامعیت کے بیان میں جو کہ عالمِ امر اور عالمِ خلق کے دس اجزاء سے مرکب ہے اور انسان کے قلب کو عرشِ مجید پر ترجیح کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے نیک بندوں پر سلام ہو) ـــــ آدمی ایک ایسا نسخۂ جامعہ ہے جو اجزائے عشرہ یعنی عناصرِ اربعہ اور نفسِ ناطقہ اور قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ سے مرکب ہے، اور ان کے علاوہ دوسرے قویٰ وجوارح (اعضاء) جو انسان میں ہیں وہ ان ہی اجزا کی طرف راجع ہیں، اور یہ اجزا ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ عناصرِ اربعہ کا

انسان کی جامعیت

۱؎ آپ کے نام ۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر دوم مکتوب ۲ میں گذر چکا ہے۔

ایک دوسرے کی ضد ہونا تو ظاہر ہی ہے اور اسی طرح عالمِ خلق کا عالمِ امر کی ضد ہونا بھی ظاہر ہے اور عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف ہیں ہر ایک الگ الگ امر کے ساتھ مخصوص ہے اور کسی ایک کمال کی طرف منسوب ہے۔ اور نفسِ ناطقہ خود اپنی ہوا و ہوس اور خواہش کا طالب ہے ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے ساتھ نہیں ملتا ——— خداوند جل سلطانہٗ کی عنایت نے اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ ان متضاد چیزوں میں سے ہر ایک کی تیزی اور غلبہ کو توڑ کر جمع فرمادیا ہے اور ایک خاص مزاج اور ہیئتِ وحدانی عطا فرمائی ہے اور مزاجِ خاص اور ہیئتِ وحدانی کے حصول کے بعد اپنی حکمتِ بالغہ سے اس کو ایک صورت بخشی ہے تاکہ وہ ان متفرق و متضاد اجزاء کی حفاظت کرے، اس مجموعے کو اس نے انسان کے نام سے مسمّی کر کے جامعیت اور ہیئتِ وحدانی کے حصول کے اعتبار سے خلافت کی استعداد کے شرف سے بھی مشرف فرمایا (خلافت کی) یہ دولت انسان کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔ عالمِ کبیر اگرچہ بڑا ہے لیکن وہ بھی جامعیت سے خالی اور ہیئتِ وحدانی سے بے نصیب ہے۔ اور معاملہ کی یہ خوبی تمام افرادِ انسانی میں ثابت ہے اور عوام خواص انسان اس میں شرکت رکھتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ عالمِ کبیر کے اجزا میں سے سب سے اشرف جزء "عرش مجید" ہے اور اس کی مخصوص تجلّی دوسرے اجزا کی تجلیات سے بہت بلند ہے کیونکہ وہ تجلّی جامع ہے اور وہ ظہور اسماء و صفاتِ وجودی تعالیٰ و تقدس کا مجمع (جمع کرنے والا) ہے۔ اور اسی طرح وہ تجلی دائمی ہے جو پوشیدہ ہونے کی گنجائش نہیں رکھتی۔ اور انسانِ کامل کا قلب جو عرش کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اس کو "عرش اللہ" کہتے ہیں اس تجلّی عرشی سے بہت بڑا حصہ اور حظِ کامل رکھتا ہے ———

عرشِ مجید پر قلب کی فضیلت

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ (عرشی) تجلّی کلّی ہے اور یہ (قلبی) تجلّی اس کی نسبت سے جزئی ہے لیکن قلب ایک ایسی فضیلت رکھتا ہے جو عرش میں نہیں ہے یعنی وہ متجلّی (تجلّی کرنے والے (حق تعالیٰ) کا شعور ہے۔ اور اسی طرح قلب ایک ایسا مظہر ہے جو بظاہر گرفتاری رکھتا ہے بخلاف عرش کے کہ وہ اس گرفتاری سے خالی ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر اسی شعور اور گرفتاری کے باعث قلب کی ترقی ممکن ہے بلکہ واقع ہے جیسا کہ حکم ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے) (بخاری و مسلم) یعنی قلب اسی کے ساتھ ہے جس کے ساتھ وہ گرفتار ہے اور اس کی محبت میں فریفتہ ہے۔ اگر وہ

اسماء و صفات کا محب ہے تو اسماء و صفات کے ساتھ ہے، اور اگر ذات تعالیٰ و تقدس کا محب ہے تو اس کی معیت اس کے ساتھ درست ہے اور وہ اسماء و صفات کی گرفتاری سے گذر چکا ہے، بخلاف عرش مجید کے کہ اس کی تجلی صرف اسماء و صفات کی اس کے حق میں غیر واقع ہے۔ والسلام

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ـــــ تضرع و نیاز مندی، ذکر اور تلاوتِ قرآن اور نماز میں طول قیام کے فوائد میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ میرے بھائی سیادت پناہ کا گرامی نامہ موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا۔ ـــــ (۱) آپ نے لکھا تھا کہ حضرت حق سبحانہٗ کی بارگاہ میں دعا و تضرع و زاری اور ہمیشہ التجا میں رہنا بہتر ہے یا ذکر میں مشغول رہنا، یا ان سب چیزوں کو ذکر میں شامل کر دینا بہتر ہے؟ (جواب۔ میرے عزیز) ذکر کے بغیر چارہ نہیں اور اس کے ساتھ جو کچھ بھلائیاں جمع ہو جائیں تو دولت و نعمت ہے۔ (مشائخ نے) وصولِ (الی اللہ) کا مدار ذکر پر رکھا ہے دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات و نتائج ہیں ـــــ (۲) نیز آپ نے دریافت کیا ہے کہ ذکر نفی و اثبات (لا الٰہ الا اللہ) تلاوتِ قرآن اور نماز میں طولِ قیام، ان تینوں میں کونسی چیز بہتر ہے؟۔ (جواب) ذکر نفی و اثبات وضو کی طرح ہے جو نماز کے لئے شرط ہے کہ جبتک طہارت درست نہ ہو نماز کا شروع کرنا منع ہے اسی طرح جبتک نفی کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک فرائض و واجبات اور سنن کے علاوہ جو کچھ بھی نفلی عبادات کریں سب وبال میں داخل ہیں۔ پہلے اپنے مرض کو دُور کرنا چاہئے جو کہ ذکر نفی و اثبات پر وابستہ ہے اس کے بعد دوسری عبادات و حسنات میں مشغول ہونا چاہئے جو کہ بدن کے لئے صالح غذا کی طرح ہیں، مرض کے دور ہونے سے پہلے جو غذا بھی کھائیں وہ فاسد و مفسد ہو گی۔ مصرع

ہر چہ گیرد علتی علت شود (ترجمہ) جو کچھ مریض کھائے وہ بھی مرض بڑھائے

اور اس معاملے کے انجام کا تعین کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ ہر شخص کی اپنی حالت پر ہے۔

(۳) آپ نے لکھا ہے کہ تیسری جلد کس کے نام پر مسجل (مزیّن) کی جائے؟ (جواب) اس سے پیشتر بھی فقیر واضح طور پر لکھ چکا ہے کہ اس کو آپ کے نام سے مسجل کریں، اب بھی آپ کے مکتوب کے جواب میں وہی بات عرض ہے۔ آپ سے بہتر کون شخص ہوگا، دلی توجہ اور نگرانی ہمیشہ آپ ہی کی طرف رہتی ہے۔

آگرہ میں آپ کے قیام کی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ اگرچہ (یہ مقام) ہم سے قریب ہے لیکن چونکہ ملاقات سے خالی ہے لہٰذا یہ (نزدیکی) بے اعتبار ہے۔ فقیر کی وجہ سے وہاں اقامت اختیار نہ کریں، مجھ کو خدائے ارحم الراحمین کے سپرد کر کے وطن کی طرف متوجہ ہو جائیں اور وہاں کے مشتاق لوگوں کو مسرور کریں۔ اور اگر کوئی اور وجہ آپ نے وہاں کے قیام کی اپنے دل میں تصور کر رکھی ہے تو دوسری بات ہے۔

والدہ محمد امین (آپ کی اہلیہ) کو (حق تعالیٰ) نیک توفیق عطا فرمائے اور وہ عصمت و آبرو کے ساتھ رہیں۔ ان کے دُور دراز (پہلے کے) واقعات جو آپ نے تحریر کئے تھے مطالعہ میں آئے اگرچہ ان میں بہت سی چیزیں وحشتناک معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ اچھا ہے کہ ہر ایک کا انجام بخیر ہوا۔ آپ اُن سے فرمائیں کہ ان واقعات سے متنبہ ہونا چاہئے اور توبہ و استغفار سے ان کا تدارک کرنا چاہئے۔ دنیاوی فائدے اور فانی نعمتیں محض لاشئے ہیں۔ عقلمند کو چاہئے کہ ان پر فریفتہ نہ ہو اور نہ ان میں گرفتار ہو، ہر وقت آخرت کے احوال کو مدِ نظر رکھ کر دائمی ذکر میں مشغول رہنا چاہئے۔ یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ ذکر میں لذت تمام پیدا ہو اور کچھ چیزیں نظر آئیں یہ تو سب کچھ لہو و لعب میں داخل ہیں۔ ذکر میں جسقدر بھی مشقت ہو بہتر ہے۔ پنج وقتی نماز ادا کر کے باقی اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ کے ساتھ معمور رکھیں اور ذکر سے لذت حاصل کرنے کے پیچھے نہ پڑیں، اور آپ کی خدمت کو غنیمت جان کر آپ کی رضا جوئی میں مشغول رہیں۔ اور آپ کو بھی لازم ہے کہ ان کے پاس اکثر جایا کریں اور بہت نرمی و محبت سے ان کو اپنی طرف مائل کریں اور نیکیوں کی طرف رہنمائی کریں۔

میاں بیوی کیلئے نصیحت

والسلام

۳۱۳ + ۹۹ + = ۴۲۵

مکتوب ۱۳ (سیزدہم)

سیادت پناہ میر محب اللہ[1] مانک پوری کی طرف صادر فرمایا ــــ صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اور پیر طریقت کی متابعت میں مستحکم رہنے کی ترغیب و تحریص میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سیادت مآب اخوی میر سید محب اللہ کا مکتوب شریف موصول ہوا ــــ یاس و ناامیدی کے مقدمات جو (آپ نے) اضطرار و اضطراب کی وجہ سے تحریر کئے تھے پورے طور پر واضح ہوئے، ناامیدی کفر ہے لہذا امیدوار رہیں۔ اگر ان دو باتوں میں استحکام ہو جائے تو پھر کوئی غم نہیں ہے ــــ (۱) صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت، اور (۲) شیخ طریقت سے عقیدت و محبت۔ ان دونوں کا خیال رکھیں۔ اور ملتجی و متضرع رہیں کہ ان دونوں دولتوں میں سستی نہ ہونے پائے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سہل ہے اور اس کی تلافی ممکن ہے۔

(حاشیہ: شریعت کی متابعت اور شیخ طریقت سے عقیدت)

اس سے پیشتر بھی میں نے لکھا تھا کہ چونکہ آپ مانک پور کی سکونت سے بیزار ہیں تو الہ آباد میں قیام پذیر ہو جائیں، امید ہے کہ مبارک ہوگا (لیکن) آپ نے اس کے برعکس سمجھ لیا، لفظ "مبارک" سے بھی آپ نے مقصود کی طرف رہنمائی حاصل نہ کی۔ اب بھی وہی لکھتا ہوں: "آج رات ایسا دیکھا گویا کہ آپ کے اسباب کو مانک پور سے الہ آباد لے جایا جا رہا ہے"۔ لہذا آپ وہاں (الہ آباد میں) کسی ویرانہ میں مقیم ہو جائیں اور اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل سلطانہٗ سے معمور رکھیں اور کسی سے بھی (بلا ضرورت) کوئی تعلق نہ رکھیں اور نفی و اثبات کے ذکر (لا الٰہ الا اللہ) کو اپنے اوپر لازم کر لیں، اور اس کلمۂ طیبہ کی تکرار کے ساتھ اپنی تمام مرادوں کو سینے کی کشادگی سے دور کر دیں تاکہ سوائے ایک مقصود و مطلوب و محبوب کے اور کچھ باقی نہ رہے۔ اگر ذکر کرنے سے دل سست ہو جائے تو زبان سے ذکر کریں لیکن اخفا کی شرط کے ساتھ، کیونکہ جہر اس طریقے میں ممنوع ہے۔ باقی آپ کو طریقے کی وضع و روش اچھی طرح معلوم ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے تقلید کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں کیونکہ شیخ طریقت کی تقلید میں بہت فائدے اور ثمرات ہیں اور اس کے طریقے کے خلاف میں سراسر خطرات ہیں۔ زیادہ کیا تحریر کیا جائے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

(حاشیہ: ذکر نفی و اثبات کی تاکید)

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۴۳ پر ہے۔

میر شمس الدین علی[۱] کے نام ان کے سوال کے جواب میں جو واجب تعالیٰ کے وجود کی حقیقت سے متعلق تھا صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) صحیفۂ شریفہ جو آپ نے ازروئے کرم و شفقت ارسال کیا تھا اس کے مطالعہ سے محظوظ اور متلذذ ہوا۔ اللہ سبحانہٗ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے ——— آپ نے تحریر کیا تھا کہ جب[۱] حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات اپنی ماہیت کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ خواہ وہ عین ہو یا زائد لہذا واجب الوجود، جو وجوب اور وجود کے اعتبار کے بغیر اللہ سبحانہٗ کی ذات ہے، اور ممتنع الوجود کے درمیان تقابل کس طرح متحقق ہوگا، اور واجب[۲] الوجود کا اطلاق اس ذات پر جو وجوب و وجود سے معرا ہے کس وجہ سے ہو سکے گا۔ اور پھر[۳] عبادت کا استحقاق جو وجوب و وجود کے ساتھ وابستہ ہے کیوں کر ہوگا۔ اور[۴] واجب الوجود کا اطلاق عدیم الوجود والوجوب کی ذات پر کس اعتبار سے ہوگا؟

میرے مخدوم! ان سوالات کا جواب تفصیل کے ساتھ دفتر ثانی کے مکتوبات میں ایک مکتوب (نمبر ۳) بنام فقیر زادہ خواجہ محمد سعیدؒ تحریر ہوا ہے موجود ہے۔ اگر آپ اس کا مطالعہ فرمائیں تو امید ہے کہ بہت مفید ہوگا ——— مختصر یہ کہ ماہیتِ واجبی جل سلطانہٗ اپنی خودی کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود اور اثباتِ وجود کے ساتھ۔ اور حضرت جل شانہٗ کے لئے وجوب کا اطلاق عقل کی منتزعات (اپنے پاس سے بنائی ہوئی چیز) کی قسم سے ہے۔ بَلْ لِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بلند و بالا مثال ہے) اور جس طرح وجوبِ وجود منتزعات کی قسم سے ہے اسی طرح امتناعِ عدم (عدمِ لامتناہی) بھی حضرت جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں منتزعات کی قسم سے ہے جہاں صرف ذاتِ بحت جل وعلا ہے، وہاں جس طرح وجوبِ وجود کی نسبت نہیں ہے اسی طرح امتناعِ عدم کی نسبت بھی نہیں ہے اور جب وجوبِ وجود کی نسبت پیدا ہوئی تو امتناعِ عدم کی نسبت جو اس کے مقابل ہے وہ بھی ظاہر ہوگئی اور عبادت کے استحقاق کی نسبت جو وجوبِ وجود پر پھیلی ہوئی ہے اس کا بھی ظہور ہوگیا۔ کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَّعَہٗ

واجب تعالیٰ کے وجود سے متعلق

[۱] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر دوم مکتوب ۲۱ پر گذر چکا۔

شَیْءٌ وَاِنْ کَانَ مِنَ النِّسَبِ وَالْاِعْتِبَارَاتِ فَاِذَا ظَهَرَتِ النِّسَبُ ظَهَرَ التَّقَابُلُ (اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی اور نہ ہی کوئی نسبت و اعتبار تھا پس جب نسبتیں ظاہر ہو گئیں تو تقابل بھی ظاہر ہو گیا) وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔

۳۱۳ + ۹۹ = ۴۲۷

مکتوب ۱۵ (پانزدہم)

سیادت پناہ میر محمد نعمان[1] کی طرف (گوالیار کے قید خانے سے) صادر فرمایا۔ اس بیان میں کہ محبوب کی طرف سے درد و رنج و الم کی لذت محب کی نظر میں اس کے انعام سے زیادہ زیبا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ سیادت پناہ میرے بھائی میر محمد نعمان کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ بعض خیر اندیش دوستوں نے ہر چند (قید سے) میری رہائی کی کوشش کی مگر کارگر اور فائدہ مند نہ ہوئی۔ اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ (بھلائی اسی میں ہے جو اللہ سبحانہ کرے) اس امر (قید خانے) سے بتقاضائے بشریت کچھ غم و حزن لاحق ہوا اور سینے میں تنگی ظاہر ہوئی لیکن چند دن کے بعد حق جل سلطانہٗ کے فضل و کرم سے وہ سب[2] حزن اور سینے کی تنگی خوشی اور شرح صدر سے بدل گئی اور بیقینِ خاص سمجھ میں آ گیا کہ اگر ان لوگوں کی مراد جو آزار کے درپے ہیں حق جل شانہٗ کی مراد کے موافق ہے تو سینے کی تنگی اور کدورت بے فائدہ ہے اور دعوائے محبت کے خلاف ہے، کیونکہ محبوب کی طرف سے ایلام بھی اس کے انعام کی طرح محب کے نزدیک محبوب و مرغوب ہوتا ہے۔ محب جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے اسی طرح اس کے ایلام سے بھی متلذذ ہوتا ہے بلکہ اس کے ایلام میں زیادہ لذت پاتا ہے کیونکہ یہ حظِ نفس کی آمیزش اور اس (محب) کی اپنی مراد سے پاک ہے۔ جب حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ جو جمیلِ مطلق ہے اور وہ کسی کو تکلیف میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو حق تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی اس تعالیٰ کی عنایت سے اس شخص کی نظر میں جمیل ہے بلکہ لذت کا سبب ہے۔ اور جب ان لوگوں کی مراد حق سبحانہٗ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد اس مرادِ (حق) کے ظہور کا ایک دریچہ ہے تو یقیناً ان (آزار دہندہ) لوگوں کی مراد بھی اپنی نظر میں مستحسن اور لذت حاصل ہونے کا موجب ہے کیونکہ اس شخص کا فعل بھی جو محبوب کے

(حاشیہ: قید خانے میں بھی راضی رہنا)

---

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر تذکرہ درج ہے۔ [2] مکتوب ۶/۲ کی طرف اشارہ ہے

فعل کا مظہر ہے محبوب کے فعل کی طرح محبوب ہے اور وہ شخصِ فاعل (آزار دہندہ) بھی اس تعلق کی نظر سے محب کی نظر میں محبوب ہی ظاہر ہوتا ہے۔ ———— عجب معاملہ ہے کہ جوں جوں اس شخص (آزار دہندہ) سے جفا زیادہ متصور ہوتی ہے اسی قدر وہ محب کی نظر میں زیادہ زیبا دکھائی دیتا ہے کیونکہ اس میں محبوب کے غضب کی صورت زیادہ نمایندگی کرتی ہے، اور اس راہِ (طریقت) کے دیوانوں کا کام اُلٹا اور برعکس ہے پس اس شخص کی بُرائی چاہنا اور اس سے ناراض ہونا محبوب کی محبت کے برخلاف ہے کیونکہ وہ (آزار دہندہ) شخص درمیان میں صرف محبوب کے فعل کا آئینہ ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ وہ لوگ جو آزار کے درپے ہیں باقی خلائق کی نسبت فقیر کی نظروں میں محبوب دکھائی دیتے ہیں۔

آپ دوستوں سے کہہ دیں کہ سینے کی تنگیوں کو دور کر دیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو آزار کے درپے ہیں دشمنی نہ کریں بلکہ چاہیئے کہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں۔ ہاں چونکہ ہم دعا کرنے پر مامور ہیں اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ دعا، التجا اور تضرع وزاری کو پسند کرتا ہے اس لئے بلیہ و مصیبت کے دفع ہونے کے لئے دعا اور عفو و عافیت کا سوال کریں ———— اور یہ جو (میں نے مخالف کو) "صورتِ غضب کا آئینہ" کہا ہے وہ اس لئے کہ "حقیقتِ غضب" تو دشمنوں کے نصیب میں ہے، اور دوستوں کے ساتھ ظاہر میں "صورتِ غضب" ہے ورنہ حقیقت میں ان کے لئے عین رحمت ہے، اور اس صورتِ غضب میں محب کے لئے اس قدر فائدے اور منافع ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ نیز غضب کی صورت میں جو دوستوں کو عطا فرماتے ہیں اس سے منکر لوگوں کے لئے خرابی ہے اور ان کی ابتلا کا باعث ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کی عبارت کے معنی آپ کو معلوم ہوں گے وہ فرماتے ہیں کہ "عارف کے لئے ہمت (دعا) نہیں ہے"۔ یعنی وہ ہمت (دعا) جو بلا و مصیبت کے دفع کرنے کے لیے ہو عارف سے مسلوب ہے کیونکہ عارف جب بلیہ کو محبوب کی طرف سے جانتا ہے اور محبوب کی مراد تصور کرتا ہے تو اس کے دفع کرنے کے لئے کس طرح ہمت (دعا) کرے اور اس کو کیوں دفع کرنا چاہے۔ اگرچہ بظاہر (تعمیلِ حکم کی وجہ سے) اس مصیبت کو دفع کرنے کے لئے صورتِ دعا زبان پر لاتا ہے لیکن وہ صرف دعا کا امر بجا لانے کے لئے ہے ورنہ حقیقت میں وہ کچھ نہیں چاہتا بس جو کچھ پیش آتا ہے اس سے لذت حاصل کرتا ہے ———

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے)۔

۳۱۳+۹۹ مکتوب ۱۶ شانزدہم =۴۲۸

مولانا احمد دیبنی[۱] (دیوبندی) کی طرف صادر فرمایا — سالک کو اپنے احوال سے مطلع نہ ہونے کے راز میں اور ان احوال کو مریدوں کے احوال کے آئینہ میں مشاہدہ کرنے کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام) آپ کا مکتوب شریف موصول ہوا — آپ نے لکھا تھا کہ میں اس جماعتِ صوفیہ عالیہ کے احوال و مواجید اور علوم و معارف اپنے اندر کچھ نہیں پاتا اس کے باوجود اس راہ کے دو۲ طالب شخصوں کو جب طریقے کی تعلیم دی تو وہ بہت زیادہ متأثر ہوئے اور ان کے اندر عجیب و غریب احوال پیدا ہوئے اس کی کیا وجہ ہے؟

(جواب) جاننا چاہئے کہ وہ احوال جو ان دو۲ شخصوں میں پیدا ہوئے وہ آپ کے احوال کا عکس ہیں جو ان کی استعداد کے آئینوں میں ظاہر ہوئے، چونکہ وہ دونوں شخص صاحبِ علم تھے اس لئے انھوں نے اپنے احوال کو معلوم کر لیا اور آپ کو بھی اس حالِ مستور کے حصولِ علم کی طرف رہنمائی کی، جس طرح کہ آئینہ کسی شخص کے خفیہ کمالات کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور اس کے پوشیدہ ہنروں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ لہذا مقصود تو احوال کا حاصل ہونا ہے اور ان احوال کا علم ہونا ایک علیحدہ دولت ہے۔ بعض کو اس کا علم دیدیتے ہیں اور بعض کو نہیں دیتے اس کے باوجود دونوں اربابِ ولایت سے ہیں اور قرب میں برابر ہیں۔ پھر بھی ہم میں سے بعض علم والے ہیں اور بعض بے علم۔ یہ قاعدہ اس جماعت کا مقررہ اصول ہے۔

عارف کو اپنے احوال کا علم ہونا ضروری نہیں

اپنے احوال کے عدم علم (علم نہ ہونے) سے آزردہ نہ ہوں اور کوشش کریں کہ احوال حاصل ہو جائیں بلکہ احوال سے گذر کر احوال کے بدلنے والے (حق تعالیٰ) سے واصل ہو جائیں۔ اگر مریدوں اور طالبوں کے وسیلے کے بغیر اپنے احوال کا علم حاصل نہ ہو تو قناعت کریں کہ ان کے آئینوں میں آپ اپنا مطالعہ

---

[۱] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ آپ ابتدا میں کچھ عرصہ حضرت مجددؒ کی خدمت میں رہے پھر برہان پور چلے گئے اور شیخ محمد ابن فضل اللہؒ سے بیعت ہو کر خلافت پائی۔ بعد ازاں آگرہ چلے آئے۔ اتفاقاً حضرت مجددؒ بھی ان دنوں آگرہ میں مقیم تھے لہذا آپ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہو گئے۔ جب حضرت مجددؒ نے میر محمد نعمان کو خلافت عطا فرما کر برہان پور رخصت کیا تو آپ کی تربیت میر صاحب کے سپرد فرمائی۔ ایک عرصہ میر صاحب کی خدمت میں رہ کر حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خلافت پائی۔ پھر بنگال چلے گئے وہاں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کے خلفا میں شیخ پیر محمد ریاست جیند والے کا تذکرہ ملتا ہے اس سے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (ماخوذ از تجلیاتِ ربانی مولفہ مولانا نسیم احمد امروہوی)

کریں اور ظاہر کی راہ سے حصہ حاصل کریں۔ احوال مطلوب ہیں اگر ان احوال کا علم بغیر واسطے کے حاصل نہ ہو تو امید ہے کہ کسی واسطے سے میسر ہو جائے گا۔

اور آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ "دوامِ آگاہی" کا کیا مطلب ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دل کو بعض مشاغل کی وجہ سے اس آگاہی سے غفلت کا احساس ہونے لگتا ہے لہٰذا تشخیصِ آگاہی اور دوامِ آگاہی کا تعین فرمائیں؟ ——— (جواب) جاننا چاہئے کہ خداوند جل سلطانہٗ کی جنابِ قدس میں آگاہی سے مراد "حضورِ باطن" ہے جو کہ علمِ حضوری کے مشابہ ہے کہ دوام اس کو بھی لازم ہے۔ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کوئی شخص کسی وقت بھی اپنے نفس سے غافل ہوا ہے یا اس کو اپنی نسبت میں غفلت و نسیان پیدا ہوا ہے۔ غفلت و ذہول تو علمِ حصولی میں متصور ہے کیونکہ وہاں (عالم و معلوم میں) مغائرت پائی جاتی ہے لیکن علمِ حضوری میں سب حضور در حضور ہی ہے۔ اگرچہ نادان اور بے وقوف آدمی اس (علمِ) حضوری سے دُور اور مہجا گنے والا ہے اور (علمِ) حصولی پر فریفتہ و مغرور ہے۔ پس آگاہی کے لئے دوام لازم ہے اور جس میں دوام نہیں وہ مطلوب کی نگرانی ہے جو اس آگاہی مذکور کے مشابہ ہے اس میں دوام مشکل ہے کیونکہ وہ علمِ حصولی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے جو دوام سے بے نصیب ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (نحل آیت ۶۰[16]) (اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بلند۔ اعلیٰ مثال ہے)۔ علمِ حصولی اور علمِ حضوری کا اطلاق جنابِ قدس واجبی جل سلطانہٗ کی نسبت تشبیہ و تنظیر کے طور پر ہے کیونکہ وہ تعالیٰ شانہٗ جو اپنے سے بھی زیادہ نزدیک ہو وہ علمِ حصولی اور علمِ حضوری کے احاطہ سے بھی ماوراء ہے۔ اربابِ معقول (فلاسفہ) اگرچہ اس کا تصور نہیں کر سکتے اور اپنے آپ سے بھی نزدیک تر کو نہیں پا سکتے لیکن اربابِ علمِ لدنی (اولیا) کے نزدیک یہ بات واضح ہے اور خداوند جل شانہٗ کی عنایت سے سہولت سے حاصل ہو جاتی ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰[18]) اے ہمارے رب ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیادت پناہ اخوی (میر محمد نعمان) کے حقوق آپ پر زیادہ ہیں وہ آپ کے بغیر اجازت چلے آنے سے رنجیدہ ہیں لہٰذا آپ کو چاہئے کہ بغیر کسی توقف ان کی خدمت میں پہنچ ان کی رنجیدگی کی تلافی کریں۔ اگر ان کی اجازت سے آپ آئے ہوتے تو مضائقہ نہ تھا۔ آپ کو چاہئے کہ ان کی مرضی کے مطابق عمل کریں اور اجازت لے کر آئیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔

حضور اور دوامِ آگاہی کا مطلب

شیخ کی مرضی پر عمل کرنے کی ترغیب

ایک اہلِ ارادت صالحہ خاتون کے نام صادر فرمایا — دینی عقائد اور عباداتِ شرعیہ کی ترغیب میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَھَدٰنَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْاَنَامِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم پر انعام کیا اور ہم کو اسلام کی طرف ہدایت فرمائی اور ہم کو سید الانام حضرت محمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں بنایا)۔

جاننا چاہیئے کہ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ منعم علی الاطلاق (بغیر تخصیص ہر ایک پر انعام کرنے والا) ہے۔ اگر وجود ہے تو وہ بھی اس تعالیٰ کے جنابِ قدس کی بخشش ہے۔ اور اگر بقا ہے تو وہ بھی حضرتِ جل سلطانہٗ کی عطا ہے۔ اور اگر صفاتِ کاملہ حاصل ہیں تو وہ بھی اس سبحانہٗ و تعالیٰ کی رحمتِ شاملہ سے ہیں۔ زندگی، دانائی، توانائی، بینائی، شنوائی اور گویائی سب حضرت جل شانہٗ ہی سے فیض یافتہ ہیں۔ اور طرح طرح کی نعمتیں اور قسم قسم کی نوازشیں جو حد و شمار سے باہر ہیں وہ بھی جنابِ قدس ہی کے فیض سے ہیں۔ اور تنگی و سختی کو وہی دور فرماتا ہے۔ دعاؤں کو قبول اور مصیبت کو وہی سبحانہٗ دور کرتا ہے۔ وہ ایسا رزّاق ہے جو اپنی کمال مہربانی سے بندوں کا رزق ان کے گناہوں کے باوجود بند نہیں کرتا۔ اور وہ ایسا ستّار (پردہ پوشی کرنے والا) ہے جو اپنی عفو و درگذر سے بندوں کے گناہوں کے مرتکب ہوتے کے باوجود ان کی پردہ دری نہیں کرتا۔ وہ ایسا حلیم و بردبار ہے کہ (بندوں سے) مواخذہ کرنے میں اور سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ وہ ایسا کریم ہے کہ اپنے عام کرم کو دوست اور دشمن سے باز نہیں رکھتا۔ ان تمام نعمتوں، عزتوں اور اکرام سے زیادہ اجل و اعظم نعمت "اسلام" کی دعوت ہے، اور دار السلام (جنّت) کا راستہ دکھانا اور سید الانام علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی طرف رہنمائی فرمانا ہے جو حیاتِ ابدی اور دائمی نعمتوں سے وابستہ ہے، اور رضائے مولیٰ اور اس سبحانہٗ کی لقا ان ہی سے متعلق ہیں ——— مختصر یہ کہ اس تعالیٰ کے انعام و اکرام اور احسان اظہر من الشمس (آفتاب سے زیادہ روشن) اور اجلیٰ من القمر (چاند سے زیادہ منور) ہیں۔ دوسروں (لوگوں) کے انعامات اس ذات تعالیٰ کی قدرت دینے پر منحصر ہیں اور ان کا

مہربان و نعمت ذات

احسان مقروض سے قرض مانگنا اور محتاج سے سوال کرنا ہے۔ بے وقوف بھی عقلمندوں کی طرح اسی معنی کا اقرار کرتے ہیں اور کند ذہن لوگ بھی ذہین لوگوں کی طرح اس بات کے معترف ہیں۔

بیت گر بر تنِ من زبان شود ہر موے — یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

(ترجمہ) ہو زباں، بال بال، پھر بھی نہ ہو — شکر ادا اک ہزاروں حصہ

اور اس میں شک نہیں کہ عقل بلا تامل منعم کے شکر کے وجوب کا حکم دیتی ہے اور اس کی تعظیم و توقیر کو لازم قرار دیتی ہے، پس حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ جو کہ منعمِ حقیقی ہے اس سبحانہٗ کا بغیر تامل شکر ادا کرنا عقلی طور پر بھی واجب ہو گیا اور اس تعالیٰ کی تعظیم و تکریم لازم ہو گئی۔ اور چونکہ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کمال درجہ تقدس و پاکیزہ ہے اور بندے نہایت درجے گندگی اور آلودگی کی حالت میں ہیں لہٰذا اپنی کمال بے مناسبتی کی وجہ سے وہ کیا سمجھ سکتے ہیں کہ اس تعالیٰ کی تعظیم کس چیز میں ہے اور اس سبحانہٗ کی تکریم کس امر میں ہے ــــــ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ بعض امور کا اطلاق اس کی جنابِ قدس میں اچھا سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ اس تعالیٰ کے نزدیک بُرا ہوتا ہے، جس کو وہ تعظیم خیال کرتے ہیں وہ توہین ہوتی ہے اور جس کو وہ تکریم تصور کرتے ہیں وہ تحقیر ہوتی ہے، لہٰذا جب تک اس تعالیٰ کی تعظیم و تکریم اسی سبحانہٗ کی جنابِ قدس سے مستفاد (حاصل) نہ ہو اُس سبحانہٗ کے شکر کے لائق نہ ہو گی اور نہ ہی اس تعالیٰ کی عبادت کے لائق ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ حمد (تعریف) جو اِن (بندوں) کی طرف سے ہو گی ہو سکتا ہے کہ وہ مذمت ہو اور مدح قدح بن جائے۔ اور اس کی تعظیم و توقیر اور تکریم کا طریقہ جو اس ذاتِ عالی کی بارگاہ سے ہم کو حاصل ہوا ہے اس کی نسبت بھی آنحضرت علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعتِ حقہ سے ہے ــــــ اگر تعظیم قلبی ہے تو وہ بھی شریعتِ حقہ میں بیان ہو چکی ہے اور اگر زبانی تعریف ہے تو اس کی دلیل بھی وہیں سے ملتی ہے۔ اعمال و افعالِ جوارح (یعنی افعالِ ظاہرہ) کی تفصیل بھی صاحبِ شریعت نے بیان فرمائی ہے لہٰذا اس تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی کا انحصار بھی شریعت کی بجا آوری پر ہوا۔ قلباً و قالباً اعتقاداً و عملاً اور ہر قسم کی تعظیم اور عبادت جو اس سبحانہٗ کے لئے ہوتی ہے اگر شریعت کے علاوہ (طریقہ پر) ادا کی جائے تو وہ قابلِ اعتماد نہیں، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ محصل اضداد (شریعت کے خلاف حاصل ہونا) ہوتی ہے ہوتی ہے اور حسنۂ متوہمہ (وہمی بھلائی) حقیقت میں برائی ہوتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا بیان سے

عبادت کی مقبولیت شریعت کی موافقت پر ہے

یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عقل کے نزدیک بھی شریعت پر عمل کرنا واجب ہوا اور منعم تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی بھی شریعت کی بجا آوری کے بغیر محال ہے ——— اور شریعت کے دو جزء ہیں، اعتقادی اور عملی۔ اعتقادی (جزء) اصولِ دین سے متعلق ہے اور عملی فروعِ دین سے۔ بد عقیدہ آدمی نجات پانے والوں میں سے نہیں اور اس کے حق میں عذابِ آخرت سے خلاصی بھی متصور نہیں۔ البتہ فاقدِ عمل (بدعمل آدمی) کے لئے نجات کا احتمال ہے کہ اس کا معاملہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے، اگر چاہے تو معاف فرمائے اور اگر چاہے تو گناہوں کے اندازے کے مطابق سزا دے۔ دوزخ میں ہمیشہ رہنا بدعقیدہ لوگوں کے لئے مخصوص ہے اور ضروریاتِ دین کے منکر کے لئے خاص ہے اور بدعمل شخص اگرچہ عذاب میں مبتلا کیا جائے گا لیکن اس کے حق میں دائمی داخلۂ دوزخ مفقود ہے۔ اور چونکہ اعتقادات کا تعلق اصولِ دین اور ضروریاتِ اسلام سے ہے اس لئے ناچار ان کو بیان کیا جاتا ہے اور عملیات فرع ہونے کے باوجود چونکہ ان میں تفصیل ہے اس لئے کتبِ فقہ کے حوالے سے ان میں سے بھی کچھ حصہ بعض ضروری عملیات کی ترغیب میں بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

شریعت کے دو جزء اعمال و عقائد

اعتقادیات

عقیدہ ۱: اللہ تعالیٰ بذاتِ اقدس خود موجود ہے، اور اس تعالیٰ کی ہستی اپنی خودی سے خود ہے اور وہ تعالیٰ جیسا کہ ہمیشہ سے ہے اب بھی ویسا ہی ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ عدمِ سابق اور عدمِ لاحق کو اس تعالیٰ کی جنابِ قدس میں کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ وجوبِ وجود اس مقدس درگاہ کا کمینہ خادم ہے اور سلبِ عدم اس بارگاہِ محترم کا کمینہ خاکروب ہے ——— اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کے وجوبِ وجود میں، نہ اس کی الوہیت میں اور نہ استحقاقِ عبادت میں، کیونکہ شریک تو اس وقت درکار ہوتا ہے جب وہ تعالیٰ کافی نہ ہو اور مستقل نہ ہو، اور یہ نقص کی علامت ہے جو وجوب والوہیت کے منافی ہے۔ اور جبکہ وہ کافی اور مستقل ہے تو اس کا شریک بیکار و عبث ہوگا کیونکہ وہ بھی نقص کی علامت ہے جو الوہیت و وجوب کے منافی ہے لہٰذا شریک کا اثبات دو شریکوں میں سے ایک شریک کے نقص کو مستلزم ہے جو شرکت کے منافی ہے لہٰذا شرکت کا اثبات شرکت کی نفی کے لئے لازم ہوا اور یہ محال ہے لہٰذا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا شریک محال ہوا۔

عقیدہ اول: اللہ تعالیٰ بذات خود موجود ہے

عقیدۂ دوم: اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ

(عقیدہ ۲) اور اس سبحانہٗ و تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں جیسے حیاتؔ، علمؔ، قدرتؔ، ارادہؔ، سمعؔ، بصرؔ، کلامؔ اور تکوینؔ۔ اور ان صفاتِ ثمانیہ (آٹھ صفتوں) کو "صفاتِ حقیقیہ" کہتے ہیں جو کہ قدیم ہیں اور حق تعالیٰ و تقدس کی ذات پر وجودِ زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں، جیسا کہ علمائے اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے نزدیک مقرر ہے۔ اور اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے علاوہ مخالف فرقوں میں سے کوئی بھی صفاتِ زائدہ کے وجود کا قائل نہیں، یہاں تک کہ فرقۂ ناجیہ کے صوفیائے متاخرین بھی ان صفات کو عینِ ذات کہتے ہیں اور مخالفوں کے ساتھ موافقت اختیار کرلی ہے اگرچہ وہ بھی نفیِ صفات سے پرہیز کرتے ہیں لیکن ان کے اصول اور متبادر (فوراً ذہن میں آنے والی) عبارتوں سے صفات کی نفی لازم آتی ہے۔ مخالفوں نے کمال کو صفاتِ کاملہ کی نفی میں خیال کیا ہے اور اپنی عقل کے پیچھے لگ کر نصوصِ قرآنی سے الگ ہوگئے ہیں۔ هَدَاهُمُ اللهُ سُبْحَانَهٗ سَوَاءَ الصِّرَاطِ (اللہ سبحانہ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت فرمائے)۔ ——— اور دوسری صفات یا تو اعتباری ہیں یا سلبیہ، جیسے قِدَم و ازلیت اور وجوب و الوہیت۔ اور جیسا کہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم و جسمانی نہیں ہے، عرض و جوہر بھی نہیں، مکانی و زمانی بھی نہیں، حال و محل بھی نہیں، محدود و متناہی بھی نہیں۔ وہ جہت سے بے جہت اور نسبت سے بے نسبت ہے۔ کفارت اور مثلیت اس تعالیٰ کی جنابِ قدس میں مسلوب ہے اور اس جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں ضدیت (ضد ہونا) اور ندیت (ہمسر ہونا) مفقود ہے۔ وہ مادر، پدر، زن و فرزند سے پاک و مبرا ہے کیونکہ یہ سب حادث ہونے کی علامات ہیں اور ان سے نقص لازم آتا ہے۔ اور تمام قسم کے کمالات خاص اس تعالیٰ کی جنابِ قدس کے لئے ثابت ہیں، اور تمام قسم کے نقائص حضرت جل سلطانہٗ کی بارگاہ سے مسلوب ہیں۔ مختصر یہ کہ امکان و حدوث کی تمام صفات جو سراسر نقص و شرارت ہیں سب اس تعالیٰ کی جنابِ قدس سے مسلوب ہیں۔

عقیدۂ سوم: اللہ تعالیٰ کلیات و جزئیات کا عالم ہے

(عقیدہ ۳) اور وہ سبحانہٗ و تعالیٰ کلیات و جزئیات کا عالم ہے اور اسرار و پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے آسمانوں اور زمینوں میں ایک حقیر ترین ذرہ کی مانند بھی کوئی چیز اس سبحانہٗ کے دائرہ علم سے باہر نہیں ہے۔ ہاں چونکہ وہ سبحانہٗ تمام اشیاء کا خالق ہے لہٰذا وہ تمام چیزوں کا جاننے والا بھی ہوا کیونکہ پیدا کرنے والے کو پیدا کی ہوئی چیزوں کا علم ہونا لازمی ہے۔ کسقدر بے نصیب ہیں وہ لوگ

(یعنی فلاسفۂ یونان اور ان کے متبعین) کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے اور اس بات کو اپنی ناقص عقل کی وجہ سے کمال سمجھتے ہیں، اور اپنی کمال بے وقوفی سے واجب الوجود جل سلطانہٗ کو ایک چیز سے زیادہ صادر کرنے والا نہیں جانتے اور اس کو بھی ایجاب و اضطرار کے ساتھ نہ کہ اختیار سے اور اس بات کو بھی کمال خیال کرتے ہیں۔ عجب جاہل ہیں کہ جہل کو کمال تصور کرتے ہیں اور اضطرار کو اختیار سے بہتر جانتے ہیں۔ اور وہ جہل میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دوسری چیزوں کو اس سبحانہٗ کے علاوہ غیر کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور عقلِ فعال کو اپنی طرف سے تراش کر محدثات کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کے خالق کو معطل و بیکار جانتے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک اس گروہ سے زیادہ بے وقوف دنیا میں کوئی جماعت وجود میں نہیں آئی ——
—— سبحان اللہ (اہلِ اسلام میں سے) ایک ایسی جماعت بھی ہے جو ان پلید لوگوں کو اربابِ معقول تصور کرتی ہے اور ان (کی باتوں) کو حکمت کی طرف منسوب کرتی ہے اور ان کے جھوٹے احکام کو نفس الامر کے مطابق خیال کرتے ہیں: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران آیت ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچا اور ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما بیشک تو بڑا عطا کرنے والا ہے)۔

(عقیدہ ۴) اور وہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک کلام کے ساتھ متکلم ہے، اگر امر ہے تو اسی ایک کلام سے ہے اور اگر نہی ہے تو وہ بھی اسی کلام سے، اور اسی طرح تمام اخبار و استخبار (خبر دینا، خبر طلب کرنا) اسی ایک کلام سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر توریت و انجیل ہے تو وہ بھی اسی ایک کلام پر دلیل ہے اور اگر زبور و فرقان (قرآن) ہے تو وہ اسی کلام کا نشان ہے اور اسی طرح باقی تمام صحیفے اور کتابیں جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر نازل ہوئی ہیں اسی ایک کلام کی تفصیل ہیں۔ جب ازل و ابد اس وسعت اور درازی کے باوجود وہاں (حق تعالیٰ کے نزدیک) آنِ واحد ہے بلکہ وہاں اس کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا اطلاق بھی اس مقام میں تنگیٔ عبارت کی وجہ سے ہے لہٰذا وہ کلام جو اس آن میں صادر ہوگا ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ ہوگا اور اس نقطہ کا اطلاق بھی اس جگہ آنِ (واحد) کے اطلاق کے مانند ہے جو تنگیٔ عبارت کی وجہ سے واقع ہے ورنہ نقطہ بھی اس کی گنجائش نہیں رکھتا۔ حضرت جل سلطانہٗ کی ذات و

عقیدہ ۴۔ اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک کلام کے ساتھ متکلم ہے۔

صفات کی وسعت عالم بے چونی و بے چگونی سے ہے اور اس وسعت و تنگی سے جو امکان کی صفات ہیں وہ اس سے پاک و منزہ ہے۔

(عقیدہ ۵) مومنوں کو بہشت میں بے چونی و بے چگونی کے طور پر اس سبحانہٗ کا دیدار ہوگا کیونکہ وہ رویت جو بے چون سے متعلق ہے وہ بھی بے چون ہوگی، بلکہ دیکھنے والا بھی بے چونی کی وجہ سے حظ وافر حاصل کرے گا تاکہ بے چون کو دیکھ سکے۔ لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ (بادشاہ کے عطیوں کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں)۔ آج اس معما کو اس نے اپنے اخص خواص اولیاء پر سہل کر دیا ہے اور منکشف ہو چکا ہے کہ یہ مسئلہ ان بزرگوں کے نزدیک تحقیقی ہے اور دوسروں کے لئے تقلیدی۔ اہل سنت کے علاوہ تمام مخالف گروہ خواہ وہ مومن ہوں یا کافر اس مسئلے کے قائل نہیں ہیں اور حق جل سلطانہٗ کی رویت کو ان (اہل سنت) بزرگوں کے علاوہ سب محال خیال کرتے ہیں اور مخالفین کی دلیل غائب کا شاہد پر قیاس ہے کہ جس کا فساد ظاہر ہے سنّتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت کے نور کے بغیر اس قسم کے دقیق مسئلے کے متعلق ایمان ویقین کا حاصل ہونا دشوار و محال ہے ؎

لائقِ دولت نبود ہر سرے
بارِ مسیحا نہ کشد ہر خرے

(ترجمہ) نہیں ہر شخص سرداری کے قابل
نہ ہر خر، عیسیٰ برداری کے قابل

تعجب ہے کہ وہ لوگ جو "رویت" (حق جل وعلا کی دولت) پر ایمان ہی نہیں رکھتے وہ کس طرح اس سعادت کے حصول سے بہرہ ور ہوں گے کیونکہ انکار کرنے والوں کے نصیب میں تو محرومی ہے۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ بہشت میں ہوں اور دیدار نہ ہو، کیونکہ جو کچھ شرع شریعت سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ تمام اہل بہشت کو دیدار کی دولت حاصل ہوگی، یہ کہیں بھی نہیں آیا کہ بعض اہل بہشت کو دیدار ہوگا اور بعض کو نہ ہوگا۔ ان کے حق میں وہی جواب مناسب ہے جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون کے سوال (کے جواب) میں فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان (موسیٰ اور فرعون) کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (طٰہٰ آیت ۵۱ تا ۵۳) (فرعون نے کہا، کہ پہلی نسلوں کا کیا حال ہے؟ موسیٰ نے کہا،

عقیدہ ۵: مومنوں کو بہشت میں حق تعالیٰ کا دیدار ہوگا

ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے میرا رب نہ چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ (وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے) جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور تمہارے چلنے کے لئے اس میں راستے بنائے اور آسمان سے پانی اُتارا)

جاننا چاہئے کہ بہشت اور بہشت کے علاوہ سب حضرتِ حق سبحانہٗ کے نزدیک برابر ہیں کیونکہ سب اس تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور وہ سبحانہٗ کسی ایک چیز میں بھی حلول و تمکن کئے ہوئے نہیں۔ لیکن بعض مخلوقات کو انوارِ واجبی جل سلطانہٗ کے ظہور کی قابلیت نہیں اور بعض کو ہے جس طرح کہ آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے اور سنگ و کلوخ (پتھر اور مٹی) یہ قابلیت نہیں رکھتے۔ پس فرق جو کچھ ہے اسی طرف سے ہے ورنہ حضرت جل سلطانہٗ کے ساتھ سب کی نسبت برابر ہے

؎ ایں قاعدہ یاد دار کانجا کہ خدا است — نے جزو نہ کُل نہ ظرف نہ مظروف است

(ترجمہ) جس جا خدا ہے یاد رکھو شک نہ کرو — جُز ہے نہ کُل ہے اور نہ مظروف و ظرف ہے

دنیا میں رویت واقع نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ دنیا اس دولتِ (رویت) کے ظہور کی قابلیت نہیں رکھتی، اور جو کوئی اس دنیا میں رویت کے واقع ہونے کا قائل ہو وہ جھوٹا اور تہمت لگانے والا ہے، اور اس نے حق سبحانہٗ کے غیر کو حق جان لیا ہے۔ اگر اس دنیا میں یہ دولت میسر ہو سکتی تو حضرت کلیم اللہ علی نبینا و علیہ الصلوات والتسلیمات دوسروں کے مقابلے میں زیادہ حقدار تھے، اور ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام جو اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں تو اس کا وقوع بھی اس دنیا میں نہیں ہوا بلکہ بہشت میں تشریف لے گئے تو وہاں رویت سے مشرف ہوئے جو کہ عالمِ آخرت سے ہے۔ لہٰذا دنیا میں رویت نہیں ہوئی بلکہ جب دنیا میں تھے نہ نکل کر آخرت کے ساتھ ملحق ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔

عقیدہ ۱۰ حق تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے

(عقیدہ ۱۰) حق تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے، پہاڑوں اور سمندروں کا خالق ہے درختوں اور پھلوں کا خالق ہے، کانوں اور نباتات (غرض ہر چیز) کا خالق ہے۔ چنانچہ آسمان کو ستاروں کے ساتھ زینت دی اور انسان کی پیدائش کے ساتھ زمین کو مزین فرمایا۔ اگر (کوئی چیز) بسیط ہے تو اس تعالیٰ کی ایجاد ہی سے موجود ہوئی ہے، اور اگر مرکب ہے تو وہ بھی اسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوئی ہے مختصر یہ کہ اسی نے تمام چیزوں کو عدم کے پردے سے وجود میں لا کر حادث بنایا ہے۔

حق سبحانہٗ کے علاوہ کسی کے لئے قِدَم (ہمیشگی) نہیں ہے۔ اور اس سبحانہٗ کے علاوہ

کوئی چیز قدیم نہیں ہو سکتی۔ تمام اہلِ ملّت و مذاہب اس سبحانہٗ کے علاوہ (ہر شے کے) حدوث پر اجماع رکھتے ہیں اور بالاتفاق اس سبحانہٗ کے علاوہ کسی کو قدیم نہیں جانتے۔ اور جو شخص بھی ان چیزوں کے قدیم ہونے کا قائل ہے اس کو گمراہ بلکہ اس کی تکفیر کا حکم کرتے ہیں ———— حجۃ الاسلام امام (غزالیؒ) نے اپنے رسالہ "منقذ عن الضلال" میں اس معنی کی تصریح کی ہے اور اس جماعت کو جو غیرِ حق کو بھی قدیم جانتے ہیں تکفیر کا حکم کیا ہے، اور وہ لوگ جو آسمانوں، ستاروں اور ان جیسی چیزوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں قرآن مجید نے بھی ان کی تکذیب فرمائی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (السجدہ آیت ۴) (اللہ تعالیٰ ہی وہ (ذاتِ اقدس) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کو چھ دن میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہوا) ———— اور قرآن مجید میں اس قسم کی آیتیں بہت ہیں۔ وہ بہت ہی بے وقوف ہے جو اپنی عقلِ ناقص کی وجہ سے نصوصِ قرآنی کی خلاف ورزی کرتا ہے: وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (نور آیت ۴۰) (اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کوئی نور نہ بنائے اس کے لئے کوئی نور نہیں)۔

عقیدہ ۸: بندوں کے افعال بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔

(عقیدہ ۸) اور جس طرح بندے حق سبحانہٗ کی مخلوق ہیں اسی طرح بندوں کے افعال بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں، کیونکہ پیدا کرنا اس کے سوا کسی کو لائق نہیں، اور ممکن سے ممکن کا موجود ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ بات قصورِ قدرت سے داغدار ہے اور نقصِ علم سے متصف ہے جو کہ ایجاد اور خلق کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اور بندہ جو کچھ اپنے افعالِ اختیاریہ میں دخل رکھتا ہے وہ اس کا کسب ہے جو بندہ کی قدرت و ارادہ سے واقع ہوا ہے اور فعل کا پیدا ہونا حق سبحانہٗ کی طرف سے ہے اور فعل کا کسب بندہ کی طرف سے ہے۔ لہٰذا بندہ کا فعلِ اختیاری بندہ کے کسب اور حق جل وعلا کی خلق (پیدائش) کے مجموعے سے واقع ہوتا ہے۔ اگر بندہ کے کسب اور اختیار کو فعل میں بالکل دخل نہ ہو تو وہ حکم مرتعش (رعشہ والے کا حکم) پیدا کرے گا اور وہ محسوس و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ رعشہ والے کا فعل اور طرح ہے اور مختار کا فعل اور طرح۔ اور اسی قدر فرق بندہ کے فعل میں اس کے کسب کے دخل کے لئے کافی ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنی خلق (پیدا کرنے) کو بندہ کے فعل میں بندہ کے ارادہ کے تابع کر دیا ہے

اور اللہ تعالیٰ بندہ کے (کسی کام کے) قصد کے بعد بندہ میں فعل کی ایجاد فرماتا ہے تو پھر بندہ (اچھے کام کی وجہ سے) مدح و تعریف کا اور (برے کام کی وجہ سے) ملامت کا مستحق بن جاتا ہے اور عذاب و ثواب کے لائق ہو جاتا ہے ——— اور قصد و اختیار جو حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے بندہ کو دیا ہے وہ فعل اور ترکِ (فعل) دونوں جہت (اچھائی اور برائی) رکھتا ہے، اور (حق تعالیٰ نے) فعل اور ترکِ فعل کی اچھائی اور برائی کو تفصیل کے ساتھ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی زبانی بیان کر دیا ہے، باوجود اس کے کہ بندہ ایک جہت اختیار کرتا ہے اس کے علاوہ چارہ نہیں ہے کہ یا تو وہ ملامت کے لائق ہو یا تعریف کے قابل۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ حضرتِ حق سبحانہٗ نے بندہ کو اسقدر قدرت و اختیار عطا کیا ہے کہ وہ شرعی اوامر و نواہی سے عہدہ برآ ہو سکے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ بندہ کو قدرتِ کاملہ عطا کریں اور اختیارِ تام بخشدیں، غرض جسقدر مناسب تھا اس کو اختیار دیدیا۔ اس بات کا منکر ظاہری طور پر اس سے متصادم ہے اور وہ دل کی بیماری میں مبتلا ہے اور شریعت (کے احکام) کی بجا آوری میں عاجز و درماندہ ہے۔ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ (شوریٰ[42] آیۃ13) (مشرکین پر یہ بات بہت گراں ہے جس کی طرف تم ان کو بلاتے ہو) ——— یہ مسئلہ علمِ کلام کے دقیق مسائل میں سے ہے۔ اور اس مسئلہ کی شرح و بیان کی انتہا یہی ہے جو اِن اوراق میں تحریر ہوئی۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے) (غرض کہ) جو کچھ علماءِ اہلِ حق نے فرمایا ہے اس پر ایمان لانا چاہئے اور بحث و تکرار میں پڑنا نہیں چاہئے۔

بیت: نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن

(ترجمہ) ہر جگہ گھوڑے کو دوڑاتے نہیں ڈھال کیا آخر کو رکھ جاتے نہیں

(عقیدہ ۸) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات تمام جہان کے لئے رحمت ہیں۔ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان کو مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے اور ان بزرگوں کے ذریعے بندوں کو اپنی بارگاہ میں بلایا ہے اور دار السلام (جنّت) کی طرف جو کہ اس کی رضا کا مقام ہے دعوت دی ہے وہ شخص بہت ہی بے نصیب ہے جو (مولائے) کریم کی دعوت کو قبول نہ کرے اور اس کی دولت کے دسترخوان سے نفع نہ اٹھائے۔ اور ان بزرگواروں (انبیاءؑ) نے حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ تبلیغ کی ہے وہ سب حق اور سچ ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ عقل بھی اگرچہ حجت (دلیل) ہے

عقیدہ ۸۔ انبیاءؑ تمام جہان کے لئے رحمت ہیں۔

لیکن اس کی حجیت ناقص ہے۔ حجتِ بالغہ کاملہ صرف انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے حاصل ہوئی ہے تاکہ بندوں کے لئے کوئی عذر کا موقع نہ رہے۔ انبیا میں سب سے پہلے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات ہیں اور ان میں سب سے آخر اور خاتمِ نبوت حضرت محمد رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ہیں، لہذا تمام انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات پر ایمان لانا چاہئے اور سب کو معصوم اور راست گو (سچا) سمجھنا چاہئے۔ ان بزرگوں علیہم الصلوات والتسلیمات میں سے کسی ایک پر ایمان نہ لانا تمام (انبیاء) پر ایمان نہ لانے کو مستلزم ہے کیونکہ ان سب کا کلمہ متفق ہے اور ان کے دین کے اصول بھی ایک ہی ہیں۔ ــــــ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام جب آسمان سے نزول فرمائیں گے تو وہ خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعت کی متابعت کریں گے ــــــ حضرت خواجہ محمد پارسا جو حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہما کے کامل خلفا میں سے ہیں اور عالم ومحدث بھی ہیں اپنی کتاب "فصولِ ستہ" میں معتمد روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد امام ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے اور ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام قرار دیں گے۔

خاتم انبیاء پر ایمان لانا

(عقیدہ ۹) ملائکہ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات حضرت حق سبحانہٗ کے معزز بندے ہیں اور حق تعالیٰ کی جانب سے رسالت وتبلیغ کی دولت سے مشرف ہیں۔ وہ جس چیز کے لئے مامور ہیں اس تعمیل کرتے ہیں۔ مولیٰ جل سلطانہٗ کی سرکشی اور نافرمانی ان کے حق میں مفقود ہے۔ وہ خوراک وپوشاک سے پاک ہیں، ازدواجی تعلقات سے معرا (خالی) ہیں اور توالد وتناسل سے مبرا ہیں۔ حق جل سلطانہٗ کی کتابیں اور صحیفے ان ہی کے ذریعے نازل ہوئی ہیں اور ان ہی کی امانت پر محفوظ ومامون رہی ہیں۔ ان سب پر ایمان لانا بھی دین کی ضروریات میں سے ہے اور ان کو سچا جاننا بھی واجباتِ اسلام میں سے ہے ــــــ جمہور اہلِ حق کے نزدیک خواصِ بشر خواصِ ملک سے افضل ہیں کیونکہ ان (خواصِ بشر) کا حق تعالیٰ سے واصل ہونا موانعات اور تعلقات کے باوجود ہے اور ملائکہ کا قرب بغیر کسی مزاحمت اور ممانعت کے ہے۔ تسبیح وتقدیس اگرچہ فرشتوں کا کام ہے لیکن جہاد کو اس دولت کے ساتھ جمع کرنا کامل انسان کا کام ہے۔

عقیدہ ۹: ملائکہ پر ایمان

خواصِ بشر خواصِ ملک سے افضل ہیں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَّكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (نساء آیہ ۹۵) (اللہ تعالیٰ نے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے اور ہر ایک سے بہترین جزا کا وعدہ فرمایا ہے)۔

عقیدہ ۱۰: آخرت پر ایمان

(عقیدہ ۱۰) مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے جن چیزوں کی خبر دی ہے مثلاً احوالِ قبر اور احوالِ قیامت اور حشر و نشر اور بہشت و دوزخ، سب سچ اور حق ہیں۔ آخرت پر ایمان لانا بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان کی طرح ضروریاتِ اسلام میں سے ہے۔ آخرت کا منکر صانعِ حقیقی کے منکر کی مانند ہے اور قطعی کافر ہے ——— اور قبر کا عذاب اور اس کا ضغطہ (تنگ ہونا) وغیرہ حق ہیں، اور اس کا انکار کرنے والا اگرچہ کافر نہیں ہے لیکن بدعتی ہے کیونکہ وہ احادیثِ مشہورہ کا منکر ہے۔ اور چونکہ قبر دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس لئے اس کا عذاب بھی ایک اعتبار سے دنیا کے عذاب کے مشابہ ہے کہ وہ بھی منقطع (ختم) ہونے والا ہے اور ایک اعتبار سے عذابِ آخرت کے مانند ہے کیونکہ وہ عذابِ آخرت کی قسم سے ہے۔ اس عذاب کے مستحق زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو پیشاب (کی چھینٹوں) سے احتیاط نہیں کرتے اور وہ لوگ بھی ہیں جن کو چغل خوری اور نکتہ چینی کی عادت ہے ——— اور قبر میں منکر نکیر کا سوال بھی حق ہے اور قبر میں یہ ایک عظیم فتنہ اور آزمائش ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

عقیدہ ۱۱: قیامت برحق ہے

(عقیدہ ۱۱) قیامت کا دن برحق ہے اور یقیناً آنے والا ہے۔ اس دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور ستارے گر جائیں گے، زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر معدوم ہو جائیں گے جیسا کہ نصوصِ قرآنی اس کی ناطق ہیں اور تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اجماع ہے اور وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کا منکر کافر ہے۔ اگرچہ وہ وہمی مقدمات سے اپنے کفر کو آراستہ کر کے پیش کرے اور بیوقوفوں کو راہِ راست سے بھٹکائے ——— اس دن قبروں سے اٹھنا اور بوسیدہ اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا زندہ ہونا حق ہے۔ اعمال کا حساب اور میزان (ترازو) کا قائم ہونا، اور اعمال ناموں کا اڑ کر آنا، اور نیک لوگوں کے دائیں ہاتھ میں اور بُرے لوگوں کے بائیں ہاتھ میں پہنچنا بھی حق ہے۔ اور پل صراط جو کہ دوزخ کی پشت پر رکھی جائے گی اس پر سے گزر کر جنتیوں کا جنت میں پہنچنا اور دوزخیوں کا دوزخ میں گرنا بھی حق ہے۔ یہ سب امور ممکنات میں سے ہیں جن کے واقع ہونے کی خبر

مخبرِ صادقؐ نے دی ہے پس ان کو بغیر توقف کے قبول کر لینا چاہئے اور وہمی مقدمات کی بنا پر شک و تردد نہیں کرنا چاہئے۔ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ (حشر آیت ۵۹) (جو کچھ رسول تم کو دے اس کو پکڑ لو) نص قطعی ہے ——— اور اس (قیامت کے) روز بُرے لوگوں کے حق میں نیک لوگوں کا شفاعت کرنا حضرت رحمان جل سلطانہ کی اجازت سے شفاعت کرنا حق ہے۔ پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا ہے: شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَآئِرِ مِنْ اُمَّتِیْ[1] (میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہے) ——— اور کافروں کو حساب کے بعد دوزخ میں ہمیشہ کے لئے داخل ہونا ہے اور عذابِ دوزخ بھی حق ہے۔ اور اسی طرح مؤمنوں کا ہمیشہ کے لئے جنّت میں داخل ہونا ہے اور جنت کی نعمتیں بھی حق ہیں ——— مؤمن فاسق کو اگرچہ اپنے گناہوں کی شامت کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور اپنے گناہوں کے موافق عذاب میں مبتلا ہو گا لیکن ہمیشہ دوزخ میں رہنا اس کے حق میں مفقود ہے، کیونکہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا اس کا انجام رحمت پر ہے اور اس کا ٹھکانہ جنت ہے ——— ایمان اور کفر کا مدار خاتمہ پر ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تمام عمر ان دونوں صفتوں (ایمان اور کفر) میں سے کسی ایک کے ساتھ متصف رہتا ہے اور آخر میں اس کی ضد سے متصف ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اعتبار خاتمہ کا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (آل عمران آیت ۳) (اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے) ———

(عقیدہ ۱۲) ایمان سے مراد تصدیقِ قلبی ہے ان امور کے ساتھ جو دین میں ضرورت کے تحت تواتر کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں۔ اور اقرارِ لسانی (زبان سے اقرار کرنا) بھی ان امور کے ساتھ ضروری ہے جیسا کہ صانعِ حقیقی کے وجود پر اور حق تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا ہے ——— اور اسی طرح آسمانی کتابوں اور نازل شدہ صحیفوں کو حق جاننا ہے ——— اور انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات الیٰ یوم القیام پر ایمان لانا ہے ——— اور آخرت پر ایمان لانا جس میں جسموں کے ساتھ اٹھنا، عذابِ دوزخ اور ثوابِ بہشت کا دائمی ہونا، آسمانوں کا پھٹنا اور ستاروں کا جھڑنا اور زمین و پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا ہے۔

احوالِ قیامت

ایمان اور کفر کا مدار خاتمہ پر ہے

عقیدہ ۱۲ ایمان سے مراد تصدیقِ قلبی ہے

[1] اس کو ترمذی اور ابو داؤد نے حضرت انسؓ سے اور ابن ماجہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا۔

عقیدہ ۱۳: ارکان اسلام پر ایمان لانا۔

(عقیدہ ۱۳) اور اسی طرح ایمان لانا پانچوں وقت کی نماز پر، اور ان میں رکعتوں کے تعین پر، مال کی زکوٰۃ پر، اور رمضان کے روزوں پر، اور حج بیت الحرام کے لیے استطاعتِ راہ کی توفیق پر۔ ——— اور اسی طرح ایمان لانا کہ شراب پینا، ناحق کسی نفس کو قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، چوری، زنا اور یتیم کا مال کھانا اور سود کھانا سب حرام ہیں، اور ان جیسی چیزوں کی حرمت پر ایمان لانا جو تواتر سے (حرام) ثابت ہو چکی ہیں ضروریاتِ دین میں سے ہے ——— اور مومن کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کفر میں بھی داخل نہیں ہوتا۔ کبیرہ گناہ کو حلال جاننا کفر ہے اور گناہِ کبیرہ کا ارتکاب فسق ہے ——— اور اپنے آپ کو مومن برحق جاننا چاہیئے یعنی اپنے ایمان کے ثبوت اور حق ہونے کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ اور کلمۂ استثنا یعنی ایمان کے ساتھ انشاء اللہ کو نہیں ملانا چاہیئے کیونکہ اس میں شک کا وہم ہوتا ہے، گو وہ ایمان کے ثبوت کی صورت میں مخالفت رکھتا ہے۔ اگر استثنا کا استعمال خاتمہ کے ساتھ راجع کریں جو مبہم ہے تو وہ بھی ثبوتِ حال کے اشتباہ سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ شک و شبہ کی صورت کو ترک کر دیا جائے۔

اپنے آپ کو مومن برحق جاننا۔

عقیدہ ۱۴: خلفاءِ اربعہ کی افضلیت

(عقیدہ ۱۴) اور حضرات خلفاءِ اربعہ کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے کیونکہ اہلِ حق کا اجماع اسی پر ہے کہ پیغمبروں صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ سبحانہٗ علیہم اجمعین کے بعد افضلِ بشر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، بعد ازاں حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور ان کی افضلیت کی وجہ جو کچھ اس فقیر نے سمجھی ہے وہ فضائل و مناقب کی کثرت نہیں ہے بلکہ ایمان کی اسبقیت ہے اور مال کے خرچ کرنے میں پیش پیش رہنا ہے اور دین کی تائید اور ملتِ متین کی ترویج میں اپنے نفس کو لگائے رکھنے میں اولیت ہے، کیونکہ سابق اگرچہ دین کے معاملے میں لاحق کا استاد ہے اور لاحق جو کچھ پاتا ہے وہ سابق کی دولت کے دسترخوان سے پاتا ہے۔ اور ان تینوں صفات کا مجموعہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات میں منحصر ہے جس نے ایمان کی سبقت کے ساتھ ساتھ مال کو خرچ کیا اور اپنے نفس کو دین کے کاموں میں لگایا وہ یہی (حضرت ابوبکر صدیق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور یہ دولت اس امت میں ان کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں فرمایا: لَیْسَ مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اَمَنَّ عَلَیَّ فِیْ نَفْسِہٖ وَ

مالہ من ابی بکر بن ابی قحافۃ ولو کنت متخذا من الناس خلیلا لاتخذت ابابکر
خلیلا ولکن اخوۃ الاسلام افضل سدوا عنی کل خوخۃ فی ھذا المسجد غیر خوخۃ
ابی بکر[1] (لوگوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے مجھ پر ابوبکر بن ابو قحافہؓ سے زیادہ بڑھ کر اپنے نفس اور
مال خرچ کرنے میں احسان کیا ہو، اگر میں لوگوں میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن اسلامی
اخوت افضل ہے اس مسجد میں ابوبکرؓ کی کھڑکی کے علاوہ جتنی کھڑکیاں ہیں سب کو بند کر دو) ——
اور حضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ان اللہ بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال
ابوبکر صدقت وواسانی بنفسہ ومالہ فھل انتم تارکون لی صاحبی[2] (بیشک اللہ تعالیٰ
نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا پس تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکرؓ نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال
سے میری ہمدردی و غمخواری کی کیا تم میرے لئے میرے دوست کو نہیں چھوڑ سکتے) —— اور آپ
علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا: لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب[3] (اگر میرے
بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطابؓ ہوتا) —— اور حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا
ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں اس امت میں سب سے افضل ہیں جو کوئی مجھ کو ان دونوں پر فضیلت دے وہ مفتری ہے
اور میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے مفتری کو لگاتے ہیں۔

عبارات صحابہؓ کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہئے۔

اور وہ جھگڑے اور جنگیں جو حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے صحابہؓ کے
درمیان واقع ہوئی ہیں ان کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہئے اور ان کو ہوا و ہوس کے گمان اور حب جاہ
ریاست اور طلب رفعت و منزلت سے دور سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ نفس امارہ کی رذیل خصلتوں میں سے
ہیں۔ اور ان بزرگوں کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت میں پاک و
مزکی ہو چکے تھے، البتہ اسقدر ہے کہ جو جھگڑے اور جنگیں حضرت علیؓ کی خلافت میں واقع ہوئیں ان میں
حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب حق تھا اور مخالفین خطائے اجتہادی پر تھے، جس میں طعن و ملامت
کی مجال نہیں لہٰذا فاسق کہنے کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے جبکہ تمام صحابہ عدول ہیں اور ان کی تمام
روایات مقبول ہیں۔ اور حضرت امیرؓ کے موافقوں اور مخالفوں کی روایات صدق و وثوق دونوں میں
مساوی ہیں اور لڑائی جھگڑے کے باعث کسی پر جرح نہیں ہے، لہٰذا سب کو دوست رکھنا چاہئے

---
[1] رواہ البخاری و مسلم۔ [2] اس کو بخاری نے حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت کیا۔ [3] رواہ الترمذی

کیونکہ ان کی دوستی حضرت پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی دوستی کی وجہ سے ہے ——
آپؐ نے ارشاد فرمایا: مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ (جس نے ان سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی)۔ اور ان کے ساتھ بغض و دشمنی سے پرہیز رکھنا چاہئے کہ ان کے ساتھ بغض رکھنا آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے ساتھ بغض رکھنا ہے جیسا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے: مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ[1] (جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھا) —— ان بزرگوں کی تعظیم و توقیر حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و توقیر ہے اور ان کی تعظیم نہ کرنا آپؐ کی تعظیم نہ کرنا ہے، لہٰذا تمام (صحابہؓ) کی تعظیم و توقیر حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کی وجہ سے کرنی چاہئے ——
شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں "جس نے صحابۂ کرامؓ کی عزت نہ کی اس کا رسول اللہؐ پر بھی ایمان نہیں۔

اعتقاد درست کرنے کے بعد اعمال کا بجا لانا بھی ضروری ہے کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اوّل[1] (کلمۂ طیب) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمدؐ اس کے رسول ہیں) اور ان تمام باتوں پر ایمان و اعتقاد رکھنا جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی تبلیغ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا —— دوسرے[2] پانچوں وقت کی نمازوں کا ادا کرنا جو کہ دین کا ستون ہے —— تیسرے[3]، مال کی زکوٰۃ ادا کرنا —— چوتھے[4]، ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھنا —— پانچویں[5] بیت اللہ شریف کا حج کرنا —— اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد عبادتوں میں بہترین عبادت "نماز" ہے۔ اور اس میں ایمان کی طرح حُسن لذاتہٖ ہے بخلاف تمام عبادات کے کہ ان میں ذاتی حُسن نہیں ہے۔ طہارتِ کاملہ کے بعد جیسا کہ شرعِ مبین کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے بغیر کسی سستی و کاہلی کے نماز ادا کرنی چاہئے، اور قراءت، رکوع، سجود، قومہ، جلسہ اور باقی تمام ارکان میں احتیاط کرنی چاہئے تاکہ کامل درجہ احتیاط کے ساتھ ادا ہوں۔ اور رکوع سجود، قومہ اور جلسہ میں سکون و طمانیت کو لازم جاننا چاہئے۔ اور سستی و لاپروائی سے نماز ادا نہ کریں۔ اور نماز کو اول وقت میں ادا کریں اور سستی اور جہالت کی وجہ سے تاخیر نہ کرنی چاہئے ——

ارکان اسلام کی ترغیب

نماز بہترین عبادت ہے اور اس کی ادائیگی کا طریقہ

[1] اس حدیث کو ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت کیا۔

مقبول بندہ وہی ہے جو اپنے مولیٰ کا حکم ملتے ہی اس کی تعمیل میں لگ جائے کیونکہ حکم کی بجا آوری میں دیر کرنا سرکشی اور سوءِ ادب ہے۔ اور فقہ کی کتابیں جو فارسی میں لکھی گئی ہیں جیسے ترغیب الصلوٰۃ اور تیسیر الاحکام اور ان جیسی کتابیں چاہیئے کہ ہر وقت اپنے پاس رکھیں اور شرعی مسائل کو ان میں دیکھ کر عمل کریں۔ کتاب "گلستاں" وغیرہ فقہ کی فارسی کتابوں کے مقابلے میں فضول و بیکار ہیں بلکہ ضروری امر کی نسبت سے لا یعنی ہیں۔ دین میں جس چیز کی ضرورت ہے اس کو لازم جاننا چاہیئے اور اس کے علاوہ کسی اور کی طرف التفات نہیں کرنی چاہیئے ——— نمازِ تہجد بھی اس راہ کی ضروریات میں سے ہے۔ کوشش کریں کہ بغیر عذر ترک نہ ہو۔ اگر شروع میں (نمازِ تہجد) دشوار ہو اور اس وقت میں جاگنا میسر نہ ہو تو کسی خدمت گار کو اس کام کے لئے مقرر کر دیں کہ وہ اس وقت میں بیدار کر دے خواہ آپ چاہیں یا نہ چاہیں آپ کو نیند میں نہ رہنے دے۔ چند روز کے بعد بیداری کی عادت ہو جائے گی اور اس تکلف و تحمل کی ضرورت نہ رہے گی۔ ——— جو شخص چاہتا ہے کہ آخر شب میں جلد بیدار ہو جائے اس کو چاہیئے کہ اول شب میں عشا کی نماز کے بعد جلد سو جائے اور بیکار مشاغل میں جاگتا نہ رہے اور سوتے وقت استغفار و توبہ، التجا و تضرع کرے اور اپنے عیوب و نقائص میں غور کرے اور عذابِ اُخروی کے خوف اور دائمی رنج و الم سے ڈرے اور اس وقت کو غنیمت جانے، اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے عفو و مغفرت کی درخواست کرے اور سو مرتبہ یہ کلمۂ استغفار دل کی پوری توجہ کے ساتھ زبان سے ادا کرے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ سُبْحَانَہٗ (ترمذی وغیرہ) (میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ اور قائم رہے گا اور اسی سبحانہ کی طرف توبہ کرتا ہوں) ——— اور دیگر (عصر) کی نماز ادا کرنے کے بعد بھی اس کلمۂ استغفار کو سو مرتبہ پڑھے، خواہ وضو ہو یا نہ ہو، وضو نہ ہونے کے باوجود بھی اس کلمۂ استغفار کا ورد ترک نہ کریں۔ حدیث شریف میں وارد ہے: طُوْبٰی لِمَنْ وُّجِدَ فِیْ صَحِیْفَتِہٖ اِسْتِغْفَارٌ کَثِیْرٌ (ابن ماجہ) (وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہے جس کے نامۂ اعمال میں کثرت سے استغفار ہو) ——— اور اگر نمازِ چاشت بھی ادا کی جائے تو یہ بہت بڑی دولت ہے۔ کوشش کریں کہ کم از کم دو رکعت چاشت کی دائمی طور پر ادا کریں۔ نمازِ چاشت کی زیادہ سے زیادہ رکعتیں نمازِ تہجد کی طرح بارہ رکعات ہیں۔ وقت اور حال کے مطابق جس قدر ادا ہو جائیں غنیمت ہے ———

تہجد اور اوراد و وظائف

اور کوشش کریں کہ ہر نماز فرض کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی جائے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص ہر نماز فرض کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اس کو بہشت میں داخل ہونے سے سوائے موت کے کوئی چیز روک نہیں سکتی ـــــــ پنجگانہ نمازوں میں سے ہر نماز کے بعد کلمۂ تنزیہ سُبْحَانَ اللّٰہِ تینتیس ۳۳ بار، کلمۂ تحمید اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تینتیس ۳۳ بار، اور کلمۂ تکبیر اَللّٰہُ اَکْبَرُ تینتیس ۳۳ بار، اور ایک بار یہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (رواہ مسلم) تاکہ سو کی تعداد پوری ہو جائے ـــــــ اور یہ بھی کہ ہر روز اور ہر شب میں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سو مرتبہ پڑھیں کہ اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔

ـــــــ اور نیز صبح کے وقت ایک بار پڑھیں: اَللّٰھُمَّ مَآ اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَۃٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ (یا اللہ آج صبح جو نعمت بھی مجھ کو ملی ہے یا تیری مخلوق کو ملی ہے وہ صرف تیری ہی طرف سے ہے اور تو ایک ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں، پس تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں اور تیرا ہی شکر ہے)۔ اور شام کے وقت اللھم ما اصبح کی بجائے اَللّٰھُمَّ مَآ اَمْسٰی کہیں اور پوری دعا پڑھیں ـــــــ اور حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے کہ جو کوئی اس دعا کو دن میں پڑھتا ہے وہ اس دن کا شکر بجا لاتا ہے اور جو کوئی رات کو پڑھے وہ گویا رات کا شکر بجا لاتا ہے۔ اس ورد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وضو کے ساتھ ہی پڑھا جائے بلکہ تمام اوقات میں اس ورد کو کسی وقت دن میں اور رات میں پڑھ لیا جائے۔

اور مال کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے اس کو رغبت اور منت کے ساتھ مصارف زکوٰۃ میں ادا کرنا چاہئے۔ جبکہ منعمِ حقیقی جل سلطانہٗ نے اپنے عطیہ اور انعام کے بارے میں خود فرمایا ہے کہ اس کے چالیس حصوں میں سے ایک حصہ فقراء و مساکین کو دیں اور میں اس کے عوض تم کو اجر جزیل اور جزائے جمیل عطا کروں گا۔ تو پھر وہ شخص بہت ہی بے انصاف بلکہ سرکش ہوگا جو اس حقیر رقم کی ادائیگی میں توقف کرے اور اس کے دینے میں بخل اختیار کرے ـــــــ اور اس قسم کا توقف جو شرعی احکام کی بجا آوری میں ظاہر ہوتا ہے اس کی وجہ یا تو دل کی بیماری ہے یا آسمان سے نازل شدہ احکام پر یقین نہ کرنا ہے۔ صرف کلمۂ شہادت پڑھ لینا کافی نہیں ہے، یہ کلمہ تو منافق بھی

پانچوں وقت نماز کے بعد تسبیح

صبح و شام پڑھنے کی دعا

زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید

پڑھتے تھے (اصل کام) قلب کے یقین کی علامت اوامر شرعیہ کی بجا آوری ہے۔ اور رضا و رغبت کے ساتھ ایک چیتل (دمڑی) کسی فقیر کو زکوٰۃ کی نیت سے دینا لاکھوں روپے خرچ کرنے سے بہتر ہے جو اس نیت کے بغیر دیئے جائیں، کیونکہ وہ فرض کی ادائیگی ہے اور یہ نفل کو بجا لانا ہے اور ادائے نفل کی نسبت کا فرض کی ادائیگی کے مقابلہ میں کوئی شمار و اعتبار نہیں ہے۔ کاش کہ اس کو دریائے محیط کے مقابلے میں ایک قطرہ کی نسبت ہوتی۔ یہ شیطان ملعون کی رنگینی ہے کہ لوگوں کو فرائض سے باز رکھ کر نوافل کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور زکوٰۃ سے باز رکھتا ہے۔

رمضان کے روزوں کی تاکید

اور رمضان المبارک کے روزے بھی واجباتِ اسلام اور ضروریاتِ دین میں سے ہیں ان کی ادائیگی کا بھی اہتمام کرنا چاہئے اور شرعی عذر کے بغیر روزہ نہیں چھوڑنا چاہئے۔ پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "روزہ دوزخ کی آگ سے ڈھال ہے"۔ اور اگر ضروری موانع کی وجہ سے جیسے مرض وغیرہ میں روزہ قضا ہو جائے تو بلا توقف اس کی قضا کو ادا کرنا چاہئے اور سستی و کاہلی کی وجہ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔ انسان (اپنے مولیٰ کا) بندہ و غلام ہے خود مختار نہیں ہے، اس کو اپنے مولا حق جل و علا کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے بغیر چارہ نہیں ہے تاکہ نجات کی امید متصور ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کریگا تو وہ سرکش بندہ ہے اور اس کی سزا مختلف قسم کے عذاب ہیں۔

حج بیت اللہ شریف کی تاکید

اور اسلام کا پانچواں رکن حج بیت الحرام ہے اور اس کی کچھ شرائط ہیں جو فقہ کی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔ ان شرائط کے پورا ہونے کے بعد اس کا ادا کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ "حج سابقہ گناہوں کو زائل کر دیتا ہے"۔ ——— غرض حلال و حرامِ شرعی میں بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہئے اور جس چیز سے صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے منع فرمایا ہے اس سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے اور حدودِ شرعی کی حفاظت کرنی چاہئے اگر سلامتی اور نجات مطلوب ہے۔

عذابِ آخرت سے ڈرانا

آخر خوابِ خرگوش کب تک اور غفلت کی روئی کان میں کب تک پڑی رہے گی۔ جب (قضا و قدر کے کارکنان) اس نیند سے بیدار کر دیں گے اور غفلت کی روئی نکال پھینکیں گے، اس وقت سوائے ندامت و حسرت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور سوائے شرمندگی اور نقصان کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ موت قریب ہے اور

آخرت کے طرح طرح کے عذاب تیار و آمادہ ہیں: مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ[1] (جو شخص مرگیا اس کی قیامت قائم ہوگئی)۔ اور اس سے پہلے کہ بیدار کریں اور فائدہ نہ ہو خود بیدار ہو جائیں ۔ اور شرعی اوامر و نواہی کے مطابق کام کریں اور اپنے آپ کو آخرت کے طرح طرح کے عذابوں سے ڈرائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ (تحریم آیت ٦) (اپنے نفسوں کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر (بت) ہیں)۔

عقائد کی تصحیح اور شریعتِ حقہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے مطابق اعمالِ صالحہ کی بجا آوری کے بعد اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہ سے آباد رکھنا چاہئے اور اس تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہنا چاہئے۔ ظاہر میں اگر مخلوق کے ساتھ مشغول رہیں تو بھی باطن کو حق جل سلطانہ کے ساتھ رکھنا چاہئے اور اس تعالیٰ کی یاد سے لذت حاصل کرنی چاہئے ــــــــ یہ دولت ہمارے حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقے میں بندی کو پہلے ہی قدم میں شیخ کامل و مکمل کی صحبت میں اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے میسر ہو جاتی ہے۔ شاید آپ کو بھی اس کا یقین حاصل ہو گیا ہوگا، یا کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہوگا اگرچہ قلیل ہی ہو۔ غرض جو کچھ کہ حاصل ہو چکا ہے اس کی حفاظت کریں اور اس کا شکر ادا کریں اور زیادہ کے امیدوار رہیں۔ اور چونکہ حضراتِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقے میں "اندراجِ نہایت در بدایت" (ابتدا میں انتہا درج) ہے، اس لئے اس طریقے کا تھوڑا حصہ بھی بہت ہے کیونکہ وہ ابتدا ہی میں انتہا سے خبردار کر دیتا ہے، لیکن بندی کو چاہئے کہ جسقدر زیادہ سے زیادہ حاصل ہو اس کی نظر میں تھوڑا معلوم ہو، لیکن اس کے شکر سے غافل نہ رہے، اس کا شکر بھی ادا کرے اور زیادہ کا طلبگار بھی رہے۔ ــــــــ ذکرِ قلبی سے اصل مقصود حق سبحانہ کے سوا کی گرفتاری سے آزاد ہوتا ہے کیونکہ قلبی مرض سے یہی مراد ہے، اور جبتک اس گرفتاری کا زوال حاصل نہ ہو جائے ایمان کی حقیقت نصیب نہیں ہوتی، اور شرعی اوامر و نواہی کی ادائیگی میں آسانی و سہولت میسر نہیں ہوتی۔ بیت

ذکر گو ذکر تا ترا جان ست پاکیٔ دل زِ ذکرِ رحمان ست

اور چاہئے کہ کھانا کھاتے میں نفس کی لذت مطلوب نہ ہو بلکہ عبادت کے لئے قوت و استطاعت

[1] اس حدیث کو دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔

حاصل کرنے کی نیت سے کھانا کھائیں، اور اگر ابتدا میں یہ نیت حاصل نہ ہو سکے تو تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو اس نیت پر لائیں اور التجا و زاری کرتے رہیں تاکہ اس نیت کی حقیقت میسر ہو جائے۔
——— اور اسی طرح لباس پہننے میں بھی چاہئے کہ عبادت کی اور نماز ادا کرنے کے لئے زینت کی نیت ہونی چاہئے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے: خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف آیہ ۳۱) (مسجد میں جانے کے لئے زینت اختیار کرو)۔ زیب و زینت کا لباس پہننے کا مقصد لوگوں کو دکھاوا نہیں ہونا چاہئے جو ممنوع ہے ——— اور ایسی کوشش کرنی چاہئے کہ تمام افعال و حرکات اور سکنات میں اپنے مولیٰ جل سلطانہٗ کی رضامندی منظور ہو اور اس کی شریعتِ حقہ کے مطابق عمل کیا جائے تو اس وقت ظاہر و باطن دونوں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے اور حق جل و علا کی یاد میں مشغول رہیں گے ——— مثلاً سونا (نیند) جو سراسر غفلت ہے جب اطاعت کی ادائیگی اور تھکاوٹ دور کرنے کی نیت سے اختیار کی جائے تو وہ نیند بھی اس نیت کی وجہ سے عین عبادت بن جاتی ہے۔ جب تک آدمی اس نیند میں رہے گا گویا وہ عبادت میں ہے کیونکہ طاعت کی ادائیگی کی نیت ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے: نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ (احیاء العلوم) (علماء کی نیند بھی عبادت ہے)۔

اگرچہ فقیر جانتا ہے کہ آج اس معنی کا حصول آپ کے لئے مشکل ہے کیونکہ موانعات کا ہجوم ہے اور رسوم و عادات کا التزام غالب ہے جو ننگ و ناموس کے لئے ضروری ہیں اور یہ سب چیزیں روشن شریعت کی ضد ہیں کیونکہ شریعت تو رسوم و عادات کے دور کرنے کے لئے آئی ہے اور ننگ و ناموس کو دفع کرنے کے لئے، جو کہ نفس امارہ کی خواہشوں کی پیداوار ہیں لیکن اگر اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے ذکرِ قلبی پر دوام (ہمیشگی) حاصل ہو جائے اور پنج وقتہ نماز سستی کے بغیر پوری شرائط کے ساتھ ادا کریں اور شرعی حرام و حلال میں حتی الامکان احتیاط رکھیں تو امید ہے کہ اس معنی کا جمال ظاہر ہو جائے اور آپ خود بخود راغب ہو جائیں ——— اور دوسری وجہ اس قسم کی نصیحتیں لکھنے کی یہ ہے کہ اگرچہ ان نصائح کے مطابق عمل میسر نہ ہو سکے لیکن اپنے قصور و نقص کا اعتراف تو حاصل ہو جائے اور یہ بھی ایک بڑی دولت ہے ؎

ہر کس کہ بیافت دولتے یافت عظیم	و آنکس کہ نیافت درد نایافت بس است
(ترجمہ) جس کو ملے یہ دولت بے شک بڑی ہے	جس کو نہیں تو اس پر بس صبر بھی بہت ہے

عمل میں ذکرِ الٰہی مقصود ہو

اس بات سے اللہ سبحانہٗ کی پناہ کہ جو (اس دولت کو) نہ پائے اور نہ پانے کی وجہ سے رنجیدہ بھی نہ ہو، اور اس کے حصول کے لئے کوشش بھی کچھ نہ کرے اور اپنے نہ کرنے کی وجہ سے پشیمان بھی نہ ہو ایسا شخص بڑا جاہل و سرکش ہے کہ جس نے بندگی کی رسی کے حلقہ سے اپنے سر کو اور غلامی کی قید سے اپنے پاؤں کو باہر نکال لیا: رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما)۔

اگرچہ وقت و حال اور زمان و مکان اس کا تقاضا نہیں کرتے تھے کہ کچھ تحریر کیا جائے لیکن چونکہ آپ کا شوق اور کمال درجہ رغبت دیکھی اس لئے تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو اس کام کے لئے تیار کیا اور چند سطریں تحریر کر کے کمال الدین حسین کے سپرد کر دیں حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

سیادت پناہ میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا۔ ما سوی (غیر حق) سے بے تعلق ہونے اور طالبانِ حق کی صحبت کی ترغیب کے بیان میں (یہ مکتوب بھی قید خانے سے لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ دَائِمًا عَلٰی كُلِّ حَالٍ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ (اللہ رب العالمین کا شکر ہے ہمیشہ اور ہر حال میں خواہ خوشی ہو یا تکلیف) ـــــ صحیفۂ شریفہ مع ہدیہ جو آپ نے سلیمان کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا جَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرًا (اللہ تعالیٰ آپ کو اچھی جزا عطا فرمائے) ـــــ آپ نے لکھا ہے کہ "اس سفر سے مقصد بعض ان مقاصد کا حاصل کرنا تھا جن کا حصول دشوار معلوم ہوتا ہے"۔ آپ امیدوار رہیں (کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح آیت ۶،۵) (پس بیشک ہر دشواری کے بعد آسانی ہے یقیناً ہر دشواری کے بعد آسانی ہے) ـــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں لَنْ يَّغْلِبَ عُسْرٌ يُّسْرَيْنِ (ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آتی) (یعنی قرآن کریم میں مکرر فرما کر اشارہ فرمایا ہے کہ تنگی آسانی میں ضرور تبدیل ہو گی)۔ (فقیر) اپنے احوال پُرا ہوال (ہولناک) کیا لکھے اور دوستوں کو کیا بے مزہ کرے۔ اس

(حاشیہ: "تنگی آسانی میں ضرور تبدیل ہو گی")

---

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور تفصیلی تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر ملاحظہ ہو۔

حالت پر بھی ہزاروں ہزار شکر ہے کہ عین بلا میں عافیت حاصل ہے: فَسُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الضِّدَّيْنِ وَقَرَنَ بَيْنَ الْمُتَنَافِيَيْنِ (پاک ہے وہ ذات جس نے دو ضدوں (بلا اور عافیت) کو ایک جگہ جمع کر دیا اور دو مخالف چیزوں کو ملا دیا)

ایک دن فقیر قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ یہ آیت سامنے آگئی: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (توبہ آیت ۲۴) (اے رسول! کہدو) اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، کنبہ اور وہ اموال جو تم نے جمع کئے ہیں اور وہ تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور جہاد فی سبیل اللہ کی نسبت اگر تم کو عزیز ہیں تو پھر منتظر رہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تمہارے لئے آجائے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا)

اس آیت کریمہ کے پڑھتے ہی بہت گریہ طاری ہوا اور خوف غالب ہو گیا۔ اسی اثنا میں اپنے حال کا جائزہ لیا تو میں نے اندازہ لگایا کہ میں ان چیزوں میں سے کسی چیز میں گرفتار نہیں ہوں، اگر یہ تمام چیزیں تلف و برباد ہو جائیں تو بھی خلافِ شرع اوامر و نواہی امور کو ہرگز پسند نہ کروں گا اور ان امور کو شریعت کے احکام پر ترجیح نہ دوں گا۔

بحث غیرہ تحقیق

باقی التماس یہ ہے کہ چونکہ ہمارے دوست خدائے تعالیٰ کے لئے ہمارے پاس رہتے ہیں لہٰذا ہم کو بھی چاہئے کہ ان کی نازبرداری کریں اور ان کے ظاہری و باطنی احوال سے خبردار رہیں۔ حدیثِ قدسی مشہور ہے: يَا دَاوٗدُ اِذَا رَاَيْتَ لِيْ طَالِبًا فَكُنْ لَّهٗ خَادِمًا[1] (اے داؤد! جب تو میرے طالب کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا) ـــــ جسقدر پہلے آپ ان پر توجہ دیتے تھے اس سے بھی زیادہ ان پر متوجہ ہو جائیں اور لاپروائی اور تغافل کے طریقے کو برداشت نہ کریں۔

دیگر یہ کہ تحریر کریں کہ "اقربیت"[2] والا مکتوب سمجھ میں آیا یا نہیں؟ اگر سمجھ میں آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ شک والے مقامات کا تعین کر کے مطلع کریں۔ اس سے زیادہ کیا تحریر کیا جائے۔ اَلْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ سَلَامَتُكُمْ وَعَافِيَتُكُمْ وَثَبَاتُكُمْ وَاسْتِقَامَتُكُمْ وَيَزِيْدُ تَوْفِيْقِكُمْ وَحُسْنِ عَافِيَتِكُمْ وَالسَّلَامُ۔

---

[1] شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاریؒ نے ذکر کیا۔ (تنبیہ) یہ حدیث شریف پُر معنی ہے یعنی پیر اور مرید دونوں کیلئے نصیحت ہے۔

[2] غالباً یہ مکتوب دفتر سوم کا دسواں مکتوب ہے۔

(یہ مکتوب بھی) سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف (بحالت قید و بند) صادر فرمایا ــــــ

حق تعالیٰ کی قضا پر صبر و رضا کے بیان میں۔

اللہ رب العالمین کی حمد اور تعریف ہے ہر حال میں خواہ خوش حالی ہو یا تنگ حالی، خواہ عافیت ہو یا بلا و مصیبت۔ غرض حکیم جل سلطانہ کا کوئی فعل (کام) حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ شاید اللہ سبحانہٗ نے اس (مصیبت) سے ہماری بہتری کا ارادہ فرمایا ہو (جیسا کہ ارشاد ہے) عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۂ بقرہ آیت ۲۱۶) (ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے اچھی ہو، اور (اسی طرح) ممکن ہے کہ کسی چیز کو تم اچھا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ پس حقیقتِ حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے) ــــــ لہٰذا اس سبحانہٗ و تعالیٰ کی (بھیجی ہوئی) بلا پر صبر کرو، اس کے فیصلے (قضا) پر راضی رہو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہوئے اس سبحانہٗ کی نافرمانی سے پرہیز کرو۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (بقرہ آیت ۱۵۶) (ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف جانا ہے)۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (شوریٰ آیت ۳۰) (جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی (غلط) کمائی کے باعث ہے اور وہ تعالیٰ تمہاری بہت سی باتیں معاف کر دیتا ہے)۔ پس اللہ سبحانہٗ کی جناب میں استغفار و توبہ کرو اور اپنے ہاتھوں کئے ہوئے اعمال پر اللہ سبحانہٗ سے عفو و عافیت طلب کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔ ــــــ اور جس قدر ممکن ہو تکلیف و بلا سے بچو کیونکہ طاقت سے زیادہ بلا و مصیبت سے بچنے کی کوشش کرنا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی سنت ہے۔ اور ہم تو عین بلا میں عافیت سے ہیں پس اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے اور اس کا احسان ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ الْعُلٰی (آپ پر اور ان تمام لوگوں پر جنھوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا اسلام ہو)۔

مصائب پر صبر اور رضا

۳۱۳ + ۹۹ + مکتوب ۲۰ بسم = ۴۳۲

مولانا امان اللہ کی طرف صادر فرمایا ــــــــ بلند ہمتی اور تمام نعمتوں کے وصول کو اپنے پیر کی طرف راجع کرنے کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے نیک بندوں پر سلام ہو) ــــــ برادرم شیخ امان اللہ کا مکتوب موصول ہوا۔ آپ نے جو احوال و مواجید تحریر کئے تھے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوئے۔ آپ سے تو اس سے بھی زیادہ کی توقع ہے، جو کچھ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عطا فرمائے ادب و احسان کے ساتھ اس کو قبول کر لینا چاہئے، اور تضرع و زاری اور التجا و انکساری کے ساتھ ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (کیا کچھ اور بھی ہے) کا نعرہ لگاتے ہوئے زیادتی کی طلب اور مقامِ فوق کا سوال کرنا چاہئے۔ اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں بہت زیادہ رعایت کرنی چاہئے کیونکہ احوال کے سچے اور صادق ہونے کی علامت شریعت پر استقامت ہے۔

عالمِ مثال کے واقعہ کی جو تعبیر آپ نے تحریر کی تھی وہ معاملہ کے قریب ہے، اور حقیقت الامر اللہ سبحانہٗ ہی جانتا ہے۔ چونکہ آپ صحبت میں زیادہ رہے ہیں اور اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے کہ آپ کی نظر بھی بلند واقع ہوئی ہے اس لئے (نصیحت کی جاتی ہے کہ) نادان بچوں کی طرح جوز و مویز پر فریفتہ نہ ہو جانا: اِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْھِمَمِ (اللہ تعالیٰ عالی ہمت لوگوں کو دوست رکھتا ہے)۔

اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت کا جو واقعہ حافظ مہدی علی کی نسبت آپ نے تحریر کیا (درست ہے) ہاں حافظ ہمارے طریقے کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے لیکن یہ بات خوب جان لینی چاہئے کہ دولت اگرچہ بظاہر کہیں سے بھی پہنچے حقیقتاً اس کو اپنے شیخ ہی کی طرف سے سمجھنا چاہئے تاکہ توجہ کا قبلہ پراگندہ نہ ہو اور اس کارخانہ میں خلل نہ پڑے۔ جہاں سے بھی کچھ ملے اس کو اپنے پیر ہی کی طرف سے جانے کیونکہ وہ جامع ہے اور جس صورت میں بھی اس کی تربیت ظہور پائے وہ حقیقتاً اسی کی طرف سے ہے اور یہ مقام طالبوں کے قدم پھسلنے کا ہے، اس مقام سے واقف رہنا چاہئے تاکہ دشمن لعین راہ نہ پاسکے اور پراگندہ نہ کرے۔

آپ نے سنا ہوگا "جو ایک جگہ ہوتا ہے وہ ہر جگہ ہوتا ہے اور جو ہر جگہ ہوتا ہے وہ کہیں نہیں ہوتا"۔ حافظ کو دعا پہنچاتیں۔ والسلام

(حاشیہ: اور بہت کی دولت کو زیادہ سے زیادہ طلب کرے)

(حاشیہ: ہر فیض کو پیر ہی کی طرف سے جانے)

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں۔ اور تفصیل و تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۸۶ پر ملاحظہ ہو۔

۳۱۳+۹۹= ۴۳۳

مکتوب ۲۱

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ــــ ان کے سوالات کے جواب میں کہ ضمیروں کے ساتھ حق تعالیٰ کا مشارٌ الیہ ہونا اور زاہدوں کی فضیلت اور حق تعالیٰ جل سلطانہٗ وعم احسانہٗ کے علم کی اپنی ذات کے ساتھ کیفیت کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ــــ آپ نے دریافت کیا تھا کہ "جب اشیاءِ ظلی (یعنی تمام ممکنات) اپنی ماہیت کے ساتھ اشیاء نہیں ہیں بلکہ اپنے اصل کی ماہیت کے ساتھ قائم ہیں (یعنی حق تعالیٰ کی ماہیت پر) تو پھر چاہئے کہ اشیاء کا مشارٌ الیہ لفظ ھُوَ، اَنْتَ اور اَنَا (یعنی وہ تو اور میں) سے وہی اصل مراد ہو۔ اس وقت بعض ایسی صفات کا ثبوت جو اس اصل کے ساتھ نامناسب ہیں (حق تعالیٰ کی) ان ضمیروں پر حمل کرنا کس طرح صادق آئے گا، جیسے اَنَا اٰکِلٌ (میں کھانے والا ہوں) اَنَا نَائِمٌ (میں سونے والا ہوں) وغیرہ ــــ (جواب) جاننا چاہئے کہ ظل حقیقت میں اگرچہ اپنی اصل کے ساتھ قائم ہے لیکن اس کی ظلیت کا ثبوت اگرچہ احساس وخیال کے مرتبہ میں ہی ہو ہمیشہ اپنی جگہ پر قائم ہے اور اس کی ظلیت کے احکام کے لئے دوام وبقا ہے، اور خُلِقْتُمْ لِلْاَبَدِ (تم ہمیشہ کے لئے پیدا کئے گئے ہو) اس امر پر گواہ ہے۔ اور ان نامناسب صفات کا ثبوت ان ضمائر پر ظلیت کے اعتبار سے ملاحظہ کرنا روا و جائز ہے کیونکہ وجود کے ہر مرتبہ کا حکم جدا ہے اور جو خدا میں گم ہے وہ خدا ہے جل وعلا نہیں ہے۔

دیگر یہ کہ آپ نے اس حدیثِ قدسی کے معنی دریافت کئے ہیں جو بزرگ زاہدوں کی فضیلت کے بارے میں وارد ہوئی ہے ــــ (جواب) ان الفاظ کے معنی تو ظاہر ہیں۔ اور خداوند جل شانہٗ کے فضل وکرم سے کیا بعید ہے کہ بعض حضرات کو اس قسم کے فضائل وخصائص اور کرامات سے مخصوص فرمائے اور ایسے مرتبہ وکرامت کے درجات عنایت فرمائے کہ دوسرے (لوگ) ان پر رشک کریں ــــ اور ان کے حساب نہ ہونے کے بارے میں جو تردد آپ کو ہو گیا تھا اس کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی امت میں سے بہت لوگ بے حساب بہشت میں جائیں گے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ستر ہزار آدمی میری امت میں سے بغیر حساب بہشت میں جائیں گے۔

حاشیہ: حق تعالیٰ کی ضمائر — بغیر حساب بہشت میں جانے والوں کا ذکر

ؐ آپ کے نام ۲۳ مکتوبات ہیں اور تفصیلی تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گزر چکا وہاں ملاحظہ ہو۔

(صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ وہ کون لوگ ہیں ؟ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اَلَّذِیْنَ لَا یَکْتَوُوْنَ وَلَا یَسْتَرْقُوْنَ وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (وہ لوگ ہیں جو نہ داغ دیتے ہیں نہ افسوں پڑھتے ہیں اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں) ـــــــ اس مقام میں ایک بہت بڑا راز ہے کہ اس کا ظاہر کرنا مصلحت سے بعید ہے کیونکہ وہ اکثر لوگوں کی سمجھ سے دور ہے۔ اگر ملاقات کا موقعہ ملا تو یاد دلا دینا تاکہ اس میں سے کچھ بالمشافہ بیان کیا جائے۔ اس راز میں سے کچھ حصہ مکتوبات کی جلد ثانی کے کسی مکتوب[1] میں درج ہو چکا ہے اگر ہو سکے تو اس کو تلاش کر لیں ممکن ہے کہ وہ راز پا سکیں۔

دوسرے آپ نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا علم اپنی ذات کی کُنہ پر محیط ہو سکتا ہے یا نہیں، اگر ہو سکتا ہے تو تناہی لازم آئے گی ـــــــ (جواب) جاننا چاہئے کہ علم کی دو قسمیں ہیں: حصولی اور حضوری، علمِ حصولی کا حق جل سلطانہٗ کی ذات کی کنہ کے ساتھ متعلق ہونا محال و دشوار ہے کیونکہ اس سے احاطہ و تناہی لازم آتا ہے لیکن یہ جائز ہے کہ اس تعالیٰ کا علمِ حضوری اس کی ذات کی کُنہ سے متعلق ہو اور تناہی بھی لازم نہ آئے۔ والسلام

علم کی دو قسمیں ہیں حصولی اور حضوری

۳۱۳ + ۹۹ + ۲۲ = ۴۳۴

مکتوب ۲۲
بست و دوم

ملا مقصود علی تبریزیؒ کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ مشرکوں کی ناپاکی سے مراد ان کا باطنی خُبث اور بد اعتقادی ہے نہ کہ ان کا نجس العین ہونا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــــ میرے مخدوم و مشفق! یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تفسیرِ حسینی بھیجنے سے آپ کا کیا مقصد تھا کیونکہ صاحبِ تفسیرِ حسینی، کمال الدین حسین واعظ کاشفی) کی تفسیر حنفی ائمہ کے موافق بیان کی ہے اور انھوں نے مشرک کی نجاست سے ان کا باطنی خُبث اور بد اعتقادی مراد لی ہے اور اس کے بعد کہا ہے کہ یہ مشرک نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتے۔ اور یہ بات تو آج کل اکثر اہلِ اسلام میں بھی پائی جاتی ہے اور اس لحاظ سے عوامِ اہلِ ایمان اور کفار کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ پس اگر کسی کا نجاست سے پرہیز نہ کرنا ہی اس کی نجاست کا سبب ہو تو پھر معاملہ

مشرکوں کی ناپاکی کی تحقیق

ملاؒ آپ کے نام تین مکتوبات ہیں ایک دفتر دوم مکتوب ۹۵، دوسرا یہی تیسرا دفتر سوم نمبر ۴۲ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

[1] دفتر دوم مکتوب ۹۹

تنگ ہو جائے گا جبکہ لَاحَرَجَ فِي الْاِسْلَامِ (اسلام میں کوئی تنگی نہیں ہے) ——— اور وہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ "مشرک کتوں کے مانند نجس العین ہیں"۔ اس قسم کی نقلیں شاذ ہیں اور اکابرِ دین سے بہت منقول ہیں اور توجیہ و تاویل پر محمول ہیں۔ بھلا وہ نجس العین کس طرح ہو سکتے ہیں جبکہ سرورِ دین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودی کے گھر کھانا تناول فرمایا اور ایک مشرک کے برتن سے وضو کیا ہے۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایک نصرانی عورت کے برتن سے وضو کیا ہے ——— اگر یہ کہا جائے کہ آیۂ کریمہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (توبہ آیت ۲۸) (بلاشبہ مشرک نجس ہیں)۔ ہو سکتا ہے کہ (یہ آیت) بعد میں نازل ہوئی ہو اور اس (آیت کی) ناسخ ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ صرف "تواند بود" (ہو سکتا ہے) کافی نہیں ہے بلکہ اس کے متاخر ہونے کو ثابت کرنا چاہئے تاکہ دعویٰ نسخ میں صحت پیدا ہو جائے۔ فَاِنَّ الْخَصْمَ مِنْ وَّرَاءِ الْمَنْعِ (کیونکہ مخالف کو حق ہے کہ وہ انکار کرے) اور اگر اس کا متاخر ہونا تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس کی حرمت ثابت نہیں ——— اور نجاست سے مراد خبثِ باطن ہو کیونکہ منقول ہے کہ کوئی پیغمبر کسی ایسے کام کا مرتکب نہیں ہوا جس کا انجام اس کی شریعت میں یا کسی دوسرے انبیاء کی شریعت میں حرمت تک پہنچا ہو اور آخر کار حرام ہو گیا ہو۔ اگرچہ وہ کام ارتکاب کے وقت مباح ہی کیوں نہ ہو مثلاً شراب جو پہلے مباح تھی اور آخر میں حرام ہو گئی لیکن کسی پیغمبر نے اس کو کبھی نہیں پیا، اور مشرکوں کا انجام کار ظاہری نجاست قرار پایا اور وہ کتوں کے مانند نجس العین ہوتے تو سرورِ دین محبوبِ ربّ العالمین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ان کے برتنوں کو ہاتھ تک نہ لگاتے، چہ جائیکہ ان کے آب و طعام کو کھاتے پیتے، اور یہ بھی کہ نجس العین ہر وقت نجس العین ہے اس میں اباحتِ سابق ولاحق کی گنجائش نہیں ہے اور اگر مشرکین نجس العین ہوتے تو چاہئے تھا کہ شروع ہی سے ایسے ہوتے اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شروع ہی سے اس اندازے کے مطابق ان سے سلوک فرماتے وَلَيْسَ فَلَيْسَ (جب ایسا نہیں ہوا تو ویسا بھی نہیں ہے)۔

اور نیز جب دین میں تنگی دور ہو چکی ہے جیسا کہ آپ کے علمِ شریف میں ہے کہ ان (مشرکین) کی نجاست کے حکم کرنے اور ان کو نجس العین جاننے میں مسلمانوں کے لئے کسقدر تنگی و دشواری ہے اور ان (مسلمانوں) کو تکلیف میں ڈالنا ہے۔ ہم کو ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ممنونِ احسان

ہونا چاہئے کہ انھوں نے مسلمانوں کے لئے خلاصی کی صورت پیدا کردی ہے اور حرام کے ارتکاب سے بچالیا ہے، نہ یہ کہ الٹا ہم ان کو مطعون کریں اور ان کے ہنر کو عیب خیال کریں۔ مجتہد پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے کیونکہ ان کی خطائے اجتہادی پر بھی ایک درجہ ثواب ہے، اگرچہ ان سے غلطی ہو جائے پھر بھی ان کی تقلید نجات کا موجب ہے ـــــــ اور جو لوگ کفار کی اشیاءِ خوردنی و نوشیدنی کی حرمت کے قائل ہیں وہ از روئے عادت محال ہے کہ وہ خود کو ان (مشرکین) کی چیزوں سے محفوظ رکھ سکیں خصوصاً ہندوستان میں کہ یہاں یہ مجبوری بہت زیادہ ہے کیونکہ یہاں یہ مسئلہ عموم بلوی کا حکم رکھتا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ ایسے امور میں (کسی نہ کسی مجتہد کے قول پر) سہل اور آسان پر فتویٰ دیا جائے اگرچہ وہ اپنے مذہب کے موافق نہ ہو خواہ کسی مجتہد کے قول کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ (بقرہ آیت ۱۸۵/۲) (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تنگی دینا نہیں چاہتا) ـــ اور دوسری جگہ فرماتا ہے: یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ وَ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا (نساء آیت ۴/۲۸) (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور انسان نہایت ضعیف پیدا کیا گیا ہے)۔ مخلوق کو (سخت قسم کا فتویٰ دے کر) تنگی میں ڈالنا اور ان کو رنجیدہ کرنا حرام ہے اور حضرت حق سبحانہٗ کی مرضی کے خلاف ہے ـــــــ شافعیہ بھی بعض مسائل میں جن میں امام شافعیؒ نے سختی اختیار کی ہے وہ حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرتے ہیں، مثلاً مصارفِ زکوٰۃ، شافعیہ کے نزدیک زکوٰۃ کی رقم تمام اقسامِ مصارفِ زکوٰۃ میں تقسیم کرنا چاہئے، ان مصارف میں ایک قسم تالیفِ قلوب بھی ہے، یہ قسم اس وقت مفقود ہے، لہٰذا علماءِ شافعیؒ نے حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے ان میں سے اگر کسی ایک قسم کو بھی (زکوٰۃ) دیدیں تو کافی ہے۔

اور اسی طرح اگر مشرک نجس العین ہوں تو چاہئے کہ ایمان لانے کے بعد بھی پاک نہ ہوں (حالانکہ ایسا نہیں ہے) لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کی نجاست خُبثِ اعتقاد کی وجہ سے ہے جو (ایمان لانے سے) زائل ہو سکتی ہے اور یہ (نجاست) صرف باطن تک محدود ہے جو اس عقیدے کا محل ہے اور اندرونی نجاست کا بیرونی نجاست سے کوئی تضاد نہیں ہے جیسا کہ ہر خاص و عام کو معلوم ہے۔

دوسرے یہ کہ کلام حسنِ انتظام اِنَّمَا الۡمُشۡرِکُوۡنَ نَجَسٌ میں مشرکوں کے حال کی خبر دی گئی ہے جس میں ناسخ و منسوخ کا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ نسخ تو حکم شرعی کے (اوامر و نواہی) میں ہوتا ہے

نہ کہ کسی چیز کی خبر دینے ہیں۔ لہذا چاہئے کہ مشرک ہر وقت نجس ہوں اور نجاست سے مراد ان کا خُبثِ اعتقاد ہے تاکہ دلائل ایک دوسرے سے متعارض نہ ہوں اور ان کا ہاتھ لگانا کسی وقت بھی ممنوع نہ ہو۔

جس دن اس فقیر نے اس بحث کے سلسلے میں آیۂ کریمہ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ (مائدہ آیت ۵) (اہلِ کتاب کے ہاتھ کا (ذبیحہ) کھانا تم پر حلال ہے) پڑھی تھی تو اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ یہاں طعام سے مراد گندم، چنا اور مسور (وغیرہ غلہ) مراد ہے، اس توجیہ کو اہلِ عرف پسند فرمائیں تو کیا مضائقہ ہے مگر انصاف درکار ہے۔ اس طول کلامی سے اصلی مقصود یہی ہے کہ مخلوق پر رحم کریں اور ان (مشرکین) کے حق میں عمومِ نجاست کا حکم نہ دیں اور ان مسلمانوں کو بھی جن کو کفار سے ملنے جُلنے کے بغیر چارہ نہیں نجس نہ جانیں اور مسلمانوں کے کھانے پینے کی چیزوں سے بھی اس وہم کی وجہ سے اجتناب نہ کریں اور اس طرح سب سے پرہیز نہ کریں اور اس کو احتیاط خیال نہ کریں بلکہ احتیاط تو اس احتیاط کے ترک کرنے میں ہے۔ زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ بیت

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم ۔۔۔ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(ترجمہ) غمِ دل تجھ سے بہت کم ہی کہا ہے کہ کہیں ۔۔۔ تجھے تکلیف نہ ہو ورنہ ہے وہ بات بہت

والسلام

خواجہ ابراہیم قبادیانی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اپنی ذات و صفات اور بندوں کے پسندیدہ و ناپسند اعمال کے بارے میں خبر دی ہے جس میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَهَدٰنَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم پر طرح طرح کے انعام فرمائے اور ہم کو اسلام کی طرف رہنمائی کی اور حضرت محمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں بنایا ـــــ

(واضح ہو کہ) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات تمام جہانوں کے لئے سراسر رحمت ہیں چونکہ حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان بزرگوں یعنی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی بعثت کے ذریعے

انبیاء تمام جہان کے لئے رحمت ہیں

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔ قبادیان ترمذ کے قریب ایک شہر ہے۔

ہم ناقص عقل اور کوتاہ علم والوں کو اپنی ذات و صفات کی خبر دی ہے، اور ہماری کوتاہ فہمی کے اندازے کے مطابق اپنے ذاتی اور صفاتی کمالات پر اطلاع بخشی ہے اور اپنے پسندیدہ و ناپسند کاموں میں امتیاز قائم کر کے ہمارے دنیوی و اُخروی منافع اور نقصانات کو ممتاز کر دیا۔ اگر ان بزرگوں (انبیاء) کے وجود شریف کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو انسانی عقلیں اس صانع تعالیٰ کے اثبات میں عاجز رہ جاتیں اور اس سبحانہٗ کے کمالات کا ادراک کرنے میں ناقص و قاصر ثابت ہوتیں۔

فلاسفہ کا رد

قدماء فلاسفہ (حکماء یونان) جو اپنے آپ کو بڑا عقلمند سمجھتے تھے صانعِ حقیقی کے منکر تھے اور اشیاء کو اپنی بے وقوفی کی وجہ سے زمانے کی طرف منسوب کرتے تھے ——— اور مجادلۂ نمرود جو روئے زمین کا بادشاہ گزرا ہے حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے خالقِ ارض و سموات کے ثبوت میں اس کا جھگڑا مشہور ہے اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہے ——— نیز بدنصیب فرعون کہتا تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (قصص ۲۸ آیت ۳۸) (میں نہیں جانتا کہ میرے علاوہ بھی تمہارا کوئی اور معبود ہے) اور نیز فرعون نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے کہا: لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (شعراء ۲۶ آیت ۲۹) (اگر تو میرے علاوہ کسی دوسرے کو معبود سمجھے گا تو بیشک میں تجھے قید کر دوں گا) ——— اور یہ بھی اس بدنصیب نے ہامان (اپنے وزیر) سے کہا: يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا (مومن آیت ۳۶) (اے ہامان میرے لئے ایک بہت اونچا مکان بنا تا کہ میں آسمانوں پر چڑھ کر موسیٰؑ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں کیونکہ میرا گمان ہے کہ وہ جھوٹا ہے)۔

مختصر یہ کہ عقل اس دولتِ عظمیٰ (توحید) کے اثبات میں قاصر ہے اور بغیر ان بزرگوں یعنی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی رہنمائی کے اس دولت خانۂ توحید تک راہ نہیں پا سکتی اور جب انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی پے در پے تشریف آوری کی وجہ سے ان کی دعوت الی اللہ یعنی جو کہ خالقِ زمین و زماں کی طرف دعوت ہے شہرت حاصل کر گئی اور ان بزرگوں یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کلمہ بلند ہو گیا تو پھر ہر زمانے کے کم عقل جو صانعِ حقیقی کے ثبوت میں شک و تردد رکھتے تھے اپنی بُرائی اور بداعتقادی پر مطلع ہو کر بے اختیار صانع حقیقی کے وجود کے قائل ہو گئے اور تمام اشیاء کو اس ذاتِ عالی کے ساتھ منسوب کرنے لگے۔ یہ وہ نور ہے (یعنی صانع تعالیٰ کے وجود کا قائل ہونا) جو انبیاءؑ کے

انوار سے حاصل ہوا۔ اور یہ ایک ایسی دولت ہے جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے دسترخوان سے بروئے کار آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں ان (انبیاء) پر قیامت تک بلکہ ابد الآباد تک۔

اور اسی طرح وہ تمام سُنی ہوئی باتیں جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تبلیغ کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں یعنی حق جل سلطانہٗ کی صفاتِ کمال کا وجود، بعثتِ انبیاء اور ملائکہ علیہم الصلوات و التسلیمات والتحیات والبرکات کی عصمت، حشر و نشر، بہشت و دوزخ کا وجود اور دائمی ثواب وعذاب۔ یہ سب چیزیں اور ان کی مثل اور بہت سی چیزیں جن کو شریعت نے بیان کیا ہے عقل ان کے ادراک سے قاصر ہے اور ان بزرگوں کے ذریعے سُنے بغیر ان کو ثابت کرنے میں عقل ناقص اور غیر مستقل ہے ——

جس طرح عقل کا طریقہ حسّ کے طریقے سے بلند و بالا ہے کہ جس چیز کا حسّ ادراک نہ کر سکے عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے اسی طرح طریقۂ نبوت طریقۂ عقل سے بلند و بالا ہے کہ جو بات عقل کے ذریعے سمجھ میں نہیں آتی وہ نبوت کے ذریعے سمجھ میں آجاتی ہیں، اور جو شخص اثباتِ معرفتِ حق کے لئے عقل کے طریقوں سے بالا کوئی راستہ (یعنی انبیاء کے راستے کو) نہیں مانتا وہ حقیقت میں طریقۂ نبوت کا منکر ہے، اور بداہت (واضح حقیقت) کی مخالفت کرتا ہے۔ لہذا انبیاءؑ کے وجود کے بغیر چارہ کار نہیں ہے تاکہ منعمِ حقیقی جل سلطانہٗ کے شکر کی رہنمائی کریں جو ازروئے عقل بھی ہم پر واجب ہے۔ ——

—— اور مولائے نعم (نعمتوں کے عطا کرنے والے) جل وعلا کی تعظیم کا طریقہ جو کہ علم و عمل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اسی سبحانہٗ کی جانب سے معلوم کر کے ظاہر کریں کیونکہ اس تعالیٰ کی تعظیم جو اس سبحانہٗ کی طرف سے حاصل نہ کی گئی ہو تو وہ اس سبحانہٗ کے شکر کے لائق نہیں کیونکہ قوتِ بشری اس کے ادراک میں عاجز ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس سبحانہٗ کی غیر تعظیم کو اس کی تعظیم سمجھ لیتا ہے اور شکر کی بجائے ہجو کی طرف چلا جاتا ہے —— اور حضرت حق جل سلطانہٗ سے اس تعالیٰ و تقدس کی تعظیم حاصل کرنے کا طریقہ صرف نبوت پر موقوف ہے اور انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کی تبلیغ پر منحصر ہے —— اور الہام جو اولیاء کو ہوتا ہے وہ بھی انوارِ نبوت سے مقتبس ہے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے فیوض و برکات سے ہے۔ اگر عقل اس (معرفتِ الٰہی کے) معاملے میں کافی ہوتی تو فلاسفۂ یونان جنھوں نے عقل کو اپنا مقتدا بنا رکھا ہے ضلالت و گمراہی کے میدان میں حیران و سرگرداں نہ رہ جاتے اور حق سبحانہٗ کو (دوسروں کے مقابلے میں) سب سے زیادہ پہچانتے

حالانکہ ذات وصفاتِ واجبی جل سلطانہٗ کے بارے میں سب سے زیادہ جاہل یہی لوگ ہیں کہ انھوں نے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو بیکار و معطل جان لیا ہے اور سوائے ایک چیز (عقلِ فعال) کے کسی چیز کو اس تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتے اور وہ بھی ایجاب واضطرار کے طور پر نہ کہ اختیار کے ساتھ۔ انھوں نے یہ عقلِ فعال اپنی طرف سے تراشی ہے اور حوادث کو خالقِ سموات وارض سے بے تعلق رکھ کر اس (عقلِ فعال) کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور اثر کو موثرِ حقیقی جل سلطانہ سے ہٹا کر اس کو اپنا تراشیدہ اثر جانتے ہیں، کیونکہ ان (فلاسفہ) کے نزدیک معلول علتِ قریبہ کا اثر ہے اور علتِ بعیدہ کے لئے وہ معلول کے حصول میں کچھ تاثیر نہیں جانتے اور اپنی جہالت کی وجہ سے اس تعالیٰ کی طرف اشیاء کی نسبت نہ کرنا ہی اس سبحانہٗ کا کمال تصور کرتے ہیں اور اس معطل رہنے کو ہی اُس کی تعظیم سمجھتے ہیں حالانکہ حضرت حق سبحانہٗ نے (قرآن کریم میں) خالقِ سموات والارض کے الفاظ سے اپنی تعریف فرمائی ہے اور اپنے ربّ المشرق والمغرب ہونے سے اپنی مدح فرمائی ہے ——

اور ان بے وقوفوں کو اپنے زعمِ فاسد کی بنا پر حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی کوئی احتیاج نہیں ہے اسی لئے وہ اس سبحانہٗ کے دربار میں سرِ نیاز نہیں رکھتے۔ پس ان کو چاہئے کہ اضطرار واحتیاج کے وقت عقلِ فعال سے رجوع کریں اور اسی سے اپنی حاجت پوری کیا کریں، کیونکہ وہ اپنے تمام معاملات میں اسی کی طرف رجوع رکھتے ہیں (بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ) عقلِ فعال بھی ان (فلاسفہ) کے زعم میں موجب ہے نہ مختار، لہٰذا اس سے اپنی حاجت روائی طلب کرنا بھی غیر معقول بات ہے۔ وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ (سورہ محمد آیہ ۱۱) (اور کافروں کا کوئی مولیٰ ومددگار نہیں) —— آخر عقلِ فعال کی کیا حیثیت ہے جو اشیاء کا انتظام کرے اور حوادث اس کی طرف منسوب ہو سکیں، خود اس کے نفسِ وجود اور ثبوت ہی میں ہزاروں اعتراض ہیں کیونکہ اس کی تحقیق اور حصول فلسفیوں کی ملمع کاری کے مقدمات پر مبنی ہیں جو اصول حقۂ اسلامیہ کے مطابق ناتمام وناقص ہیں۔

وہ بڑا ہی بے وقوف ہے جو اشیاء کو قادر مختار جل شانہٗ کی قدرت سے بے تعلق قرار دے کر اس کو امرِ موہوم (عقلِ فعال) کی طرف منسوب کرے، بلکہ یہ تو اشیاء کے لئے بھی ہزارہا ننگ وعار کا موجب ہے کہ وہ فلسفیوں کے تراشیدہ امرِ موہوم کی طرف منسوب ہوں، بلکہ اشیاء اس بات کے مقابلے میں اپنے فنا ہونے کو پسند کریں گی اور اپنے وجود کی ہرگز خواہش نہ کریں گی کہ ان کے وجود کو فلسفی کی ساخت

مجہول اور من گھڑت امر کی طرف منسوب کریں اور اس طرح یہ اشیاء قادر مختار جل سلطانہٗ کی قدرت کے انتساب کی سعادت سے محروم رہیں ، کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا (کہف آیت ۵ پ ۱۸) (ان (منکرین) کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ بہت بھاری ہے وہ سب جھوٹ بول رہے ہیں)

——— دارالحرب کے کفار اپنی بت پرستی کے باوجود اس جماعت (فلاسفہ) سے بہتر حال میں ہیں کیونکہ وہ حضرت حق سبحانہٗ جل وعلا کے سامنے تنگی و تکلیف کی حالت میں التجا کرتے ہیں اور بتوں کو اس تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کا وسیلہ بناتے ہیں ——— اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ایک جماعت ان بے وقوفوں کو حکماء کہتی ہے اور ان کو حکمت کی طرف منسوب کرتی ہے حالانکہ ان کے اکثر احکام خصوصاً الٰہیات میں جو ان کا اعلیٰ اور روشن مقصد ہے وہ جھوٹے ہیں اور کتاب و سنت کے مخالف ہیں (ایسے لوگوں پر) حکماء کا اطلاق کرنا جن کے نصیب میں سراسر جہلِ مرکب ہے کس اعتبار سے درست ہے۔ ہاں اگر استہزاء اور مذاق کے طور پر (ان کو حکماء) کہا جائے یا جس طرح کور کو بینا کہہ دیتے ہیں (تو زیبا ہے)۔

اور ان بے وقوفوں میں ایک جماعت ایسی ہے جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے طریق کو چھوڑ کر ان صوفیاء الہیہ کی تقلید میں جو انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے پیروکاروں میں سے تھے ان کا طریق ریاضت و مجاہدہ اختیار کیا ہے اور اپنے "صفائے وقت" (قلب کی صفائی کے خیال) پر فریفتہ ہو کر اپنے خواب و خیال پر اعتماد کر کے اپنے کشوفِ خیالی کو اپنا مقتدا سمجھتے ہیں ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا (پس خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) ——— وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ صفائی محض جلائے نفس ہے جو گمراہی کا راستہ ہے نہ کہ "صفائے قلب" کا کہ جس کا دریچہ ہدایت ہے، اس لئے کہ صفائی قلب انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر موقوف ہے اور تزکیہ نفس، صفائی قلب کے ساتھ مربوط ہے اور اس (قلب) کی حکومت خاص نفس پر ہے، اور قلب کی ظلمت کے باوجود جو کہ انوارِ الٰہیہ کے ظہور کا محل ہے اگر نفس صفائی حاصل کر لے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے (اندھیرے میں) چراغ روشن کر دیا جائے تاکہ دشمن ابلیسِ لعین اس کی روشنی میں خوب لوٹ مار کر سکے۔

مختصر یہ کہ ریاضت و مجاہدہ کا طریقہ، نظر و استدلال کے طریقے کے مانند اسی وقت اعتبار و اعتماد پیدا کر سکتا ہے جبکہ وہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تصدیق سے ملا ہوا ہو جو حق جل وعلا کی جانب سے

فلاسفہ شریعت کے طریق پر استدلال کا رد

تبلیغ کرتے ہیں اور اس سبحانہٗ کی تائیدان کو حاصل ہے۔ ان بزرگوں (انبیاء) کا کارخانہ ملائکہ معصومین (کے نزول) کی وجہ سے دشمن لعین کے کید و مکر سے محفوظ ہے (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) : اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ (حجر ۱۵ آیت ۴۲) (اے ابلیس) بیشک میرے (خاص) بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہوگا)۔ ان (انبیاء) کے لئے وقت کی دولت ہے اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں — اس بدنصیب لعین کے دام سے رہائی اس وقت تک متصور نہیں جبتک ان بزرگوں کی متابعت کو لازم نہ جانے اور ان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے نقشِ قدم پر نہ چلے۔ بیت

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ ؐ

(ترجمہ) سعدی محال ہے کہ ملے راہِ مستقیم
جب تک نصیب ہو نہ غلامیِ مصطفےٰ ؐ

علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ جمیع اخوانہ الصلوات والتسلیمات العلیٰ۔

سبحان اللہ! افلاطون[1] جو فلاسفہ کا رئیس ہے اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دولتِ بعثت پائے ہوئے ہے اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے آپ کو اُن سے مستغنی سمجھ کر ان کا گرویدہ نہیں ہوا اور برکاتِ نبوت سے بہرہ مند نہیں ہوا۔ (سچ ہے) وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (نور ۲۴ آیت ۴۰) اور جس کو اللہ تعالیٰ نور عطا نہ فرمائے اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے)۔ نیز اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (صفّٰت ۳۷ آیت ۱۷۱ تا ۱۷۳) (اور بیشک پہلے ہی ہمارا وعدہ اپنے مرسلین بندوں کے حق میں صادر ہو چکا ہے کہ وہی غالب رہیں گے اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا)۔

عجب معاملہ ہے کہ فلاسفہ کی ناقص عقلیں مبدأ میں بھی اور معاد میں بھی طرزِ نبوت کی نقیض و مقابل ہیں، اور ان (فلاسفہ) کے احکام انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے احکام کے مخالف ہیں۔ ان کا ایمان نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہے اور نہ ہی آخرت کے ساتھ۔ وہ

---

[1] افسوس کہ حضرت مجدد قدس سرہ کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے مکتوبات شریف کہیں دستیاب نہیں جو ملتے ہیں وہ دوسرے کاتبوں کے ہیں مکتوبات شریف میں افلاطون کا ذکر ۱/۲۶۶ و ۱/۳۱۳۔ اور ۳/۲۳ میں آتا ہے اور ان تینوں مقامات میں اس کو حضرت عیسیٰؑ کا معاصر لکھا گیا ہے در اصل طاغوتی طاقتیں ہمیشہ سے حق کے خلاف برسرِ پیکار رہی ہیں۔ توریت اور انجیل کی تحریفات کس سے پوشیدہ ہیں؟ حضرت مجدد قدس سرہٗ کی اثبات النبوہ، ردِّ روافض، نیز مکتوبات شریف کے بہت سے مقامات طاغوتی طاقتوں کے خلاف تھے۔ چنانچہ آپ ہی کے زمانے میں حسن خاں افغانی نے تحریفات شروع کر دی تھیں جن کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اسے ہتراے موت بھی دی۔ خواجہ بدرالدین سرہندیؒ کی مجمع الاولیاء بھی ان تحریفات کا شکار ہوئی۔ حضرت مجدد قدس سرہ کے مکتوبات میں تحریف کا ایک ادنیٰ سا ثبوت یہ ہے کہ مکتوب ۱/۱۹۳ میں ارجن کے قتل کو گوبند کا قتل لکھ دیا گیا ہے۔ حضرت مجددؒ نے ہرگز گوبند نہیں لکھا ہوگا کیونکہ یہ واقعہ ان کے زمانہ کا ہے چنانچہ یقین ہے کہ حضرت مجددؒ نے مذکورہ بالا مقامات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھا ہوگا حضرت عیسیٰؑ نہیں لکھا ہوگا جبکہ آپ کے پیش نظر عبدالکریم جیلیؒ کی الانسان الکامل بھی تھی جس میں موسیٰ علیہ السلام اور افلاطون کے سوال وجواب کا ذکر ملتا ہے (از حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب مدظلہ)

عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں حالانکہ تمام اہلِ مذاہب کا اس بات پر اجماع ہے کہ عالم مع تمام اجزاء کے حادث ہے۔ اسی طرح (فلاسفہ) آسمانوں کے پھٹ جانے اور ستاروں کے جھڑ جانے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے اور دریاؤں کے (مجتمع ہوکر) بہہ جانے کو جن کا قیامت کے دن (واقع ہونے کا) وعدہ ہے وہ قائل نہیں ہیں، اور وہ حشرِ اجساد کے بھی منکر ہیں اور نصوصِ قرآنی کا بھی انکار کرتے ہیں، ان (فلاسفہ) میں سے متاخرین جنھوں نے اپنے آپ کو اہلِ اسلام کے زمرہ میں داخل کرلیا ہے وہ بھی اپنے فلسفی اصول پر اتنے جمے ہوئے ہیں کہ آسمانوں اور ستاروں اور ان کی مثل چیزوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور ان کے فناء و ہلاک نہ ہونے کا حکم لگاتے ہیں، ان کی تو اک ہی نصوصِ قرآنی کی تکذیب اور ان کا رزق دین کی ضروریات کا انکار ہے، عجب قسم کے مؤمن ہیں کہ خدا اور رسول پر تو ایمان لاتے ہیں لیکن جو کچھ خدا اور اس کے رسولؐ نے فرمایا ہے اس کو قبول نہیں کرتے۔ اس سے بڑھ کر سفاہت اور بے وقوفی کیا ہوگی۔ بیت

قلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ ... پس کُل آں ہم سفہ باشد کہ حکمِ کُل حکمِ اکثر است

(ترجمہ) فلسفے کا جب کہ اکثر ہے سفہ ... تو اس کا کُل ہے سفہ بے شک کہ حکم کل ہے اکثر کے لئے

اس جماعت نے اپنی عمر کو علمِ منطق کے سیکھنے اور سکھانے میں صرف کردیا جو خطائے فکری سے محفوظ ہے اور اس بارے میں بڑی دشواریاں اٹھائیں اور جب یہ لوگ ذات و صفات اور افعالِ واجبی جل سلطانہٗ تک پہنچے تو اپنے حواس کھو بیٹھے اور اس آلے کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا جس کو خطا سے بچانے والا سمجھتے تھے، اور دیوانگی کے عالم میں گمراہی کے بیابان میں بھٹک گئے، جس طرح کوئی شخص سالہا سال تک آلاتِ حرب تیار کرے مگر جب جنگ کا وقت آجائے تو اس کے چھکے چھوٹ جائیں اور ہاتھ پاؤں بیکار ہو جائیں اور آلاتِ حرب کو استعمال نہ کرسکے ــــــ عام طور پر لوگ فلاسفہ کے علوم کو مکمل اور سچا جانتے ہیں اور خطا و غلطی سے محفوظ خیال کرتے ہیں۔ اگر بالفرض ہم اس بات کو تسلیم بھی کرلیں تو یہ بات صرف ان علوم میں صادق آئے گی جن میں عقل کو استقلال اور غلبہ حاصل ہے، تو (ایسے علوم) ہماری بحث سے خارج ہیں اور لایعنی و بے فائدہ کے دائرہ میں داخل ہیں اور یہ علوم آخرت کے ساتھ جو کہ دائمی ہے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور نہ ہی نجاتِ اخروی ان کے ساتھ وابستہ ہے۔ کلام تو ان علوم کے بارے میں ہے جن کے ادراک میں عقل عاجز اور قاصر ہے اور وہ

طریقۂ نبوت کے ساتھ وابستہ ہیں اور نجاتِ اُخروی ان سے مربوط ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اپنے رسالہ "منقذ عن الضلال" میں فرماتے ہیں کہ " فلاسفہ نے علم طب اور علمِ نجوم کو سابقہ انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کے صحیفوں اور کتابوں سے چوری کیا ہے اور دواؤں کے خواص وغیرہ کہ ان کے ادراک سے عقل قاصر ہے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر نازل شدہ کتابوں اور صحیفوں سے حاصل کیا ہے اور علم تہذیب اخلاق کو صوفیۂ الہیہ کی کتابوں سے جو کہ ہر زمانے میں ہر پیغمبر کی امت میں ہوئے ہیں اپنے جھوٹے مسائل کو رائج کرنے کے لئے چوری کیا ہے "۔ ـــــــ پس ان کے یہ تین معتبر علم تو چوری کئے ہوئے ہیں اور ان کا خبط اور بے وقوفی جو علمِ الٰہی اور ذات و صفات اور افعالِ واجبی جل سلطانہٗ کے بارے میں انھوں نے کی ہے وہ ایمان باللہ اور ایمان با آخرت میں نصوصِ قرآنی کے مخالف ہے۔ اس کا مختصر بیان اوپر گذر چکا ہے ـــــــ باقی رہا علمِ ہندسہ وغیرہ جو ان کے ساتھ ایک گونہ خصوصیت رکھتا ہے اگر یہ علم کامل اور سچا بھی ہو تو کیا کام آئے گا اور آخرت کے کون سے عذاب و وبال کو دور کرے گا۔ عَلَامَةُ اِعْرَاضِهٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُهٗ بِمَا لَا يَعْنِيْهِ (حق تعالیٰ کا بندہ سے اعراض کرنے کی علامت یہ ہے کہ وہ بندہ بیکار و لغو کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے)۔ " ہر چہ بآخرت بکار نیاید مالا یعنی است" (جو علم آخرت میں کام نہ آئے وہ لغو اور لایعنی ہے) ـــــــ اور علم منطق جو فکرِ صحیح اور فکرِ سقیم میں امتیاز کرنے کا ایک آلہ ہے جس کو غلطی سے محفوظ رکھنے والا کہتے ہیں ان (فلاسفہ) کے کام نہ آیا اور ان کے مقصدِ اعلیٰ میں ان کو غلطی اور خطا سے نہ نکالا تو پھر دوسروں کے کیسے کام آئے گا اور دوسروں کو غلطی سے کیسے بچا سکے گا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران آیت ۳) (اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو بہت عطا فرمانے والا ہے)۔

بعض لوگ جو فلاسفہ کے علوم سے دلچسپی رکھتے ہیں اور فلسفی تسویلات (ڈھکوسلوں) پر فریفتہ ہیں (یہ لوگ) ان کو حکماء، جان کر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی مانند سمجھتے ہیں، بلکہ ممکن ہے کہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا جان کر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعت پر ترجیح دیدیں، اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنِ الْاِعْتِقَادِ السُّوْءِ (اللہ سبحانہٗ ہم کو اس بُرے اعتقاد سے بچائے)۔

ہاں جب لوگ ان کو حکما سمجھیں گے اور ان کے علم کو حکمت کہیں گے تو ضرور اس بلا میں مبتلا ہو جائیں گے، کیونکہ حکمت سے مراد کسی شئے کا وہ علم ہے جو نفس الامر کے مطابق ہو۔ پس وہ علوم جو حکمت کے مخالف ہوں گے وہ لامحالہ نفسِ امر کے غیر مطابق ہوں گے۔ غرض ان کی اور ان کے علوم کی تصدیق سے انبیاء علیہم الصلوات والتحیات اور ان کے علوم کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ یہ دونوں علم ایک دوسرے کے نقیض ہیں اور ایک کی تصدیق سے دوسرے کی تکذیب لازم آتی ہے، اب جس کا جی چاہے وہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ملت کو اختیار کرے اور حق جل وعلا کے گروہ سے ہو جائے اور نجات پا جائے، اور جو چاہے فلسفی بن جائے اور شیطان کے گروہ میں داخل ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے زیاں کار و نا امید بن جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا (کہف آیۃ ۲۹) (پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کرے۔ بیشک ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جو ان کے تمام خیموں کو گھیر لے گی۔ اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو ان کو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح گرم پانی دیا جائے گا جو ان کے منہ کو جلا دیگا بہت ہی برا پانی ہے اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ إِخْوَانِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ الْكِرَامِ وَالْمَلٰئِكَةِ الْعِظَامِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اتمہا و اکملہا و السلام

۳۱۳+۹۹+ مکتوب ۲۴ = ۴۳۶

بست و چہارم

ملا محمد مراد کشمی[1] کی طرف صادر فرمایا جو میر محمد نعمان کے خادموں میں سے تھے۔ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی بزرگی اور ان کے درمیان شفقت و مہربانی کے بیان میں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

[1] آپ کے نام دو مکتوب ہیں۔ دوسرا مکتوب دفتر دوم مکتوب نمبر ۶۹ ہے۔

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا (فتح آیہ ۲۹)[۲۸] (حضرت) محمدؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھی ہیں وہ کافروں کے حق میں نہایت سخت ہیں اور آپس میں نہایت رحم دل ہیں (اے دیکھنے والے) تو ان کو رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا مندی طلب کرتے ہوئے دیکھتا ہے ان کی پیشانی پر سجدوں کے اثر نمایاں ہیں۔ ان کی یہ مثال تورات میں ہے اور انجیل میں بھی یہی مثال ہے یعنی وہ ایک کھیتی کے مانند ہیں جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اس کی شاخیں مضبوط ہوئیں پھر وہ اپنے تنوں پر قائم ہو گئی اور کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ کفار اس کی وجہ سے غیظ و غضب میں آئیں۔ اور جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرماتا ہے)۔

صحابہ کرامؓ کی بزرگی اور آپس میں رحم دلی

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس آیۂ کریمہ میں حضرت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے تمام صحابہؓ کی اس کمال مہربانی کے بارے میں تعریف فرمائی ہے جو وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رکھتے تھے، کیونکہ "رحیم" جو "رحماء" کا واحد ہے انتہا درجہ کی مہربانی میں مبالغہ کو متضمن ہے اور چونکہ (رحیم کی) صفتِ مشبہ استمرار یعنی مداومت پر بھی دلالت کرتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان کی ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی ہر زمانے میں صفتِ استمرار و دوام پر ہو، خواہ آں سرورؐ کی حیات میں ہو، یا آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام دائماً کی رحلت کے بعد۔ پس جو کچھ بھی ایک دوسرے کے حق میں مہربانی کے منافی ہے وہ ان بزرگوں کے حق میں دائمی طور پر مسلوب و منفی ہیں۔ اور باہمی بغض و کینہ، حسد اور ایک دوسرے کے ساتھ عداوت کا احتمال ان بزرگوں سے دائمی طور پر منفی ہے کیونکہ جب تمام صحابہ کرامؓ اس صفتِ مرضیہ (پسندیدہ صفت) سے متصف ہیں جیسا کہ کلمۂ "والذین" کا تقاضا ہے جو کہ عموم اور استغراق کے صیغوں میں سے ہے تو پھر اکابر صحابہؓ کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے وہ تو اس صفت میں اور بھی اتم و اکمل ہیں۔ اسی وجہ سے آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے (حضرت ابوبکرؓ کے متعلق) فرمایا ہے: اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ[۱] (میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ رحم و مہربانی کرنے والے ابوبکرؓ ہیں) —— اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ[۲] (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے) —— یعنی جو لوازم و کمالات، نبوت میں درکار ہیں وہ سب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے اندر ہیں۔ لیکن چونکہ نبوت کا منصب خاتم الرسل

---

[۱] رواہ احمد و ترمذی۔ [۲] رواہ الترمذی۔

علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے اس لئے وہ منصبِ نبوت کی دولت سے مشرف نہ ہوئے۔ اور کمالاتِ نبوت کے لوازمات میں سے ایک مخلوق کے ساتھ کمال شفقت و مہربانی ہے اور یہ بھی کہ وہ رذائل جو کہ شفقت و مہربانی کے منافی و خلاف ہیں اور بُرے اخلاق میں سے ہیں مثلاً حسد، بغض، کینہ اور عداوت رکھنا اس جماعتِ (صحابہؓ) کے حق میں جو حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کی صحبت سے مشرف ہوں کیسے متصور ہو سکتے ہیں وہ اس امت کے جو "خیر الامم" ہے بہترین (افراد) ہیں، اور اس امت کے جو "ناسخ الملل" (تمام ملتوں کو منسوخ کرنے والی) ہے یہی سابق ترین (اولین صحابہؓ) ہیں: ان کا زمانہ سب زمانوں سے بہترین زمانہ ہے اور ان کے پیغمبر ص تمام انبیاء و رسل میں افضل ترین ہیں۔ اگر وہی ان خرابیوں سے موصوف ہوں جن برائیوں سے اس امتِ مرحومہ کا کمین سے کمین تر آدمی بھی شرم رکھتا ہے تو وہ اس امت کے بہترین افراد کس طرح قرار پائیں گے، اور یہ امت کس بنا پر خیر الامم ہو گی؟ — نیز ایمان لانے میں سبقت اور مال و جان حق تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی اولیت سے ان (صحابہؓ) کی کیا بزرگی و فضیلت رہے گی، اور بہترین زمانے کی کیا تاثیر مانی جائے گی، اور صحبتِ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی افضلیت کا کیا اثر ثابت ہو گا ——— جب وہ جماعت جو اس امت کے اولیاء کی صحبت میں (کچھ عرصہ) زندگی گذارتی ہے تو وہ بھی ان رذائل سے نجات حاصل کر لیتی ہے۔ اور بھلا وہ جماعت جس نے افضل الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت میں اپنی عمر بسر کی ہو اور دینِ (اسلام) کی نُصرت اور تائید میں اپنے اموال و انفس کو خرچ کیا ہو (ان کے متعلق) یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ان برائیوں سے چھٹکارا نہ پایا ہو۔ پس ان برائیوں کا ان کی شان میں وہم کرنا ہرگز درست نہیں، سوائے اس کے کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام والتحیۃ کی عظمت و بزرگی ان کی نظر سے ساقط ہو گئی ہو، عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اس بات سے اللہ سبحانہٗ کی پناہ) اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت، امت کے ولی کی صحبت سے ناقص تر متوہم ہو گی، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْہُ (اس بات سے اللہ سبحانہٗ کی پناہ) ——— حالانکہ یہ بات مسلّم ہے کہ امت کا کوئی بھی ولی صحابی کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا تو پھر اس امت کے نبی ص کے مرتبہ تک کس طرح پہنچ سکتا ہے۔

شیخ شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ اَصْحَابَهٗ (جس نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہ کی اس کا رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان نہیں)۔

ایک گروہ (شیعہ) گمان کرتا ہے کہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحابؓ دو گروہ تھے ایک گروہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخالف تھا اور دوسرا گروہ حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے موافق تھا۔ اور یہ دونوں گروہ آپس میں بغض و عداوت اور کینہ رکھتے تھے اور ان میں سے بعض مصلحت کی بنا پر ان صفات کو اپنے اندر پوشیدہ رکھتے تھے اور تقیہ کرتے تھے۔ اور وہ یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ ان میں یہ رذائل تقریباً ایک سو سال تک رہے بلکہ جب تک وہ زندہ رہے ان میں یہ بُری خصلتیں موجود رہیں۔ اس وہم کی بنا پر حضرت امیرؓ کے مخالفین کو وہ برائی سے یاد کرتے ہیں اور نامناسب باتیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں ——— انصاف کرنا چاہئے کہ اس صورت میں دونوں فریق موردِ طعن ہوئے، اور رذائل کی خصلتوں سے بھی متصف ہوتے۔ یعنی اس امت کے بہترین افراد امت کے بدترین بلکہ تمام امتوں سے بدترین بن جاتے ہیں اور اس زمانے کی خیر و بھلائی شر میں بدل جائے گی ——— یہ کہاں کا انصاف ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس وہم کی بنا پر برائی سے یاد کیا جائے اور ان اکابرِ دین کی طرف نامناسب امور منسوب کئے جائیں حالانکہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نصِّ قرآنی کے حکم کے بموجب اس امت کے پرہیزگار ترین شخص ہیں کیونکہ اس پر مفسرین کا اجماع ہے خواہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہوں یا ان کے علاوہ (سب کا اتفاق ہے کہ) یہ آیۂ کریمہ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى (۹۲ واللیل آیت ۱۷) (اور وہ پرہیزگار اس (آگ) سے بچا لیا جائے گا) حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اَتْقٰی سے مراد وہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ لہذا جس شخص کو حضرت حق سبحانہٗ اس امتِ خیر الامم کا اَتْقٰی (پرہیزگار ترین) فرمائے خیال کرنا چاہئے کہ اس کی تکفیر، تفسیق اور تضلیل کرنا کس قدر بُرا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت

——— امام فخر الدین رازیؒ نے اس آیۂ کریمہ سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت پر استدلال کیا ہے کیونکہ بحکم آیۂ کریمہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۴۹ حجرات آیت ۱۳) (یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ قابلِ اکرام وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے) یعنی اس امت کے سب سے زیادہ بزرگ جن کے متعلق خطاب کیا گیا ہے، خدائے جل وعلا کے

نزدیک وہی اس امت کے اتقی ہیں۔ اور جب حضرت صدیقؓ بحکم نصِ سابق اس امت کے اتقی (سب سے زیادہ پرہیزگار) ہوئے تو حق جل وعلا کے نزدیک نصِ لاحق کے مطابق وہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی اس امت کے گرامی ترین شخص قرار پائے ـــــ اور ائمہ سلف کے اکابرین میں سے ایک امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں جنھوں نے حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت پر صحابہؓ اور تابعین کا اجماع ثابت کیا ہے ـــــ نیز حضرت امیرؓ نے بھی حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی افضلیت کا حکم کیا ہے ـــــ امام ذہبیؒ نے جو کہ اکابر محدثین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ اس نقل کو حضرت امیرؓ سے اسّی سے زائد آدمیوں نے روایت کیا ہے ـــــ اور عبدالرزاق نے بھی جو شیعہ اکابرین میں سے ہے اس نقل کے بموجب افضلیتِ شیخین کا حکم کیا ہے اور یہ عبارت لکھی ہے:۔

عبدالرزاق (شیعی) کا قول

أُفَضِّلُ الشَّيْخَيْنِ بِتَفْضِيلِ عَلِيٍّ إِيَّاهُمَا عَلَى نَفْسِهِ وَإِلَّا لَمَا فَضَّلْتُهُمَا كَفَى بِيْ وِزْرًا أَنْ أُحِبَّهُ ثُمَّ أُخَالِفَهُ (چونکہ حضرت علیؓ نے اپنے نفس پر شیخین کو فضیلت دی ہے لہذا میں بھی ان کو افضل کہتا ہوں، میرے لئے اتنا ہی بوجھ کافی ہے کہ میں حضرت علیؓ سے محبت بھی رکھوں اور پھر ان کی مخالفت بھی کروں)۔

پس وہ حضرات جو کتاب و سنت کے فیصلے اور اجماع (صحابہؓ) کے حکم اور حضرت امیرؓ کے اعتراف کے مطابق اس امتِ خیر الامم کے افضل ترین ہیں ان کی تنقیص و تحقیر کرنا کونسا انصاف اور دیانتداری ہے اور اس ضمن میں کونسی بھلائی کا دعوی ہے، اگر کسی کو گالی دینے میں کوئی بھلائی اور عبادت ہوتی تو ابوجہل اور ابولہب کے لعن طعن کرنے میں جو نصوصِ قرآنی سے ملعون اور مطرود ہیں اس امت کا ورد و وظیفہ ہوتا اور اس کے ضمن میں بہت سی نیکیاں حاصل ہوتیں ـــ گالی دینے میں کونسی بھلائی ہے کہ جس میں فحش اور برائی شامل ہے، خاص طور پر اس شخص کے حق میں جو اس کا مستحق اور اہل ہی نہ ہو۔ جب کسی چیز کا غیرِ محل پر رکھنا ظلم ہے تو پھر شے سے شے تک بڑا فرق ہے اور مقام سے مقام تک تفاوت ہے، لہذا ایک ظلم سے دوسرے ظلم تک بھی بڑا فرق ہے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع

اور حضرت (عثمان) ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت صحابہؓ کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے اور اس زمانے کے جو کہ خیر القرون ہے چھوٹے بڑے، مرد عورت سب کے اتفاق سے ثابت شدہ ہے، اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ جسقدر اتفاق و اجماع حضرت ذی النورینؓ کی خلافت پر حاصل ہوا ہے حضرات خلفاء ثلثہ میں سے کسی کی خلافت پر اسقدر حاصل نہیں ہوا، کیونکہ ان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی

خلافت کے ابتدا ہی میں ایک قسم کا تردد تھا لہذا اس زمانے کے لوگوں نے اس بارے میں بہت احتیاط ملحوظ رکھ کر قدم اٹھایا ــــــــ جاننا چاہئے کہ اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کتاب وسنت کے پہنچانے والے مبلّغ ہیں اور اجماع بھی انہی کے زمانے سے وابستہ ہے۔ اگر وہ سب کے سب یا ان میں سے بعض مطعون اور ضلالت وفسق سے متصف ہو جائیں تو پورے دین سے یا دین کے بعض حصے سے اعتماد اُٹھ جائے گا اور خاتم الانبیا افضل الرسل علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی بعثت کا فائدہ کم رہ جائیگا۔

فضائل صحابہؓ

جامع قرآن مجید حضرت عثمانؓ ہیں بلکہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اگر وہی مطعون ہوں یا مسلوب العدالت (غیر معتبر) تو پھر قرآن پر کیا اعتماد رہ جائے گا اور دین کس چیز پر قائم رہے گا لہذا اس امر کی برائی کو اچھی طرح جاننا چاہئے ــــــــ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب سب کے سب عدول (بہت انصاف والے) ہیں اور جو کچھ ان کی تبلیغ کے ذریعے ہم کو کتاب وسنت سے ملا ہے وہ سب حق اور سچ ہے۔ اور وہ مخالفتیں اور جھگڑے جو اِن اکابرین کے درمیان حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں واقع ہوئے ہیں وہ ہوا وہوس اور حبِ جاہ وریاست کی وجہ سے نہ تھے بلکہ اجتہاد واستنباط کی بنا پر تھے، اگرچہ اجتہاد میں ایک فریق خطا پر تھا اور اس کا استنباط صواب سے دور تھا، اسی لئے علمائے اہل سنت وجماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقررہ اصول ہے کہ ان جنگوں اور اختلافات میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور حضرت امیرؓ کے محاربان خطا پر۔ لیکن یہ خطا جس کا منشا (سبب) اجتہاد ہے، طعن وملامت سے دور ہے۔ مقصود یہ ہے کہ حقیّت حضرت امیرؓ کی جانب ہے اور خطا حضرت امیرؓ کے مخالفوں کی طرف جس کے اہلِ سنت بھی قائل ہیں لیکن مخالف کو لعن وطعن کرنا زیادتی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس میں نقصان کا احتمال ہے کیونکہ وہ سب اصحابِ پیغمبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور ان میں بعض اصحابِ بشرہ (جن کو جنّت کی خوشخبری دیدی گئی ہے) میں سے ہیں، اور بعض بدری (جنگِ بدر والے) ہیں کہ وہ بھی مغفور ہیں (یعنی بخشے ہوئے) اور آخرت کا عذاب ان سے مطلقاً اُٹھ چکا ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے: اِطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ (بخاری ومسلم) (اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کے حال سے واقف ہو کر فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا) ــــــــ اور ان میں بعض بیعتِ رضوان سے مشرف شدہ ہیں

حضرت علیؓ حق پر تھے

فضائل صحابہؓ

جن کے حق میں آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والسلام نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بھی دوزخی نہیں ہے
بلکہ علماء نے فرمایا کہ قرآن مجید سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہؓ اہل بہشت ہیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (حدید آیت ۱۰) (برابر نہیں تم میں سے وہ (لوگ) جنھوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال) خرچ کیا اور جنگ (میں شرکت) کی (یہ لوگ) درجے میں ان لوگوں سے بہت بلند ہیں جنھوں نے (فتح مکہ کے) بعد میں خرچ کیا اور جنگ میں شریک ہوئے اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے حُسنیٰ (بھلائی) کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے) ——— اس آیت میں حُسنیٰ سے مراد جنت ہے اور تمام صحابہؓ جنھوں نے مکہ کی فتح سے پہلے یا فتح مکہ کے بعد انفاق وقتال (اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جنگ) کی، ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے ——— (علماء نے) فرمایا ہے انفاق و قتال کی صفت تقیید کے لئے نہیں ہے بلکہ مدح کے لئے ہے کیونکہ تمام صحابہؓ ان دونوں صفتوں سے متصف تھے لہٰذا تمام صحابہ کے لئے بہشت کا وعدہ ہے ——— یہ بات بہت غور طلب ہے کہ اس قسم کے بزرگوں کو برائی سے یاد کرنا اور ان کی شان میں سوء ظن رکھنا انصاف و دیانت سے کسقدر دور ہے۔

سوال: ایک جماعت کہتی ہے کہ بعض اصحاب کرامؓ آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی رحلت کے بعد اس خلوص سے متصف نہیں رہے تھے اور حُبِّ خلافت اور طلب جاہ وریاست کی وجہ سے راہِ حق سے منحرف ہوگئے تھے اور انھوں نے حضرت امیرؓ کے منصبِ خلافت کو غصب کرلیا۔ بلکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا انحراف کفر کی حد تک پہنچ گیا تھا اور ان کا انجام گمراہی پر ہوا۔ پس ان کے خیال کے مطابق یہ جماعت ان وعدوں سے جو صحابۂ کرامؓ سے ہوئے تھے محروم ہوگئی، کیونکہ صحبت کی فضیلت تو اسلام کی فرع ہے اور جب اسلام ہی میں کلام ہو تو صحبت کی کیا تاثیر ہوگی۔

جواب: حضرات خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صحیح احادیث کے مطابق جو حدِ تواتر کو پہنچ چکی ہیں جنّت کی بشارت پائے ہوئے ہیں اور کفر وضلالت کا احتمال ان سے اُٹھ چکا ہے اور یہ کہ حضرات شیخین اہلِ بدر سے بھی ہیں جو صحیح احادیث کے مطابق قطعی طور پر بخشے ہوئے ہیں اور نیز یہ کہ بیعت رضوان سے بھی مشرف ہیں کہ اس بیعت والے بھی تمام (صحابہؓ) صحیح احادیث کی رو سے اہلِ بہشت ہیں۔

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے ——— اور حضرت عثمانؓ جو (جنگ) بدر میں حاضر نہ تھے اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اُن کو اُن کی اہلیہ جو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی صاحبزادی تھیں ان کی تیمارداری کی وجہ سے مدینہ میں چھوڑ آئے تھے، اور آپؐ نے فرما دیا تھا کہ جو فضیلت اہلِ بدر کو حاصل ہوگی وہ تم کو بھی ملے گی۔ اور (حضرت عثمانؓ کی) بیعت رضوان میں حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ خود آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے ان کو اہلِ مکہ کے پاس بھیجا تھا اور آپؐ نے ان کی طرف سے (اپنے ایک دستِ مبارک سے دوسرے دستِ مبارک پر) خود بیعت فرمائی تھی جیسا کہ مشہور ہے ——— اور نیز قرآن مجید بھی ان حضرات کی بزرگی کی شہادت دیتا ہے اور ان کے بلند درجات کی خبر دیتا ہے لیکن جو شخص کتاب وسنت سے اپنی آنکھیں بند کر کے جھگڑنے لگے وہ خارج از بحث ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ بیت

آں کس کہ بقرآن وخبر زو نرہی آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی

ہے جو قرآن و حدیث سے دُور ہے جواب اُس کا یہ کہ دو نہ جواب

کسقدر افسوسناک بات ہے کہ اگر حضرت صدیق رضؓ میں گمراہی اور کفر کا کوئی احتمال ہوتا تو حضرات اصحاب پیغمبرؐ اپنے عادل ہونے اور اپنی کثرت کی وجہ سے ان کو پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہرگز جانشین نہ بناتے۔ لہٰذا حضرت صدیق رضؓ کی خلافت کی تکذیب میں اس خیر القرون کے تینتیس ۳۳ ہزار اصحابِ کرام کی تکذیب تجویز کرنا ہے اور اس بات کو جو ذرا سی بھی سمجھ رکھتا ہو پسند نہ کریگا اور اس زمانے میں کونسی خیریت باقی رہ جائے گی جس زمانے میں تینتیس ہزار افراد باطل پر جمع ہو جائیں اور ایک ضال و مضل (یعنی خود گمراہ اور گمراہ کرنے والے) کو پیغمبر کا جانشین بنا دیں۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس جماعت کو انصاف کی توفیق دے کہ دین کے اکابرین پر طعن کرنے سے اپنی زبان کو روکیں اور حضرت پیغمبرؐ کی صحبت یافتہ حضرات کے حق کی رعایت ملحوظ رکھیں، کیونکہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ مَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ (ترمذی) (میرے اصحاب کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے اصحاب کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت رکھی تو اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے گویا مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا)۔

اس سے زیادہ کیا لکھا جائے اور روشن ترین بدیہی بات کو مزید کیا روشن کیا جائے۔ کیونکہ حضرت صدیقؓ کی مدح میں قرآن مجید بھرا ہوا ہے صرف ایک سورۃ واللیل ہی میں تین آیاتِ کریمہ حضرت صدیقؓ کے فضائل میں نازل ہوئی ہیں اور صحیح احادیث تو بے حساب و بے شمار ان کے کمالات و فضائل میں مروی ہیں، بلکہ پہلے انبیاء کی کتابوں میں بھی ان کے بلکہ تمام صحابہؓ کے شمائل اوصاف کا تذکرہ آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ (فتح آیت ۲۹) (ان کی مثال (تعریف) تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی)۔ اور یہ امتِ مرحومہ جو خیر الامم ہے اس کے رئیس و سردار حضرت صدیقؓ ہی ہیں جب ان ہی کو کافر و گمراہ جانیں تو پھر دوسروں کے متعلق کیا عرض کیا جائے اور ان کی نسبت کس طرح کلام کیا جائے: اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (زمر آیت ۴۶) (اے اللہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے اور غیب و شہادت (حاضر) کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ کریگا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا

۹۹ + ۳۱۴ ۴۳۰

مکتوب ۲۵ بست و پنجم

ملا طاہر[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان نتائج اور ترقیٔ مراتب کے بیان میں جو ذکر کرنے اور تلاوتِ قرآن کرنے اور نماز پڑھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ اس راہ (سلوک) کے مبتدی طالب کے لئے ذکر کے بغیر چارہ نہیں، کیونکہ اس کی ترقی ذکر ہی کے تکرار سے وابستہ ہے، بشرطیکہ وہ ذکر اس نے شیخ کامل و مکمل سے حاصل کیا ہو۔ اور اگر اس شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے تو بسا اوقات اس کا ذکر ابرار کی قسم سے ہوگا کہ اس کا نتیجہ ثواب تو ہے لیکن اس سے درجۂ قرب حاصل نہیں ہو سکے گا جس کا تعلق مقربین سے ہے ـــــ اور یہ جو میں نے کہا کہ "بسا اوقات وہ ذکر ابرار کے اوراد کی قسم سے ہوتا ہے" کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ فضلِ خداوندی جل سلطانہٗ کسی شیخ کی توسط کے بغیر بھی طالب کی تربیت فرما دے اور ذکر کی تکرار اس کو

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں۔ ایک یہی اور دوسرا دفتر سوم مکتوب ۱۰۸۔ آپ حضرت مجددؒ کے خاص خادم ہیں۔

مقربین میں سے بنادے، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ذکر کی تکرار کے بغیر اس کو قرب کے مراتب سے مشرف فرمادے اور اپنے اولیاء میں شامل کرلے۔ اور (شیخ کامل کی) یہ شرط اکثر کے اعتبار سے ہے اور حکمت و عادتِ (الہٰی) کے موافق ہے۔ اور جب خداوند جل سلطانہٗ کے فضل سے وہ معاملہ جو ذکر کے ساتھ وابستہ ہے تکمیل پاجاتا ہے اور نفسانی خواہشات کے جھوٹے معبودوں سے رہائی میسر ہوجاتی ہے اور نفسِ امارہ نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے تو اس وقت ذکر کرنے سے ترقی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس مقام پر ذکر "ابرار کے اوراد" کا حکم رکھتا ہے۔ اس مقام میں قرب کے مراتب تلاوتِ قرآن مجید اور نماز کو طولِ قراءت کے ساتھ ادا کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ ابتدا میں جو کچھ ذکر کرنے سے حاصل ہوتا تھا اب وہ تلاوتِ قرآن مجید سے بالخصوص وہ تلاوت جو نماز میں پڑھی جائے قرب کا باعث ہوتی ہے ــــــ مختصر یہ کہ انتہا میں ذکر اس تلاوتِ قرآن مجید کا حکم پیدا کرلیتا ہے جو شروع میں" ابرار کے اوراد" کی قسم سے تھا، اور تلاوت اس ذکر کا حکم پیدا کرلیتی ہے جو ابتدا اور توسط میں مقربات میں سے تھا ــــــ

عجب معاملہ ہے کہ اس وقت (انتہا میں) اگر ذکر کی تکرار قراءتِ قرآن کے طور پر کی جائے جو آیاتِ قرآنی کے مقدس کلمات ہیں اور استعاذہ (یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ) سے ذکر شروع کیا جائے تو وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے جو قرآن مجید کی تلاوت سے میسر ہوتا ہے۔ اگر قراءت کے طور پر اس کی تکرار نہ کی جائے تو وہ ابرار کے عمل کے مانند ہے۔

ہر عمل کا ایک مقام (موقع) ہے اور ایک موسم ہے، اگر اس موقع اور موسم میں اس کو ادا کیا جائے تو وہ حسن وملاحت پیدا کرلیتا ہے اور اگر اس موقع و موسم میں ادا نہیں کیا گیا تو بسا اوقات (وہ عمل) خطا بن جاتا ہے اگرچہ وہ حسنہ ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ سورۂ فاتحہ کی قراءت تشہد کے وقت خطا ہے اگرچہ وہ ام الکتاب ہے۔ لہٰذا "پیر" اس راہ کی ضروریات میں سے ہے اور اس کی تعلیم بھی اہم مہمات میں سے ہے۔ وَبِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ (اور اس کے بغیر بے فائدہ تکلیف اٹھانا ہے۔ کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔ بیت

ازاں روئے کہ چشمِ تست احول — معبودِ تو پیرِ تست اول

(ترجمہ) جب کہ تیری نگاہ ہے بھینگی — پیر ہی کو نشانِ راہ سمجھ

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

ذکر بھی اعوذ سے شروع کریں

سیادت پناہ میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ جس طرح حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ بذاتِ خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ، اسی طرح وہ بذاتِ خود حی، عالِم اور دوسری آٹھ صفات کے ساتھ بھی موجود ہے نہ کہ صفاتِ زائدہ کے ساتھ اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نفسِ وجود میں اور تمام کمالات میں جو وجود کے تابع ہیں مثلاً حیاتؔ، علمؔ، قدرتؔ، سمعؔ، بصرؔ، ارادہؔ، کلامؔ اور تکوینؔ میں خود بذاتِ اقدس کافی ہے۔ اور ان کمالات کے حصول میں وہ صفاتِ زائدہ کا بھی محتاج نہیں، اگرچہ صفاتِ کاملہ زائدہ بھی اس سبحانہٗ کے لئے ثابت ہیں لہذا وہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذاتِ اقدس کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ، اسی طرح وہ اپنی ذات سے زندہ ہے نہ کہ حیات کے ساتھ جو کہ اس تعالیٰ کی صفت ہے، اور وہ بذاتِ خود دانا ہے نہ کہ صفتِ علم کے ساتھ، اور وہ بذاتِ خود بینا ہے نہ کہ صفتِ بصر کے ساتھ، اور وہ بذاتِ خود سُنتا ہے نہ کہ صفتِ سمع کے ساتھ، اور وہ بذاتِ خود توانا ہے نہ کہ صفتِ قدرت کے ساتھ، اور وہ بذاتِ خود مرید ہے (اشیاء کا ارادہ کرنے والا) نہ کہ صفتِ ارادہ کے ساتھ، اور وہ بذاتِ خود متکلم ہے نہ کہ صفتِ کلام کے ساتھ، اور وہ بذاتِ خود ایجادِ کائنات (مخلوقات) کا موجد ہے نہ کہ صفتِ تکوین کے ساتھ۔ اگرچہ عالم کا وجود تکوین اور باقی تمام صفات کے واسطہ سے ہے جیسا کہ اس معنی کی تحقیق عنقریب آئے گی۔[2]

حق تعالیٰ کی صفاتِ ثمانیہ

یہ تکوین ورائے قدرت ایک چیز ہے، کیونکہ قدرت میں صحتِ فعل اور ترکِ (فعل دونوں) ہیں اور تکوین میں فعل کی سمت متعین ہے۔ اور یہ (فرق بھی) ہے کہ قدرت ارادہ پر مقدم ہے اور تکوین ارادہ کے بعد ہے، اور یہ تکوین بندہ کی طاقت و استطاعت کے مشابہ ہے جس کو علمائے اہلِ حق بندہ کے فعل کے ساتھ متصل قرار دیتے ہیں اور اس کو قدرت و ارادہ کی صفت سے وراء جانتے ہیں۔ کیونکہ قدرت فعل اور ترکِ (فعل) دونوں کو درست کرنے والی ہے اور ارادہ ایک طرف کو ترجیح دیتا ہے اور ایجاد ارادہ کی ترجیح کے بعد تکوین سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر قدرت کا اثبات نہ کیا جائے جو دونوں کی

اور صفتِ تکوین

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ میں گذر چکا ہے۔ [2] یعنی مکتوب ۲۷/۳

تصحیح کرنے والی ہے تو (حق تعالیٰ پر) ایجاب (واجب ہونا) لازم آتا ہے۔ اور اگر تکوین کا اثبات نہ کیا جائے تو ایجاد غیر مستند رہ جاتی ہے کیونکہ قدرت ایجاد کی تصحیح کرنے والی ہے اور تکوین ایجاد کی بنانے والی ہے لہذا تکوین کے اثبات کے بغیر چارہ نہیں جس کی طرف علماء ماتریدیہ[1] کو ہدایت حاصل ہے اور اشاعرہ[2] نے چونکہ اس کی نسبت اور تعلق کو بہت سی اشیاء کے ساتھ دریافت کیا تو اس کو صفاتِ اضافیہ سے شمار کر لیا۔ وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ (اللہ تعالیٰ حق کو حق ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے)

پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا، مارنا اور ان کی مثل صفات کو تکوین کی طرف راجع کرنا بہتر ہے اس لئے کہ ہر کسی کو صفتِ قدیمہ بذاتہا کہا جائے اور بے ضرورت بہت سی چیزوں کا قدیم ہونا ثابت کرنا ہوگا۔ پس واضح ہوا کہ جو کچھ دوسروں کو اس تعالیٰ کی ایجاد کی صفت کے ساتھ میسر ہے وہ اس سبحانہ، کو بذاتِ خود بغیر صفات کے توسط کے حاصل ہے کیونکہ اس تعالیٰ کی ذات کسی دوسری چیز کے ملاحظے کے بغیر اور کسی اعتبار کے بغیر تمام کمالات کی جامع ہے بلکہ ہر کمال کا عین ہے کیونکہ تبعّض اور تجزّی (یعنی بعض بعض اور جزو جزو ہونا) اس بارگاہ میں مفقود ہے، وہ تمام کا تمام دانائی ہے اور ہمہ تن شنوائی ہے اور سراسر بینائی ہے اور علیٰ ہذا القیاس اس سبحانہ کی دوسری صفات اور اس کے علاوہ اس سبحانہ، کی سات صفات بلکہ آٹھ صفات ہیں جو علماء اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم جن کے وجود کے قائل ہیں وہ بھی ثابت ہیں، اور یہ صفاتِ کاملہ جو قدیم ہیں ان کمالاتِ ذاتیہ کے ظلال ہیں اور ان کمالات کے مظاہر ہیں ان کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان کمالات کا پردہ اور انوارِ مکنونہ کا حجاب ہیں۔

سوال: جب اس تعالیٰ کی ذات میں تمام کمالات کا حصول کافی ہے تو پھر صفات کا اثبات کس لئے کیا جائے اور بے شمار وجودوں کے قدیم ہونے کا قائل کیوں کہا جائے؟ اسی لئے فلاسفہ اور معتزلہ نے صرف ذات پر کفایت کی ہے اور بکثرت وجودوں کے قدیم ہونے کے قول سے فرار اختیار کر کے نفیٔ صفات کے قائل ہو گئے ہیں ــــــــ جواب: حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی ذات اگرچہ حصولِ کمالات میں کافی ہے لیکن اشیاء کی تکوین و تخلیق میں صفاتِ زائدہ کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ اس تعالیٰ کی ذات نہایت منزّہ اور مقدس ہے اور اس کی عظمت و جلال اور

---

[1] یعنی متابعانِ امام منصور ماتریدیؒ عقائد میں۔ [2] متابعانِ عقائد امام ابوالحسن اشعریؒ۔

کبریائی کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اس کے لئے کمال درجہ غنا ثابت ہے اور دوسری اشیاء کے ساتھ اس کی بے مناسبتی کمال درجہ ہے اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (عنکبوت آیت ۶ پ ۲۹) (یقیناً اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی اور بے نیاز ہے) ـــــــ اور اس کی حکمت و عادت کے تقاضے کے موافق فائدہ اور فیض پہنچانے میں مستفید و مستفیض ہونے کی مناسبت سے بھی چارہ نہیں ہے۔ یہ صفات ہی ہیں جنہوں نے ایک درجہ تنزل فرما کر ظلیت پیدا کرلی ہے اور اشیاء کے ساتھ بھی کچھ نہ کچھ مناسبت حاصل کرلی ہے۔ اگر صفات کا توسط نہ ہوتا تو اشیا میں سے کسی شے کا حصول متصور نہ ہوتا کیونکہ اشیاء کو بھی حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے انوار کی شعاعوں کے غلبہ میں ہلاکت و فنا اور انحراف و انعدام (نیست و نابود) ہونے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں۔ وہ لوگ بہت بے سمجھ ہیں جو (حق تعالیٰ کی) صفات کا اثبات نہیں کرتے اور اشیاء کی ایجاد کو صرف جل سلطانہٗ کی ذات کی طرف منسوب کرتے ہیں ــــ صادر اول (عقلِ فعال) کی کیا حقیقت ہے کہ وہ صفات کے پردہ کے بغیر حق تعالیٰ کی ذات کے انوار میں مضمحل و ناچیز نہ ہوجائے۔

سوال:۔ فلاسفہ اور معتزلہ اگرچہ خارج میں صفات کا اثبات نہیں کرتے لیکن علمی اعتبارات کی وجہ سے ان کے قائل ہیں اور مرتبۂ علم میں کمالاتِ ذاتیہ کو جدا جدا جانتے ہیں لہذا (اس صورت میں) اشیاء کی ایجاد ذاتِ بحت کی طرف منسوب نہ ہوئی کیونکہ درمیان میں اعتبارات کا توسط پیدا ہوگیا ـــــــ جواب: ایجادِ عالم خارج میں ہے اور عالم خارج میں موجود ہے لہذا خارجی حجابات کے بغیر چارہ نہیں ہے تاکہ وہ خارجی اشیاء کے وجود کا وسیلہ بن سکیں اور خارج میں اشیاء کی برگشتگی و ہلاکت سے ان کی حفاظت کرسکیں۔ علمی اعتبارات وجوداتِ خارجی میں کام نہیں آسکتے اور علمی حجابات موجوداتِ خارجی کی محافظت میں کافی نہیں ہوتے۔ ہاں بعض صوفیہ جو عالم کو صرف علمی طور پر موجود سمجھتے ہیں اگر اعتباراتِ علمی ان کو کچھ نفع پہنچائیں اور ہوسکتا ہے کہ وجوداتِ علمی کا وسیلہ بن جائیں۔ لیکن عالم خارج میں موجود ہے اگرچہ یہ خارج اس خارج کا ظل ہی ہو اور یہ وجود اس وجود کا ظل ہی ہو۔ پس خارجی حجابات کا ہونا ضروری ہے تاکہ عالم کے وجودِ خارجی کا وسیلہ ہوسکیں۔ لہذا صفاتِ حقیقیہ کا خارج میں موجود ہونا ضروری ہے تاکہ اشیاء کی ترتیب کریں اور کمالاتِ ذاتیہ کو اپنے وسائل سے عالم کے آئینوں میں جلوہ گر کریں اور اس کو

ذات تعالیٰ کے حجابات

منصۂ ظہور میں لائیں ـــــــ صفات اگرچہ ذات تعالیٰ کے حجابات ہیں لیکن کمالاتِ ذاتیہ کا ظہور ان ہی کے وجود کے ساتھ وابستہ ہے، ان کا حجاب عینک کے حجاب کی مانند ہے جو نمایندگی کا سبب ہے، یہ ظہور اور یہ نمایندگی اگرچہ ظلی ہے لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارے وجود کو ظل کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے اور ہماری ہستی کو حجاب کے سپرد کر دیا ہے: مَابِالذَّاتِ لَایَنْفَکُّ عَنِ الذَّاتِ (جو چیز ذات میں داخل ہے وہ ذات سے جدا نہیں ہو سکتی)۔ مصرع

سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است　　(ترجمہ) سیاہی دُور حبشی کی نہیں ہوتی کہ ہے ذاتی

شعر　وَمِنْ بَعْضِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ　　وَمَا كَتَمَهٗ اَحْظٰى لَدَیَّ وَاَجْمَلُ

(ترجمہ)　پھر بھی گر جس کا نہیں لگتا پتا　　اس کا پوشیدہ ہی رکھنا ہے صحیح

حق تعالیٰ کی معیت

بندہ ہرگز حق جل سلطانہٗ نہیں ہو سکتا لیکن اس تعالیٰ کے فضل و کرم سے حق سبحانہٗ سے جدا بھی نہیں ہوتا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) اگرچہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو اشیا کے ساتھ معیت کی نسبت حاصل ہے لیکن یہ معیت جس کا منشا اس کی محبت ہے وہ اور ہی ہے جب تک انسان) وہ محبت پیدا نہ کرلے اس معیت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور چونکہ محبت کے بھی مختلف درجات ہیں اس لئے اس کے اندازہ کے مطابق معیت معیت میں بھی فرق ہے۔ یہی معیت ہے جو ظلیت سے خلاصی کا سبب بنتی ہے، اور یہی معیت ہے جو اضمحلال کلیت (نیست و نابود ہونے) کا واسطہ ہے اور یہی معیت ہے جس سے بندگی اور غلامی دُور ہوتی ہے اور عین بندگی میں حریت (مکمل آزادی) کو ثابت کرتی ہے، اور یہی معیت ہے جو انانیت کو ختم کرنے والی ہے بلکہ انانیت کو (زائل کر کے) کمالیت کے درجات تک بلند کرنے والی ہے ـــــــ

جاننا چاہئے کہ (حق تعالیٰ) ان (بندوں) کے ساتھ اپنی "معیتِ عامہ" کے متعلق ارشاد فرماتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ (حدید آیت ۴) (اور وہ (اللہ تعالیٰ) تمہارے ساتھ ہے) ـــ اور "معیتِ خاصہ" میں حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے حکم کے مطابق محبت کے تقاضے کے اعتبار سے لوگ اس (حق تعالیٰ) کے ساتھ ہیں۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَ الْمَعِيَّتَيْنِ (ان دونوں معیتوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے) کیونکہ معیتِ خاصہ میں دونوں طرف (حق و خلق) کی معیت ثابت ہے اور "معیتِ عامہ" میں صرف اسی (حق تعالیٰ) کی طرف سے ہے لہٰذا اس کے لئے عین وجدان میں بھی محرومی لازم ہے

یٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُ فِیْ جَنْبِ اللّٰهِ (زمر آیت ۵۶) (ہائے افسوس! میری غفلت پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیوں کوتاہی کی)۔

عالم اگرچہ ظلالِ صفات ہے اور اس نے صفات کے توسط سے وجود اور بقا پیدا کی ہے لیکن حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے ساتھ محبت رکھنے والا محبتِ ذاتیہ کے توسط سے جو اس کو حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے اور ان صفات سے جو اس کے اصول ہیں وہ بے کیفی کے عروج کے ساتھ بلند وبالا چلا جاتا ہے اور اصول کو چھوڑ کر اصلِ اصول سے پیوستہ ہو جاتا ہے لیکن یہ پیوستہ ہونا بھی بے کیف ہے اگر اصل سے بلند وبالا نہ جائے تو آنے کا کیا فائدہ ہے اور محبت کس کام کی۔ اگر اصل کے ساتھ ہر وقت اتصال رکھے اور اس کو وصلِ ظلی ہمیشہ میسر ہو تو کام کی بات ہے۔ غرضکہ اصل کو ظل کی مانند زینہ بنانا چاہئے اور محبت کے بازو سے بلند وبالا اُڑنا چاہئے ——

اس عروج کا سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، اور اپنے آپ کو چھوڑ کر از خود اوپر جانا اربابِ نظر وفکر کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں، بلکہ صوفیہ میں سے بھی ہزاروں میں سے کوئی ایک اس دولت سے مشرف ہوتا ہے اور اس معما کا راز اس پر منکشف ہو جاتا ہے۔ بیت

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو ایں جاست ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(ترجمہ) ہزار نکتے ہیں اس میں بھی بال سے باریک ۔۔۔ جو سر تراشے قلندر اُسے نہیں کہتے

سوال: یہ سیر آفاقی ہے یا انفسی؟ —— **جواب:** نہ آفاقی ہے اور نہ انفسی، کیونکہ آفاق وانفس، باہر اور اندر کو چاہتے ہیں اور یہ معاملہ دخول وخروج سے بالاتر ہے اگرچہ اربابِ نظر کے نزدیک ممنوع ہے، کیونکہ جب مطلوب دخول وخروج سے پاک، ومنزہ ہوگا تو وہ نسبت بھی جو اس کے ساتھ پیدا ہوگی لازمی طور پر وہ بھی دخول وخروج سے منزہ ہوگی اور یہ سیر سخت مشکل ہونے کے باوجود اس سیر کرنے والوں کے نزدیک جو اربابِ علم ہیں بالکل دہلی اور آگرہ کی سیر کی مانند ہے، کہ معلوم اور متمیز ہے اور ایک منزل دوسری منزل سے جُدا ہے۔

تنبیہ: عالم اگرچہ صفات کا ظلال ہے اور صفات حضرت ذات تعالیٰ کا ظلال ہیں لیکن اس ظلیت کے درجات ومراتب ہیں کہ ان میں سے ہر ایک مطلوب کا حجاب ہے: اِنَّ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّظُلْمَةٍ [1] (بیشک اللہ سبحانہ کے لئے نور اور ظلمت کے ستر ہزار حجاب ہیں)

[1] اس حدیث کی تحقیق وتخریج دفتر اول مکتوب ۵۸ پر گذر چکی ہے۔

آپ نے سنا ہوگا ـــــــ جبتک یہ تمام حجابات دُور نہ ہوجائیں اسوقت تک ظلمت سے رہائی نہیں ہوتی۔ اور اس جگہ حجاب اٹھنے سے مراد خرقِ شہودی ہے (نہ کہ وجودی)۔ اور وہ جو اس حدیث کے آخر میں تمام حجابات کے دُور ہونے کی نفی کے متعلق آیا ہے تو اس خرق سے مراد خرقِ وجودی ہے (یعنی وجودی پردے ہیں) جن کا دور ہونا ناممکن ہے کیونکہ اس سے صفاتِ قدیمہ کا رفع ہونا لازم آتا ہے جو کہ محال ہے، لیکن چونکہ معیت غیر متکیفہ (بے کیف) حاصل ہے اس لئے وہ خرقِ وجودی کا حکم رکھتی ہے اور باوجود حجابوں کے بے حجاب ہے کیونکہ معیت نقدِ وقت ہے جو طاقتِ حجاب نہیں رکھتی ـــــ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (تحریم آیت ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے نور کو کامل کردے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى اٰلِهٖ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ۔

۴۳۹ = ۹۹ + ۳۱۳ مکتوب ۲۷ بیست و ہفتم

ملا علی کشمی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ بندہ کو چاہیئے کہ اپنی تمام مرادوں سے بالکل دستبردار ہوکر اپنے مولا تعالیٰ شانہٗ کی مراد پر راضی ہوجائے نیز ذاتی و عرضی امراض کے بیان میں۔

بندہ کو چاہیئے کہ اپنے مولا جل سلطانہٗ کے علاوہ اس کی مراد اور مطلب کچھ نہ ہو، اور سوائے مولیٰ کی مراد کے بندہ کی مراد کچھ نہ رہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کا سر بندگی کی رسّی کے حلقہ سے نکلا ہوا ہے اور اس کا پاؤں غلامی کی قید سے باہر ہے۔ جو بندہ اپنی مرادات میں گرفتار ہے اور اپنی ہوا و ہوس پر فریفتہ ہے وہ اپنے نفس کا بندہ ہے اور شیطانِ لعین کی اطاعت میں مصروف ہے۔ اور یہ دولت (یعنی اپنی مرادوں کو حق تعالیٰ کی مراد میں گم کردینا) ولایتِ خاصہ کے حصول سے متعلق ہے جو فنا و بقائے اتم و اکمل کے ساتھ وابستہ ہے۔

اپنی مرادوں سے دستبردار ہوکر حق تعالیٰ کی مراد پر رہنا

سوال:۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آرزوئیں اور خواہشات کاملین سے بھی ظہور میں آتی ہیں اور مختلف مطالب کے حصول کی آرزوئیں ان بزرگوں میں بھی محسوس ہوتی ہیں چنانچہ امام انبیاء، سلطانِ اولیا علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات انمہا واکملہا ٹھنڈی اور میٹھی چیزوں کو پسند فرماتے تھے

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے باقی حالات بھی معلوم نہ ہوسکے۔

اور وہ حرص جو امت کی ہدایت کے لئے رکھتے تھے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ اس قسم کی خواہشات ان بزرگوں میں باقی رہنے کی کیا وجہ ہے؟ ——— جواب: بعض خواہشات ایسی ہیں کہ ان کا منشا طبیعت ہے جبتک طبیعت باقی ہے خواہشات بھی قائم ہیں، جیسا کہ گرمی کے وقت طبیعت بے اختیار سردی کی طرف مائل ہوتی ہے اور سردی کے وقت میں گرمی کی طرف رغبت ہوتی ہے اس قسم کی خواہشات بندگی و عبودیت کے منافی نہیں ہیں اور اپنے نفس کی خواہشات کی گرفتاری کا سبب بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ طبیعت کی ضرورتیں تکلیف کے دائرے سے خارج ہیں اور نفسِ امارہ کی خواہشات سے باہر ہیں، کیونکہ نفس کی خواہشات یا تو ضرورت سے زیادہ مباح چیزیں ہیں یا مشتبہ ہیں یا حرام، اور وہ جو ضروری مباح ہیں نفس کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لہذا گرفتاری اور بدکرداری کا منشا فضول کاموں میں لگے رہنا ہے اگرچہ مباح کی قسم سے ہوں کیونکہ فضولِ مباح (یعنی زائد از ضرورت) کو حرام سے ہمسائیگی کے قرب کا تعلق ہے۔ اگر (بندہ اپنے) دشمنِ لعین کے بہکانے کی وجہ سے (فضولِ مباح سے آگے) قدم اُٹھائے تو بے اختیار حرام میں داخل ہو جائے گا لہذا مباحِ ضروری پر کفایت کرنا ضروری ہے ——— اگر اس مقام سے لغزش واقع ہو تو فضولِ مباح میں جا پڑے گا اور اگر فضولِ مباحات میں مقام و مسکن بنا لیا تو لغزش میں آ کر قدم باہر نکالے گا اور لازمی طور پر حرام میں جا پڑے گا ——— اور بعض خواہشات ایسی ہیں کہ ان کا حصول خارج سے ہوتا ہے، درانحالیکہ آدمی کا اپنا نفس مرادوں سے خالی ہو اور خارج میں حضرتِ رحمٰن واعظ ہے جو یہی کا القا کرتا ہے (جیسا کہ حدیث میں وارد ہے) فَاِنَّ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَاعِظًا فِیْ قَلْبِ کُلِّ مُؤْمِنٍ[1] (یقیناً ہر مومن کے قلب میں اللہ سبحانہٗ کی طرف سے ایک واعظ ہے) یا پھر شیطان ہے کہ اس کا القا شر اور عداوت ہے (جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے) یَعِدُھُمْ وَیُمَنِّیْھِمْ وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (نساء آیت ۱۲۰) (وہ (شیطان) ان کے ساتھ وعدہ کرتا ہے اور ان کو امیدیں دلاتا ہے اور شیطان جو کچھ ان سے وعدہ کرتا ہے وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں)۔

جن دنوں یہ فقیر قلعۂ (گوالیار) میں سکونت پذیر تھا ایک دن صبح کی نماز کے بعد اس سلسلۂ عالیہ کے طریقہ پر بطریقِ سکوت بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک بے فائدہ آرزوؤں کا ہجوم بے حلاوتی کے ساتھ

---

[1] اس حدیث کو رزین نے حضرت ابن مسعودؓ سے اور امام احمد، بیہقی اور ترمذی نے نواس بن سمعان سے روایت کیا۔

آرزوؤں کی مزید تشریح

طاری ہوا اور جمعیت (دل کا سکون) جاتا رہا۔ ایک لمحے کے بعد جب اللہ سبحانہ کی عنایت سے جمعیت خاطر حاصل ہوئی تو دیکھا کہ وہ آرزوئیں بادل کے ٹکڑوں کے مانند باہر آگئی ہیں اور القا کرنے والے کے ساتھ باہر نکل گئیں اور خانۂ دل کو خالی کر گئیں۔ اس وقت معلوم ہوا کہ یہ آرزوئیں باہر سے آئی تھیں اندر سے نہیں ابھری تھیں جو بندگی کے منافی ہوتیں ——— مختصر یہ کہ ہر وہ فساد جس کا منشا و مولد نفسِ امارہ ہے وہ مرض ذاتی ہے اور زہر قاتل ہے اور مقامِ بندگی کے منافی ہے۔ اور ہر وہ فساد جو باہر سے آئے اگرچہ وہ القائے شیطانی ہی کیوں نہ ہو امراضِ عارضہ سے ہے جس کا علاج سہل ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا (نساء آیت ۷۶) (یقیناً شیطان کا مکر (تدبیر) کمزور ہے) ——— ہمارا نفس خود ہمارے لئے بڑی بلا ہے اور وہ ہمارا جانی دشمن اور ہمارا بُرا سا تھی ہے۔ خارجی دشمن اس کی مدد سے ہم پر غلبہ حاصل کرتا ہے اور اسی کی مدد سے ہم کو ہمارے مقام سے ہٹا دیتا ہے۔ تمام اشیا میں جاہل ترین نفسِ امارہ ہے جو خود اپنا دشمن اور بدخواہ ہے اور اس کی ہمت اپنے نفس کو ہلاک کرنے میں ہے اور اس کی بڑی تمنا حضرتِ رحمٰن جل سلطانہ کی جو اس کا اور اس کی نعمتوں کا مولیٰ ہے معصیت کرنا ہے۔ اور شیطان کی اطاعت (نفسِ امارہ کو) مطلوب ہے جو اس کا جانی دشمن ہے۔

جاننا چاہئے کہ مرضِ ذاتی اور مرضِ عارضی، نیز فسادِ داخلی اور فسادِ خارجی کے درمیان تمیز کرنا بہت مشکل ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی ناقص اپنے زعمِ باطل کی وجہ سے اپنے آپ کو کامل سمجھ لے اور اپنے مرضِ ذاتی کو اپنا عارضی مرض خیال کر کے نقصان میں پڑ جائے۔ اسی اندیشے کی وجہ سے (یہ فقیر) اس راز کو لکھنے کی جرأت نہیں کرتا تھا اور اس بات کا اظہار مستحسن نہیں سمجھتا تھا ——— سترہ سال کے قریب ہو گئے ہیں کہ میں بھی اسی شبہ میں تھا اور فسادِ ذاتی کو فسادِ عارضی کے ساتھ خلط ملط پاتا تھا (لیکن) اب حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے حق کو باطل سے جدا کر دیا اور مرض ذاتی کو مرضِ عارضی سے متمیز کرا دیا۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰى ذٰلِكَ وَعَلٰى جَمِيْعِ نَعْمَائِهٖ (اس نعمت پر اور اس کی تمام نعمتوں پر اللہ سبحانہ کا شکر اور احسان ہے)۔

اس قسم کے اسرار کو ظاہر کرنے کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کوئی کوتاہ نظر کسی کامل کو اس قسم کی بیرونی آرزوؤں میں مبتلا ہونے کی بنا پر ناقص خیال نہ کرلے اور اس کی برکات سے

محروم نہ رہ جائے۔ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی تصدیق کی دولت سے کافروں کی محرومی کا سبب ان بزرگوں میں اس قسم کی صفات کا موجود ہونا ہی تھا (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا (تغابن آیۃ ۶) (پس انھوں نے کہا کہ کیا کوئی (ہم جیسا) بشر ہم کو ہدایت دے گا، پس وہ کافر ہوگئے)۔

اور یہ جو بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ عارف کو اس کی مرادوں اور خواہشات کے زوال کے بعد پھر صاحب ارادہ بنا دیتا ہے اور اس کے ہاتھ میں اختیار دیدیتا ہے، اس معنی کی تفصیل اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسری جگہ[علہ] بیان کی جائے گی کیونکہ اب وقت اس کی موافقت نہیں کرتا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔

مُلّا صالح تُرک کی طرف ارواحِ موتیٰ کے لئے صدقہ کرنے کی کیفیت کے بیان میں صادر فرمایا۔[سلہ]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ ایک دن (فقیر کے) دل میں خیال آیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مُردوں میں سے بعض کی روحانیت کے لئے صدقہ کیا جائے۔ اسی اثنا میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو خوشی اور سرور حاصل ہوا اور وہ (میت) خوش وخرم نظر آئی۔ جب اس صدقے کے دینے کا وقت آیا تو پہلے حضرت رسالتِ خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والسلام والتحیۃ کی روحانیت کے لئے اس صدقے کی نیت کی جیسا کہ عادت تھی، بعد ازاں اُس میت کی روحانیت کی نیت کر کے صدقہ دیدیا تو اس وقت اس میت میں رنج اور اندوہ محسوس ہوا اور کلفت و کدورت ظاہر ہوئی ـــــــ اس حال سے بہت تعجب ہوا اور رنج وکلفت کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی، حالانکہ محسوس ہوا کہ اس صدقے سے بہت برکتیں اس میت کو پہنچی ہیں لیکن وہ خوشی اور سرور ظاہر نہیں ہوا (جو پہلے ظاہر ہوا تھا)

ارواحِ موتیٰ کیلئے صدقہ کرنے کی کیفیت

اسی طرح ایک دن کچھ رقم آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نذر کی اور اس نذر میں تمام انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی شامل کر لیا اور ان کو آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا

سلہ آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔ علہ یعنی مکتوب ۳/۸۷

طفیلی بنایا تو اس امر میں آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی رضامندی معلوم نہ ہوئی ــــــ اسی طرح بعض اوقات جو درود شریف میں بھیجتا تھا اگر اس میں تمام انبیاء علیہم السلام کو بھی اس درود میں شامل کر لیتا تو اس میں آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی مرضی ظاہر نہ ہوتی تھی، حالانکہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے تمام مؤمنوں کو اس میں شریک کرلیں تو سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کے اجر سے کہ جس کی نیت سے دیا گیا ہے کچھ کم نہیں ہوتا یاِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (نجم آیت ۳۲) (بیشک تیرا رب بڑی بخشش والا ہے)۔

مدت تک یہ اشکال دل میں کھٹکتا رہا کہ اس تقدیر پر خوش نہ ہونے اور رضامندی ظاہر نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ آخر کار خداوند جل شانہٗ کے فضل سے ظاہر ہوا کہ ناخوشی اور کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر بے شرکتِ غیرے کسی میت کے نام پر صدقہ دیا جائے تو وہ میت اپنی طرف سے اس صدقہ کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کرے گا اور اس کے وسیلے سے برکات و فیوض حاصل کرے گا، اور اگر صدقہ دینے والا خود آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت کرے گا تو میت کو کیا نفع ہوگا۔ شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو میت کو صرف اسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو اس صدقہ کا ثواب بھی ملے گا اور اس صدقہ کے تحفہ اور ہدیہ کرنے کے فیوض و برکات بھی حبیب رب العالمین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے پائے گا۔ اسی طرح ہر اس شخص کے لئے کہ جس کو شریک کریں یہی نسبت کارفرما ہے کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے اور عدم شرکت میں دو درجہ، کیونکہ میت اس کو اپنی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتی ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو ہدیہ و تحفہ کوئی غریب کسی بزرگ کی خدمت میں لے جائے تو اس تحفہ کا بغیر کسی کی شراکت کے اگرچہ وہ طفیلی ہی ہو خود پیش کرنا بہتر ہے یا شرکت کے ساتھ؟ کچھ شک نہیں کہ شرکت کے بغیر بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنی طرف سے دے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ یہ شخص بے فائدہ دوسروں کو اس میں داخل کرے اور آل واصحاب جو آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے عیال کی طرح ہیں اگر ان کو آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے ہدیہ میں طفیلی کے طور پر شامل کریں تو پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے۔ ہاں عادتِ جاریہ یہ ہے کہ ہدیاتِ مروجہ میں

اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے ہمسروں کو شریک کریں تو ادب اور اس کی رضامندی سے دور معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کے خادموں کو اس کا طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو وہ اس کو پسند کرتا ہے کیونکہ خادموں کی عزت کرنا اسی کی عزت ہے ــــــ پس معلوم ہوا کہ مُردوں کی زیادہ رضامندی صدقہ تنہا بھیجنے میں ہے صدقہ کے اشتراک میں نہیں۔ لیکن چاہئے کہ جب بھی کسی میت کے لئے صدقہ کی نیت کریں تو اول آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت سے کچھ ہدیہ جدا کرلیں بعد ازاں میت کے لئے صدقہ کریں، کیونکہ آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں اور اس صورت میں آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتحیات کے طفیل اس صدقہ کے قبول ہونے کا احتمال زیادہ ہے۔

یہ فقیر مُردوں کے بعض صدقات میں جب نیت کے درست کرنے میں اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر کوئی علاج نہیں جانتا کہ اس صدقہ کو آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی نیت سے متعین کرے اور اس میت کو آپ کا طفیلی بنائے، امید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف اگرچہ ریا و سمعہ سے بھی پڑھا جائے تو بھی مقبول ہے اور آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر موقوف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت کے لئے جو کہ مقبول و محبوب ہیں صرف بہانہ ہی کافی ہے۔ آیت کریمہ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (نساء[۴] آیت ۱۱۳) (اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے) آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام و علیٰ جمیع اخوانہ الکرام من الانبیاء والملائکۃ العظام الیٰ یوم القیام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

مکتوب ۲۹ (بست و نہم)

۳۱۳ + ۹۹ + ... = ۳۹۱

سیادت پناہ میر محب اللہ[۱] کی طرف بعض کلمات قدسی آیاتِ قرآنی کے سمجھنے کے بیان میں صادر فرمایا۔

(اس فقیر کو) اس سے پیشتر بعض کلمات قدسی آیاتِ قرآنی کے سمجھنے میں اپنے فہم قصور کے باعث شک و شبہ پیدا ہوتا تھا اور اس کی تطبیق و مطابقت میں عاجز رہ جاتا تھا تو وساوس کے

---

[۱] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۷۳ پر گذر چکا ہے۔

ایصال ثواب کا بہتر طریقہ

دفع کرنے کے لئے اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے اس سے بہتر کوئی علاج نہیں پاتا کہ اپنے آپ سے کہتا تھا کہ تُو نظمِ قرآنی کو خداوند جل وعلا کے کلام ہونے کا اعتراف کرتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر ایمان نہیں رکھتا تو تُو کافر ہے اور بحث سے خارج ہے، اور اگر اس پر ایمان رکھتا ہے تو پھر تیری سمجھ کا قصور ہے نظمِ قرآنی میں کوئی نقص نہیں، وہ تو اس خالقِ ارض و سموات کا کلام ہے جو عقول و ادراک کا موجد ہے۔ اور چونکہ خداوند جل سلطانہٗ کے فضل سے کلامِ ربانی کی حقانیت پر ایمان حاصل تھا اس لئے وہ وسوسہ اس تدبیر سے مضمحل و ناچیز ہو جاتا تھا اور تردد سے نجات حاصل ہو جاتی تھی ——— اب اللہ سبحانہٗ کے فضل سے معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ نظمِ قرآنی میں ہر وہ مقام جس میں قصور و ادراک کی وجہ سے شک و شبہ کی گنجایش ہوتی تھی وہی مقام قرآن پر ایمان کی زیادتی کا سبب ہو گیا ہے اور وہی خدشہ اعجازِ قرآن کے ظہور کا ذریعہ بن گیا ہے اور اب اس دشوار مقام کو شاہ جہلے اعجازِ (قرآن) سے تصور کرتا ہوں اور اس اشکال کو بلاغت و فصاحتِ (قرآن) کے کمال پر محمول کرتا ہوں کہ انسان اس کے سمجھنے میں قاصر ہے۔ قرآن مجید کے (بعض مقامات) نہ سمجھنے میں جسقدر ایمان ہے اتنا اس کے سمجھنے میں نہیں۔ کیونکہ اس کے نہ سمجھنے میں اعجاز کی راہ کشادہ ہے جو سمجھنے کی صورت میں نہیں ہے ——— سبحان اللہ یہی نا سمجھنا ایک جماعت کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے اور کلامِ حق جل وعلا کے انکار تک پہنچا دیتا ہے اور بعض کے حق میں یہی نا سمجھنا قرآن مجید پر کمالِ ایمان کا سبب بن جاتا ہے اور ہدایت کے راستہ پر لے آتا ہے: یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا (بقرہ آیۃ ۲۶) (اس سے بہت لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور بہت لوگ ہدایت پاتے ہیں) رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیۃ ۱۰) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری عطا فرما۔ وَالسَّلَامُ

بعض آیاتِ قرآنی کے سمجھنے اور نہ سمجھنے کے نتائج

سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان[1] کی طرف مراتبِ اصول اور مراتبِ عبادات کے عروج کے بیان میں صادر فرمایا۔

---

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۹۱ پر گزر چکا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔ بیت

پایہ آخر آدم است و آدمی — گشت محروم از مقام محرمی
گرنہ گردد باز مسکیں زیں سفر — نیست از وے ہیچ کس محروم تر

(ترجمہ) آخری منزل ہے آدم کا مقام — ہو گیا محروم گو محرم بھی تھا
اس سفر سے گر نہ آئے لوٹ کر — پھر وہ ہے محروم قطعی طور پر

مراتب اصول اور وہاں تک عروج

جب اللہ سبحانہ کی عنایت سے سالک کو اپنے اصول سے جو کہ خاص اس کے اصل کا ظل ہے عروج واقع ہوتا ہے تو ان اصولوں میں سے ہر ایک اصل میں اس کے اصول سے پہلے اس کو اس اصل میں فنا ہے اس کے بعد اس اصل میں بقا ہے۔ اس فنا و بقا سے اس کی انانیت کا اطلاق اس ظل سے زائل ہو کر اس کی اصل پر جس میں اس کو فنا و بقا حاصل ہوئی ہے اس کا اطلاق پائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل جانے گا۔ اور اسی طرح جب اس اصل سے حق تعالیٰ جل وعلا کے کرم سے اس کو عروج واقع ہوگا تو اس اصل سے جو اس اصل سے بھی فوق ہے اور وہ اصل جو اس اصل کا ظل ہے تو خاص طور پر اس پہلے اصل کی فنا و بقا کو اس اصل میں حاصل کرے گا، اور انا کا اطلاق اصلِ اول سے زائل ہو کر اصلِ ثانی پر لگ جائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصلِ ثانی پائے گا اور اصلِ ثانی کو اصل ثالث کے ساتھ بھی یہی نسبت ہوگی، اگر اور عروج واقع ہو جائے تو انا کا اطلاق اس اصل ثالث پر قرار پائے گا کیونکہ اصلِ ثانی اس کا ظل ہے اور اسی طرح ہر نیچے والی اصل کی جو اوپر والی اصل کے ظل کی مانند ہے یہی نسبت ہوگی۔ اور اگر محض فضلِ خداوند جل سلطانہ سے اس کو عروج واقع ہو جائے اور ظل سے اصل کی طرف لے جائیں تو انا کا اطلاق ہر ظل سے دور ہو کر اس کی اصل کی طرف قرار پائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل جانے گا، استعداد کے درجات کے تفاوت پر اللہ تعالیٰ جہاں تک منظور ہے لے جائے۔

اور یہ اصول اس کثرت اور اس بلندی کے باوجود اس کے اجزاء بن جائیں گے اور قطرے کو دریا کر دیں گے اور تنکے کو پہاڑ بنا دیں گے۔ اور جب یہ اصول اس کے اجزاء بن جائیں تو لازمی طور پر ان کے کمالات و برکات سے بھی اس کو کامل حصہ مل جائے گا اور اس کا کمال ان اجزا کے کمالات کا جامع ہو جائے گا۔ اس بیان سے "انسانِ کامل" اور باقی تمام انسانوں کے درمیان فرق معلوم

کرسکتے ہیں کہ وہ ایک دریائے محیط ہے اور یہ اس دریا کے حقیر قطروں کے مانند ہے۔ پس یہ ان کو کس طرح پہچانیں گے اور اس کے کمال کو کیا سمجھیں گے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے؟ "الہٰی چیست اینکہ اولیائے خود را کردی کہ ہر کہ ایشاں را شناخت ترا یافت وتا ترا نیافت ایشاں را نشناخت"۔ (الہٰی یہ کیا معاملہ ہے کہ جو تو نے اپنے اولیاء کے ساتھ کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا تجھ کو پالیا اور جب تک تجھ کو نہیں پایا ان کو نہیں پہچانا) ۔۔۔۔۔ اور جس طرح "انسانِ کامل" اور انسانِ ناقص کے درمیان کثرت و قلتِ اجزا کا فرق ہے اسی طرح ان کی طاعت و حسنات کے درمیان میں بھی اسی اندازے کے مطابق تفاوت ہے۔ ایک شخص جس کو سو زبانیں دی جائیں اور وہ ہر زبان سے حق جل وعلا کی یاد کرے تو اس شخص کی ایسے شخص کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے جس کو صرف ایک ہی زبان دی گئی ہو اور وہ اس ایک زبان کے ساتھ حق جل وعلا کی یاد کرتا ہے۔ ایمان و معرفت اور باقی تمام کمالات کو بھی اسی معنی پر قیاس کرنا چاہئے: رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (تحریم ۶۶ آیت ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے نور کو کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا وَّعَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ وَصَحْبِہِ الْعِظَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ۔

(حاشیہ: انسانِ کامل اور انسانِ ناقص کے درمیان فرق)

مکتوب ۳۱

۲۱۳ + ۹۹ = ۳۴۳

ملا بدر الدینؒ[1] کی طرف عالمِ ارواح، عالمِ مثال اور عالمِ اجساد کی تحقیق میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ۔۔۔۔۔ آپ نے لکھا تھا کہ روح کا تعلق بدن سے پہلے عالمِ مثال سے تھا اور بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر وہ عالمِ مثال میں چلی جائے گی لہذا قبر کا عذاب عالمِ مثال میں اس درد کی طرح ہوا جیسا کہ حالتِ خواب میں عالمِ مثال کی مانند محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ بھی لکھا تھا کہ اس مضمون کی بہت سی فروعات (شاخیں) ہیں، اگر آپ پسند فرمائیں تو اس سے متعلق مختلف فروعات کا ذکر کیا جائے ۔۔۔۔۔ (جواب) جاننا چاہئے کہ اس قسم کے خیالات کی سچائی سے بہت کم لوگ بہرہ مند ہوتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو غیر معروف راستہ پر

(حاشیہ: عالمِ ارواح، عالمِ مثال اور عالمِ اجساد کی تحقیق میں)

---

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۸۹ پر ملاحظہ ہو۔
[2] مکتوبات ۱/۱۰۶ - ۲/۵۲ - دیکھیں۔

ڈال دیں اس لئے چند کلمات ضرورت کی بنا پر موانعات کے باوجود اس کی تحقیق میں لکھے جاتے ہیں:
وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ (اللہ سبحانہٗ ہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے)۔

اے برادر! (صوفیہ نے) عالمِ ممکنات کی تین قسمیں قرار دی ہیں: (۱) عالمِ ارواح، (۲) عالمِ مثال، اور (۳) عالمِ اجساد — اور عالمِ مثال کو عالمِ ارواح اور عالمِ اجساد کے درمیان برزخ (پردہ) کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ عالمِ مثال اِن دونوں عالموں کے معانی و حقائق کے لئے ایک آئینے کی طرح ہے، اجساد و ارواح کے حقائق و معانی عالمِ مثال میں لطیفے کی صورت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں کیونکہ وہاں (عالمِ مثال میں) ہر معنی و حقیقت کے مناسب دوسری صورت و ہیئت ہے اور وہ عالم (مثال) اپنی ذات میں صورتوں اور ہیئتوں اور شکلوں کا متضمن نہیں ہے بلکہ وہاں صورتیں اور شکلیں دوسرے عالم سے منعکس ہو کر ظہور پذیر ہوتی ہیں جس طرح آئینہ کہ وہ اپنی ذات کے اندر کوئی شکل و صورت نہیں رکھتا، اس میں جو بھی صورت دکھائی دیتی ہے وہ باہر سے آئی ہوئی ہوتی ہے

——— جب یہ بات معلوم ہو گئی تو جاننا چاہئے کہ روح بدن کے تعلق سے پہلے اپنے عالم (ارواح) میں تھی جو عالمِ مثال سے اوپر ہے اور بدن سے تعلق کے بعد اگر اس نے تنزل کر کے عالمِ اجساد سے تعلق قائم کر لیا ہے تو علاقۂ محبت کے باعث نیچے آگئی ہے اس کو عالمِ مثال سے کوئی سروکار نہیں ہے، نہ اس کو (بدن سے پہلے عالمِ مثال سے) کوئی تعلق تھا اور نہ بعد میں۔ اور اس سے زیادہ کوئی تعلق نہیں ہے کہ بعض اوقات اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے اپنے بعض احوال کو عالمِ مثال کے آئینے میں مطالعہ کر لیتا ہے اور اپنے احوال کے حُسن و قبح (اچھائی و برائی) کو اس جگہ سے معلوم کر لیتا ہے، جیسا کہ کشف اور خوابوں میں یہ معنی واضح ہوتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حس سے غائب بھی نہیں ہوتا اور اس کے معنی کا احساس کر لیتا ہے۔ لیکن بدن سے جدائی کے بعد اگر روح علوی ہے تو وہ فوق کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اگر سفلی ہے تو پستی میں گرفتار ہو جاتی ہے غرضکہ عالمِ مثال سے اس کا کوئی تعلق نہیں، عالمِ مثال تو صرف "برائے دیدن" (دیکھنے کے لئے) ہے نہ کہ "از برائے بودن" (رہنے کے لئے) کیونکہ رہنے کی جگہ تو عالمِ ارواح ہے یا عالمِ اجساد۔ عالمِ مثال کی حیثیت ان دونوں عالموں کے لئے آئینے سے زیادہ نہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

اور وہ درد و تکلیف جو خواب میں عالمِ مثال میں محسوس ہوتی ہے وہ اس سزا کی صورت

عالمِ ارواح، عالمِ مثال اور عالمِ اجساد کا فرق

اور شباہت ہے جس کا دیکھنے والا مستحق ہوتا ہے اور تنبیہ کے لئے اس کے معنی اس پر ظاہر کر دیئے جاتے ہیں۔ اور قبر کا عذاب اس قسم سے نہیں ہے وہ تو حقیقتِ عقوبت ہے عقوبت کی صورت نہیں۔ اور نیز وہ تکلیف جو خواب میں محسوس ہوتی ہے اگر بالفرض اس کی کوئی حقیقت بھی ہو تو وہ دنیوی تکالیف کی قسم سے ہوگی اور عذابِ قبر عالم آخرت کے عذاب سے ہے۔ اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ دنیوی عذاب کی عذابِ اخروی کے ساتھ کوئی نسبت نہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے۔ اگر دوزخ کی آگ کی ایک چنگاری بھی دنیا میں گر جائے تو سب کو جلا کر خاک کر دے۔ عذابِ قبر کو خواب کی مانند جاننا صورتِ عذاب اور حقیقتِ عذاب پر مطلع نہ ہونے کی بنا پر ہے اور اس شبہ کے وہم کا پیدا ہونا عذابِ دنیا کے ساتھ عذابِ آخرت کو خلط ملط کرنا ہے اور یہ بات بیّن البطلان واضح طور پر باطل ہے۔

سوال: آیۂ کریمہ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا (زمر آیت ۴۲ پ ۳۹) (اللہ تعالیٰ ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے مرتے وقت اور جو مرتے نہیں (ان کی روحیں) نیند میں قبض کر لیتا ہے) سے مفہوم ہوتا ہے کہ توفیٔ انفس یعنی "جانوں کا قبض کرنا" جس طرح موت میں ہوتا ہے اسی طرح خواب میں بھی ہوتا ہے۔ پھر ایک عذاب کو دنیا کا عذاب سمجھنا اور دوسرے عذاب کو آخرت کا عذاب کہنا کس وجہ سے ہے ——— جواب: توفیٔ نوم اس قسم سے ہے جیسے کوئی شخص اپنے وطنِ مالوف سے شوق و رغبت کے ساتھ سیر و تماشے کے لئے کہیں باہر جائے تاکہ فرحت و سرور حاصل کرے اور پھر خوش و خرم اپنے وطن واپس آجائے۔ اس کی سیر گاہ عالمِ مثال ہے جو ملک و ملکوت کے عجائبات کی متضمن ہے لیکن توفیٔ موت کی کیفیت ایسی نہیں ہے وہاں تو وطنِ مالوف کا انہدام (اجاڑنا) اور بنائے معمور (آباد گھر) کی تخریب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ توفیٔ نوم (نیند والی موت) میں محنت و کلفت نہیں ہے بلکہ فرحت و سرور کی متضمن ہے اور توفیٔ موت (موت والی نیند) میں شدت و کلفت ہے، لہٰذا نیند میں فوت ہونے والے کا وطن دنیا ہے اور اس کے ساتھ جو معاملہ کرتے ہیں وہ دنیاوی معاملات میں سے ہے۔ اور موت والی نیند کا تعلق اپنے وطنِ مالوف کی تخریب کے بعد آخرت کی طرف انتقال کرنا ہے اور اس کا معاملہ آخرت کے معاملات سے ہے، مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ[1] جو شخص مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی، آپ نے سنا ہوگا۔

(حاشیہ: موت کی نیند خواب کی نیند کی طرح نہیں ہے۔)

---

[1] اس کو دیلمی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا۔ [2] یعنی عذابِ قبر دھندلی سی صورت نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے۔

خبردار! اپنے خیالی مکشوفات اور مثالی صورتوں کے ظہور کی وجہ سے اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے مقررہ اعتقادات کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اپنے خواب وخیال پر مغرور نہ ہوں کیونکہ اس فرقۂ ناجیہ کی متابعت کے بغیر نجات متصور نہیں ہے اپنی خوش طبعیوں کو چھوڑیں۔ اگر نجات کی آرزو رکھتے ہیں تو ان بزرگوں کی اتباع میں دل وجان سے کوشش کریں۔ خبر کرنا شرط ہے: مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (مائدہ آیہ ۹۹) (رسول کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے)

خیالی مکشوفات کی بناء پر اہل سنت کے عقائد ہرگز نہ چھوڑیں

آپ کی عبارت کے انبساط سے مجھے یہ وہم پیدا ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ خیالات آپ کو ان اکابر کی تقلید سے باہر لے آئیں اور اپنے مکشوفات کے تابع بنا دیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنْهَا وَمِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (اس سے اللہ سبحانہٗ کی پناہ، اور اپنے نفس کی شرارتوں سے اور اپنے اعمال کے گناہوں سے بھی اس کی پناہ)، شیطان قوی دشمن ہے اس کے مکر سے خبردار رہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو صراطِ مستقیم سے ہٹا کر گمراہی کے کوچہ میں ڈال دے ———— آپ کو مجھ سے جدا ہوئے ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا پھر یہ کیا ہو گیا کہ تم نے ان احتیاطوں کو جو سنت اور اہلِ سنت کی متابعت میں ہوتی تھیں اور ان بزرگوں کی تقلید میں نجات کا انحصار جانتے تھے سب کو فراموش کر دیا اور اپنے تخیلات کو اپنا مقتدا بنا کر طرح طرح کی شاخیں نکالنی شروع کر دیں۔ ہماری ملاقات کا امکان بظاہر بہت بعید معلوم ہوتا ہے لہٰذا ایسی زندگی گزاریں کہ نجات کی امید کا رشتہ ٹوٹنے نہ پائے رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۸) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

مکتوب ۳۲

۳۱۳ + ۹۹ + ۳۲ = ۴۴۴

سی و دوم

مقصود علیؒ کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ وہ خطرات جن کو وصل کے اسباب کہتے ہیں وہ تجلی صوری کے اندازہ کے مطابق ہیں نیز کثرتِ واہمہ کی تحقیق اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— آپ نے لکھا ہے کہ ایک سالک نے کسی کامل سے پوچھا کہ میں خطرات کے ہجوم کی وجہ سے پریشان ہوں۔ اس نے جواب دیا: وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ (اور وہ

۱؎ آپ کے نام تین مکتوب ہیں یعنی دفتر دوم مکتوب ۹۵۔ دفتر سوم مکتوب ۲۳-۳۲۔ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(حق تعالیٰ) ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے) کے تقاضے کے مطابق جب مطلوب کا احاطہ و شمول معلوم ہے تو خطرات کو وصل کے اسباب سے شمار کرنا چاہیئے نہ کہ جدائی کے اسباب سے اور ہمیشہ مشاہدہ کے دروازوں کو کھلا رکھنا چاہیئے اور غفلت کے سوراخ کو بند کر دینا چاہیئے۔

(جواب) یہ بات تجلیٔ صوری کے اندازہ کے مطابق ہے جو اس راہِ صادق کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ ہے اس مقام میں اگر وصل ہے تو حقیقت میں وہ صورت کے اعتبار سے فصل ہے، اور اگر مشاہدہ ہے تو وہ بھی واقع میں بعد اور دوری ہے جو صورت کے ملاحظہ سے ثابت ہے۔ اور یہ تجلی اس راہ کے اکابرین کے نزدیک ناقابلِ اعتبار ہے ۔۔۔ کیونکہ یہ سالک کے وجود کو فنا کرنے والی نہیں ہے، اور اس تجلی میں مُحِق اور مُبطِل (سچے اور جھوٹے) دونوں شریک ہیں۔ ہندوستان کے جوگی اور یونان کے فلاسفہ بھی اس تجلی سے باخبر ہیں اور اس مقام کے علوم و معارف سے محظوظ و متلذذ ہیں ــــــــ

خلاصۂ کلام یہ کہ مُحِق (اہلِ حق) کو یہ دولت صفائیٔ قلب کی راہ سے حاصل ہوتی ہے اور مُبطِل (اہلِ باطل) کو صفائیٔ نفس کی راہ سے۔ لازماً صفائیٔ قلب ہدایت کی طرف لے جاتی ہے اور وہ ضلالت و گمراہی کی طرف لگا دیتی ہے لیکن یہ دونوں صورت کے گرفتار ہیں اور حقیقتِ معنی سے بے خبر ہیں۔ بیت

صورت پرست غافل معنیٰ چہ داند آخر　　　کو با جمالِ جاناں پنہاں چہ کار دارد

(ترجمہ) صورت پرست جو ہیں معنی سے ہیں وہ غافل　　　پنہاں ہو حسنِ جاناں وہ بھی انھیں عبث ہو

لیکن اہلِ حق کو صورت کے تعلق کی وجہ سے نجات کا احتمال ثابت ہے اور اہلِ باطل کو جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ملت کے التزام کے بغیر صورت میں منہمک ہیں ان کو صورت کی گرفتاری سے خلاصی محال ہے ــــــ اور اسی طرح تجلیٔ صورت علم کے دائرہ میں داخل ہے لیکن جب حال و ذوق کا پرتو اس پر پڑتا ہے تو وہ علم مکمل طور پر حال بن جاتا ہے ــــــ اور یہ بھی ہے کہ اس تجلی میں مشہود کثرت ہے، لیکن وحدت کی مظہریت کے عنوان کے ساتھ اور شہودِ کثرت جس عنوان سے بھی ہو وبال در وبال ہے، لہذا چاہیئے کہ ماضی کی نظر میں کثرت اور شہود کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے اور واحدِ حقیقی کے سوا کچھ بھی مشہود نہ ہو تاکہ فنا جو اس راہ میں پہلا قدم ہے میسر ہو، کیونکہ فنا سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا اپنے باطن سے ہر چیز کو بھول جائے۔ لہذا اس مقام میں

وہ خطرات جن کو اسباب وصل کہتے ہیں

(صفائی جو نفس کے ذریعے حاصل ہوتی ہے) وہ ص

کثرت کی کیا مجال ہے (اور شہودِ کثرت اس جگہ کیا معنی رکھتا ہے ——— اور وہ خطرہ جس کو اسبابِ وصل اور ابوابِ مشاہدہ کہا گیا ہے، اس وصل اور مشاہدہ سے مراد، وصل و مشاہدۂ صوری ہے جو کہ عین مفارقت اور دوری ہے، کیونکہ وہ وصل جو اس طائفۂ عالیہ کے اکابرین کے نزدیک معتبر ہے وہ مقامِ بقا باللہ میں حاصل ہوتا ہے جو فنا اور تمام ماسوا کے نسیان کے بعد حاصل ہوتا ہے - اور خطرے کا وجود اس دولت کے منافی ہے اور وسوسہ کا حصول اس منزل کے مانع ہے - اور مقامِ فنا میں جو اس وصل کی دہلیز ہے خطرہ اس طرح زائل ہو جاتا ہے کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی اشیاء کو یاد کریں تو بھی یاد نہ آئیں اُس نسیان کی وجہ سے جو اس کو ماسوا سے حاصل ہوا ہے۔

آپ نے لکھا ہے: "وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ" (اور وہ (حق تعالیٰ) ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے)۔ ——— احاطہ کا بیان اس عبارت سے نہیں آیا ہے جو شاید مُوَلَّدِینؒ[1] کے کلام سے ہے کیونکہ کلامِ عجم میں احاطہ کو کلمۂ عَلٰی سے متعدی کرنا بکثرت آیا ہے اور عرب کی فصیح عبارتوں میں احاطہ کا تعدیہ کلمہ "با" کے ساتھ مشہور ہے (جیسا کہ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (نساء آیت ۱۲۶) (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے)۔ اور (دوسری جگہ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ (حم سجدہ ۴۱ آیت ۵۴) (خبردار! بیشک وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے) ——— بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت کو قرآن مجید (کی آیات) سے خیال کر کے شہادت کے طور پر لایا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس معنی کا بیان کلام مجید میں دوسری طرح آیا ہے، جیسا کہ گذر چکا ہے۔

اور اسی طرح آپ نے لکھا ہے کہ کثرتِ وہمی (وہموں کی کثرت) اور تعددِ اعتباری نے اس طرح ہجوم کیا ہے کہ اکثر علماء تعددِ وجود کی وجہ سے غلطی میں پڑ کر مغز سے پوست کی طرف اور لُب سے قشر کی طرف قناعت کر بیٹھے ہیں (یعنی اصل کو چھوڑ کر نقل کی طرف مائل ہو گئے ہیں) ——— کثرت و تعدد اگرچہ وہمی و اعتباری ہے لیکن چونکہ خداوند جل سلطانہٗ کی صنعت و ایجاد سے پیدا ہوئی ہے اس لئے استوار و مستحکم ہے اور دنیوی و اُخروی معاملہ اس کے ساتھ وابستہ ہے اور خارجی اثرات اسی پر مرتب ہوتے ہیں۔ ہر چند وہم و اعتبار زائل ہو جائے لیکن اس کثرت و تعدد کا زوال ممنوع و محال ہے کیونکہ آخرت کا دائمی عذاب و ثواب جس کی مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام

علماء اور صوفیہ کا کثرت و تعدد پر اتفاق ہے

[1] وہ عجمی اشخاص جنھوں نے عرب میں پرورش پائی۔

خبر دی ہے اس کا تعلق کثرت سے ہے اور تعدد کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور کثرت و تعدد کے ارتفاع کا حکم کرنا الحاد و زندقہ میں داخل ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذٰلِکَ (ہم اس سے اللہ سبحانہٗ کی پناہ مانگتے ہیں) لہٰذا صوفیۂ علیہؒ اور علماءِ کرام دونوں ثبوت اور استمرار کے ساتھ اس کثرت اور تعدد کے قائل ہیں، اور آخرت کے دائمی معاملہ کو اس کے ساتھ وابستہ جانتے ہیں، لیکن یہ کثرت عروج کے وقت چونکہ صوفیہ کے شہود سے مرتفع ہو جاتی ہے اس لئے اس کو وہمی اور اعتباری پاتے ہیں اور چونکہ نفسِ امر میں مرتفع نہیں ہوئی اگرچہ وہ شہود سے مرتفع ہو جاتی ہے اس لئے علماء اس کو موجود جانتے ہیں لہٰذا فریقین (علماء و صوفیہ دونوں) کا اختلاف محض لفظی رہ گیا اور معنی میں اتفاق کے بعد ہر ایک نے اپنی اپنی معلومات کے اندازے کے مطابق حکم لگایا ہے۔ صوفیہ نے شہود کا اعتبار کیا اور ارتفاعِ شہودی کو ملاحظہ کر کے اس پر وہمی اور اعتباری ہونے کا حکم کیا ہے، اور علماء نے اس کے ثبوت و استقرار اور نفسِ امری کو ملاحظہ کر کے اس کے وجود کا حکم فرمایا ہے۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ (بقرہ آیۃ ۱۴۸) ہر ایک کیلئے ایک جہت ہے) ——— اس مضمون کو فقیر نے اپنے مکتوبات اور رسائل میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور فریقین کے اختلاف کو محض لفظی قرار دیا ہے اگر کوئی پوشیدگی باقی رہ گئی ہو تو وہاں رجوع کریں ——— غرضکہ علماء کی نظر صواب سے قریب تر ہے کیونکہ وہ نفسِ امر کے مطابق ہے اور صوفیہ کی نظر سکر اور غلبۂ حال کے اعتبار سے ہے (جیسا کہ) ستارے دن میں پوشیدہ ہوتے ہیں حالانکہ نفسِ امر میں ثابت ہیں صرف دیکھنے میں پوشیدہ ہیں لہٰذا ستاروں کے ثبوت کا حکم کرنا صواب سے قریب تر ہے بہ نسبت اس کے کہ ستاروں کے نظر نہ آنے کی وجہ سے ان کے عدمِ وجود کا حکم کیا جائے۔

علماء جو کثرتِ وجود کے قائل ہیں ان کا مقصد شریعت کو باقی رکھنا ہے کیونکہ اس کی بنیاد تعدد پر ہے اور صاحبِ شریعت کے وعدہ و وعید کا جاری کرنا بھی کثرت کے بغیر متصور نہیں ہے۔ اور صوفیہ بھی اس معنی کے معترف ہیں اگرچہ وہ تکلف کے ساتھ شریعت سے اس کی تطبیق کرتے ہیں۔ اور جو کچھ علماء نے فرمایا ہے وہ بے تکلف صادق اور بغیر کسی حیلے کے (شریعت کے) مطابق ہے اور اس میں کسی قسم کا غبار اور کدورت نہیں ہے ——— علماء مستقل اور دائمی وجود کا اثبات نہیں کرتے جس میں اعتراض کی گنجائش ہو اور واجب تعالیٰ کے ساتھ شرکت لازم آئے، بلکہ ایک کمزور وجود کا اثبات کرتے ہیں جو دوسرے سے مقاص و مستعار ہے۔ اس میں (علماء کی) کونسی غلطی ہے۔

علماء دائمی وجود کا اثبات نہیں کرتے

علماء، جو دین کے اکابر ہیں ان پر غلطی کی نسبت کرنا غلطِ محض اور محض غلط ہے۔ ہم بعد میں آنے والوں نے دین اور شریعت کو علماء ہی سے حاصل کیا ہے اور مذہب و ملت کو ان ہی کی برکات سے اخذ کیا ہے، اگر ان پر طعن کرنے کی گنجائش ہو تو شریعت و ملت سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ اسی لئے (علماء نے) سلفِ (صالحین) پر طعن کرنے والوں کو گمراہ اور بدعتی کہا ہے اور ان کے طعن کو دین میں گمراہی اور شک کے اسباب شمار کر کے اس کے بطلان کا حکم کیا ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ "انھوں نے مغز کو چھوڑ کر پوست پر قناعت کر لی ہے۔" شاید آپ نے ظاہری صورت کو مغز خیال کیا ہے اور تنزیہ کو پوست، کیونکہ علماء کی دعوت اور گرفتاری تنزیہ کے ساتھ ہے اور صاحبِ تجلیٔ صوری کا مشہود و مطلوب صورتیں اور شکلیں ہیں، انصاف کرنا چاہئے کہ کون مغز میں گرفتار ہے اور کون پوست کے ساتھ مبتلا ہے۔ وَإِنَّآ أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ۝ (سبا آیت ۲۴[۳۴]) (اور ہم یا تم (میں سے کون) سیدھے راستے پر ہیں یا (کون) صریح گمراہی میں)۔ رَبَّنَآ ءَاتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰[۱۸]) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما)۔ وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَّآخِرًا۔

ملا شمس[۱] کی طرف صادر فرمایا ـــــ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے اس کلام کی تحقیق میں جانھوں نے کہا کہ جبتک کافر نہ ہو جائے اور بھائی کا سر قلم نہ کر دے اور اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو، اسوقت تک مسلمان نہیں ہوتا۔

ملا شمس استقامت سے رہیں۔ آپ نے دریافت کیا ہے کہ شیخ المشائخ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے اپنے رسالہ "ارشاد السالکین" میں لکھا ہے کہ جبتک کافر نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا، اور جبتک اپنے بھائی کا سر قلم نہ کرے مسلمان نہیں ہوتا اور جبتک اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا ان کلمات سے کیا مراد ہے؟۔

نوٹ: شیخ منیری کے کلام کی تحقیق

---

[۱] آپ کے نام دو مکتوب ہیں۔ پہلا مکتوب دفتر اول کا ۱۴۳ واں مکتوب ہے اور تذکرہ بھی ہے۔

(جواب) جاننا چاہئے کہ کفر سے مراد، کفرِ طریقت ہے جو مرتبۂ جمع سے عبارت ہے جو پوشیدگی کا مقام ہے، اور اس مقام میں (سالک) حُسنِ اسلام اور قُبحِ کفر کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتا، بلکہ جس طرح اسلام کو عمدہ (مذہب) جانتا ہے کفر کو بھی اسی طرح اچھا جانتا ہے، اور دونوں کو اِسْمُ الْھَادِیْ اور اِسْمُ الْمُضِلّ جان کر دونوں سے بہرہ مند ہوتا اور لذت حاصل کرتا ہے۔ یہ وہی کفر ہے جس کی خبر منصور نے دی ہے اور وہ اسی میں رہا ہے اور اسی پر مرا ہے۔ جیسا کہ اس نے کہا ہے۔ شعر

کَفَرْتُ بِدِیْنِ اللّٰہِ وَالْکُفْرُ وَاجِبٌ لَدَیَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِیْنَ قَبِیْحٌ

(ترجمہ) دینِ حق سے کُفر ہے لیکن وہ واجب ہے مجھے گو مسلمانوں کے ہے نزدیک وہ بیشک قبیح

یہ شطحیات ہیں (یعنی وہ اقوال جو حالتِ مستی اور ذوق میں بے اختیار صادر ہو جائیں) جیسے قول اَنَا الْحَقّ (میں خدا ہوں، قولِ منصور) اور قولِ سُبْحَانِیْ (میں پاک ہوں، قولِ بایزید بسطامی) اور قول لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہ (میرے جبہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں، قولِ جنید بغدادی) سب اسی شجرِ جمع کے پھل ہیں۔ اس قسم کی باتوں کا پیدا ہونا محبوبِ حقیقی کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے ہے کیونکہ محبوب کے علاوہ ہر چیز ان کی نظر سے پوشیدہ ہو گئی ہے اور محبوب کے علاوہ کوئی چیز مشہود نہیں رہی۔ یہ مقام مقامِ جہل ہے اور مقامِ حیرت ہے، لیکن یہ وہ جہالت ہے جو محمود ہے اور یہ وہ حیرت ہے جو ممدوح اور قابلِ ستائش ہے۔

——— اور جب اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے اس مرتبۂ جمع سے بلند تر سیر واقع ہو جاتی ہے اور اس جہل کے ساتھ علم جمع ہو جاتا ہے اور حیرت کے ساتھ معرفت شامل ہو جاتی ہے اور (سالک) سکر سے صحو میں آجاتا ہے تو اس وقت اسلامِ حقیقی کی دولت ظاہر ہوتی ہے اور ایمان کی حقیقت میسر آجاتی ہے۔ یہ اسلام اور ایمان زوال سے محفوظ ہے اور کفر کے طاری ہونے سے مامون ہے چنانچہ ماثورہ دعاؤں میں وارد ہے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا لَیْسَ بَعْدَہٗ کُفْرٌ (الٰہی میں تجھ سے ایسا ایمان چاہتا ہوں جس کے بعد کفر نہ ہو) اور یہی وہ ایمان ہے جو زوال سے محفوظ ہے: آیہ کریمہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس آیت ۶۲) (خبردار! یقیناً اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے) میں اسی ایمان والوں کے حال کا نشان ہے کیونکہ ایسے ایمان کے بغیر ولایت متصور نہیں ہے۔ اگرچہ مقام و مرتبۂ جمع میں بھی ولایت کے نام کا اطلاق کر سکتے ہیں، لیکن اس مرتبہ میں ہر وقت نقص و قصور دامنگیر ہے۔ چونکہ (اسلام میں) کمال

ایمان اور معرفت میں ہے نہ کہ کفر اور جہل میں خواہ کفر اور جہل کسی درجہ کا ہو، پس شیخ نے جو کچھ کہا وہ صحیح کہا کہ جبتک کفرِ طریقت سے متحقق نہ ہو جائے حقیقتِ اسلام سے مشرف نہیں ہوتا۔

اور یہ جو کہا کہ "جبتک اپنے بھائی کا سر نہ کاٹ ڈالے مسلمان نہیں ہوتا" اس بھائی سے مراد ہمزاد شیطان ہے جو اس کا ساتھی ہے اور ہمیشہ اس کو شر اور فساد کی طرف مائل کرتا ہے۔ حدیث میں وارد ہے عَلٰی قَائِلِہٖ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (جو اس کا قائل ہے اس پر صلوٰۃ و سلام ہو)۔ کہ بنی آدم میں سے کوئی بھی ایسا آدمی نہیں کہ جس کا ساتھی ایک جن (شیطان) نہ ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپؐ کا ساتھی بھی جن ہے؟۔ فرمایا کہ ہاں ہے، لیکن خدائے تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غلبہ دیا ہوا ہے اس لئے میں اس کے شر سے محفوظ ہوں[۵]۔ یہ معنی اس صورت میں ہیں کہ لفظ فَاَسْلَمُ جو حدیث شریف میں واقع ہوا ہے اس کو صیغۂ متکلم سے روایت کیا جائے، اور اگر صیغۂ ماضی سے روایت کیا جائے گا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میرا وہ ساتھی مسلمان ہو گیا ہے، اور یہ آخری معنی مشہور ہیں۔ اور اس ساتھی کے مارنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی تابعداری نہ کی جائے اور اس کو ذلیل و خوار رکھا جائے۔

سوال: آدمی عقل و فراست کے باوجود اس شیطان سے کیوں مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کی بری رہنمائی کی طرف کیوں جلدی کرتا ہے اور حق جل شانہٗ کی ناپسندیدہ باتوں کا کیوں مرتکب ہوتا ہے؟ ——— جواب: شیطان سراسر فتنہ اور بلا ہے کہ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس کو بندوں کی آزمائش اور ابتلا کے لئے مسلط کیا ہے اور اس (شیطان) کو ان (بندوں) کی نظر سے پوشیدہ رکھا ہے، اور اس کے احوال پر ان کو مطلع نہیں کیا، اور اس (شیطان) کو ان کے احوال پر واقف کر دیا اور وہ ان کے رگ و ریشے میں خون کی مانند جاری و ساری رہتا ہے۔ وہ شخص بڑا ہی سعادت مند ہے جو خداوند جل سلطانہٗ کی حفاظت کے ساتھ اس بلا کے کید و مکر سے محفوظ رہے۔ اس (غلبۂ شیطانی) کے باوجود حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں اس کے مکر کو ضعیف فرمایا ہے اور سعادت مندوں کو دلیر کر دیا ہے۔ ہاں خداوند جل سلطانہٗ کی امداد و اعانت سے شیطان اس غلبہ کے باوجود لومڑی کے حکم میں ہے، اور اگر اس کا فضل و امداد شاملِ حال نہ ہو تو وہ پھاڑ ڈالنے والا شیر ہے۔

شعر: تو مرا دل دہ و دلیری بیں ... روبۂ خویش خوان و شیری بیں

(ترجمہ) دل تو دے پھر مری دلیری دیکھ ... لومڑی ہی بنا کے شیری دیکھ

---

[۵] اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا۔ (مشکوٰۃ)

دوسرا جواب یہ ہے کہ شیطان آدمی کی خواہشات کی راہ سے آتا ہے اور اس کو مرغوب اشیاء کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو لازمی طور پر نفسِ امارہ کی مدد سے جو اس کا خانگی دشمن ہے اس پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے اور اس کو اپنا فرمانبردار بنا لیتا ہے۔ شیطان کا کید اپنی ذات کی حد تک ضعیف ہے جو خانگی دشمن کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے۔ حقیقت میں ہماری مصیبت خود ہمارا (نفسِ) امارہ ہی ہے جو ہمارا جانی دشمن ہے، اس خسیس و کمینہ کے سوا کوئی بھی اپنے آپ کا دشمن نہیں، بیرونی دشمن بھی اسی کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے، پس سب سے پہلے اپنے نفس کا سر کاٹ دینا چاہیئے اور اپنے نفس کی اطاعت سے باہر نکلنا چاہیئے اور اس کو ذلیل و خوار رکھنا چاہیئے۔ بھائی کا سر بھی اسی جہاد کے ضمن میں کٹ جائے گا اور وہ بھی خوار و زار ہو جائے گا۔ اس (راہِ سلوک) پر چلنے والے آدمی کا حجاب اس کا اپنا نفس ہی ہے اور بھائی بحث سے خارج ہے جو کہ دُور سے شر و فساد کی دعوت دیتا ہے اور صراطِ مستقیم سے ہٹا کر ٹیڑھی راہ کی طرف بلاتا ہے ——— نفس کو مطیع کرنے کے بعد خداوند جل سلطانہ کی امداد سے اس خارجی دشمن کا بھی آسانی سے دُور کرنا متصور ہے (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے): اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (بنی اسرائیل آیہ ۶۵) (یقیناً تو میرے بندوں پر غلبہ نہ پا سکے گا)۔ یہ ان بندوں کے لئے بشارت ہے جو اپنے نفس کی غلامی سے آزاد ہو کر معبودِ حقیقی کی عبادت میں مشغول ہو گئے ہیں) وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ (اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے)۔

اور یہ جو کہا ہے کہ "جب تک اپنی ماں کے ساتھ جُفت نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا" ہو سکتا ہے کہ اس کی ماں سے مراد اس کا عینِ ثابتہ ہو جو خارج میں اس کے وجود کے ظہور کا سبب ہے۔ اس طائفہ عالیہ (صوفیہ) کی اصطلاح میں عینِ ثابتہ کو "ماں" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے، شعر:

وَلَدَتْ اُمِّیْ اَبَاهَا　　اِنَّ ذَا مِنْ عَجَبَاتٖ

(ترجمہ)　ماں سے پیدا ہوا ہے اُس کا باپ　　بات بیشک عجائبات سے ہے

(اس شعر میں) ماں سے مراد اپنا عینِ ثابتہ لیا ہے اور اس ماں کے باپ سے مراد اسمِ الٰہی جل سلطانہٗ ہے جس اسم کا ظل و عکس اور پرتو عینِ ثابتہ ہے اور چونکہ اس اسم جل شانہٗ کا خارج میں ظہور اس عینِ ثابتہ کے واسطہ سے ہوا ہے اس لئے اس ظہور سے ولادت تعبیر کر کے صوفیا اس کو "ماں" کہتے ہیں اور عینِ ثابتہ بھی کہتے ہیں اور اس عینِ ثابتہ کو تعینِ وجوبی کلی کہتے ہیں کیونکہ اس طائفہ علیہ کے نزدیک

پانچ تعینات ہیں جن کو تنزلاتِ خمسہ کہتے ہیں اور حضراتِ خمس بھی کہتے ہیں۔ ان میں سے ۲ دو تعین مرتبہ وجوب میں اور تین تعینات مرتبۂ امکان میں ثابت کرتے ہیں، اور وہ دو تعین جو مرتبۂ وجوب میں ہیں ایک تعینِ وحدت ہے اور دوسرا تعینِ واحدیت، یہ دونوں مرتبۂ علم میں ہیں اور ان میں فرق صرف اجمال و تفصیلِ علمی کا ہے۔ اور تین تعین جو مرتبۂ امکان میں ثابت کرتے ہیں وہ تعینِ روحی، تعین مثالی اور تعینِ جسدی ہے۔ اور چونکہ عینِ ثابتہ مرتبۂ واحدیت میں ہے تو ناچار اس کا تعین وجوبی ہوا اور جب اس ممکن شخص کی حقیقت بھی عینِ ثابتہ ہے جو تعینِ وجوبی رکھتا ہے اور یہ شخص اس عین کے لئے ظل کی مانند ہے۔ لہٰذا اس شخص کی ماں عالمِ وجوب سے ہوئی کہ جس نے اس کو عالمِ امکان میں ظہور دیا ہے ــــ اور ماں کے ساتھ جفت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس شخص کا یہ تعینِ امکانی اس تعینِ وجوبی کے ساتھ جو اس کی حقیقت ہے متحد ہو جائے ؎

چو ممکن گردِ امکاں بر فشاند　　بجز واجب دروچیزے نماند

گردِ امکاں دور ہو ممکن سے جب　　پھر بجز واجب نہیں اُس میں کچھ اور

یعنی اس کا تعینِ امکانی اس کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی أنا کو تعینِ وجوبی پر اطلاق کرتا ہے لیکن اس معنی کے ساتھ نہیں کہ یہ تعینِ امکانی نفس الامر میں تعینِ وجوبی کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے جو کہ محال ہے اور اس سے الحاق و زندقہ لازم آتا ہے کیونکہ اس جگہ معاملہ شہود کا ہے۔ اگر تعین کا زوال ہے تو بھی شہود سے تعلق رکھتا ہے اور اگر اتحاد ہے تو وہ بھی شہود سے متعلق ہے۔ بیت

نہ آں ایں گردد و نے ایں شود آں　　ہمہ اشکال گردد بر تو آساں

(ترجمہ) نہ وہ یہ ہو، نہ یہ وہ ہو تو بے شک　　ہر اک اشکال تجھ پر ہو گا آساں

اور جب وہ شخص اپنے اِس تعین کو اُس تعین کے ساتھ متحد پاتا ہے تو امیدوار ہو جاتا ہے کہ امکانی آلودگیوں سے پاک ہو جائے گا اور اسلام اور فرمانبرداری کی دولت کے ساتھ مرتبۂ وجوب سے مشرف ہو جائے گا ــــــ جاننا چاہئے کہ تنزلاتِ خمس جو کہ صوفیہ نے بیان کئے ہیں وہ وجود میں محض اعتبارات ہیں۔ اور کشف و شہود کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں نہ یہ کہ ان میں فی الحقیقت تنزل اور تغیر و تبدل ہے۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا یَتَغَیَّرُ بِذَاتِہٖ وَلَا بِصِفَاتِہٖ وَلَا فِیْ اَسْمَائِہٖ بِحُدُوْثِ الْاَکْوَانِ (پس پاک ہے وہ ذات جو کون و مکان کے حدوث سے اپنی ذات و صفات اور اسماء میں متغیر نہیں ہوتی)۔

صوفیہ اپنی دید کے انداز سے کے مطابق جو ان کے سُکر اور غلبۂ حال پر متضمن ہے بعض چیزوں کو زبان پر لے آتے ہیں لہٰذا ایسی باتوں کو ظواہر پر محمول نہیں کرنا چاہئے اور ان کی تاویل و توجیہ کرنی چاہئے کیونکہ اہلِ سکر کے کلام کو ظاہر سے پھیر دینا چاہئے (اور نیک گمان کرنا چاہئے) وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا (اور اللہ سبحانہٗ ہی تمام امور کی حقیقتوں کو جانتا ہے)۔

چونکہ آپ نے بیقراری والی باتیں ایک بزرگ سے نقل کی ہیں اس لئے ضرورت کی وجہ سے ان کے حل میں کچھ تحریر کیا گیا ہے ورنہ یہ فقیر ایسے مخالفت نما کلام کے اندر اپنے آپ کو مشغول نہیں کرتا اور نہ ہی ان کے رد و قبول میں لب کشائی کرتا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (آل عمران آیت ۱۴۷) (اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہوئی ہیں ان کو بھی بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا وَّعَلٰٓی اٰلِہِ الْکِرَامِ وَصَحْبِہِ الْعِظَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ۔

میر محمد امینؒ کی والدہ کی طرف، ——— ذکرِ الٰہی کی ترغیب اور دنیا کی محبت سے پرہیز کے بارے میں بطورِ نصیحت تحریر فرمایا

ضروری نصیحتیں

وہ نصیحتیں جو ضروری ہیں یہ ہیں: ——— (۱) سب سے پہلے علمائے اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم جو کہ فرقۂ ناجیہ ہے کی رائے کے مطابق عقائد درست کرنا ہے ——— (۲) اعتقاد کی درستی کے بعد احکامِ فقہیہ کے تقاضے کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی بجا آوری کے بغیر چارہ نہیں اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے اجتناب کرنا لازم ہے ——— (۳) پانچوں وقت کی نماز سستی اور فتور کے بغیر اس کی شرائط اور تعدیلِ ارکان کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کریں ——— (۴) نصاب کے حاصل ہوتے پر زکوٰۃ کی

لہ یعنی خواجہ میر محمد نعمان کی زوجۂ محترمہ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔

ادائیگی سے بھی چارہ نہیں۔ امام اعظم (ابوحنیفہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کے زیورات میں بھی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے ——— (۵) اپنے اوقات کو لہو و لعب میں صرف نہیں کرنا چاہئے، اور بیکار کاموں میں بھی عمر عزیز کو ضائع نہ کرنا چاہئے، پھر ان کے متعلق کیا کہا جائے جو کہ امور منہیہ (وہ کام جن سے منع کیا گیا) اور محظورات شرعیہ (جن سے بچنے کا شرع نے حکم کیا ہے) ہیں ان میں ہرگز مشغول نہ ہونا چاہئے۔ ——— (۶) سرود و نغمہ کی طرف رغبت نہ کریں اور ان کی لذتوں پر فریفتہ نہ ہوں کیونکہ وہ ایک قسم کا زہر ہے جو شہد میں ملا ہوا سمّ قاتل ہے ——— (۷) لوگوں کی غیبت اور سخن چینی (چغل خوری) سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں کیونکہ شرعی وعیدیں اُن دونوں برائیوں کے ارتکاب پر وارد ہوئی ہیں ——— (۸) جھوٹ بولنے اور بہتان لگانے سے بھی پرہیز ضروری ہے کہ یہ دونوں خراب عادتیں تمام مذاہب میں حرام ہیں اور ان کے کرنے والے کے لئے بہت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ ——— (۹) مخلوق کے عیبوں کو چھپانا اور ان کے قصوروں اور گناہوں سے درگزر اور چشم پوشی کرنا عزائم امور (ہمت کے کاموں) میں سے ہے ——— (۱۰) غلاموں، کنیزوں اور نوکروں پر مشفق و مہربان رہنا چاہئے اور ان کے قصوروں پر مواخذہ نہیں کرنا چاہئے اور موقع اور بے موقع ان بے چاروں کو مارنا، بُرا بھلا کہنا اور تکلیف پہنچانا غیر مناسب اور نا ملائم ہے ——— (۱۱) اور اپنے قصوروں پر نظر کرنی چاہئے جو جناب قدس خداوندی جل سلطانہٗ کی نسبت ہر وقت ہم سے وقوع میں آرہے ہیں اور وہ حق تعالیٰ اس کے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا اور رزق بھی نہیں روکتا ——— (۱۲) اور تصحیح اعتقاد اور احکام فقہیہ کی بجا آوری کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہٗ میں مشغول رکھنا چاہئے اور جس طرح ذکر کا طریقہ آپ نے سیکھا ہے اسی طرح عمل کرنا چاہئے اور جو کچھ اس (ذکر) کے منافی ہو اس کو اپنا دشمن سمجھ کر اس سے اجتناب کرنا لازم جانیں۔ بیت

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است — گر شکر خوردن بود جان کندن ست

(ترجمہ) ذکر حق سے ہٹ کے جو کچھ ہو کہیں — خواہ شیریں ہو، عذاب جان ہے

آپ سے بالمشافہ بھی یہی کہا گیا ہے کہ جس قدر امور شرعیہ میں احتیاط کی جائے گی اسی قدر ذکر کی مشغولی میں اضافہ ہوگا اور اگر احکام شرعیہ میں سستی واقع ہوگی تو ذکر کی لذت اور شیرینی برباد ہو جائے گی، زیادہ کیا تحریر کیا جائے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ۔

میرزا منوچہر[1] کی طرف تعزیت و نصیحت اور ایام شباب کو غنیمت سمجھنے کے بارے میں صادر فرمایا۔

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ برخوردار سعادت اطوار کو خوش وقت اور مطمئن رکھے اور گذشتہ رنج و غم کی ان کے حق میں احسن طریقے پر تلافی فرمائے ——— اے فرزند اقبال آثار! جوانی کے آغاز کا زمانہ جس طرح خواہش و آرزو کا وقت ہوتا ہے اسی طرح علم حاصل کرنے اور عمل کرنے کا زمانہ بھی ہے ہر وہ عمل جو اس (جوانی کے) زمانے میں شہوانی، غضبی اور نفسانی موانع کے غلبہ کے باوجود روشن شریعت کے تقاضے کے مطابق کیا جائے وہ اس عمل کی نسبت جو جوانی کے علاوہ وقت میں ادا کیا جائے چند درچند زیادہ فضیلت والا اور قابلِ اعتبار ہے، اس لئے کہ مانع کا ہونا جو کہ رنج و محنت کا باعث ہے عمل کی شان کو آسمان پر پہنچا دیتا ہے اور مانع کا نہ ہونا جس میں کسی قسم کی رنج و مشقت نہیں عمل کے مرتبہ کو زمین پر گرا دیتا ہے ——— یہی وجہ ہے کہ خواصِ بشر (انبیاء علیہم السلام) خواصِ ملک (مقرب فرشتوں) سے افضل ہیں کیونکہ انسان کی اطاعت موانع کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور فرشتوں کی عبادت بغیر کسی مزاحمت اور موانع کے ہے ——— (جیسا کہ) سپاہیوں کی تعداد اور اعتبار کا وقت دشمن کے غلبہ (جنگ) کے وقت میں ہوتا ہے جو کہ دولت و حکومت کے محافظ ہیں، ان کا اس وقت کا تھوڑا سا تردد و کوشش کئی گنا زیادہ قابلِ اعتبار ہے اس تردد کی نسبت جو اس وقت کے علاوہ وقوع میں آئے۔

جوانی کے ایام کو غنیمت سمجھنے کے بارے میں نصیحت

اور آپ کو معلوم ہے کہ ہوا و ہوس اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی نفس و شیطان کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور روشن شریعت کے تقاضوں کے مطابق علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا حضرت رحمٰن جل سلطانہٗ کی مرضی ہے۔ یہ بات عقل اور ذہانت سے دور ہے کہ اپنے مولیٰ کے دشمنوں کو راضی رکھیں اور مولائے حقیقی (جل شانہٗ) کو جو منعم حقیقی ہے ناراض کر دیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّقُ۔

---

[1] میرزا منوچہر بن میرزا ایرج شاہنواز خاں بن عبدالرحیم خاں۔ بیرم خانی خاندان کی یادگار ہے۔ جہانگیر نے اس کو میرزا خان کے خطاب اور مناصب سے نوازا۔ ۱۰۳۸ھ میں وفات پائی۔ (مآثر الامراء ج ۳ ص ۴۸۷) — نیز آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے

مکتوب ۳۶

۳۱۳ + ۹۹ + ۳۶ = ۴۴۸

جناب میر محمد نعمانؒ کی طرف منکرینِ عذابِ قبر کے شبہات کو دُور کرنے کے بیان میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ بعض لوگ عذابِ قبر کے بارے میں جس کا ثبوت مشہور صحیح حدیثوں بلکہ آیاتِ قرآنی سے بھی ہے تردد اور شک رکھتے ہیں بلکہ قریب ہے کہ اس کے محال ہونے کا یقین اور اس کے واقع ہونے کا انکار کریں۔ ان کے شبہ کا پیشوا ایک طرح پر غیر مدفون مُردوں (پانی میں غرق ہونے والے، آگ میں جلنے والے وغیرہ) کے احوال کا احساس ہے کہ وہ ایک ہی نہج اور دوام و استقامت کے طور پر رہتے ہیں جو عذاب و ایلام کے منافی ہے اور جنبش و اضطراب اس (تعذیب و ایلام کے لوازمات میں سے ہے ـــــ جواب: ان اشکال کا حل یہ ہے کہ عالمِ برزخ کی زندگی جو قبر کا مقام ہے اس کی زندگی حیاتِ دنیوی کی طرح نہیں ہے کہ جس میں حرکتِ ارادی اور احساس دونوں لازم ہوں جبکہ اس دنیا کا انتظام ان دونوں امور کے ساتھ وابستہ ہے اور برزخی زندگی میں حرکت کا کوئی کام نہیں بلکہ حرکت اس برزخی دنیا کے منافی ہے وہاں صرف احساس ہی کافی ہے کہ جس سے الم و عذاب کو محسوس کرے، لہذا حیاتِ برزخ گویا نصفِ حیاتِ دنیوی ہے اور بدن سے روح کا تعلق بھی اس تعلق کی نسبت سے نصف ہے جو روح کو بدن کے ساتھ دنیوی زندگی میں تھا۔ لہذا یہ جائز ہے کہ غیر مدفون مُردے برزخی حیات میں عذاب و الم کا احساس تو کریں اور کوئی حرکت و اضطراب ان سے وجود میں نہ آئے، اور جو کچھ کہ مخبرِ صادق علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا نے فرمایا ہے وہ بلا شک و شبہ سچ ہے ـــــ اسی طرح ہم کہتے ہیں اور اس اشکال (اعتراض) اور اس جیسے دوسرے اشکالات کا حل کرتے ہیں کہ نبوت کا طریقہ عقل و فکر کے طریقے سے بالا ہے اور وہ امور جن کے ادراک میں عقل قاصر ہے ان امور کا اثبات نبوت کے طور و طریقے سے کیا جا سکتا ہے۔ اگر عقل کافی ہوتی تو پھر انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہٗ سبحانہٗ علیہم اجمعین کیوں مبعوث کئے جاتے اور عذابِ اخروی کو ان کی بعثت کے ساتھ

بیانِ عذابِ قبر

---

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر درج ہے۔

کیوں وابستہ کرتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۱۵) (اور ہم (کسی پر) عذاب کرنے والے نہیں ہیں جبتک کہ کسی رسول کو نہ بھیج دیں)۔

عقل ہرچند حجت ہے لیکن حجتِ بالغہ نہیں ہے اور اپنی حجیت ہونے میں کامل نہیں ہے۔ حجتِ بالغہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے متحقق ہوئی ہے اور (اسی بعثتِ انبیاء نے) مکلفان (مکلف بندوں) کی زبانِ عذر بند کردی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (نساء ۶ آیت ۱۶۵) (ہم نے رسولوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا تاکہ انسانوں کے لئے رسول (کی بعثت) کے بعد اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے اور بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے)۔

جب بعض امور میں عقل کا ادراک قصور وار ثابت ہوگیا تو پھر تمام احکامِ شرعیہ کو عقل کی میزان میں تولنا اچھی بات نہیں اور حقیقت میں اس حکم کی تطبیق کا التزام کرنا عقل کے استقلال کا حکم لگاتا ہے اور اس سے طورِ نبوت کا انکار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے محفوظ رکھے۔

سب سے پہلے رسول پر ایمان لانے کی فکر اور اس کی رسالت کی تصدیق کرنی چاہئے تاکہ اس کے تمام احکام کو سچا سمجھا جائے اور اس کے وسیلے سے تمام شکوک وشبہات کی تاریکیوں سے خلاصی میسر آئے۔ اصل کو عقلی طور پر معلوم کرنا چاہئے تاکہ فروع (شاخیں) بے تکلف سمجھ میں آجائیں اور معلوم ہوجائیں۔ کسی فرع کو اس کی اصل کے اعتبار کے بغیر عقلی طور پر ثابت کرنا بہت ہی دشوار ہے اور اس تصدیقِ (رسالت کی منزل) تک پہنچنے کا بہترین راستہ اور اطمینانِ قلب حاصل کرنے کا ذریعہ ذکرِ الٰہی جل سلطانہٗ ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ (رعد ۱۳ آیت ۲۸، ۲۹) (آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں، جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے خوشحالی ہے اور اچھا ٹھکانا ہے)۔ محض فکر واستدلال کے راستے سے اس مطلبِ عالی کو حاصل کرنا بہت بعید اور بہت دور ہے

؎ پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

(ترجمہ) پائے استدلال ہے لکڑی کا پاؤں پاؤں لکڑی کا کہاں تک چل سکے؟

جاننا چاہئے کہ اگر استدلال ہی مطلوب ہے تو، انبیاءؑ کے مقلد اُن کی نبوت کے اثبات سے اور اُن

علیہم الصلوات والتسلیمات کی رسالت کی تصدیق کے بعد استدلال کرنے والوں میں سے ہے، اور اس وقت میں اس کے لئے ان اکابر کے کلام کی تقلید کرنا عین استدلال ہے۔ مثلاً ایک شخص نے اصل کو استدلال کے ساتھ ثابت کیا ہو تو اب وہ تمام فروع جو اس اصل سے نکلیں گی سب اسی استدلال سے مستند سمجھی جائیں گی اور اصل کے استدلال کی وجہ سے (وہ شخص) تمام فروع کے اثبات میں استدلال کرنے والا سمجھا جائے گا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ اس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی بھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

مولانا محمد طاہر بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ جو کچھ جمیلِ مطلق سبحانہٗ کی طرف سے آئے وہ بھی جمیل ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ دَآئِمًا وَّعَلٰی کُلِّ حَالٍ (ہمیشہ اور ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے) ——— پراگندہ خبروں سے پریشان اور تنگ دل نہ ہوں کیونکہ جو کچھ بھی جمیلِ مطلق جل شانہٗ کی طرف سے آئے جمیل ہی ہے اور زیبا تر ہے اگرچہ وہ جلال کی صورت میں ظاہر ہو لیکن حقیقت میں وہ جمال ہی ہوتا ہے۔ یہ بات محض تکلف پر ہی محمول نہیں اور صرف باتیں بنانے تک محدود نہیں بلکہ یہ بالکل حقیقت اور سراسر مغز ہے جو کہنے اور لکھنے میں صحیح طور پر نہیں آسکتی۔ اگر دنیا میں ملاقات میسر ہوئی تو بہتر ہے ورنہ آخرت کا معاملہ نزدیک ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے)۔ فراق میں مبتلا لوگوں کے لئے تسلی بخش ہے۔

جمیلِ مطلق کی طرف سے جو کچھ پیش آئے جمیل ہی ہے

گرامی نامہ جو درویش محمد علی کشمیری کے ہمراہ روانہ کیا تھا موصول ہوا اور جو کچھ آپ نے تحریر کیا تھا اس سے مطلع ہوا، اس کے جواب میں جو کچھ وقت کے تقاضے کے مطابق ہو سکا تحریر کر دیا ———۔

فرزندان اور احباب سب دل جمعی سے رہیں اور اپنی جگہ ثابت قدم رہیں اور حق تعالیٰ کی قضا پر راضی رہیں۔

---

[1] آپ کے نام گیارہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ پر درج ہے۔

ملا ابراہیم[۱] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان کے سوال کے جواب میں جو حدیث سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ الخ[۲] (یعنی آئندہ میری امت فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی) کے بارے میں کیا تھا اور ارباب فقر کے درجہ کی تحقیق میں۔

جاننا چاہیئے کہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے قول کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً (سب جہنمی ہیں سوائے ایک کے) سے مراد اس امت کا بہتّر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو جانا ہے اور ان فرقوں کا آگ میں داخل ہونا اور عذاب میں مبتلا ہونا ہے، یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا۔ کیونکہ یہ بات ایمان کے منافی ہے اور کفار کے لئے مخصوص ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ چونکہ ان کے دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ان کے بُرے اعتقادات ہیں اس لئے لازمی طور پر یہ سب دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور اپنے اعتقادات کی برائی کے اندازے کے مطابق سزا پائیں گے، بخلاف اس ایک فرقۂ (ناجیہ) کے کہ جس کے اعتقادات دوزخ کے عذاب سے نجات دلانے والے ہیں اور ان کی خلاصی و فلاح کا سبب ہیں۔ پس اسقدر ضرور ہے کہ اگر اس فرقۂ (ناجیہ) میں سے بعض افراد بُرے اعمال کے مرتکب ہوں گے اور وہ اعمال (دنیا میں) توبہ سے اور (آخرت میں) شفاعت سے معاف نہ ہوئے ہوں تو یہ ہو سکتا ہے کہ بقدرِ گناہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں اور دوزخ کی آگ میں داخل ہونا ان کے حق میں متحقق ہو۔ پس دوسرے بہتّر (۷۲) فرقوں کے تمام افراد کا دوزخ میں داخل ہونا ثابت ہے اگرچہ دائمی نہ ہو، اور اس فرقۂ ناجیہ کے حق میں دوزخ میں داخل ہونا بعض افراد کے لئے مخصوص ہے جو بُرے اعمال کے مرتکب ہوئے ہیں ـــــــ اور کلمۂ کُلُّهُمْ میں اس بیان کی نسبت ایک رمز ہے جو پوشیدہ نہیں ہے۔ اور چونکہ یہ (بہتّر) بدعتی فرقے اہلِ قبلہ ہیں اس لئے ان کی تکفیر میں جرأت نہیں کرنی چاہیئے جب تک کہ وہ ضروریاتِ دینیہ کا انکار نہ کریں اور احکامِ شرعیہ میں سے متواترات کا رد نہ کریں اور دین کی جو باتیں یقینی ہیں ان کو قبول نہ کریں ـــــــ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی

---

[۱] آپ متقی اور پرہیزگار عالم تھے اور علم حدیث کے درس میں مشغول رہتے تھے۔ لوگوں سے کم ملتے تھے۔ اکبر بادشاہ کے بلانے پر اگرا اکبر آباد جاتے تو رسمی تکلفات اور شاہی آداب کی پابندی نہ کرتے اور ہمیشہ وعظ و نصیحت فرماتے۔ سال وصال معلوم نہ ہو سکا۔ (منتخب التواریخ و تذکرہ علماءِ ہند) نزھۃ الخواطر ۵/۳ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو ابوالمکارم کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا تھا چنانچہ اسی دفتر کا ۱۱۶ مکتوب ابوالمکارم کے نام ہے۔

[۲] اس حدیث کو ترمذی نے اور احمد و ابو داؤد نے حضرت معاویہؓ سے روایت کیا (مشکوٰۃ)

شخص میں کفر کی ننانوے وجہ ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس ایک وجہ کی تصحیح کرنی چاہئے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہئے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ وَكَلِمَتُهٗ اَحْكَمُ (اور اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانتا ہے اور اسی کا کلام محکم و مضبوط ہے) ——

اور یہ بھی جاننا چاہئے (یہ جو حدیث[۵۱] میں وارد ہے) کہ اس امت کے فقراء اغنیا سے نصف یوم پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔ اس سے مراد دنیا کی پانچ سو سال ہیں، کیونکہ حق جل و علا کے نزدیک (آخرت کا) ایک دن (دنیا کے) ہزار سال کے برابر ہے، چنانچہ یہ آیۂ کریمہ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (حج آیت ۴۷) (اور تحقیق کہ تمہارے رب کے نزدیک تمہارے حساب سے ایک دن ہزار سال کے برابر ہے) اس معنی کی شاہد ہے۔ اور اس مدت کا اندازہ علمِ الٰہی جل شانہٗ کے سپرد ہے، بغیر اس کے کہ روز و شب اور سال و ماہ متعارف و متحقق ہوں —— اور فقیر سے مراد صبر کرنے والا فقیر ہے جس نے احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اور ممنوعاتِ تنزیہ سے پرہیز کرتا ہے —— اور فقر میں بھی درجات و مراتب ہیں اور ان میں سے (بعض افراد) درجات میں بعض سے بلند ہیں۔ ان مراتب میں اعلیٰ مرتبہ مقامِ فنا میں ظاہر ہوتا ہے جہاں حق جل شانہٗ کے علاوہ سب کچھ ناچیز اور فراموش ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص فقر کے ان تمام مراتب کا جامع ہے وہ اس سے افضل ہے جو بعض مراتب رکھتا ہو اور بعض نہ رکھتا ہو، لہٰذا فنا کے باوجود جو ظاہری فقر رکھتا ہے وہ اس سے افضل ہے جو ظاہری فقر نہیں رکھتا۔ اس کو خوب سمجھ لیں۔

اغنیاء پر فقراء کو فوقیت

مولانا محمد صادق کشمیری[۵۲] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ صوفیہ کے علم الیقین اور اربابِ معقول (فلاسفہ) کے علم الیقین میں کیا فرق ہے؟

صوفیہ اور فلاسفہ کے علم الیقین میں فرق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) —— (سوال) صوفیہ کے نزدیک علم الیقین سے مراد وہ یقین ہے جو اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کے ذریعے حاصل ہو، اور جب یہ معنی اہلِ نظر اور اہلِ استدلال کو بھی

---

۵۱ اس حدیث کو ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا۔ (مشکوٰۃ)۔
۵۲ آپ کے نام پانچ مکتوب ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۰۶۔ اور دفتر دوم مکتوب ۳۲ پر ملاحظہ ہو۔

حاصل ہیں تو صوفیہ کے علم الیقین اور ارباب معقول کے علم الیقین کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور صوفیہ کا علم الیقین کشف وشہود میں کیوں داخل ہے؟ اور علماء کا علم الیقین کس وجہ سے نظر وفکر کی تنگی سے باہر نہیں آتا؟ ——— (جواب) جاننا چاہئے کہ دونوں جماعتوں (صوفیہ اور علماء) کے علم الیقین میں شہود اور اثر لازم ہے تاکہ اس سے موثر کا سراغ مل سکے جو کہ غیر مشہود ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ ارتباط (وابستگی) جو اثر اور مؤثر کے درمیان حاصل ہے اور اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود کی طرف منتقل ہونے کا سبب ہے وہ صوفیہ کے علم الیقین میں مشہود اور مکشوف ہے اور اہل استدلال کے علم الیقین میں وہ ارتباط نظری ہے جو فکر و دلیل کی محتاج ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر پہلے گروہ (صوفیہ) کے لئے اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود تک سرعت کے ساتھ منتقل ہونا بدیہی ہوا اور دوسرے گروہ (علماء) کے لئے یہ انتقال نظری اور فکری ہے لہٰذا پہلی جماعت کا یقین کشف وشہود میں داخل ہے اور دوسری جماعت کا یقین استدلال کی تنگی سے باہر نہیں آتا۔ اور صوفیہ کے علم الیقین میں استدلال کا اطلاق ظاہری صورت پر مبنی ہے جو کہ اثر سے مؤثر تک انتقال کرنے پر شامل ہے اور حقیقت میں کشف وشہود ہے بخلاف علماء کے علم الیقین کے کہ وہ حقیقت میں استدلالی ہے۔ اور چونکہ یہ باریک فرق اکثر لوگوں پر پوشیدہ رہا ہے اس لئے ناچار وہ مرتبۂ حیرت میں پڑے ہوئے ہیں اور ان میں سے ایک جماعت نے اپنی نارسائی کی وجہ سے بعض لوگوں پر اعتراض کی زبان دراز کر لی ہے جنھوں نے صوفیہ کے علم الیقین کی تفسیر اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کرنے سے کی ہے اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ان کو حقیقتِ معاملہ کی اطلاع نہیں۔ وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ (اور اللہ تعالیٰ ہی حق بات کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

خواجہ حسام الدین احمد[1] کی خدمت میں صادر فرمایا ——— ان کے خط کے جواب میں جس میں انھوں نے اپنے متعلقین کے ہمراہ حج پر جانے کا مشورہ طلب کیا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

[1] آپ کے نام سولہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر درج ہے۔ مکتوب ۳/۱۱۵ بھی یہی ہے

اس علاقہ کے فقراء کے احوال واوضاع حمد کے لائق ہیں، اللہ سبحانہٗ سے آپ کی سلامتی اور عافیت مطلوب ہے ـــــ جو گرامی نامہ آپ نے ازروئے شفقت ومہربانی اس فقیر کے نام تحریر کیا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے اس میں اس اشتیاق کا اظہار فرمایا تھا کہ (دل چاہتا ہے) کہ "حرمین شریفین (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ) میں سے کسی ایک مقام میں اپنے متعلقین کے ساتھ مقیم ہو کر وہیں مدفون ہوں" ـــــ میرے مخدوم ومکرم! میری نظر (کشفی) میں متعلقین کا سفر کرنا نہیں معلوم ہوتا، بلکہ نزدیک ہے کہ منع مفہوم ہو۔ اگر آپ تنہا تشریف لے جائیں تو مستحسن نظر آتا ہے اور امید ہے کہ سلامتی کے ساتھ پہنچ جائیں گے۔ اور معاملہ اللہ سبحانہٗ کے سپرد ہے۔

دوسرے یہ کہ آپ نے سیادت مآب کے بارے میں تحریر کیا تھا کہ "اطبا ان کے ضرر کا حکم دیتے ہیں" ـــ شفقت آثارا! جہاں تک غور کیا جاتا ہے اس کے بارے میں کوئی ضرر نظر میں نہیں آتا، سوائے اس کے کہ ایک تاریکی سی محسوس ہوتی ہے جو اس ضرر کے علاوہ ہے۔ دیکھئے اس کی کیا وجہ ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ اطبا کا ضرر کہنا مفقود ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ (اور اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانتا ہے) وَالسَّلَامُ۔

ایک صالحہ (خاتون) کے نام صادر فرمایا ـــــ عورتوں کے لئے ضروری نصائح کے بیان میں اور آیۂ کریمہ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ الخ کی تاویل میں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۶۰ (ممتحنہ آیۃ ۱۲) (اے نبی! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں بیعت ہونے کی غرض سے آئیں اس بات پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی، اور چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور کسی پر من گھڑت بہتان نہ لگائیں گی اور کسی نیک کام میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی پس ان کو بیعت کر لو، اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگو، بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے)۔

عورتوں کی بیعت سے متعلق بعض نصائح

یہ آیت کریمہ فتح مکہ کے دن نازل ہوئی ہے ـــــ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو آپ نے عورتوں کی بیعت شروع فرمائی، اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کو صرف قول ہی کے ذریعے بیعت فرمایا، آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا دستِ مبارک ہرگز بیعت کرنے والی عورتوں کے ہاتھ تک نہیں پہنچا۔ چونکہ مردوں کی نسبت عورتوں میں ردی اور بُری عادتیں زیادہ پائی جاتی ہیں اس لئے مردوں کی بیعت کی نسبت عورتوں کی بیعت میں احکام کو زیادہ مد نظر رکھا گیا ہے اور خداوند جل سلطانہٗ کے حکم کی تعمیل میں اس وقت عورتوں کو ان بُری عادتوں سے منع فرمایا ہے۔

آنحضرتؐ نے بیعت کے وقت عورتوں کا ہاتھ ہرگز نہیں چھوا

شرطِ اوّل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے، نہ وجوبِ وجود میں اور نہ ہی استحقاقِ عبادت میں۔ جس شخص کے اعمال ریا و سمعہ (دکھاوا اور شہرت) سے پاک نہ ہوں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اجر طلب کرنے کے فتنے سے اگرچہ وہ قول اور ذکرِ جمیل ہی سے کیوں نہ ہو جب تک پاک نہ ہوگا وہ شخص دائرہ شرک سے باہر نہیں ہے اور موحد و مخلص بھی نہیں ہے ـــــ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَلشِّرْكُ فِي أُمَّتِي أَخْفٰى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ الَّتِي تَدِبُّ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ عَلٰى صَخْرَةٍ سَوْدَاءَ[1] (میری امت میں شرک اس چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جو اندھیری رات میں کالے پتھر پر چلتی ہے)۔

شرک سے بچنے کی تاکید

بیت

لافِ بے شرکی مزن کاں از نشانِ پائے مور ۔۔۔ در شبِ تاریک بر سنگِ سیہ پنہاں تر است

شرک اُس چیونٹی سے ہے پوشیدہ تر ۔۔۔ جو سیہ پتھر پہ ہو شب کو رواں

آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اِتَّقُوا الشِّرْكَ الْاَصْغَرَ، قَالُوْا مَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ، قَالَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الرِّيَاءُ[2] شرکِ اصغر سے بچو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ شرکِ اصغر کیا ہے؟ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "ریا" (دکھاوا)

اور شرک کی رسموں اور ایامِ کفر کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل اور رسوخ ہے، اور دو مذہبوں کی تصدیق اور اظہار کرنے والا بھی اہلِ شرک میں سے ہے، اور احکامِ اسلام اور کفر کے مجموعی احکام پر عمل کرنے کے مشابہ ہے، کفر سے بیزاری اسلام کی شرط ہے اور شرک کے شائبہ سے بیزاری توحید کی شرط ہے۔

اور دُکھ درد اور بیماریوں کے دور کرنے کے لئے بُتوں اور طاغوت (شیطانوں) سے مدد مانگنا جس کا

---

[1] رواہ احمد والبیہقی۔ مشکوٰۃ
[2] رواہ ابن مردویہ۔ ترغیب وترہیب للمنذری

حق تعالیٰ کے علاوہ کسی سے مدد مانگنا شرک ہے

جاہل مسلمانوں میں عام رواج ہو گیا ہے عین شرک اور گمراہی ہے اور تراشے ہوئے اور ناتراشیدہ پتھروں سے حاجتیں مانگنا عین کفر ہے اور واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کا صاف و صریح انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض گمراہوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَ قَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ وَ یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّہُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا (نساء آیت ۶۰) (یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنا فیصلہ طاغوت کی طرف لے جائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس سے انکار کریں اور شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ان کو بہت زیادہ گمراہ کر دے) ——— اکثر عورتیں اپنی انتہائی جہالت کی وجہ سے اس قسم کی منع کی ہوئی مدد طلبی میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمّٰی اسموں سے اپنی بلیات و مصائب کا دفع ہونا طلب کرتی ہیں اور شرک اور اہلِ شرک کی رسموں کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں، خاص طور پر مرضِ جُدری کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیتلا اور چیچک (اور ماتا) کہتے ہیں نیک و بد سب ہی عورتوں سے یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے، شاید ہی کوئی عورت ہو گی جو اس باریک شرک سے خالی ہو اور شرک کی کسی نہ کسی رسم میں مبتلا نہ ہو اِلَّا مَنۡ عَصَمَہَا اللہُ تَعَالٰی (مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے)

کافروں اور مشرکوں کی رسموں کا کرنا شرک ہے

——— اور ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ان کی مشہور رسموں کو بجا لانا بھی سراسر شرک اور کفر کے لائق ہے جیسا کہ کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان اور خصوصاً ان کی عورتیں کافروں کی رسموں کو بجا لاتی اور اپنی عید جیسی خوشی مناتی ہیں اور کافروں کی طرح اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ہدیے اور تحفے بھیجتی ہیں اور اس موسم میں کفار کی طرح اپنے برتنوں کو رنگین کر کے اُن کو سرخ رنگین چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا اعتبار اور اہتمام کرتی ہیں، یہ سب شرک اور دینِ اسلام سے کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ہُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ (یوسف آیت ۱۰۶) (اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے بھی ہیں مگر ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں)

قبروں پر جا کر جانوروں کا ذبح کرنا شرک میں داخل ہے

——— اور حیوانات کو جو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں کے سرہانے لے جا کر ذبح کرتے ہیں، روایاتِ فقہیہ میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس بارے میں بہت مبالغہ اور منع کیا ہے اور اس ذبح کو جِنّ کے ذبیحوں کی قسم سے خیال کیا ہے جو کہ ممنوع شرعی ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے، اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہئے کہ اس میں شرک کی بُو پائی جاتی ہے۔ نذر اور منّت کے طریقے اور بہت سے ہیں

یہ کیا ضروری ہے کہ حیوان کے ذبح کرنے کی منت و نذر مانیں اور اس ذبح کا ارتکاب کر کے جن سے کے ذبیحوں سے اور جن کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں ———— اور اسی قسم سے عورتوں کے وہ روزے بھی ہیں جو پیروں اور بیبیوں کی نیت سے رکھتی ہیں، اکثر ان کے ناموں کو اپنی طرف سے گھڑ کر ان کے نام پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں، اور ہر روزہ کے افطار کے وقت ایک خاص قسم کا کھانا مخصوص وضع پر مقرر کرتی ہیں اور ان روزوں کے لئے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں اور اپنے مطالب و حاجات پورا ہونے کو ان روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں اور ان روزوں کے وسیلے سے ان (پیروں اور بیبیوں) سے مرادیں مانگتی ہیں اور اپنی حاجتوں کا پورا ہونا (مراد کا ملنا) ان ہی کی طرف سے سمجھتی ہیں، یہ بھی عبادت میں شرک ہے، اور غیر اللہ کی عبادت کے وسیلے سے غیر اللہ سے اپنی مرادوں کا طلب کرنا ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ حالانکہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ (رواہ الشیخین مشکوٰۃ) (روزہ خاص میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا) یعنی روزہ صرف میرے ہی لئے مخصوص ہے اور میرے علاوہ روزے کی عبادت میں کوئی شریک نہیں ہے۔ اگرچہ کسی عبادت میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا جائز نہیں ہے لیکن روزہ کی خصوصیت اس عبادت کے اہتمام شان ہونے کے باعث ہے جس میں تاکید کے ساتھ شرک کی نفی کی گئی ہے ———— یہ محض بہانہ ہے جو بعض عورتیں اس فعل کی برائی کے اظہار کے وقت کہتی ہیں کہ ہم تو ان روزوں کو خدائے تعالیٰ کے لئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں۔ اگر یہ اس بات میں سچی ہیں تو پھر روزوں کے لئے دنوں کو کیوں معین کرتی ہیں؟ اور افطار کے وقت طعام کی تخصیص اور طرح طرح کی بری وضعوں کا تعین کیوں کرتی ہیں؟ بلکہ اکثر اوقات افطار کے وقت محرمات کی مرتکب ہوتی ہیں اور حرام چیزوں سے روزہ افطار کرتی ہیں اور بلا ضرورت سوال و گدائی کر کے اس سے افطار کرتی ہیں اور اپنی حاجتوں کا پورا ہونا اس حرام فعل کے ساتھ مخصوص جانتی ہیں۔ یہ سب گمراہی اور شیطان لعین کا مکر و فریب ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْعَاصِمُ (اللہ سبحانہٗ ہی بچانے والا ہے)۔

غیر اللہ کی نیت سے روزہ رکھنا شرک ہے

شرط دوم: جو عورتوں کی بیعت کے وقت درمیان میں لائی گئی ہے وہ چوری سے منع کرنا ہے جو کہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ چونکہ یہ بری عادت اکثر عورتوں میں پائی جاتی ہے اور

چوری کرنا گناہ کبیرہ ہے

بہت کم عورتیں ایسی ہوں گی جو اس برائی کی باریکیوں سے خالی ہوں لہٰذا اس برائی سے منع کرنا بھی ان کی بیعت کے لئے شرط قرار پائی۔ چنانچہ وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کے مالوں میں ان کی اجازت کے بغیر بے جا خرچ کرتی ہیں اور بے تحاشا دولت لٹاتی ہیں وہ بھی چوری میں داخل ہے اور چوری کے بڑے گناہ کی مرتکب ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات عورتوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے اور خیانت کی یہ عادت ان سب میں تقریباً موجود ہے، مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ کاش وہ اس بات کو گناہ سمجھیں اور بُرا خیال کریں، اس برائی کو حلال جاننے کی نسبت ان عورتوں کے حق میں غالب ہے اور اس معاملہ میں اس کو حلال سمجھنے کی نسبت کفر کا خوف زیادہ ہے ——— حکیم مطلق جل شانہٗ نے عورتوں کو شرک سے روکنے کے بعد ان کو چوری کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ برائی ان کے حق میں اس کو حلال سمجھنے کی وجہ سے ان کے قدم کو کفر میں راسخ کر دیتی ہے، اور باقی تمام گناہِ کبیرہ کی نسبت ان کے حق میں بدترین ہے۔ اور جب عورتوں کو اپنے شوہر کے اموال بار بار لینے کی وجہ سے خیانت کی عادت ہو جاتی ہے تو دوسروں کے اموال میں بھی تصرف کرنے کی بُرائی ان کی نظر سے زائل ہو جاتی ہے اور کچھ بعید نہیں کہ وہ شوہر کے اموال کے علاوہ بھی دوسروں کی املاک میں ظلم کے ساتھ تصرف کریں اور دوسروں کے اموال میں بھی بے تحاشا خیانت اور چوری کریں، بلکہ ممکن ہے کہ یہ معنی تھوڑے غور و فکر کے بعد واضح اور روشن ہو جائیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ عورتوں کو چوری سے منع کرنا اسلام کی اہم ترین باتوں میں سے ہے اور شرک کے بعد چوری کی برائی ان کی نسبت متعین ہو گئی۔

تذییل (ذیلی بحث)

نماز میں چوری

ایک روز ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم جانتے ہو کہ چوروں میں سب سے زیادہ چوری کرنے والا کون ہے یعنی بدترین چور کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم کو نہیں معلوم، آپ ہی فرمائیں۔ آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے فرمایا کہ چوروں میں سے بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے، اور نماز کے ارکان کو تمام و کمال آداب کے ساتھ ادا نہیں کرتا، لہٰذا اس چوری سے بھی پرہیز لازم ہوا تاکہ بدترین چوروں میں شمار نہ ہو۔ حضورِ دل کے ساتھ نماز کی نیت کرنی چاہئے کیونکہ حصولِ نیت کے بغیر عمل صحیح نہیں ہوتا۔ اور قرأت کو صحیح طرح پڑھنا چاہئے اور رکوع و سجود کو اطمینان کے ساتھ بجا لانا چاہئے اور قومہ و جلسہ کو بھی

اطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے یعنی رکوع کے بعد صحیح طریقے پر کھڑا ہونا چاہیئے اور ایک تسبیح کی مقدار کھڑا رہنا لازم ہے، اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی صحیح طریقے پر بیٹھنا چاہیئے اور ایک تسبیح کی مقدار بیٹھنے میں توقف کرنا چاہیئے تاکہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان میسر ہو۔ اور جو کوئی ایسا نہیں کرتا وہ اپنے کو چوروں کی صف میں داخل سمجھے اور وعید کا مستحق جانے۔

زنا کی حرمت و مذمت

تیسری شرط: جو عورتوں کی بیعت کے بارے میں منصوص (نصِ قرانی سے ثابت) ہے وہ زنا سے بچنا ہے۔ عورتوں کی بیعت میں اس شرط کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ زنا کا ارتکاب زیادہ تر عورتوں کی رضامندی کے حصول سے ہوتا ہے اور وہ اس کام کے لئے اپنے نفسوں کو مردوں کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ پس اس عمل میں پہل عورتوں کی طرف سے ہوتی ہے اور زنا کے حصول میں ان کی رضامندی معتبر ہے اسی لئے (مردوں کی نسبت) عورتوں کو اس عمل سے باز رہنے کی زیادہ تاکید کی گئی ہے اور مرد اس عملِ (زنا) میں عورتوں کے تابع ہیں۔ جیسا کہ حضرت حق سبحانہٗ نے اپنی کتابِ مجید میں زانیہ عورت کو زانی مرد پر مقدم فرمایا ہے: اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ (نور آیت ۲) زانیہ عورت اور زانی مرد ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو)

اور (زنا کی) یہ بری عادت دنیا اور آخرت دونوں جگہ نقصان پہنچانے والی ہے اور تمام مذاہب میں اس کو برا سمجھا اور منع کیا گیا ہے۔ ——— ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اے آدمیوں کے گروہ زنا سے پرہیز کرو، کیونکہ اس میں چھ بری خصلتیں ہیں، تین (برائیاں) دنیا میں اور تین آخرت میں۔ دنیا کی تین برائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ زنا کرنے والے (کے چہرے) کی رونق، نورانیت اور صفائی زائل ہو جاتی ہے، دوسری یہ ہے کہ زنا فقر اور محتاجی کا موجب ہے، تیسری یہ کہ عمر کم ہو جاتی ہے۔ اور تین برائیاں جو زانیوں کو آخرت میں پیش آئیں گی ان میں سے ایک خداوند جل سلطانہٗ کا غیظ و غضب ہے، دوسری یہ کہ حسابِ آخرت میں سختی ہے، تیسری یہ کہ آگ کا عذاب ہے۔ (اس کو سیوطیؒ نے جامع کبیر میں ذکر کیا ہے)

جاننا چاہیئے کہ حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے کہ آنکھ کا زنا نامحرم (عورتوں) کی طرف دیکھنا ہے اور ہاتھوں کا زنا نامحرموں کا ہاتھ پکڑنا ہے، اور پاؤں کا زنا نامحرموں کی طرف چلنا ہے (رواہ مسلم بزیادۃ) ——— اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ

وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ (نور آیت ۳۰) (آپ مومن مردوں سے کہدیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہان کے لئے پاکیزہ ترین بات ہے)۔ ——— نیز اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (نور آیت ۳۱) (آپ ایمان والی عورتوں سے کہدیں کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں) ———

یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ خصوصاً مومنوں سے کہدیں کہ خدائے تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اپنی آنکھوں کو بند رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو محرمات سے محفوظ رکھیں، اور خاص طور پر مومن عورتوں سے بھی کہدیں کہ اپنی آنکھوں کو محرمات سے بند رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو محرمات سے حفاظت میں رکھیں۔

جاننا چاہئے کہ دل آنکھ کے تابع ہے جبتک آنکھ محرمات (حرام چیزوں) سے بند نہ کی جائے گی دل کی حفاظت مشکل ہے، اور جب آنکھ ہی گرفتار ہوگئی تو دل کی حفاظت بہت ہی مشکل ہے اور جب دل بھی گرفتار ہوگیا تو شرمگاہ کی حفاظت سخت مشکل ہے۔ لہٰذا آنکھ کا محرمات سے بند رکھنا ضروری ہوا تاکہ شرمگاہ کی حفاظت آسان ہوجائے اور دینی و دنیوی خسارہ تک نوبت نہ آجائے ———

——— اور قرآن مجید میں اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ عورتوں کو چاہئے کہ بدکار عورتوں کی طرح غیر مردوں کے ساتھ نرم و ملائم (انداز میں) بات نہ کریں کیونکہ اس (نرم کلامی) سے بدکار مردوں کو بدکاری کے وہم میں ڈال دیتا ہے اور ان کے دل میں طمع بدپیدا کرتا ہے۔ اور عورتوں سے کہدیں مردوں کے ساتھ قولِ معروف اور اس طرح کلام کریں جو اس وہم وطمع سے خالی ہو (سورۂ احزاب) ——— اور (قرآن مجید میں) یہ بھی آیا ہے کہ "عورتیں اپنی زیب و زینت کی نمائش نہ کریں" اور اپنے گریبانوں کو مردوں کے سامنے نہ کریں اور ان کو خواہش میں نہ ڈالیں (سورۂ نور) اور یہ بھی ہے کہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ ان کی پوشیدہ زینت کا اظہار ہو، جیسا کہ خلخال یعنی حلقۂ طلائی و نقرہ اور ان جیسی چیزیں جو حرکت سے آواز پیدا کریں اور عورتوں کی طرف مردوں کی رغبت کا باعث ہوں (سورۂ نور) ——— مختصر یہ کہ ہر وہ چیز جو فسق کی طرف لے جائے وہ ممنوع اور مذموم ہے اور اس سے احتیاط ضروری ہے کہ محرمات کے ذرائع اور اسباب کا ارتکاب بھی نہ ہونے پائے تاکہ نفس محرمات سے سلامتی میسر آئے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْعَاصِمُ (اور اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرنے والا ہے) وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ (اور جو کچھ بھی توفیق ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں) (ہود آیت ۸۸)

پوشیدہ نہ رہے کہ شہوت کے ساتھ دیکھنے اور ہاتھ لگانے میں اجنبی عورت بھی اجنبی مرد کی طرح ہے، اور کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند کے علاوہ کسی اور کے لئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اپنے آپ کو زیب و زینت سے آراستہ کرے، اور جس طرح مردوں کو نابالغ لڑکوں کا شہوت سے دیکھنا اور ان کو چھونا حرام ہے اسی طرح عورتوں کو بھی عورت کی طرف شہوت سے دیکھنا اور ان کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، اس لئے کہ یہ بات دنیا اور آخرت کے خسارہ کی شاہراہ ہے۔ مرد کا عورت تک پہنچنا صنفی اختلاف کی وجہ سے مشکل ہے اور درمیان میں بہت سے موانع ہوتے ہیں بخلاف عورت کو عورت کے پاس پہنچنے کے جو اتحاد صنفی (ایک جنس ہونے) کی وجہ سے انتہائی آسان ہے لہذا یہاں بہت احتیاط کی ضرورت ہے اور عورتوں کا عورتوں کو (شہوت کے ساتھ) دیکھنے اور مساس کرنے (چھونے) میں مردوں کا عورتوں کے دیکھنے سے اور عورتوں کا مردوں کے دیکھنے سے سختی اور بہت زیادہ سختی سے منع کرنا ضروری ہے۔

اولاد کو قتل کرنا حرام ہے

چوتھی شرط جو عورتوں کی بیعت کے لئے فرمائی وہ اولاد کے قتل سے منع کرنا ہے، کیونکہ (ایام جاہلیت میں) عرب کی عورتیں اپنی لڑکیوں کو فقر و فاقہ کے خوف سے مار ڈالتی تھیں یہ برا فعل ناحق قتلِ نفس کے علاوہ قطعِ رحمی کو بھی شامل ہے جو گناہِ کبیرہ میں سے ہے۔

بہتان و افترا سے ممانعت

پانچویں شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی گئی وہ بہتان و افترا سے ممانعت ہے اور چونکہ یہ عادت عورتوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے اس لئے خاص طور پر اس سے ان کو منع کیا گیا ہے، یہ عادت تمام بری عادتوں سے زیادہ بری ہے اور اخلاقِ رذیلہ میں سب سے زیادہ ارذل (ذلیل) عادت ہے جو دروغ گوئی کو لئے ہوئے ہے، اور جھوٹ بولنا تمام ادیان میں حرام اور مذموم ہے، اور نیز اس میں مومن کی ایذا رسانی بھی ہے کہ جس کی نسبت بہتان اور افترا کیا گیا ہے، اور مومن کو ایذا پہنچانا حرام ہے، اور نیز اس (افترا و بہتان) سے زمین میں فساد لازم آتا ہے جو نصِ قرآنی سے ممنوع و محظور اور حرام و مذموم ہے۔

چھٹی شرط روگردانی سے بچنا اور پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر حکم کی اطاعت کرنا اور نافرمانی سے بچنا ہے۔ اور یہ شرط تمام اوامر کی تعمیل کرنے اور تمام نواہی شرعیہ سے باز آجانے کو شامل ہے، خواہ وہ نماز ہو یا زکوٰۃ، خواہ روزہ ہو یا حج، جو ایمان باللہ کے بعد اسلام کے چار رکن ہیں

احکامِ شرعیہ کی تاکید

نمازِ پنجگانہ کو بغیر کسی سستی اور غفلت کے پورے اہتمام کے ساتھ ادا کرنا چاہئے ——
اور (بشرطِ نصاب) مال کی زکوٰۃ رغبت و احسان کے ساتھ مصارفِ زکوٰۃ میں ادا کرنی چاہئے ——
اور رمضان کے روزے جو سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہیں ان کی نگہداشت رکھنی چاہئے ——
اور حج بیت اللہ کہ جس کی شان میں مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَلْحَجُّ یَجُبُّ مَا کَانَ قَبْلَہٗ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) (حج تمام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے) اس کو بھی ادا کرنا چاہئے تاکہ اسلام کا قیام ظاہر ہو —— اور اسی طرح ورع و تقویٰ کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے جیسا کہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مِلَاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرَعُ (مشکوٰۃ) (تقویٰ تمہارے دین کو قائم رکھنے والا ہے) اور اس سے مراد منہیاتِ شرعیہ کو ترک کرنا ہے ——

ہر کام میں آنحضرت کی فرمانبرداری کی سعادت

نیز تمام نشہ آور چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرنا اور ان کو شراب کی طرح حرام اور برا جاننا چاہئے۔
—— اور گانے بجانے سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ بھی لہو و لعب میں داخل ہے اور حرام ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَلْغِنَاءُ رُقْیَۃُ الزِّنَا (غنا (گانا) زنا کا افسوں ہے)
—— غیبت کرنے اور چغل خوری کرنے سے بھی پرہیز لازمی ہے کیونکہ شریعت میں اس کی ممانعت ہے —— نیز کسی کا مذاق اڑانا اور مومن کو ناحق ایذا دینا خواہ کوئی وجہ بھی ہو منع ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے —— اور بدشگونی کا ہرگز اعتبار نہ کریں اور اس کے اندر کوئی تاثیر نہ جانیں —— اور یہ عقیدہ بھی نہ رکھیں کہ ایک کا مرض (اُڑ کر) دوسرے کو لگ جاتا ہے اور کسی مریض سے تندرست آدمی کو بیماری لگ جاتی ہے کیونکہ مخبرِ صادق علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں (بدشگونی اور مرض کے متعدی ہونے) سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے: لَا طِیَرَۃَ وَلَا عَدْوٰی (نہ کوئی بدشگونی ہے اور نہ متعدی مرض) یعنی بدشگونی کی کوئی اصل ثابت نہیں اور ایک سے دوسرے کو مرض لگ جانے کی بھی مطلقاً تحقیق نہیں —— نیز کاہن اور نجومی کی بات کا بھی اعتبار نہ کریں اور ان سے غیبی باتیں ہرگز دریافت نہ کریں اور ان کو غیبی باتوں کا عالم نہ جانیں کیونکہ شریعت میں بہت مبالغہ کے ساتھ اس کی ممانعت آئی ہے ——
جادو خود بھی نہ کریں اور جادوگری کو بھی کام میں نہ لائیں کیونکہ یہ قطعی طور پر حرام ہے۔ اور (یہ عمل) قدمِ راسخ کو بھی کفر میں ڈال دیتا ہے کیونکہ سحر و ساحری سے بڑھ کر کفر کے نزدیک کوئی کبیرہ گناہ

نہیں ہے، اس کی بہت احتیاط کرنی چاہئے کہ ان (جادو وغیرہ) میں سے ذرہ برابر بھی کوئی عمل نہ ہونے پائے۔ کیونکہ (شرع میں) آیا ہے کہ مسلمان جب تک اسلام میں ہے اس سے سحر وجود میں نہیں آتا اور جب اس سے ایمان جدا ہو جاتا ہے، اللہ سبحانہ اپنی پناہ میں رکھے، تو پھر اس سے جادو متحقق ہو جاتا ہے۔ گویا سحر اور ایمان ایک دوسرے کی نقیض (ضد) ہیں، اگر سحر ہے تو ایمان نہیں ہے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح پیشِ نظر رکھنا چاہئے، تاکہ ایمان کے کارخانے میں کوئی خلل واقع نہ ہو، اور اس عمل (جادو) کی نحوست سے اسلام ہاتھ سے نہ نکل جائے ــــــــــ حاصل کلام یہ کہ جو کچھ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اور علماء نے کتبِ شرعیہ میں درج کیا دل وجان سے اس کی فرمانبرداری میں کوشش کرنی چاہئے اور اس کی مخالفت کو زہرِ قاتل جاننا چاہئے جو کہ دائمی موت تک پہنچا دیتا ہے اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

جب بیعت ہونے والی عورتوں نے ان تمام شرائط کو قبول کر لیا تو آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ان (شرائط کے) صرف زبانی اقرار سے (ان عورتوں کو) بیعت فرمالیا اور حق جل وعلا کے حکم سے ان کے لئے مغفرت طلب فرمائی، لہذا جو استغفار (طلبِ مغفرت) کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے بحکمِ حق جل وعلا عورتوں کی، اس جماعت کے حق میں وقوع پذیر ہوئی اس کے قبول ہونے کی پوری پوری امید ہے کہ وہ جماعت بخشی جائے گی۔ ابو سفیان کی زوجہ ہندہ بھی اس بیعت میں داخل تھیں بلکہ ان عورتوں کی وہی سردار تھیں اور ان (عورتوں) کی طرف سے وہی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) بات کرتی تھیں، اس بیعت اور استغفار کی وجہ سے ان کے حق میں بہت بڑی امید ہے۔ لہذا عورتوں میں سے جو بھی ان شرائط کا اقرار کرے اور اس کے مطابق عمل کرے وہ بھی حکماً اس بیعت میں شامل ہو جاتی ہے اور اس استغفار کے برکات کی امیدوار ہو جاتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (نساء آیت ۱۴۷) (اگر تم اس کا شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تم کو کیوں عذاب دے) ــــــــــ شکر بجا لانے سے مراد احکامِ شرعیہ کا قبول کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے۔ نجات کا طریقہ اور چھٹکارے کا راستہ اعتقاد وعمل میں صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے۔ استاد اور پیر کو بھی اسی غرض کے لئے پکڑتے ہیں کہ شریعت کی طرف رہنمائی کریں اور ان کی برکت سے شریعت پر اعتقاد

استاد اور پیر کا مقصد

اور عمل میں آسانی اور سہولت پیدا ہو، نہ یہ کہ مرید جو چاہیں کرتے رہیں اور جو جی چاہے کھاتے پھریں، اور پیران کے لئے سپر بن جائیں اور ان کو عذاب سے بچائیں، یہ معنی محض ایک دھوکہ اور آرزو ہے، وہاں کوئی بھی (حق تعالیٰ کی) اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکتا اور جبتک رضامندی نہیں ہوگی اس کی سفارش نہیں کر سکتا، اور رضامندی اس وقت ہوگا جب شریعت کے مطابق عمل کرنے والا ہوگا۔ البتہ بشریت کے تقاضے کی بنا پر اگر کوئی لغزش اس سے ہوئی ہے تو شفاعت کے ذریعے اس کا تدارک ممکن ہے۔

سوال: گنہگار کو کس اعتبار سے پسندیدہ کہا جاسکتا ہے؟ ——— جواب: جب حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس کی مغفرت چاہتا ہے اور اس کی معافی کے لئے وسیلہ درمیان میں لاتا ہے تو حقیقت میں وہ شخص پسندیدہ ہے اگرچہ بظاہر گنہگار ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَـنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) وَالسَّلَامُ۔

۳۱۳ + ۹۹ + ... = ۴۵۴

مکتوب ۴۲
چہل و دوم

خواجہ محمد ہاشم کشمی[۱] کی طرف ان کو بشارت دینے کے بیان میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ جو صحیفہ شریفہ ملّا فتح اللہ کے بدست آپ نے ارسال کیا تھا موصول ہوا، چونکہ وہ محبت و اخلاص اور حرارت و اشتیاق کے مضامین پر مشتمل تھا اس لئے فرحت بخش ہوا۔ آپ کا مکتوب مطالعہ کرنے وقت اس علاقہ میں آپ کی انبساطِ نورانیت بہت نظر آئی، اس سے بڑی امید ہوئی۔ اس بات پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور احسان ہے۔ زیادہ کیا تحریر کیا جائے۔

اے محبت کے نشان والے! یہ وجہ معلوم نہ ہو سکی کہ سیادت مآب میر محمد نعمان نے خط و کتابت کیوں ترک کردی ہے۔ اگر میری طرف سے کچھ کدورت کا وہم ہے تو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے لہٰذا اس جانب سے کمال درجہ صفائی تصور کریں۔ فقیر تو میر کی محافظت میں جس طرح پرندہ اپنے بچوں کی حفاظت کرتا ہے میں بھی کوشاں رہتا ہوں، تاکہ طالبانِ حق کے کام میں کوئی سستی پیدا نہ ہو اور سالکوں کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو ——— دوسرے یہ کہ تقریباً دو ماہ سے فقیر پر ضعف طاری ہے۔ بعض سوالات جو آپ نے پچھلے مکتوب میں لکھے تھے فقیر ان کے جواب سے عاجز ہے۔ اگر صحت ہو گئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ تحریر کروں گا ورنہ دوستوں سے دعاء فاتحہ کی درخواست ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل والسلام علیٰ سائر اہل اللہ فرزندانِ گرامی خوش رہیں۔

[۱] خواجہ محمد ہاشمؒ کے برہان پور جانے کے بعد ۱۰۳۳ھ میں یہ مکتوب لکھا گیا ہوگا۔

حضرات مخدوم زادہ ہائے کبار[۱] خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

اس گفتگو کے بیان میں جو سلطانِ وقت (جہانگیر) مد ظلہ کی محفل میں ہوئی تھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ اس طرف کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں ــ اور اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے عجیب و غریب صحبتیں گذر رہی ہیں، امورِ دینیہ اور اصولِ اسلامیہ کی ان گفتگوؤں میں سرِ مو سستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی، اور وہی باتیں جو کہ خاص خلوتوں اور مجالس میں بیان ہوا کرتی ہیں اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے ان (مجالسِ سلطانی) میں بھی بیان کرتا ہوں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ خصوصاً آج کی رات جو کہ ۱۷ رمضان المبارک کی رات تھی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت اور عقل کے عدمِ استقلال، آخرت پر ایمان اور اس کے عذاب و ثواب، اثباتِ رویتِ (باری تعالیٰ) اور حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد، اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اقتداء اور تراویح کے سنت اور تناسخ کے باطل ہونے اور جن اور جنوں کے احوال اور ان کے عذاب و ثواب کی نسبت اور ان جیسی بہت سی باتوں سے متعلق بہت گفتگو ہوئی، اور (بادشاہ و حاضرینِ مجلس) بڑی دلچسپی اور خوشی سے سنتے رہے۔ اور اسی ضمن میں اقطاب و ابدال اور اوتاد کے احوال اور ان کی خصوصیتوں سے بہت سی چیزوں کا بیان ہوا۔ اللہ سبحانہٗ کا احسان ہے کہ (بادشاہ) یہ سب قبول کرتے رہے اور (ان کے چہرے سے) کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا ــــــ ان واقعات اور ملاقات میں شاید حق سبحانہٗ کی مصلحتیں اور حکمتیں راز ہوں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ جس نے ہم کو ہدایت دی، اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے بھیجے ہوئے رسول حق و صداقت لے کر آئے ہیں۔

شاہی مجالس میں تبلیغ دین

---

[۱] حضرت خواجہ محمد سعید کے نام ۴۴ مکتوبات ہیں اور مکتوب ۱۵۹/۱ پر تذکرہ ہے، اور حضرت خواجہ محمد معصوم کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ (حفظِ) قرآن مجید سورۂ عنکبوت تک ختم کر لیا ہے۔ رات کو جب مجلس (سلطانی) سے واپس آتا ہوں تو تراویح میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ حفظِ قرآن مجید کی یہ دولتِ عظمیٰ ان فرصت کے اوقات میں جو کہ عین جمعیت کے اوقات ہیں حاصل ہو گئی۔

میر عبد الرحمٰن[1] ولد میر محمد نعمان کی طرف آخرت میں دیدارِ (الٰہی) کے منکروں کے شبہات دور کرنے کے بیان میں صادر فرمایا۔

رویتِ باری کے دلائل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رویتِ (باری تعالیٰ) کے مسئلہ میں جو لوگ اعتراض کرتے ہیں بلکہ نفیٔ رویت کے سلسلے میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ (ان ظاہری) آنکھوں سے دیکھنے کے معنی یہ ہیں کہ مرئی (جس کو دیکھا جائے) اور رائی (دیکھنے والا) آمنے سامنے ہوں۔ اور یہ بات واجب تعالیٰ کے حق میں مفقود ہے کیونکہ اس سے جہت و سمت لازم آتی ہے جو احاطہ و تحدید اور نہایت تک پہنچانے والی ہے جس سے نقص لازم آتا ہے اور الوہیت کے منافی ہے، تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند اور بڑا ہے) ـــــــ **جواب**: جب حق جل سلطانہٗ نے اپنی کمالِ قدرت سے اس ضعیف اور فانی دنیا میں آنکھ کو جو محض بے حس و حرکت اور خون دار پٹھوں کے ٹکڑوں سے عبارت ہے اس قدر قوت بخشی ہے کہ مقابل اور روبرو ہونے کی صورت میں اشیاء کا احساس کرتی اور ان کو دیکھتی ہے، تو پھر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ عالمِ آخرت میں جو زیادہ قوی اور ہمیشہ رہنے والا ہے ان ہی (آنکھوں کے) دو ٹکڑوں کو ایسی قوت عطا فرما دے جو روبرو اور محاذات کی شرط کے بغیر مرئی کو دیکھ سکیں خواہ وہ مرئی تمام جہتوں میں ہو یا بے جہت ہو۔ تو اس (رویت) کو بعید سمجھنے کی کیا وجہ ہے اور کیوں محال سمجھتے ہیں۔ حالانکہ فاعل جل سلطانہٗ اقتدار و طاقت کے مرتبہ میں سب سے اعلیٰ ہے اور قابل (یعنی آنکھ) احساس اور دیکھنے کے لئے استعداد رکھتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ دنیا کے بعض حصوں اور وقتوں میں بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر آنکھوں کے دیکھنے کے لئے محاذات کی شرط اور جہت کا تعین رکھا گیا ہے اور (آخرت کے) بعض مقامات اور

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔

وقتوں میں اس شرط کا اعتبار نہیں فرمایا گیا بلکہ اس شرط کے حصول کے بغیر ہی آنکھوں سے دیکھنا مقرر کیا ہے۔ ایک مقام کو دوسرے مقام پر قیاس کرنا باوجود کمال درجہ اختلافِ مقامات کے تقاضوں کے انصاف سے دور ہے، نیز اپنی نظر کو عالمِ ملک وشہادت کے مکشوفات تک محدود رکھنا کوتاہ نظری ہے اور خالقِ ارض وسموات کے عالمِ ملکوت کے عجائبات سے انکار کرنا ہے۔

سوال: اگر حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو (قیامت میں ان ظاہری آنکھوں سے) دیکھا جائے تو چاہئے کہ وہ بصر کے احاطہ وادراک میں بھی آئے۔ اور اس بات سے حد و نہایت لازم آتی ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند اور بہت بڑا ہے)۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل جائز ہے کہ وہ (حق تعالیٰ) دیکھا تو جائے لیکن آنکھ کے احاطہ وادراک میں نہ آسکے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (انعام آیہ ۱۰۳) (آنکھیں اس (اللہ تعالیٰ) کا ادراک نہیں کر سکتیں لیکن وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے اور وہ باریک بین خبر دار ہے) ——— مؤمنین آخرت میں حق جل شانہٗ کو دیکھیں گے اور یقین و جدانی کے ساتھ محسوس کریں گے کہ ہم حق جل سلطانہٗ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ لذت جو رویت پر مرتب ہوتی ہے وہ بھی کمال وجہ کے ساتھ اپنے اندر پائیں گے لیکن مرئی (جس ذات کو دیکھ رہے ہیں) اس کا کچھ بھی ادراک واحاطہ نہ کر سکیں گے اور مرئی سے کچھ حاصل نہ ہوگا سوائے رویت کے وجدان اور دیدار کی لذت کے کوئی چیز بھی مرئی سے ان کو حاصل نہ ہوگی۔

بیت: عنقا شکارِ کس نشود دام باز چیں ۔۔۔ کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

عنقا شکار ہو نہ سکے گا ہٹا دے جال ۔۔۔ اس کے لئے تو جال لگانا فضول ہے

رویت میں جس کمی و نقصان کا وہم ہوتا ہے وہ مرئی (دیکھے جانے والی ذات) کا احاطہ وادراک ہے جو اس مقام میں مفقود ہے لیکن صرف بے جہت رویت کے ثبوت اور اس لذت میں جو دیکھنے والے کو اس (ذات کی) رویت سے حاصل ہوتی ہے اس میں کوئی نقص اور قصور نہیں ہے بلکہ مرئی کا کمال انعام واحسان ہے کہ وہ اپنے جمالِ پُرکمال کو محبت کی آگ میں جلنے والوں پر جلوہ فرمائے اور اپنی رویت کے وصال کے صاف وشیریں پانی سے لذت یاب اور سیراب کرے، تو اس سے بھی جنابِ قدس تعالیٰ کی طرف کوئی نقص وقصور عائد نہیں ہوتا اور کوئی جہت واحاطہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ؎

۵ ازاں طرف نہ پذیرد کمال او نقصان وزیں طرف شرف روزگار من باشد

(ترجمہ) اُس طرف ہو نہ کچھ بھی نقصِ کمال اس طرف میرے حال کو ہے شرف

یا ہم کہتے ہیں کہ رویت کے حصول میں اگر مقابلہ اور محاذ شرط ہے تو چاہیئے کہ جس طرح مرئی کی جانب میں شرط ہے اسی طرح رائی کی جانب میں بھی شرط ہو کیونکہ مقابلہ ایک ایسی نسبت ہے جو ہر دو باہم مقابل ہونے والوں یعنی رائی و مرئی میں قائم ہے۔ پس لازم آیا کہ حضرت حق سبحانہ، وتعالیٰ بھی اشیاء کو نہ دیکھے اور اس تعالیٰ وتقدس میں بھی رویتِ اشیاء کی صفت ثابت نہ ہو، اور یہ بات نصوص قرآنی کے مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (بقرہ آیت ۲۶۵) (تم جو عمل کرتے ہو اس کو اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے)۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (شوریٰ آیت ۱۱) اور وہ (اللہ تعالیٰ) سننے والا دیکھنے والا ہے)۔ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ (توبہ آیت ۹۴) (اور عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھے گا)۔ اور نیز اس سے حق تعالیٰ کا نقص اور صفتِ کاملہ کی نفی لازم آتی ہے۔

سوال: اگر یہ کہیں کہ واجب تعالیٰ میں رویت اس کے اشیاء کے علم سے مراد ہے اور علم کے علاوہ کوئی اور امر جو جہت کو لازم ہو نہیں ہے ـــــــ جواب: ہم کہتے ہیں کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ رویت بھی صفاتِ کاملہ سے ہے اور مستقل طور پر خاص واجب سبحانہ، و تعالیٰ کے ساتھ نصوصِ قرآنی سے ثابت ہے، علم کی طرف اس کو راجع کرنا ظاہر کے خلاف ہے اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رویت علم کی قسم سے ہے تو اس میں محاذات اور مقابلے کی شرط نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ گویا (حق تعالیٰ کے) علم کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے کہ جس میں محاذاتِ معلوم کی شرط نہیں ہے اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں محاذات کی شرط ہے اور اس کا نام رویت ہے اور یہ قسم ممکنات میں علم کی قسموں میں سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ وہ اطمینانِ قلب کے مرتبہ میں ہے، معقولات میں تو وہم کے مقابلہ کوئی امن حاصل نہیں ہے اور محسوس وہ چیز ہے جو اس عارضہ اور خلل سے آزاد ہے اور اس کشمکش سے الگ ہے ـــــ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مُردوں کے زندہ ہونے پر ایمان و یقین کے باوجود مُردوں کے زندہ ہونے کی رویت کا سوال کیا تاکہ اس سے اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے۔

جاننا چاہیئے کہ رویت صفاتِ کاملہ میں سے ہے اور جب وہ واجب تعالیٰ میں موجود نہ ہوگی تو

ممکن میں کہاں سے آجائے گی، کیونکہ ہر وہ کمال جو ممکن میں ظہور پذیر ہوا ہے وہ اس کمال کا عکس ہے جو حضرت تعالیٰ و تقدس کی ذات میں موجود اور ثابت ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی کمال ممکن میں ہو اور واجب تعالیٰ و تقدس میں نہ ہو، کیونکہ ممکن اپنی ذات کی حد تک شر اور نقص ہے، اگر اس میں کوئی کمال ہے تو وہ حضرت وجوب تعالت و تنزلت کی طرف سے عاریۃً ہے جو سب کا سب خیر و کمال ہے۔ بیت

نیاوردم از خانہ چیزے نخست　　تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

(ترجمہ) نہیں اپنے گھر سے میں لایا ہوں کچھ　　سبھی کچھ دیا تو نے، ہوں تیری ملک

اصل سوال کا دوسرا جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض تو واجب تعالیٰ و تقدس کے وجود میں بھی ہو سکتا ہے اور رویت کی نفی کی طرح جناب قدس خداوند تعالیٰ جل شانہٗ کے وجود کی بھی نفی کرتا ہے، لہٰذا یہ اعتراض صادق نہیں آتا بلکہ عقلی طور پر بھی محال ہونا لازم آتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ موجود ہو تو اس عالم کی جہات میں سے کسی ایک جہت میں ہوگا، اوپر ہوگا یا نیچے، سامنے ہوگا یا پیچھے، داہنے ہوگا یا بائیں، اور اس سے احاطہ اور تحدید لازم آتی ہے جو موجب نقص ہے اور الوہیت کے منافی ہے اور حق تعالیٰ و تقدس اس سے پاک و منزہ ہے۔

سوال: ہو سکتا ہے کہ (حق تعالیٰ) عالم کی تمام جہتوں میں ہو اور کوئی احاطہ و تحدید لازم نہ آئے ——— جواب: ہم کہتے ہیں کہ عالم کے تمام اطراف میں (حق تعالیٰ کے) ہونے سے احاطہ و تحدید کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ اس صورت میں بھی وہ عالم کے ماوراء ضرور ہوگا کیونکہ وراء ہونا غیر ہونے کو لازم ہے۔ وَالْاِثْنَانِ مُتَغَايِرَانِ (اور دو چیزیں آپس میں غیر ہوتی ہیں) ارباب معقول کا مقررہ اصول ہے اور اس سے تحدید لازم آتی ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس قسم کے ملمع شدہ اور باطل شبہات سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے احکام غیب اور احکام شہادت کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھا جائے اور غائب کو حاضر پر قیاس نہ کیا جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض احکام شاہد میں تو صادق ہوں اور غائب میں جھوٹے۔ اور شاہد میں کمال درجہ ہوں اور غائب میں نقص والے۔ کیونکہ مقامات کے اختلافات کی وجہ سے احکامات کا اختلاف بھی لازم ہے خصوصاً جبکہ مقامات کے درمیان بہت دوری کا فرق ہو۔

مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (کہاں مٹی اور کہاں رب الارباب، چہ نسبت خاک را با عالم پاک)

حضرت حق سبحانہٗ (منکرینِ رویت کو) انصاف کی توفیق عطا فرمائے کہ ان توہمات اور مشتبہ خیالات کی بنا پر نصوصِ قرآنی کا انکار نہ کریں اور صحیح احادیثِ نبویؐ کی تکذیب نہ کریں۔ اس قسم کے نازل شدہ احکام پر ایمان لانا چاہئے اور اس کی کیفیت کو (حق تعالیٰ کے) علم کے حوالے کر دینا چاہئے اور ان کے ادراک قصور کی کیفیت کو اپنے قصور کی طرف راجع کر دینا چاہئے، نہ یہ کہ ہم اپنے ادراک کو اپنا مقتدا بنا کر ان احکام کی نفی کریں، اور یہ بات سلامتی و صواب سے دور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہت سی چیزیں نفسِ امر میں صادق ہوں اور ہماری ناقص عقلوں کے ادراک سے بعید اور دور ہوں۔ اگر محض عقل کافی ہوتی تو ابو علی سینا جیسا شخص جو ارباب معقول کے پیشوا ہیں تمام احکامِ عقلیہ میں سچے ہوتے اور بالکل غلطی نہ کرتے حالانکہ صرف ایک مسئلہ میں اَلْوَاحِدُ لَا یَصْدُرُ عَنْہُ اِلَّا الْوَاحِدُ (ایک سے صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے) اسقدر غلطی کی ہے کہ انصاف پسند ناظرین پر معمولی غور کے بعد (حقیقت) واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس مقام میں امام فخر الدین رازی ان پر طعن کرتے ہیں اور اس عبارت کے ساتھ موردِ الزام ٹھہراتے ہیں: وَالْعَجَبُ مِمَّنْ یُّفْنِیْ عُمْرَہٗ فِیْ تَعْلِیْمِ الْاٰلَۃِ الْعَاصِمَۃِ عَنِ الْخَطَاءِ فِی الْفِکْرِ وَتَعَلُّمِہَا ثُمَّ اِذَا جَاءَ اِلٰی ھٰذَا الْمَطْلَبِ الْاَشْرَفِ وَقَعَ مِنْہُ شَیْئًا یَضْحَکُ مِنْہُ الصِّبْیَانُ (تعجب ہے اس شخص پر جس نے اپنی تمام عمر اس علم (منطق) کی تعلیم و تعلم میں ضائع کر دی جس علم کو خطاء فی الفکر (جس کو فکر میں خطا سے بچانے والا آلہ کہا جاتا ہے) پھر جب وہ شخص اعلیٰ و اشرف مطلب کی طرف آئے تو اس سے ایسی باتیں سرزد ہوں جن پر بچے بھی ہنسیں)۔

علماء اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم تمام احکامِ شرعیہ کا اثبات کرتے ہیں خواہ وہ احکام عقل میں آئیں یا نہ آئیں اور ان کی کیفیت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ان احکام کی نفی نہیں کرتے مثلاً عذابِ قبر، سوال منکر نکیر، پل صراط، اور میزانِ عمل اور ان جیسی بہت سی چیزیں جن کے ادراک سے ہماری ناقص عقلیں عاجز ہیں، ان بزرگوں نے کتاب و سنت کو اپنا مقتدا اور پیشوا بنا کر اپنی عقلوں کو اس کے تابع کر دیا ہے، اگر وہ ادراک کر سکیں تو بہتر ہے ورنہ احکامِ شرعیہ کو (بے چون و چرا) قبول کر لیتے ہیں اور اپنے عدم ادراک کو اپنے قصورِ فہم پر محمول کرتے ہیں، دوسروں کی طرح یہ نہیں کرتے کہ جو کچھ ان کی عقلیں قبول کریں اور معلوم کر لیں اس کو تو وہ قبول کر لیں

اوران کی عقلیں جس کا ادراک نہ کرسکیں اس کو قبول نہ کریں۔ شاید یہ لوگ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت ہی عقلوں کے قصور کی وجہ سے ہوئی ہے کہ وہ اپنے مولائے بیچون وبے چگون کے بعض پسندیدہ مطالب کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ عقل ہر چند حجت ہے لیکن حجتِ کاملہ نہیں ہے، حجتِ کاملہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے پوری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل آیت ۱۵) (جبتک ہم رسول نہ بھیج لیں اسوقت تک کسی کو عذاب نہیں دیتے)۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگرچہ شاہد کی رویت میں مقابلہ اور محاذات کی شرط ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ غائب میں شرط نہ ہو جیسا کہ غائب موجود ہے اور اس میں موجودات کی جہات میں سے کوئی جہت بھی موجود نہیں، چنانچہ مرئی (حق تعالیٰ) رائی کی رویت کے بغیر جہات سے پاک ہے، رویت کے بعد بھی کوئی جہت اس کے لئے ثابت نہیں ہے اور مقابلہ اور محاذات بھی اس کے لئے مفقود ہیں۔ اس بیان میں کونسی بات بعید اور محال ہے بے چون کی رویت بھی بے چون ہے کیونکہ چون کو بے چون کی طرف کوئی راہ نہیں ہے۔ لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاهُ (بادشاہوں کے عطیات کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں) اس بے چون کی رویت کو چون کی رویت پر جو کہ چون کی مرئیات سے متعلق ہے قیاس کرنا نامناسب اور انصاف سے دور ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ۔ (اور اللہ سبحانہٗ ہی صحیح بات کی توفیق دینے والا ہے)

مولانا سلطان سرہندی[1] کی طرف قلبِ مومن کی عظمتِ شان اور اس کو ایذا دینے کی ممانعت کے بیان میں صادر فرمایا۔ نقل بالمعنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ اَجْمَعِيْنَ (اللہ رب العالمین کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور درود و سلام ہو حضرت محمد رسول اللہ پر اور آپ کی تمام آل پر)۔ اس کے بعد واضح ہو کہ بیشک قلب، اللہ سبحانہٗ کا ہمسایہ ہے، اور قلب کو جسقدر جنابِ قدس کی بارگاہ میں

قلب مومن کی عظمت شان

[1] آپ کے نام دو مکتوب ہیں، دوسرا مکتوب ۱۱۳ دفتر سوم ہے۔ حالات معلوم نہ ہوسکے۔

اقربیت حاصل ہے اور کسی چیز کو نہیں، لہٰذا اس کو ایذا دینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ خواہ وہ مؤمن (کا قلب) ہو یا گنہگار کا۔ کیونکہ ہمسایہ اگرچہ گنہگار ہو لیکن اس کی حمایت اور مدد کی جاتی ہے۔ پس (ہر شخص کے) قلب، کو ایذا دینے سے ڈرو اور بہت ڈرو۔ کیونکہ کفر کے بعد جو کہ اللہ سبحانہٗ کی ایذا کا سبب ہے قلب کو ایذا دینے سے زیادہ کوئی اور گناہ نہیں ہے، پس حق سبحانہٗ سے واصل ہونے والی چیزوں میں اقرب ترین شے قلب ہی ہے ——— اور جان لیں کہ تمام مخلوق حق سبحانہٗ کے بندے اور غلام ہیں اور کسی کے غلام کو مارنا یا اس کی اہانت کرنا اس کے آقا کی ایذا کا سبب ہے لہٰذا مولیٰ تعالیٰ کی عظمتِ شان کے متعلق قیاس کرنا چاہئے جو مالک علی الاطلاق (کلّی طور پر مالک ہے) پس ہمیں چاہئے کہ اس کی مخلوق میں تصرف نہ کریں مگر اسی قدر جس قدر کہ ہم کو حکم دیا گیا ہے اور وہ ایذا رسانی میں داخل نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ مثلاً کنوارے زانی کی حد سو کوڑے ہیں لیکن اگر کوئی سو سے زیادہ (کوڑے) مارے تو وہ ظلم اور ایذا میں داخل ہوگا۔

نیز یہ بھی جاننا چاہئے کہ قلب تمام مخلوقات میں افضل واشرف ہے اور جس طرح انسان اپنے اجمال وجمعیت کی وجہ سے عالمِ کبیر کی تمام چیزوں سے افضل ہے اسی طرح قلب بھی اپنے کمال بساطت اور اجمال وشمولیت کی بدولت ہر اس چیز سے افضل ہے جو انسان میں ہے۔ اور جس چیز میں اجمال وجمعیت زیادہ ہوگی وہی حق تعالیٰ کی جناب سے زیادہ اقرب ہوگی۔ نیز جو کچھ انسان کے اندر ہے وہ یا تو عالمِ خلق سے ہے یا عالمِ امر سے، اور قلب (ان دونوں کے درمیان) برزخ ہے۔

اور مراتبِ عروج میں انسان کے لطائف پہلے اپنے اصول کی طرف رجوع کرتے ہیں مثلاً اول ان کا عروج پانی کے اصل کی طرف ہوتا ہے، پھر ہوا کے اصل کی طرف، پھر آگ کے اصل کی طرف، پھر لطائف کے اصول کی طرف، پھر اسم الجزئی کی طرف جو کہ اس کا رب ہے، پھر اسم کلّی کی طرف، پھر جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے، بخلاف قلب کے کہ اس کا کوئی اصل نہیں جس کی طرف وہ رجوع کرے بلکہ اس کا عروج ابتدا ہی سے ذات تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور یقیناً وہ (قلب) غیبِ ہویت کا دروازہ ہے لیکن اس تفصیل کے بغیر صرف قلب کے طریق سے وصول تک پہنچنا بہت مشکل ہے، بلکہ یہ وصول اس تفصیل کے پورا ہونے کے بعد آسان ہو جاتا ہے۔ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ جامعیت اور وسعت کی صفت قلب میں متحقق نہیں ہوتی مگر ان تمام (مذکورہ) تفصیلی مراتب کے طے ہونے کے بعد۔ اور اس مقام میں قلب سے مراد وہی قلبِ جامع ہے جو بسیط ہے اور ابسط بھی نہ کہ یہ گوشت کا ٹکڑا۔

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مد ظلہ العالی کی طرف عروج و نزول کے بیان میں صادر فرمایا (نقل بالمعنی)

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَشَفِیْعِ ذُنُوْبِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ

(ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اپنے سردار و آقا اور گنہگاروں کی شفاعت کرنے والے حضرت محمد اور ان کی آل و اصحاب پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں) ——— واضح ہو کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے مجھ پر منکشف فرمایا ہے کہ کائنات (موجودات) میں ایک نقطہ ہے جو عالم ظلی کا مرکز ہے اور وہ نقطہ تمام عالم کا اجمال ہے اور تمام عالم اس اجمال (نقطہ) کی تفصیل ہے، اور وہ نقطہ اپنی درخشندگی میں آفتاب کی مانند ہے اور اسی نقطہ سے آفاق کی ہر چیز منور ہوتی ہے لہٰذا جو فیض بھی حق سبحانہٗ کی طرف سے کسی کو پہنچتا ہے وہ اسی نقطہ کے توسل سے پہنچتا ہے۔ وہ نقطہ غیب ہویت (ذات مجرد) کے برابر اور محاذ میں واقع ہے اور (وہ نقطہ) مرتبۂ نزول میں موجود ہے۔ پس جب تک اس مرتبۂ ہبوط و اسفلیت میں نزول متحقق نہیں ہوتا اُس مرتبہ تک عروج بھی ہرگز میسر نہ ہوگا جو غیب ہویت کے نام سے موسوم ہے۔ اور یہ نزول دعوت و تکمیل کے لئے ہوتا ہے، اور اس نزول کے ساتھ متصف ہونے کے وقت جو اس نقطہ کے مرتبہ کے ساتھ واقع ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا چہرہ عالم کی طرف ہے اور پشت حق سبحانہٗ کی طرف۔

عروج و نزول کی تفصیل

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ عالم کی طرف متوجہ ہونا اور حق سبحانہٗ سے انقطاع صرف موت کے وقت تک کے لئے ہے اور جب موت آجاتی ہے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ گویا اس دنیا میں فراق و اشتیاق دونوں طرف سے ثابت ہیں اور ملاقات اس وقت تک کامل طور پر نہ ہو گی جب تک کہ موت نہ آجائے۔ اور اس حدیثِ قدسی کے معنی بھی ظاہر ہو گئے کہ اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی لِقَائِیْ وَاَنَا اِلَیْہِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا[۱] (آگاہ رہو کہ میری ملاقات کے لئے ابرار کا شوق بہت طویل ہو گیا اور میں ان سے زیادہ ان کا مشتاق ہوں)

اور جان لو کہ اس مرتبہ میں نزول کے تحقق کے باوجود سالک اور حق سبحانہٗ کے درمیان کسی قسم کا کوئی حجاب متحقق نہیں ہے بلکہ تمام حجابات مفقود ہو جاتے ہیں اور حق سبحانہٗ کی طرف بھی توجہ نہیں رہتی۔

[۱] اس حدیث کی تخریج و تشریح دفتر اول مکتوب ۲۶ پر گزر چکی ہے۔

البتہ اس مقام پر پوری توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے اس لئے کہ یہ مقام مقامِ دعوت ہے ــــ اور کبھی اس نقطہ سے جو عالمِ ظلی کے دائرہ کا مرکز ہے اس نقطہ کی طرف نزول واقع ہوتا ہے جو دائرۂ عدم کا مرکز ہے اور یہ مقام حق تعالیٰ کے ساتھ کفر کا مقام ہے اور اس سبحانہٗ سے اور اس کے انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم سے اور اس تعالیٰ کی آیات سے انکار کا مقام ہے۔ پھر اس نقطہ (مرکزِ عالمِ ظلی) سے دوسرے نقطہ کی طرف عروج واقع ہوتا ہے جو دائرہ کا اصل مرکز ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام کے مقامات کا دائرہ ہے۔ ــــــــ اور یہ نقطہ (دائرۂ عدم کا مرکز) جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ظلمانی اور نہایت ہی تاریک ہے۔ لہٰذا اس مقام میں نور اور روشنی کے (حصول کے) قصد سے نزول کرنا ایک عظیم الشان کام ہے۔ اور اس نقطہ کے مقابل نقطۂ اسلام ہے اور یہ وہ نقطہ ہے جس کی طرف اس نزولِ ظلمانی کے بعد عروج واقع ہوتا ہے، اور اس نقطۂ ظلمانی کا روشن چراغ کلمۂ توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہے۔ وَالسَّلَامُ

سلطانِ وقت[۱] مدظلہ کی طرف دعا کے اسرار اور علماء و صلحاء کی تعریف میں صادر فرمایا۔

دعا کرنے والوں میں سے کمترین احمد، بارگاہِ معلیٰ کے حاضرین اور بلند درگاہ کے خادموں کی خدمت میں عرض کرتا ہے اور عاجزی و نیازمندی کا اظہار کرتے ہوئے اس امن و امان کی نعمت کا شکر بجا لاتا ہے جو آپ کے اقبال کی بدولت بندگانِ عوام و خواص کو شاملِ حال ہے اور ان اوقات میں دعا کی قبولیت کا گمان ہے اور اجتماعِ فقراء کے موقع پر آپ کے لشکرِ ظفر پیکر کے لئے فتح و نصرت کی دعا کرتا ہے، کیونکہ ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند (ترجمہ) ہر کسی کو کام سے پیدا کیا

---

[۱] یعنی جہانگیر بادشاہ، جس کے نام صرف یہی ایک خط ہے۔ چونکہ حضرت سلیم چشتیؒ کی دعا کی برکت سے جہانگیر کی ولادت ہوئی تھی اس لئے اس کا نام سلیم رکھا۔ فتح پور سیکری آگرہ میں بروز بدھ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۵۶۹ء کو ولادت ہوئی اور اکبر بادشاہ کے انتقال کے بعد بروز جمعرات ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۴ھ کو تخت نشین ہوا۔ جہانگیر بہت ذہین و فطین تھا جس کی وجہ سے وہ شاعری، مصوری، موسیقی اور مناظرِ قدرت سے خاص لگاؤ رکھتا تھا۔ عدل و انصاف میں ضرب المثل ہے۔ بروز جمعرات ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ کو انتقال ہوا اور شاہدرہ لاہور میں دفن کیا گیا۔

اس لئے کہ کارخانۂ خداوندی میں کوئی چیز عبث نہیں ہے۔ وہ کام جو غزا اور جہاد کرنے والے لشکر سے وابستہ ہے وہ پایۂ دولتِ قاہرۂ سلطنت کی تقویت اور تائید ہے جس پر شریعتِ غرا (روشن شریعت) کی ترویج و اشاعت منحصر ہے، کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّيْفِ (شرع تلوار کے تحت ہے) اور یہی جلیل الاعتبار کام اس لشکرِ دعا (دعا کرنے والے حضرات) سے بھی وابستہ ہے جو کہ اربابِ فقر و احبابِ بلا کا لشکر ہیں۔ کیونکہ فتح و نصرت دو قسم کی ہے: ایک قسم وہ ہے جس کو اسباب کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور فتح و نصرت کی صورت ہے جو لشکرِ غزا سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسری قسم فتح و نصرت کی حقیقت ہے جو مسبب الاسباب کی طرف سے ہے، اور آیۂ کریمہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آل عمران آیت ۱۲۶) (اور (فتح و) نصرت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے) میں اسی نصرت کی طرف اشارہ ہے اور اس کا تعلق لشکرِ دعا سے ہے، پس لشکرِ دعا اپنی ذلت و انکساری کے باعث لشکرِ غزا پر سبقت لے گیا اور سبب سے مسبب کی طرف دلالت فرمائی۔ ع

بُردند شکستگاں ازیں میداں گوئے

اسی طرح دعا قضا کو بھی رد کر دیتی ہے جیسا کہ مخبرِ صادق علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ[1] (قضا کو دعا کے علاوہ کوئی چیز نہیں روک سکتی) تلوار اور جہاد میں یہ طاقت نہیں ہے کہ قضا کو رد کر سکے۔ پس لشکرِ دعا ضعف و عاجزی کے باوجود لشکرِ غزا سے زیادہ قوی ہے نیز لشکرِ دعا (لشکرِ غزا کے لئے) روح کی مانند ہے اور لشکرِ غزا (لشکرِ دعا کا) جسم و قالب کی طرح، پس لشکرِ غزا کے لئے لشکرِ دعا کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جسم بغیر روح کے تائید و نصرت کے لائق نہیں ہوتا۔ اسی لئے (راویوں نے) کہا ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيْكِ الْمُهَاجِرِيْنَ[2] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکرِ غزا اور جہاد کرنے والوں کے غلبہ کے باوجود فقراءِ مہاجرین کے وسیلے سے فتح و نصرت طلب فرمایا کرتے تھے)۔ پس فقراء جو کہ دعا کا لشکر ہیں خواری اور زاری اور بے اعتباری کے باوجود ضرورت کے وقت کام آتے ہیں اگرچہ اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِي الدَّارَيْنِ (فقر دونوں جہان میں روسیاہی کا باعث ہے) کہا گیا ہے۔ اس بے اعتباری کے باوجود اعتبار حاصل کرتے ہیں اور سب سے آگے قدم لے جاتے ہیں۔ مخبرِ صادق علیہ من الصلوٰت اتمہا نے فرمایا ہے: قیامت کے دن شہیدوں کے خون کو علماء کی سیاہی کے ساتھ تولیں گے[3]

---

[1] رواہ الترمذی و ابن ماجہ۔ [2] رواہ شرح السنۃ (مشکوٰۃ)

تو سیاہی والا پلہ غالب آجائے گا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ــــ یہی سیاہی اور یہی سیاہ روئی ان کی عزت و سرخروئی کا باعث ہو گئی اور ان کے مرتبہ کو پستی سے بلندی تک پہنچا دیا۔ ہاں ع

بتاریکی دروں آبِ حیات ست (ترجمہ) اندھیرے میں ہوتا ہے آبِ حیات

کسی شاعر نے (خوب) کہا ہے۔ بیت

غلام خویشتنم خواند لالہ رخسارے ‌ ‌ ‌ سیاہ روئیِ من کرد عاقبت کارے

(ترجمہ) محبوب نے غلام بنایا ہے دیکھیئے ‌ ‌ ‌ میری سیاہ روئی تو کام آگئی ہے آج

یہ کمترین اگرچہ اس لائق نہیں کہ اپنے آپ کو لشکرِ دعا کے افراد میں شمار کرے لیکن صرف اسمِ فقر اور دعا کی قبولیت کے احتمال پر اپنے آپ کو دولتِ قاہرہ کی دعا سے فارغ نہیں رکھتا اور حال و قال کی زبان سے سلامتی کی دعا و فاتحہ میں رطب اللسان رہتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (بقرہ آیت ۱۲۷) (اے ہمارے رب (ہماری دعا کو) قبول فرما یقیناً تو ہی سننے والا جاننے والا ہے)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعیدؒ مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا ــــ حق تعالیٰ کی اقربیت کے راز میں اور اس بیان میں کہ کُنہ ذات کا انکشاف علمِ حضوری سے ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

حق تعالیٰ کی اقربیت کا معاملہ علمِ حضوری کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ اصلِ معلوم سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ معلوم کے ظلال میں سے کسی ظل کے ساتھ اور صورتوں میں سے کسی صورت کے ساتھ، کہ وہ علمِ حصولی کا حصہ ہے۔ لہٰذا علمِ حصولی درحقیقت نفسِ شے کا علم نہیں ہوتا بلکہ اس شے کی صورتوں میں سے کسی صورت کا علم ہوتا ہے اور اس میں نفسِ شے کی نسبت جہل ثابت ہو گا۔ سبحان اللہ! (یعنی تعجب ہے) کہ شئے کے جہل کو اس شے کا علم کہتے ہیں، اگر شے کی صورت کے ظل کو بھی اس شئے کا عین تصور کر کے شے کی صورت کے علم کو اس شے کا علم جان لیا جائے تو یہ ممنوع ہے اور دعوائے عینیت سننے کے لائق نہیں ہے کیونکہ شے اور صورتِ شے ایک دوسرے کے ساتھ دوئی کی نسبت

حق تعالیٰ کی اقربیت

۱؎ آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر تفصیل و تذکرہ درج ہے۔

رکھتے ہیں اور جس جگہ دوئی کی نسبت ثابت ہو وہاں تغایر لازم آتا ہے کیونکہ اَلْاِثْنَانِ مُتَغَایِرَانِ (دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں) ارباب معقول کا قاعدہ کلیہ ہے ——— اور اسی طرح کسی شے کی صورت کے علم سے اس شے کا کما حقہ علم کس طرح لازم آسکتا ہے کیونکہ صورتِ شے ایک شے کی ظاہری صورت اور تمثیل ہے جس نے آئینے کے احکام کا لباس پہن کر ایک ظہور پیدا کر لیا ہے، اور کبھی شے میں بہت سے دقائق و اسرار ہوتے ہیں جن کا صورت میں کوئی نام و نشان نہیں ہوتا ؎

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

(ترجمہ) تصویر خوب ان کی مصور بنائے گا لیکن کہاں وہ ناز و ادا سے سجائے گا

کاش کہ شئے کا ظاہر اپنی صرافت (اصلیت) کے ساتھ شے کی صورت میں ظاہر ہوتا اور باطن موقوف رہتا۔ جبکہ شے کا ظاہر محل اور آئینے کے رنگ سے ملتبس ہو کر شے کی صورت میں ظہور کرتا ہے تو یقین ہے کہ شے کا ظاہر اپنی صرافت کے ساتھ باقی نہیں رہتا بلکہ ایک دوسری ہیئت پیدا کر لیتا ہے لہذا صورت جس طرح شئے کے باطن سے محروم ہے اسی طرح وہ شے کے ظاہر سے بھی محروم ہے پس لازمی طور پر اس صورت کا علم اس شے کے علم کے ساتھ جیسا کہ وہ ہے لازم نہیں آتا۔

——— مختصر یہ کہ "معلوم" حقیقت میں وہ ہے جو ذہن میں کائن (موجود) ہو، اور چونکہ ذہن میں کائن کی صورت ہے تو معلوم بھی وہی صورت ہوگی، اور جب صورت کو شے کے ساتھ تغایر (فرق) کی نسبت پیدا ہو گئی تو صورت کا علم نفسِ شے کے علم کو جیسا کہ وہ ہے لازم نہ ہوگا۔

علم حضوری اور علم حصولی کا فرق

وہ علمِ حضوری ہی ہے جہاں نفسِ شے قوتِ مدرکہ کے نزدیک موجود ہے اور کوئی ظل و صورت اس کے درمیان حائل نہیں ہے، لہذا اس علم میں "معلوم" نفسِ شے ہوئی، نہ کہ اس شے کی صورتوں میں سے کوئی صورت، پس علمِ حضوری اشرف ہوا بلکہ علم ہی یہی ہے اور بس۔ اور اس علم کے علاوہ جو کہ علمِ حصولی ہے وہ جہل ہے جس نے علم کی صورت میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے، یہ جہل مرکب ہے کہ اپنے جہل کو علم جانتے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ کچھ نہیں جانتے۔ لہذا علمِ حصولی کو واجب تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کے ساتھ کوئی راہ نہیں ہے اور واجب تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات اس علم کے ذریعے معلوم نہیں ہو سکتیں کیونکہ یہ علم حقیقت میں معلوم کی صورت کا علم ہے نہ کہ نفسِ معلوم کا علم، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

اور صورت کو حضرت جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں کوئی راہ نہیں ہے تاکہ صورت کے علم کو اصل صورت کا علم کہا جائے۔ اگرچہ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ حق جل سلطانہٗ کی کوئی مثل نہیں البتہ مثال ہے۔ لیکن یہ صورتِ مثالی اگر ثابت ہو جائے تو وہ ذہنی صورت کے علاوہ ہے جو کہ علم سے تعلق رکھتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ عالمِ مثال میں جو کہ مخلوقات میں وسیع تر ہے صورت موجود ہو اور ذہن میں ثابت نہ ہو۔ حدیث قدسی لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ[1] (نہ میری زمین میری وسعت رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان لیکن میرے مومن بندہ کا دل میری وسعت رکھتا ہے)۔ یہ (حدیث) بندۂ مومن کے قلب کے ساتھ مخصوص ہے جس کا معاملہ تمام لوگوں سے جدا ہے کیونکہ وہ فنا و بقا سے مشرف ہو گیا ہے اور حصول سے آزاد ہو کر حضور کے ساتھ پیوستہ ہو گیا ہے۔ وہاں (قلبِ مومن میں) اگر کوئی گنجائش ہے تو وہ حضور کے اعتبار سے ہے نہ کہ حصول کے اعتبار سے۔ ع

در کدام آئینہ در آید او (ترجمہ) کونسے آئینے میں آئے گا وہ

جاننا چاہئے کہ علمِ حضوری میں عالم و معلوم کا اتحاد ہے لہذا اس علم کا زوال اس عالم سے جائز نہیں ہے کیونکہ معلوم اس کا اپنا نفس ہے جو اس سے جدا نہیں ہے بلکہ وہاں علم ہی عین عالم ہے اور عین معلوم ہے لہذا اس مقام میں انفکاک (علیحدگی) کی کیا گنجائش ہے۔

جاننا چاہئے کہ علمِ حضوری میں جبکہ معلوم نفسِ شے ہے نہ کہ اس کی صورت، تو لازمی طور پر "معلوم" جیسا کہ وہ ہے منکشف ہو جاتا ہے اور کماحقہٗ علم میں آجاتا ہے اور اس کی کُنہ و حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ کسی شے کی کُنہ سے مراد نفسِ شے ہے اور جب تمام وجوہ و اعتبارات ساقط ہو گئے اور نفسِ ذات باقی رہ گیا جو مدرکہ میں حاضر ہے تو اس کی کُنہ معلوم ہو گئی بخلاف علمِ حصولی کے کہ وہاں معلوم کسی شے کے وجوہ و اعتبارات ہیں جو شے کی صورتیں اور مثال ہیں نہ کہ نفسِ شے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ——— لہذا وہاں معلوم شے کی کنہ نہ ہوگی اور شے کنہ کے ساتھ معلوم نہ ہوگی ——— خلاصۂ کلام یہ کہ علمِ حصولی میں شے کا انکشاف بھی ہے اور شے کا ادراک بھی۔ اور علمِ حضوری میں شے کا انکشاف تو ہے لیکن شے کا ادراک نہیں ہے لہذا معلوم کی کنہ تو منکشف ہو جاتی ہے لیکن مدرک نہیں ہوتی۔

[1] اس حدیث کی تخریج و تشریح دفتر اول مکتوب ۷۰ پر گذر چکی ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جب واجب جل سلطانہٗ کی ذات کی نسبت علمِ حضوری ثابت ہو گیا جیسا کہ بیان کیا گیا تو لازم آتا ہے کہ واجب جل سلطانہٗ کی ذات کی کنہ منکشف ہو جائے اور واجب تعالیٰ کی ذات جیسی کہ وہ ہے معلوم ہو جائے۔ اور یہ بات علماء کے مقررہ اصول کے خلاف ہے ۔۔ تو ہم کہتے ہیں کہ علمِ حضوری جس نے واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا ہے وہ رویت کی مانند ہے جس کو واجب تعالیٰ کی نسبت ثابت کرتے ہیں وہاں انکشاف تو ہے لیکن درک مفقود ہے چنانچہ اس علم میں بھی انکشاف تو ہوتا ہے اور درک مفقود ہوتا ہے۔ اور جب واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ رویت کا تعلق ہو سکتا ہے تو علم کا تعلق کیوں نہیں ہو سکتا جو کہ رویت سے زیادہ لطیف ہے۔ محذور اور اعتراض ادراک میں ہے جس سے احاطہ لازم آتا ہے نہ کہ انکشاف میں۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (انعام آیت ۱۰۳) (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) فرمایا ہے۔ لَا تَرَاهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کو دیکھ نہیں سکتیں) یہ نہیں فرمایا۔

سوال: جب درک حاصل نہ ہوگا تو انکشاف کس کام آئے گا؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ انکشاف سے مقصود دیکھنے والے کا لذت حاصل کرنا ہے جو اس کو حاصل ہے، درک ہو یا نہ ہو۔

سوال: ادراک کے بغیر انکشاف سے کس طرح لذت حاصل ہو سکتی ہے؟

جواب: لذت حاصل کرنے میں انکشاف کا علم کافی ہے ادراک ہو یا نہ ہو، یا ہم کہتے ہیں کہ اس مقام میں ادراک بھی حاصل ہے لیکن وہ مجہول الکیفیت ہے (یعنی اس کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی)۔ اور وہ درک جو منفی ہے اس کو اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانتا ہے۔ درک وہ ہے جس کی کیفیت علم میں آجائے اور معلوم کا احاطہ کر لے، وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (طٰہٰ آیت ۱۱۰) (اور وہ اپنے علم کے ذریعے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے) (نص قاطع ہے) جو علمِ حصولی کے مناسب ہے، اگر درک علمِ حضوری میں نہ ہوگا تو علمِ حصولی میں کہاں سے آجائے گا کیونکہ جو کچھ ظل میں ہے وہ اصل کے مرتبہ سے مستفاد ہے لیکن درک اصل میں مجہول الکیفیت ہے اور ظل میں معلوم الکیفیت ہے

☆ ☆

درک و انکشاف کا فرق

جناب حضرت میر محمد نعمانؒ کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ وہ علمِ حضوری جو عارف کو (صحیح معنوں میں) اپنے آپ سے ہوتا ہے وہی حق تعالیٰ کے ساتھ بھی تعلق قائم کر لیتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) —— جاننا چاہئے کہ علمِ حصولی کی نسبت آفاق (باہر کی چیزوں کے علم) سے متعلق ہے، اور علمِ حضوری کی نسبت انفس (اپنی ذات کے علم) سے متعلق۔ اور جب حق تعالیٰ کی اقربیت (نہایت درجہ قرب) کا معاملہ کامل المعرفۃ عارف پر ظاہر ہوتا ہے اور (عارف) اس مقامِ عالی کے ساتھ مزین ہو جاتا ہے تو یہ انفس اس کے حق میں آفاق کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور اس کا علمِ حضوری علمِ حصولی سے بدل جاتا ہے اس وقت اس سبحانہٗ کی اقربیت اس کے لئے انفس کا حکم پیدا کر لیتی ہے اور وہ علمِ حضوری جو پہلے انفس سے متعلق تھا اقربیت کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو عین واجب تعالیٰ سمجھنے لگے اور وہ علم جو اس کے نفس سے متعلق ہے بعینہٖ اس کو واجب سبحانہٗ سے متعلق خیال کرے (ایسا ہرگز نہیں ہے)۔ یہ تو خود توحید کا معاملہ اور مقام ہے اور مقاماتِ قرب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ قرب کی انتہا (ایک طرح کا) اتحاد ہے اور اقربیت دوسری چیز ہے اور اس کا معاملہ بھی دوسرا ہے۔ اتحاد (شہودی کیفیت) سے گذر جانا چاہئے، اور اثنینیت (دوئی) کے مقام میں آ جانا چاہئے تاکہ اقربیت متصور ہو سکے۔ کوئی بے سمجھ لفظِ "اثنینیت" سے وہم میں نہ پڑ جائے اور اتحاد کو اس سے فوق نہ جانے کیونکہ وہ دوئی جو اتحاد سے کمتر ہے وہ عوام کالانعام کا مقام ہے، اور یہ اثنینیت (دوئی جس کا بیان ہو رہا ہے) مقامِ اتحاد پر ہزارہا درجہ فضیلت رکھتی ہے جو انبیاءِ کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا مقام ہے۔ جس طرح وہ صحو (ہوش) جو سُکر (مستی) سے پہلے ہوتا ہے وہ عوام کا حال ہے اور وہ صحو جو سکر کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ خواص کا بلکہ اخص الخواص کا مقام ہے، اسی طرح اسلام جو کفرِ طریقت سے پیشتر ہے وہ وہ عوام مسلمانوں کا اسلام ہے اور جو اسلام کفرِ طریقت کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ اخص الخواص کا

حاشیہ: علمِ حصولی اور علمِ حضوری کا بیان — قرب و اقربیت کا بیان

سلہ آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گذر چکا۔

اسلام ہے ـــــــ (اس مقامِ اقربیت کا بھی) عجیب معاملہ ہے کہ عارف اگرچہ اپنے آپ کو واجب تعالیٰ نہیں جانتا لیکن اس کا علمِ حضوری جس کا تعلق عارف کے اپنے نفس سے ہے واجب تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتا ہے اور عارف کے اپنے نفس کا علمِ حضوری علمِ حصولی ہو جاتا ہے

ع در عشق چنیں بو العجبیہا باشد

عقلمند کی عقل اس باریکی کا سراغ نہیں لگا سکتی بلکہ (نارسائی کی وجہ سے) اس کو جمع ضدین کی طرف راجع کر دیتی ہے۔ ایک عارف کہتا ہے: عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ (میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع ہونے سے پہچانا) رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّ ھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۸) (اے ہمارے رب ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

قاضی نصر اللہ[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ علماء راسخین اور اربابِ ظاہر کے اس استدلال کے فرق میں جو اثر سے مؤثر پر کرتے ہیں۔

علماءِ راسخین اور اربابِ ظواہر کے استدلال میں فرق

اثر سے مؤثر پر اور مخلوق سے خالق جل سلطانہٗ پر استدلال کرنا علماءِ ظواہر کا بھی کام ہے اور علماءِ راسخین کا بھی جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے کامل وارث ہیں۔ علماءِ ظواہر وجودِ مخلوق کے علم سے وجودِ خالق کا علم معلوم کرتے ہیں اور اثر کے وجود کو مؤثر کے وجود پر دلیل بنا کر مؤثر کے وجود کا ایمان و یقین حاصل کرتے ہیں۔ اور علماءِ راسخین بھی جنھوں نے ولایت کے درجات کمالات طے کر کے مقامِ دعوت پر جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا خاصہ ہے بالاصالت (براہِ راست) پہنچ جاتے ہیں وہ بھی تجلیات و مشاہدات کے حصول کے بعد اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کرتے ہیں اور اس راہ سے بھی مؤثرِ حقیقی پر ایمان حاصل کرتے ہیں، کیونکہ آخر کار انھوں نے بھی یہ جان لیا ہے کہ جو کچھ ان کو مشہود اور متجلی ہوا تھا وہ مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظل تھا جو نفی کے لائق اور عدمِ ایمان کا مستحق ہے، اور ان کو اس کا بھی یقین ہو گیا کہ بے چون کے ساتھ استدلال کے بغیر ایمان لانا اس دنیا میں میسر نہیں ہے لہٰذا مجبور ہو کر وہ استدلال

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور مطلوب کو ظلال کے پردوں کے بغیر طلب کرتے ہیں۔ اور چونکہ یہ بزرگوار جناب قدس کے ساتھ محبت کا رشتہ قوی رکھتے ہیں اور ماسوٰی کو مطلوب حقیقی کی محبت پر فدا کر چکے ہیں اس لئے لازمی طور پر اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے محبت کرتا ہے) کے بموجب استدلال کی راہ سے مطلوب حقیقی تک پہنچ جاتے ہیں اور تجلیات و ظہورات کے تنگ کوچوں سے جو ظلال سے گھرے ہوئے ہیں خلاصی حاصل کرکے اصل الاصل کے ساتھ پیوند ہو جاتے ہیں اور اس مقام میں کہ جس پر علمائے ظواہر کا علم پہنچا ہے یہ بزرگوار محبت کی آہنی خاردار زنجیر کو پھلانگ کر کشاں کشاں پہنچ جاتے ہیں اور اتصال بے چونی پیدا کر لیتے ہیں، یہ فرق راہِ محبت اور عدم محبت کی وجہ سے ہے، کیونکہ جو محب ہے وہ اپنے محبوب کے علاوہ دوسروں سے تعلق توڑ کر محبوب کے ساتھ مل جاتا ہے اور جو یہ محبت نہیں رکھتا وہ صرف علم پر کفایت کرتا ہے اور اس کو غنیمت جانتا ہے بلکہ جس مقام پر یہ بزرگوار خود پہنچ جاتے ہیں ان (علمائے ظواہر) کا علم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ چونکہ علم کی انتہا بشرطیکہ وہ صحیح ہو مطلوب کی دہلیز تک ہے اور وہ جو مطلوب سے واصل ہے وہ مطلوب کے ساتھ ہوتا ہے اور معیت کا ایسا کوئی دقیقہ باقی نہیں جو واصل کو نصیب نہ ہو۔ ایک بزرگ کہتے ہیں۔ ع

بندہ باحق ہمچو شیر و شکر ست (ترجمہ) بندہ ہوتا ہے حق سے شیر و شکر

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (نحل آیت ۶۰) (اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بلند و بالا مثال ہے) (ہم کو) بندہ بننا چاہیئے اور ماسوا کی بندگی سے آزاد ہو جانا چاہیئے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے)
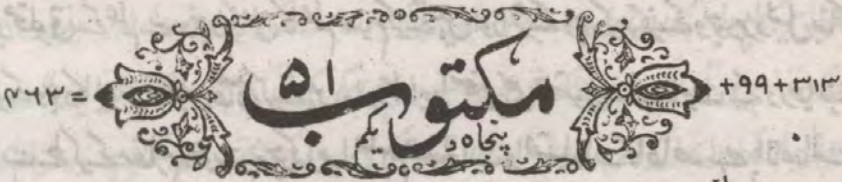
ملا شیر محمد لاہوریؒ کی طرف تصدیق قلب اور یقینِ قلب کے درمیان فرق کے بارے میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی: سوال: بعض محقق متکلمین جو "مومن بہ" (جس پر ایمان لایا جائے) کے ساتھ دل کے گرویدہ ہونے کو ایمان کی حقیقت کہتے ہیں اس کے کیا معنی ہیں، اور گرویدہ ہونے سے "مومن بہ" کی نفسِ تصدیق اور یقینِ قلب مراد ہے یا "مصدق بہ" (جس کی تصدیق کی جائے)

ؒ آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

کی نفسِ تصدیق اور دل کے یقین کے علاوہ کوئی امر زائد ہے؟

تصدیق قلبی اور یقین قلب کے درمیان فرق

جواب: دل کا گرویدہ ہونا دل کے یقین کے علاوہ ہے اگرچہ یہ تصدیق کے ماوراء نہیں ہے لیکن اس یقین پر متفرع (زائد) ہے۔ یقین حاصل ہونے کے بعد دل دو حالتوں سے خالی نہیں رہے گا، یا تو "مومن بہ" (جس پر ایمان لایا ہے) کو تسلیم کرنا اور اس کی فرمانبرداری کرنا ہوگا یا اس کا جحود (دانستہ انکار) انکار ہوگا۔ اور مومن بہ کے ساتھ تسلیم وانقیاد حاصل ہونے کی علامت رضائے قلب اور انشراحِ صدر ہے اور مصدق بہ کے ساتھ جحود وانکار کی علامت قلب کی کراہیت اور سینے کی تنگی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (انعام آیت ۱۲۵) (پس جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو اسلام (کی اطاعت) کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کے لئے گمراہی کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے (اور وہ ایسی باتیں کرتا ہے) گویا کہ وہ آسمان میں چڑھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو گندگی میں ڈال دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے)۔

اور خاص طور پر قلب کو مومن بہ کے ساتھ تصدیق ویقین کے بعد تسلیم وانقیاد کا حاصل ہونا محض اللہ جل شانہٗ کی بخشش پر ہے اور اس تعالیٰ کے لامتناہی کرم پر موقوف ہے اسی وجہ سے ایمان کو موہبتِ الٰہی کہتے ہیں۔ اور مصدق بہ کے ساتھ تصدیق ویقین حاصل ہونے کے بعد جحود وانکار کا باعث نفسِ امارہ کی ردی صفات کا راسخ اور مضبوط ہونا ہے کیونکہ وہ جاہ وعزت اور اپنی ریاست کی جبلت پر پیدا ہوا ہے اور دوسرے کی متابعت اور تقلید کے قبول نہ کرنے پر مخلوق ہے اور چاہتا ہے کہ سب اس کی تصدیق کریں اور اس کے گرویدہ رہیں اور وہ کسی کی تقلید اور پیروی نہ کرے اور کسی ایک کی بھی تسلیم وانقیاد نہ کرے: وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (نحل آیت ۳۳) (اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) ـــــــ اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کو محض اپنے فضل وکرم سے اس مرضِ جبلی سے نکال کر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جو کہ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہیں ان کی تسلیم وانقیاد اور تقلید سے مشرف فرمایا اور جنتِ نعیم کا وعدہ کیا جو اس تعالیٰ کی خوشنودی کا مقام ہے۔ اور ایک گروہ کو اسی کے حال پر چھوڑ دیا اور جبراً وقہراً ان کو رذائلِ طبعی سے نہ نکالا اور اس دولت کی طرف ہدایت کی توفیق نہ دی لیکن پیغمبروں کو بھیج کر

اور کتابوں کو نازل فرما کر صراطِ مستقیم کو بیان کر دیا ہے، اور تصدیق و فرمانبرداری کرنے والوں کو بڑی بڑی بشارتیں دیں اور جھٹلانے والوں اور گنہگاروں کو خوف دلایا اور دونوں فریقوں پر حجت واضح فرما دی۔

۳۱۳ + ۹۹ = ۴۶۴

مکتوب ۵۲ پنجاہ و دوم

فقیر محمد ہاشم کشمیؒ (جامع دفتر ہذا) کی طرف قلب و نفس کی فنا میں اور علم حصولی و حضوری کے زوال میں صادر فرمایا۔

حق سبحانہٗ کے "ماسوا" کو بھول جانے کا نام "فنا" ہے، اور "ماسوٰی" کی دو قسمیں ہیں: آفاق و انفس۔ اور آفاق کا نسیان (یعنی) آفاق کی نسبت علم حصولی کا زوال مراد ہے۔ اور انفس کا نسیان (یعنی) انفس کی نسبت علم حضوری کا زوال مراد ہے، کیونکہ علم حصولی کا تعلق آفاق سے ہے اور علم حضوری کا تعلق انفس سے۔ اگرچہ اشیاء کے علم حصولی کا مطلق طور پر زوال دشوار ہے کیونکہ وہ اولیاء کا حصہ ہے، اور علم حضوری کا مطلقاً زوال تو بہت ہی زیادہ دشوار ہے کیونکہ یہ کاملین اولیا میں سے اکمل اولیا کو حاصل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کا جائز ہونا بلکہ تصور بھی اکثر عقلا کے نزدیک محال ہو، اور "معلوم" کا جاننے والے کے لئے عدم حضور باطل سمجھیں، کیونکہ ان کے نزدیک حضورِ شے نفسِ شے کے لئے ضروری ہے۔ لہذا علم حضوری کا زوال ان کے نزدیک اگرچہ ایک لمحہ کے لئے ہی ہو جائز نہیں ہے، چہ جائے کہ اس علم کا مطلق طور پر اس طرح زوال ہو جائے کہ پھر کبھی عود نہ کر سکے کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔

سوٰی کی قسمیں اور حقیقت فنا

اور نسیانِ اول جو علم حصولی سے متعلق ہے اور فنائے قلب سے تعلق رکھتا ہے۔ اور نسیانِ ثانی جو علم حضوری سے متعلق ہے اور وہ فنائے نفس کو متلزم ہے جو اتم و اکمل ہے اور حقیقتِ فنا اسی مقام میں ہے، اور فنائے اول خاص طور پر اس فنا کے لئے ظاہری صورت کے مانند ہے جو اس کا ظل ہے کیونکہ علم حصولی حقیقت میں علم حضوری کا ظل ہے۔ لہذا لازمی طور پر اس ظل کی فنا اس کی فنا ہو گی، اور اس فنا کے حصول کے ساتھ نفس اطمینان کے مقام میں

---

[1] آپ کے نام ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ پر ملاحظہ ہو۔

آجاتا ہے اور حق جل و علا سے راضی و مرضی ہو جاتا ہے اور بقا و رجوع کے بعد تکمیل و ارشاد کا معاملہ اس سے متعلق ہوتا ہے اور اس کو عناصر اربعہ جو ارکانِ بدن ہیں کی مختلف طبیعتوں کے ساتھ جہاد و غزا میسر ہو جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک اس معاملہ میں کسی نہ کسی امر کا تقاضا کرتا ہے اور اشیا میں سے کسی شے کی خواہش ظاہر کرتا ہے، بدن کے لطائف میں سے کسی کو بھی یہ دولت میسر نہیں ہے، یہ نفس ہی ہے جو شیطانی انانیت کو جو کہ ناری عنصر سے پیدا شدہ ہے اپنی سیاست سے اصلاح پذیر کرتا ہے، اور شہوانی اور غضبی قوتوں اور تمام اوصافِ رذیلہ کو جس میں باقی تمام حیوانات اور چوپائے شریک ہیں اپنی حسنِ تربیت سے اعتدال پر لاتا ہے ــــ

سبحان اللہ (کلمۂ تعجب) وہ لطیفہ جو بدترین لطائف تھا ان سب سے بہترین ہو گیا جیسا کہ رسول اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا (رواہ مسلم) (زمانۂ جاہلیت میں جو تم میں سے بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں جبکہ (دین کو) سمجھ جائیں)

تنبیہ: قلب سے ماسوا کے نسیان کی علامت، قلب میں ماسوا کے خطرات کا نہ آنا ہے اس طرح کہ اگر بہ تکلف ان خطراتِ ماسوا کو یاد دلایا جائے تو بھی یاد نہ آئیں بلکہ قلب ان کو قبول نہ کرے۔ اور نفسِ عالم کے متعلق علمِ حضوری کے زوال کی علامت یہ ہے کہ عالم اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے بالکل منتفی (نیست و نابود) ہو جائے تا کہ علم اور معلوم کا زوال اس سے متصور ہو، کیونکہ اس مقام میں علم اور معلوم نفسِ عالم ہے اور جب تک نفسِ عالم زوال پذیر نہ ہو جائے علم و معلوم کی نفی نہیں ہوتی اور فنا اول فنائے آفاق ہے اور فنائے ثانی فنائے انفس ہے جو فنا کی حقیقت ہے۔

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم[1] مدظلہ کی جانب وجودی اور شہودی طور پر عین و اثر کے زوال کے بیان میں صادر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (دھر آیت ۱) (کیا انسان پر وہ وقت نہیں آیا جب وہ قابلِ ذکر شے نہ تھا

[1] آپ کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر درج ہے۔

عین و اثر کے زوال کا مطلب

ہاں اے میرے پروردگار! یقیناً انسان پر ایک زمانہ ایسا بھی آیا ہے کہ جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا، نہ اس کا عین (ذات) تھا نہ اثر (صفت)، نہ شہود تھا نہ وجود۔ اس کے بعد جب تونے چاہا تو تونے اپنی زندگی سے زندہ اور اپنی بقا سے باقی اور اپنے اخلاق سے متخلق کیا، بلکہ تیرے ہی فضل سے عین فنا میں باقی اور عین بقا میں تجھ میں فانی ہوا، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا کمال حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کا وجود لازم ہے۔ اس کی مثال اس انسان کی سی ہے جس کو نمک کی کان میں ڈال دیا جائے یہانتک کہ وہ آہستہ آہستہ نمک کے احکام کے ساتھ متصف ہو جائے اور تمام کا تمام نمک بن جائے، پھر نہ اس کا عین باقی رہے نہ اثر۔ اس وقت اس کا قتل کرنا اور توڑنا مباح ہے اور اس کا کھانا اور خرید و فروخت کرنا حلال و جائز ہے۔ اگر اس میں اس کا عین یا اثر باقی ہو تو ان میں سے کوئی چیز بھی جائز نہ ہوگی۔ کسی نے کیا خوب فارسی شعر میں کہا ہے ؎

سگے کاندر نمک زار او فتد گم گردد اندر وے　　　　من ایں دریائے پر شور از نمک کمتر نمی دانم

(ترجمہ) کانِ نمک میں کُتّا گر کر نمک بنتے ہے　　　　میرے لئے یہ دریا کمتر نہیں نمک سے

اگر کوئی سوال کرے کہ تم نے اپنے مکتوبات و رسائل میں خود تحریر کیا ہے کہ عین و اثر کا زوال صرف شہودی طور پر ہوتا نہ کہ وجودی طور پر کیونکہ اس سے الحاد و زندقہ لازم آتا ہے اور دوئی کو جو عبودیت اور ربوبیت کے درمیان ثابت ہے اس کا دور ہونا لازم آتا ہے، تو پھر یہاں وجودی طور پر عین و اثر کے زائل ہو جانے کے کیا معنی ہیں؟ ——— (جواب) ہم کہتے ہیں کہ دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کا اس طرح پر رنگین ہو جانا کہ ان میں سے ایک چیز اپنے احکام سے جدا ہو کر دوسرے کے احکام سے رنگین ہو جائے تو ان دونوں چیزوں سے دوئی کا اٹھ جانا واجب نہیں ہوتا جس سے الحاد و زندقہ بن جائے۔ کیونکہ وہ انسان جو نمک کی کان میں پھینک دیا گیا ہو وہ نمک کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ اس کی دوئی زائل ہوتی ہے بلکہ اس کو نمک کی ہمسائیگی اور غلبہ کی وجہ سے اپنے نفس اور اپنی صفات سے فنا حاصل ہو گئی ہے اور دوئی کی بقا کے باوجود اس کو نمک اور اس کے احکام سے بقا حاصل ہوئی ہے ——— خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ دوئی اس اصل کی مانند ہے جو اصل کے تابع سایہ کی طرح دوئی ہوتی ہے جس کو کچھ استقلال نہیں لیکن عوام کی نظر میں اس زائل ہو جانے والی دوئی کے لئے ایک قسم کا استقلال نظر آتا ہے حالانکہ دوئی تو اس کے بعد بھی باقی ہے پھر اس میں الحاد و زندقہ کہاں رہا۔

اور یہ جو ہم نے اپنے مکتوبات و رسائل میں وجودی زوال سے منع کیا ہے وہ عوام کے قصورِ فہم پر محمول ہے کیونکہ عوام اس زوالِ وجودی سے دوئی کا دُور ہو جانا سمجھ کر الحاد و زندقہ میں پڑ جاتے ہیں — تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ ان ظالموں کی باتوں سے بلند و برتر ہے)

باقی رہی وہ صورت جو انسان کے حکمی طور پر نمک ہو جانے کے بعد باقی رہتی ہے تو وہ درحقیقت نمک کی صورت ہے کہ جس نے اپنے رنگ سے اس انسان کو رنگ دیا ہے نہ کہ انسان کی صورت۔ مگر اس قدر کہ اس حکمی نمک کو انسان کی صورت پر قیاس کیا جائے اور اس کی صورت پر تصور کریں نہ یہ کہ انسان کی صورت باقی ہے جس کی وجہ سے اس کا اثر باقی رہ گیا ہے۔

تنبیہ: شے کا زوال اس نمک میں جس کو انسان کی صورت پر قیاس کیا گیا ہے اس سے صورت کا زوال ممکن ہے بلکہ واقع ہے، لیکن جس چیز کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ ایسا نہیں ہے: فَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (پس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اعلیٰ مثال ہے)۔ لہٰذا وہ سبحانہٗ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہو سکتی ہے، اور نہ وہ اشیاء سے متصل ہے اور نہ وہ اشیاء سے منفصل، اور نہ اشیاء اس سبحانہٗ سے متصل ہیں اور نہ اس سے منفصل، اور وہ سبحانہٗ ایسا منزہ ہے جو موجودات کے حوادث سے اپنی ذات میں متغیر نہیں ہوتا اور نہ اپنی صفات میں نہ اسماء میں۔ پس وہ سبحانہٗ اب بھی اسی طرح اپنی خالص تنزیہ و تقدیس پر ہے جس طرح کہ پہلے تھا۔ اور وہ سبحانہٗ عالم سے قریب ہے لیکن اس قرب و معیت کی کیفیت مجہول ہے جس کو ہم نہیں جان سکتے۔ اور یہ قرب اس طرح کا قرب نہیں ہے جو جسم کو جسم کے ساتھ ہوتا ہے یا جسم کو عرض کے ساتھ ہو —— مختصر یہ کہ امکان کی تمام صفات اور حدوث کی تمام نشانیاں اس سبحانہٗ کی جناب سے مسلوب ہیں، اور اس سبحانہٗ کے قرب میں اولیاء کا عروج ان کے بندہ ہونے میں کوئی اضافہ نہیں کرتا، اور اصفیا کا (حق سبحانہٗ کے ساتھ) واصل ہونے سے اس تعالیٰ کے ساتھ اتصال نہیں ہوتا۔ اور فنا و بقا عارفوں کے احوال ہیں لیکن وہ نہیں جو عقلا (فلاسفہ) سمجھے ہوئے ہیں، اور عین و اثر کے زوال کے معنی کو بھی وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کو فہم عطا کی گئی ہو۔ جیسا کہ اس کی تحقیق ابھی کی جائے گی۔

پس (اے فرزند) اس جماعت (صوفیہ) کے کلام کو حسنِ ظن اور قبول کے ساتھ سننا چاہیئے اور اس کی ظاہری دلیلوں اور اس کے مطابقی معنوں پر اس سے عبور نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے

کہ اس میں فحش قسم کی غلطی ہو جاتی ہے جس سے انسان خود بھی گمراہ ہو جاتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اور اللہ سبحانہ ہی نیکی کا الہام کرنے والا اور توفیق دینے والا ہے)۔

(سوال) اگر کوئی کہے کہ تم نے انسان کے عین و اثر کے زوال کو جائز رکھا ہے تو پھر اس بارے میں کیا کہیں گے جو کہ قرآن مجید میں خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی شان میں آیا ہے: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (کہف آیت ۱۱۰) (آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے) ——— اور حدیث نبوی علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ (متفق علیہ) (میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں مجھے بھی اسی طرح غصہ آتا ہے جس طرح دوسرے لوگ غصہ کرتے ہیں) یہ امر بشریت کا اثر باقی رہنے کا نتیجہ ہے۔

(جواب) ہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے اور نہ ہی اس میں اثر کے باقی رہنے پر کوئی دلیل پائی جاتی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ جب "انسانِ کامل" کو فنا و بقا کے بعد حق سبحانہ کی طرف سے مخلوق کو (دینِ اسلام کی) دعوت دینے کے لئے دنیا میں بھیجا جاتا ہے تو اس میں بشری صفات اور انسانی خصائصِ زائلہ جو مغلوب اور کمزور ہو گئی تھیں پھر اس کی طرف رجوع کر آتی ہیں تاکہ اس کے اور عالم کے درمیان وہ مناسبت جو پہلے زائل ہو گئی تھی از سرِ نو پیدا ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ اس مناسبت کے ذریعے انسان کے اور عالم کے درمیان فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا دروازہ کھول دے۔

ان بشری صفات کو زوال کے بعد پھر واپس کرنے اور اس (انسانِ کامل) کے ساتھ ملحق کرنے میں دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ مکلفین کا امتحان اور مدعوین (دعوت دیئے والوں) کی آزمائش ہو جائے تاکہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے جدا کر دے اور جھٹلانے والے تصدیق کرنے والوں سے الگ ہو جائیں۔ نیز ان صفات کے رجوع کرنے سے ایمان بالغیب جو پہلے مشتبہ اور پوشیدہ تھا حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ (انعام آیت ۹) (اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو اس کو بھی انسان ہی کی صورت میں بناتے پھر بھی یہ لوگ اسی (شبہ) میں رہتے جس میں اب ہیں)۔

(سوال) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انسانِ کامل سے عین و اثر کے زوال کا کیا مطلب ہے جبکہ حال یہ ہے کہ اس کا ظاہر دائمی طور پر صفاتِ بشری پر قائم ہے یعنی کھاتا ہے پیتا ہے

اور سوتا ہے اور آرام کرتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شان میں فرمایا ہے: وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (انبیاء آیت ۸ ۲۱) (اور ہم نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے جو کھانا نہ کھائیں) ـــــــ (جواب) فنا اور بقا کا تعلق صفات باطنی سے ہے ظاہر سے ان کا کوئی تعلق نہیں، کیونکہ ظاہر ہمیشہ اپنے احکام پر قائم رہتا ہے اور باطن کبھی ان احکام سے جدا ہو جاتا ہے اور کبھی ان سے متلبس ہو جاتا ہے۔

(سوال) اگر کہا جائے کہ باطن کے لطائف بکثرت ہیں کیا وہ سب کے سب فنا و بقا کے ساتھ متحقق ہیں یا بعض، پھر وہ بعض کون سے ہیں؟ ـــــــ (جواب) ہم کہتے ہیں کہ وہ لطیفہ جو ان (فنا و بقا) سے متحقق ہوتا ہے وہ لطیفۂ نفس ہے جو اصل میں انسان کی حقیقت ہے جس کی طرف قول "انا" سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ پس یہی (نفسِ امارہ) ابتدا میں برائی کی طرف بلانے والا اور آخر میں مطمئنہ ہو جاتا ہے (اسی طرح) ابتدا میں وہ حق جل شانہٗ کی دشمنی پر قائم ہوتا ہے اور انتہا میں حق تعالیٰ سے راضی و مرضی ہو جاتا ہے اور یہی بُروں میں سب سے بُرا اور نیکوں میں سب سے زیادہ نیک ہے، اس کی شرارت ابلیس کی شرارت پر سبقت لے گئی اور اس کی نیکی اہلِ تسبیح و تقدیس (ملائکہ) کی نیکی سے بھی بڑھ گئی۔

تنبیہ: فنا اور زوال کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وجود زائل ہو جائے اور نہ ہی بقا باللہ کے یہ معنی ہیں کہ ممکن سے امکان بالکل دور ہو جائے اور اس کو وجوب حاصل ہو جائے کیونکہ یہ امر عقلاً محال ہے اور اس کا قائل ہونا کفر ہے بلکہ اس کے معنی امکان کے باقی رہنے کے باوجود خَلْعٌ و لُبْسٌ کے ہیں (یعنی صفاتِ بشری سے نکلنا اور صفاتِ الٰہی سے موصوف ہونا ہے) ـــــــ اربابِ معقول (فلاسفہ) نے بھی عناصر میں کون و فساد کے طریق پر اس بات کو (یعنی امکان کی بقا کو کشیدن و پوشیدن کے رنگ میں) ثابت کیا ہے مگر انھوں نے صورتِ نوعیہ کے تغیر و تبدل کے باوجود دونوں حال (کون و فساد) میں عناصر کے مادہ کو ثابت رکھا ہے لیکن ہم ہیولیٰ کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہم اس کے ثبوت کے قائل ہیں۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فنا و بقا قادر مختار جل شانہٗ کی طرف سے اعدام اور ایجاد ہے، چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے لَنْ يَّلِجَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ مَنْ لَّمْ يُوْلَدْ مَرَّتَيْنِ (جو شخص دو مرتبہ پیدا نہ ہو وہ آسمانی ملکوت میں داخل نہ ہوگا) اس خبر میں ولادتِ ثانیہ سے ایجادِ ثانی کی طرف اشارہ ہے ـــــــ اور وہ جو بقا باللہ کہتے ہیں تو یہ صفاتِ رذیلہ کے زوال کی وجہ اور اخلاقِ حمیدہ کے حاصل ہونے کے باعث مجاز اور تشبیہ کے طور پر

کہتے ہیں۔ گویا وہ حق تعالیٰ و تقدس کی صفات میں مجاز اور تشبیہ کے طور پر ہیں۔ اور ہم نے مختلف مقامات پر اس کی تحقیق و تشریح کی کہ یقیناً ممکن کی ذات یہی عدم ہے پس اس کا زوال کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ ممکن اپنے تمام احوال میں ممکن ہے خواہ وہ حال فنا کا ہو یا بقا کا جیسا کہ اس سے پہلے یہ دونوں (فنا و بقا) اپنے عدم کے حال میں تھے ــــ اور واجب تعالیٰ استمراری اور دائمی طور پر واجب ہے کوئی شے اس کی جنابِ قدس کے ساتھ ملحق نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی چیز اس سے منفصل ہوسکتی ہے کسی نے فارسی شعر میں کیا خوب کہا ہے ؎

سیہ روئی ز ممکن در دو عالم جدا ہرگز نہ شد واللہ اعلم

(ترجمہ) سیہ روئی کہاں ممکن سے ہو دور دو عالم میں رہے ایسا ہی بے نور

یہ بات تم پر پوشیدہ نہ رہے کہ ممکن میں امکان باقی رہنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ ممکن کا اثر اور ثبوت کے مراتب میں سے کسی مرتبہ میں اس کا ثبوت باقی رہتا ہے کیونکہ یہ امر فنائے اتم کے منافی ہے اور اس فنا کے ساتھ فنا ہونے والا شخص امانتوں کو اس کے اہل کے حوالہ کر کے اور وجود اور اس کے تمام توابع یعنی صفاتِ کاملہ اور نُعُوتِ فاضلہ (فاضل تعریفیں) کے منعکس ہونے والے ظلال کو ان کے اصل کی طرف واپس کر کے عدم محض کے ساتھ جو اپنی عدمیت میں کامل ہے اس طرح ملحق ہو جاتا ہے کہ اس میں کسی چیز کی طرف اضافت اور نسبت نہیں پائی جاتی اور نہ کوئی اس میں اس کا نام و نشان باقی رہتا ہے کیونکہ عدم میں اضافت کا وجود کچھ نہ کچھ اس کے ثبوت کی خبر دیتا ہے۔ جیسا کہ تم نے پڑھا۔
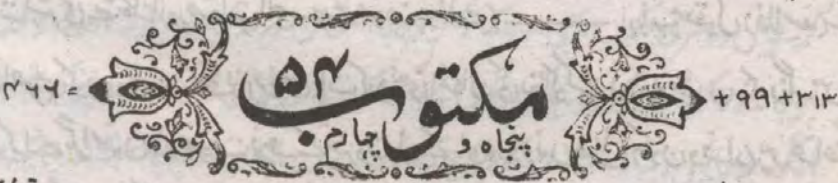
خان جہاں[1] کی طرف روشن شریعت کی اتباع میں اور دشمنانِ دین کے ساتھ جنگ کرنے میں صادر فرمایا۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ بطفیل اپنے نبی و آلہ الامجاد علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات آپ کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرما کر معزز و محترم رکھے ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند کس بمیداں در نمے آید سواراں راچہ شد

(ترجمہ) گیند توفیق و سعادت کی پڑی ہے سامنے کیوں نہیں میداں میں لینے کو اُسے آتا سوار

[1] آپ کے نام دو مکتوب ہیں۔ دوسرا دفتر دوم مکتوب ۶۷ ہے جہاں آپ کا تذکرہ بھی ہے۔

دنیائے فانی کی لذتیں اور نعمتیں اس وقت خوش گوار اور تحلیل (قابلِ ہضم) ہوتی ہیں جبکہ ان کے ضمن میں روشن شریعت کے تقاضوں کے مطابق عمل بھی کیا جائے تاکہ آخرت بھی ان کے ساتھ جمع ہوجائے ورنہ وہ (نعمتیں) زہرِ قاتل کا حکم رکھتی ہیں جن کو شکر میں لپیٹ دیا گیا ہو جس سے بے وقوفوں کو فریب اور دھوکہ دیا جا سکے۔ اگر اس زہر کا علاج حکیمِ مطلق کے تریاق سے نہ کیا جائے اور اس (زہر ملی) شیرینی کی تلافی شرعی اوامر و نواہی کی تلخی کے ساتھ نہ کی جائے تو بڑے افسوس کی بات ہے۔

مختصر یہ کہ تھوڑی سی کوشش اور تردد سے شریعت کے مطابق کہ جس کی بنیاد سہولت پر ہے ملکِ ابدی حاصل ہو جاتا ہے اور تھوڑی سی غفلت اور لاپروائی سے وہ دولتِ جاودانی ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ عقل دُور اندیش سے کام لینا چاہیئے اور نادان بچوں کی طرح جوز و مویز پر فریفتہ نہ ہونا چاہیئے۔

یہ خدمت جو آپ سے متعلق ہے اگر اس کو شریعتِ مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی بجا آوری کے ساتھ جمع کر دیں تو وہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جیسا کام ہوگا اور دینِ متین کو منور اور معمور کر دیں گے۔ ہم فقراء اگر سالہا سال اس عمل میں دل و جان سے کوشش کریں تو بھی آپ شہبازوں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے۔

آیتِ ع شریعت اور زمرگی اعدائے دین میں

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند	کس بمیداں در نمے آید سواراں راچہ شد
(ترجمہ) گیند توفیق و سعادت کی پڑی ہے سامنے	کیوں نہیں میداں میں لینے کو اُسے آتا سوار

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی (اے اللہ! تو ہم کو ان کاموں کی توفیق دے جن کو تو پسند کرتا اور راضی ہوتا ہے)

باقی مقصد یہ ہے کہ اس رقیمۂ دعا کے لے جانے والے فضائل مآب خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد اشرف ہیں جو خاص دوستوں میں سے ہیں جسقدر بھی آپ ان کے احوال کی رعایت کریں گے وہ فقراء پر احسان کا باعث ہوگا آپ کا معاملہ بہت اعلیٰ اور آپ کی شان بہت ارفع ہے۔

ممریز خاں[1] افغان کی طرف فقر سے غنا کی طرف رجوع کرنے کی برائی میں صادر فرمایا۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ ممریز خاں بن عیسیٰ خاں نیازی، خان جہاں کے ساتھیوں میں صاحب منصب تھا عہدِ شاہجہانی میں ۱۰۴۰ھ میں جب خانجہاں لودھی باغی ہو کر آگرہ سے دھولپور کی طرف بھاگا تو اس کے مصاحبین و معاونین نے شاہی دستے سے مقابلہ کیا جس میں بہت سے آدمی مارے گئے ان ہی میں ممریز خاں بھی تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی! برادرم میاں محمد رضا فقر کی تنگیوں سے بھاگ کر اغنیاء کے پاس اپنی التجا لے گئے اور ان کی لذتوں اور نعمتوں میں مشغول ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ نے اچھی طرح غور نہیں کیا۔ اگر اغنیاء کی صحبت میں رہ کر دنیاوی ترقی بہت زیادہ کر لیں تو "ہزاری" (منصب پر) ہو جائیں گے۔ (راجہ) مان سنگھ پنج ہزاری یا ہفت ہزاری تھا اس سے بلند نہیں ہو سکتے۔ اور اگر بالفرض مان سنگھ کے منصب پر بھی پہنچ گئے تو غور کیجئے کہ آپ نے کیا کام کیا اور کونسی بزرگی حاصل کر لی۔ کیا فقر کی حالت میں روٹی نہیں ملتی تھی؟ البتہ اب مرغن غذائیں کھا رہے ہو۔ وہ حالت بھی گذر گئی اور یہ حالت بھی گذر جائے گی لیکن تصور تو کیجئے کہ آپ کے ہاتھ سے کیا کچھ نکل گیا۔ اور جبتک زندگی ہے برابر نکلتا رہے گا اور زیادہ سے زیادہ مفلس ہوتے جائیں گے۔ اَلرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ (جو شخص اپنے نقصان پر راضی ہو وہ شفقت کے لائق نہیں)۔

اب جب آپ اس میں مبتلا ہو گئے ہیں تو کوشش کیجئے کہ طریق کی استقامت اور شریعت کا التزام ہاتھ سے نہ جائے اور باطنی شغل میں بھی فتور واقع نہ ہو۔ اگرچہ اس کو دنیا کے ساتھ جمع کرنا مشکل ہے کیونکہ یہ جمع ضدین ہے۔ بس اتنا ہے کہ جو وضع آپ نے اختیار کی ہے اور جس خدمت پر آپ مامور ہوئے ہیں اگر اس میں تصحیح نیت کر لیں تو جہاد میں داخل ہو کر نیک عمل بن جائے گا۔ لیکن یہ تصحیح نیت بہت مشکل کام ہے۔ آج یہ خدمت ہے جو فی الجملہ اچھی ہے۔ شاید کل کو کوئی دوسری خدمت دیدی جائے جو عین وبال ہو۔ غرضکہ یہ کام مشکل ہے۔ ہوشیار رہیں۔ خبردار کرنا شرط ہے۔ والسلام

۲۶۸ = ۹۹ + ۲۱۳

مکتوب ۵۶
پنجاہ و ششم

حضرت مجددؒ کے پیرزادہ خواجہ محمد عبد اللہ اور خواجہ جمال الدین حسین[2] ولد خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صحبت گذشتہ کے ضائع ہو جانے پر افسوس اور نئے اسرار کی طرف اشارہ کرنے کے بیان میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور کانوں کی مسرت خواجہ محمد عبد اللہ

---

[1] آپ کے نام سات مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۲۶۶ پر تذکرہ ہے۔

[2] آپ کے نام چھ مکتوبات ہیں دفتر اول میں نمبر ۱۱۳-۱۶۷-۲۲۳- دفتر دوم میں نمبر ۴۳- دفتر سوم میں ۵۶-۸۱-

اور خواجہ جمال الدین حسین صوری و معنوی (ظاہری و باطنی) جمعیت کے ساتھ مزین و آراستہ رہیں ۔ آپ دونوں نے عجیب تغافل اور نامہربانی اختیار کر رکھی ہے کہ قرب و جوار میں رہنے کے باوجود سرہند نہیں آتے، اور نہ اس غریب کا حال دریافت کیا اور نہ دوستی کے حقوق بجا لائے ـــــ خواجہ محمد افضل کا کیا گلہ کروں وہ تو تم دونوں سے زیادہ دوستی کے معاملے میں بہت دور ہیں بلکہ ہماری دوستی سے ہراساں ہیں ۔ ـــــ اور میر منصور بیگ کے متعلق کیا کہوں کہ وہ ہمیشہ ملاقات کی آرزو ہی کرتے رہتے ہیں لیکن وہ آرزو قوت سے فعل میں نہیں آتی ـــــ فقہائے عظام کا قول ہے کہ اَلرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ (جو شخص اپنے ضرر پر راضی ہو وہ نظرِ کرم کا مستحق نہیں) ـــــ لشکر گاہ اگرچہ ظلمات کا ایک دریا ہے لیکن آبِ حیات اسی کے اندر ہے، یہی وجہ ہے کہ وہاں (لشکر میں) اللہ سبحانہ کی عنایت سے اگرچہ بطریق قلت ہی سہی مگر وہ گوہر حاصل ہوتا ہے جو دوسری جگہ اس میں سے تھوڑا سا بھی میسر ہو جائے تو غنیمت ہے۔ جس کسی سپاہی نے (بادشاہ کے نزدیک) قدر و قیمت حاصل کی ہے وہ دشمنوں کے غلبہ کے وقت میں کی ہے۔ اگرچہ سلامتی گوشۂ تنہائی میں ہے لیکن جہاد اور شہادت کی اعلیٰ دولت میدانِ جنگ ہی میں ہے۔ گوشۂ تنہائی اہلِ ستر (عورتوں) اور ضعیفوں کے لیے مناسب ہے حدیث شریف میں وارد ہے: اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ (طاقتور مومن ضعیف مومن سے بہتر ہے) اور طاقتور مردوں کا کام جنگ کرنا معرکۂ کبریٰ ہے ۔ قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلًا (بنی اسرائیل آیت ۸۴) (کہہ دیجئے کہ ہر شخص اپنے اپنے طریقے پر کام کرتا ہے پس تمہارا رب ہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جو زیادہ ہدایت یافتہ ہے) ـــــ چھٹی کی مدت ختم ہو جانے کے بعد جب لشکر گاہ کی طرف متوجہ ہوا تو فرزندی محمد سعید کو ضرورت کی وجہ سے گھر پر چھوڑ آیا اور جب فرزند کی مفارقت کے بعد فیوض و برکات اور علوم و معارف ظہور میں آئے تو ان کی جدائی سے پشیمان ہوا اور فرصت کو غنیمت جان کر ان کو اپنے پاس (لشکر میں) بلا لیا لیکن چھوٹے بڑے سب اس امید پر آ گئے کہ وہ بھی ان برکات سے مستفیض ہوں ۔

احباب سے گلہ

لشکر شاہی کی خوبیاں اور برکات

عجیب و غریب معاملہ ہے، گویا کہ ہم فرقۂ ملامتیہ میں سے ہیں یا زمرۂ قلندریہ میں سے، حالانکہ ہم ان دونوں فریقوں سے علیحدہ ہیں اور ہمارا کاروبار بھی ان سے الگ ہے۔ چنانچہ علوم جدیدہ میں سے کچھ ملاحظہ فرمائیں: ایک مکتوب (فرزند کا نمبر ۵۳) کا عنوان ہے: اللہ تبارک و تعالیٰ کا

کا ارشاد ہے: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا. ہاں اے رب واقعی انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آیا ہے جبکہ وہ کوئی قابلِ ذکر شے نہ تھا نہ دیکھے ہیں، نہ اثر ہیں، نہ شہود میں نہ وجود میں الیٰ آخرہٖ ——— اور آپ نے مکتوبات میں دیکھا ہے کہ ہیں نے زوالِ وجودی کو الحاد و زندقہ کی قسم سے شمار کیا ہے مگر یہاں اس عبارت کو لکھ کر اللہ سبحانہٗ کے کرم سے اس کا علاج کر دیا ہے۔ ع

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا (ترجمہ) مرے گلستاں سے میری بہار کو سمجھو

یہ تمام دولتیں ان واقعات کی برکات سے ہیں، اگر یہ واقعات نہ ہوتے تو یہ برکات بھی نہ ہوتیں ——
رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (تحریم آیۃ ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے نور کو کامل کر دے اور ہم کو بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

مولانا محمد مراد چونکہ ان حدود کی طرف جانے کا عزم رکھتے ہیں اس لئے یہ کلمے تحریر کر دیئے گئے انجام بخیر ہو۔

۴۶۹ = ۱۹۹ + ۳۱۳

مکتوب ۵۷ پنجاہ و ہفتم

مولانا حمید احمدی[1] کی طرف عالم کے حادث ہونے اور عقلِ فعال کے رد کے بیان میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ. اللہ تعالیٰ بذاتِ اقدس خود موجود ہے اور اس سبحانہٗ کی ہستی "بخودی خود" (اپنی خودی کے ساتھ) ہے۔ وہ تعالیٰ جیسا ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ عدمِ سابق اور عدمِ لاحق کو اس سبحانہٗ کی جنابِ قدس میں کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ "وجوبِ وجود" اس کی درگاہِ مقدس کا ادنیٰ خادم ہے اور "سلبِ عدم" (عدم کی نفی) اس کی بارگاہِ محترم کا ادنیٰ خاکروب ہے۔ اور اس تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ عالم سے مسمیٰ ہے خواہ وہ عناصر ہوں یا افلاک، اور خواہ وہ عقول ہوں یا نفوس، اور خواہ وہ بسائط ہوں یا مرکبات، سب کے سب اس جل سلطانہٗ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں اور عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ قدمِ ذاتی و زمانی صرف اسی کی جنابِ قدس کے لئے ثابت ہے اور بس۔ اور حدوثِ ذاتی و زمانی اس سبحانہٗ کے ماسوا

[1] آپ کے نام دو مکتوب ہیں ایک یہی اور دوسرا دفتر ہذا کا مکتوب نمبر ۱۰۳۔ آپ اجمیر کے بزرگ زادے ہیں، آپ نے حضرت مجددؒ سے سلوک کی تکمیل کے بعد خلافت پائی۔ (روضۃ القیومیہ)

ہر چیز کے لئے ثابت ہے، جیسا کہ اس تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور زمین کی پیدائش کے بعد دو دن میں آسمانوں اور ستاروں کو وجود میں لایا چنانچہ آیۂ کریمہ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ (حم سجدہ ۴۱ آیت ۹) (اس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا) ــــــ اور آیۂ کریمہ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ (حم سجدہ آیت ۱۲) (پھر اس نے دو دن میں سات آسمان بنائے) اس بات کی مصداق ہیں ــــــ کوئی بیوقوف ہی ہوگا اور آیاتِ قرآنی کا منکر ہی ہوگا جو ما سوای میں سے بعض (چیزوں) کے قدیم ہونے کے بارے میں لب کشائی کرے اور افلاک و کواکب کے قدیم ہونے کا حکم کرے یا بسیط عناصر کو قدیم جانے اور عقول و نفوس کو بھی ازلی اور قدیم تصور کرے۔ تمام اہلِ ملت کا اجماع ما سوائے حق جل و علا کے حادث ہونے پر منعقد ہو چکا ہے اور سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ما سوائے (حق سبحانہٗ) جتنی بھی اشیاء ہیں سب عدم کے بعد وجود میں آئی ہیں۔ چنانچہ امام حجۃ الاسلام (غزالی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رسالہ المنقذ عن الضلال میں اس معنی کی تصریح کی ہے۔ اور جو جماعت بعض اجزائے عالم کے قدیم ہونے کی قائل ہیں اسی وجہ سے ان کی تکفیر کی ہے۔ لہٰذا اشیاءِ ممکنہ میں سے کسی شے پر قدیم ہونے کا حکم لگانا ملّت سے خارج ہوتا ہے اور فلسفہ میں داخل ہوتا ہے۔

اور جس طرح حضرتِ حق جل سلطانہٗ کے علاوہ ہر شے کے لئے "عدمِ سابق" (زمانۂ سابق میں معدوم ہونا) ثابت ہے اسی طرح "عدمِ لاحق" (آنے والے زمانے میں معدوم ہونا) ان کا دامنگیر ہے۔ (چنانچہ قیامت کے دن) آسمانوں سے ستارے گر پڑیں گے اور آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر عدم سے مل جائیں گے (یعنی سب معدوم ہو جائیں گے) جیسا کہ نصِّ قرآنی اس پر ناطق ہے اور تمام اسلامی فرقوں کا اس حقیقت پر اجماع منعقد ہے۔ چنانچہ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے کلامِ مجید میں فرمایا ہے: فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَیَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاهِیَةٌ (حاقہ ۶۹ آیت ۱۳ تا ۱۶) (پھر جب صور میں ایک بار پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز (قیامت) واقع ہو جائے گی اور آسمان پھٹ کر نیست و نابود ہو جائے گا) ــــــ اور فرمایا اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ (تکویر ۸۱ آیت ۱ تا ۳) (جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب

ستارے تیرہ و تاریک ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے) ـــــ نیز حق تعالیٰ فرماتا ہے: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (انفطار آیت۱-۲) (جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے بکھر جائیں گے) ـــــ اور فرمایا: اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (انشقاق آیت۱) (جب آسمان پھٹ جائے گا) ـــــ اور فرمایا كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (قصص آیت۸۸) (تمام چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس (حق تعالیٰ) کی ذات کے، اسی کا حکم چلتا ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے) ـــ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں قرآن مجید میں وارد ہیں ـــــ کوئی جاہل ہی ہوگا جو ان (اشیاء) کے فانی ہونے کا انکار کرے، یا وہ سرے سے قرآن مجید پر ایمان ہی نہ رکھتا ہوگا بلکہ وہ فلاسفہ کی ملمع کاری پر فریفتہ ہوگا ـــــ مختصر یہ کہ ممکنات میں عدمِ سابق کی طرح عدمِ لاحق کا اثبات کرنا بھی دین کی ضروریات میں سے ہے اور اس حقیقت پر ایمان لانا لازم ہے۔

اور یہ جو بعض علماء نے کہا ہے کہ "سات چیزیں یعنی عرش[1]، کرسی[2]، لوح[3]، قلم[4]، بہشت[5]، دوزخ[6]، اور روح[7]، فنا نہیں ہوں گی اور باقی رہیں گی" ـ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ سب چیزیں فنا کو قبول نہیں کریں گی یا ان میں زوال کی قابلیت نہیں ہے، حَاشَا وَكَلَّا (ہرگز ایسا نہیں ہے) بلکہ قادر مختار جل شانہٗ اپنی حکمت و مصالح کی بنا پر جس کو چاہے وجود عطا فرمانے کے بعد فنا کر دے اور جس کو چاہے باقی رکھے۔ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس امر کا ارادہ کرتا ہے اسی کا حکم دیتا ہے) ـــــ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ عالم اپنے تمام اجزا کے ساتھ واجب تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور اپنے وجود و بقا میں اسی سبحانہٗ کا محتاج ہے کیونکہ بقا سے مراد دوسرے اور تیسرے زمانے میں جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے اسی وجود کے نفس کا برقرار رکھنا ہے، اور اس وجود پر کوئی امر زائد نہیں ہے جو بقا کے ساتھ مسمیٰ ہو۔ لہٰذا "نفسِ وجود" اور "استقرارِ وجود" دونوں ہی حق تعالیٰ کے ارادے پر موقوف ہیں، عقلِ فعال کون ہوتی ہے جو اشیاء کا انتظام کرے اور حوادث (یعنی مخلوقات) اس کی طرف منسوب ہو سکیں کیونکہ اس کے نفسِ وجود اور ثبوت میں بھی ہزاروں شکوک ہیں اس لئے کہ اس (عقلِ فعال) کا تحقق اور حصول فلاسفہ کی ملمع سازی کے مقدمات پر مبنی ہے جو اسلام کے اصولِ حقہ کی رو سے ناتمام اور نامبارک ہیں۔ کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو ان چیزوں کو قادرِ مطلق جل شانہٗ سے ہٹا کر (عقلِ فعال جیسے) امرِ موہوم کی طرف

منسوب کرے، بلکہ خود اشیاء کے لئے بھی یہ بات ننگ و عار ہے کہ وہ فلاسفہ کی من گھڑت امر کی طرف منسوب ہوں بلکہ اشیاء خود اپنی نیستی پر راضی و خوش ہیں اور ہرگز وجود کی رغبت نہ کریں گی اس بات کے مقابلے میں کہ ان کے وجود کی نسبت فلاسفہ کے امرِ موہوم کی طرف کی جائے اور وہ قادرِ مطلق جل سلطانہٗ کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم کردی جائیں۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا (کہف آیت ۵) (بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے وہ سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں کہتے)

مکتوب ۵۸

پنجاہ و ہشتم

۴۷۰ = ۹۹ + ۳۱۳ +

خواجہ صلاح الدین احراری[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ وجودِ ممکنات اور خلق و تمود مرتبۂ وہم و حس میں ہے جس نے اتقان و استحکام حاصل کرلیا ہے۔

(حدیث شریف میں وارد ہے) کَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ (بخاری) (اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی)۔ اور جب (اس نے) ارادہ کیا کہ وہ اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرے تو اسمائے الٰہی جل سلطانہٗ کے ہر اسم نے مظاہر میں سے ایک مظہر کی خواہش کی تاکہ اپنے کمالات کو اس مظہر میں جلوہ گر کرے۔ چونکہ وجود اور توابعِ وجود کی مظہریت کے لئے عدم کے سوا اور کوئی شے مظہریت کے قابل نہ تھی اور کسی شے کا مظہر اور آئینہ اس شے کے مبائن اور مقابل ہوتا ہے اور وجود کا مبائن اور مقابل فقط عدم ہی ہے اس لئے حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عدم کے عالم میں اسماء میں سے ہر اسم کے لئے مظاہر میں سے ایک مظہر متعین کردیا اور اس کو حس و وہم کے مرتبہ میں جب چاہا اور جس طرح چاہا پیدا کردیا۔ خَلَقَ الْأَشْيَاءَ مَتٰى شَاءَ وَكَمَا شَاءَ (اس نے اشیاء کو جب چاہا اور جیسا چاہا پیدا کیا)۔ اور ابدی معاملہ (یعنی عذاب و ثوابِ اخروی) کو اس کے ساتھ وابستہ کردیا۔

خلق و تمود کی حقیقت

جاننا چاہئے کہ عدمِ خارجی کے منافی ثبوتِ خارجی ہے نہ کہ وہ ثبوت جو حس و وہم کے مرتبہ میں پیدا ہو کیونکہ اس میں انکار کی گنجائش نہیں۔ اور عالم کا ثبوت وہم و حس کے مرتبہ میں ہے نہ کہ خارج کے مرتبہ میں کہ وہ اس کے منافی ہو ــــ لہٰذا جائز ہے کہ عدم مرتبۂ حس و وہم میں ثبوت پیدا کرے

[1] آپ کے نام یہ ایک ہی مکتوب ہے اور حالات معلوم نہ ہوسکے۔

اور خداوند جل سلطانہٗ کی صنعت سے وہاں اس کو اتقان و رسوخ حاصل ہو جائے، اور اس مرتبہ میں وہ بطریق انعکاس و ظلیت حیّ (زندہ) عالم (جاننے والا) قادر (قدرت والا) مرید (ارادہ کرنے والا) سَنوا (سننے والا) اور گویا (بولنے والا) ہو جائے اور مرتبۂ خارج میں اس کا کوئی نام و نشان تک نہ ہو، اور خارج میں ذات و صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ کے علاوہ کوئی چیز ثابت اور موجود نہ ہو، اور یہ کہ اس لحاظ سے اس کو اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ (اب بھی وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ پہلے تھا) کہہ سکیں ——

اس کی مثال نقطۂ جوّالہ (تیزی سے گردش کرنے والا نقطہ) اور دائرۂ موہومہ کی سی ہے کہ موجود تو صرف وہی نقطہ ہے اور بس، اور دائرہ خارج میں معدوم ہے بلکہ اس (دائرہ) کا خارج میں کوئی نام و نشان تک نہیں ہے لیکن اس دائرہ نے حس و وہم کے مرتبہ میں ایک ثبوت پیدا کر لیا ہے اور اس مرتبہ میں ظلیت کے طریق پر اس کو روشنی اور درخشندگی حاصل ہو گئی ہے۔

تحقیق: ابن عربیؒ سے منقول تکوین عالم کی تحقیق:

اس تحقیق سے ان مقدماتِ مبسوطہ سے استغنا حاصل ہو جاتا ہے جو حضرت شیخ محی الدینؒ (ابن عربی) اور ان کے متبعین نے تکوین عالم کے بارے میں فرمائے ہیں اور تنزلات کا بیان کر کے علمی اور خارجی تعینات بنائے ہیں اور حقائق اور اعیانِ ثابتہ کو واجبی جل سلطانہٗ کے مرتبۂ علم میں ثابت کیا ہے اور ان کے عکوس کو خارج میں جو کہ ظاہر وجود ہے رکھا ہے اور ان کے آثار کا نام خارجی رکھا ہے جیسا کہ انصاف کی نظر سے ان کے کلام کو دیکھنے والے اور ان کی اصطلاحوں کو جاننے والے پر پوشیدہ نہیں ہے —— اور اس تحقیق کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کوئی شے بھی حق جل و علا کے علاوہ خارج (یعنی مرتبۂ وہم و حس) میں موجود نہیں ہے، خواہ اعیان (ذوات) ہوں خواہ اعیان کے آثار، ان (سب) کا ثبوت حس و وہم کے مرتبہ میں ہے، اور اس میں کوئی شک و شبہ لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ عالم کوئی موہوم شے نہیں ہے کہ جس نے وہم کے اختراع سے ثبوت پیدا کر لیا ہے اور وہم کے زوال کے ساتھ وہ بھی زائل ہو جائے، بلکہ اس کا ثبوت خداوند جل شانہٗ کی صنعت سے مرتبۂ وہم میں ہے اور اس مرتبہ میں ثبات، قرار، استواری اور استحکام ہے۔ آیہ کریمہ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (نمل ۲۷ آیہ ۸۸) (اللہ تعالیٰ کی صنعت (کا کرشمہ) ہے کہ جس نے اشیاء کو مضبوط کر دیا ہے) ——

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ ممکنات کے حقائق عدمات ہیں جنھوں نے واجب تعالیٰ کے

مرتبۂ علم میں تمیز و تعین پیدا کر لیا ہے اور خدا وند جل سلطانہٗ کی صنعت سے دوبارہ مرتبہ حس و وہم میں ثابت ہو گئے ہیں اور ان میں سے بعض اسمائے الٰہی جل شانہٗ کے آئینہ بن گئے ہیں، اور اس مرتبہ میں ظلیت اور انعکاس کے طور پر حیؔ، عالم، قادر، مرید، بینا، شنوا اور گویا ہو گئے ہیں۔

اور شیخؒ کی اور ان کے متبعین کی تحقیق کے مطابق ممکنات کے حقائق اسمائے الٰہی جل سلطانہٗ کی علمی صورتیں ہیں جو حق تعالیٰ کے وجود کے تنزلاتِ خمسہ میں سے ایک تنزل ہے ــــــــ مختصر یہ کہ اس فقیر کی فہم کے مطابق ممکنات کے حقائق عدمات ہیں اور حضرت شیخ (ابن عربیؒ) کے نزدیک وجودات متنزلہ ہیں اور حضرت شیخ نے کثرت کی نمود و نمائش کو خارج میں ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ صورِ علمیہ متکثرہ (بکثرت علمی صورتیں) جو ممکنات کے حقائق ہیں اور انھوں نے ان کو اعیانِ ثابتہ سے تعبیر کیا ہے وہ حق تعالیٰ کے ظاہری وجود کے آئینے ہیں کہ جن کے سوا خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے البتہ منعکس ہو کر خارج میں نمود پیدا کر لیا ہے لیکن ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ خارج میں ہیں، اور حقیقت میں ذات تعالیٰ کے علاوہ خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے ــــــــ اور فرماتے ہیں کہ صورِ علمیہ میں سے ہر ایک صورت کو کسی ایک وقت میں ظاہری وجود کے ساتھ جو کہ ان صورتوں کے لئے آئینے کی مانند ہے خاص اس صورت کو مجہول الکیفیت کی نسبت پیدا ہو کر خارج میں ان کی نمایندگی کا سبب بن جاتی ہے ــــــــ نیز فرماتے ہیں کہ یہ مجہول الکیفیت کی نسبت کسی کو بھی معلوم نہیں حتیٰ کہ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی اس راز کی اطلاع نہیں دی گئی۔ اور خارج میں ان صورتوں کے اظہار کو جو اُن کو مجہول الکیفیت نسبت کے حاصل ہونے کے بعد ہے خلق کہا ہے اور اشیاء کی ایجاد سمجھا ہے۔

اور اس سابقہ تحقیق کے مطابق جس کی طرف یہ فقیر راہ یاب ہوا ہے (وہ یہ ہے کہ) جس طرح اشیا کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے اسی طرح خانۂ خارج میں ان کا نمود بھی اپنی بے رنگی پر ہے اس میں غیر کا نہ وجود ہے اور نہ نمود، اگر کوئی نمود ہے تو وہ بھی مرتبۂ وہم میں ہے، اور اگر ثبوت ہے تو وہ بھی خدا وند جل سلطانہٗ کی صنعت سے مرتبۂ وہم ہی میں ہے ــــــــ مختصر یہ کہ اس کا نمود اور ثبوت ایک ہی مرتبہ میں ہے، نہ یہ کہ اس کا نمود ایک جگہ پر ہے اور ثبوت دوسری جگہ پر۔ مثلاً دائرہ موہومہ جو نقطۂ جوالہ سے پیدا ہوتا ہے جس طرح اس کا ثبوت مرتبۂ وہم میں ہے اس کی نمود بھی اسی مرتبۂ (وہم) میں ہے کیونکہ اس کا ارتسام (نقش) بھی وہم میں ہے نہ کہ خارج میں، اور اس کی نمود بھی اسی مرتبہ میں ہے کیونکہ خارج

خارج میں اس کا کوئی نام ونشان نہیں ہے جس سے وہ ظاہر ہو ــــــ خلاصۂ کلام یہ کہ وہ نمودِ وہمی کو نمودِ خارجی خیال کرتے ہیں، جس طرح خیالی صورتوں کو عالمِ مثال میں بیداری کی حالت میں حسِّ باطنی کے ساتھ دیکھیں اور خیال کریں کہ ان صورتوں کو عالمِ شہادت میں حسِّ ظاہری کے ساتھ دیکھ رہے ہیں ــــ اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ کو دوسرے مرتبہ کے ساتھ مشتبہ پاتے ہیں اور ایک کا حکم دوسرے پر کرتے ہیں۔ لہٰذا صورتِ بالا میں وہ دائرۂ موہومہ جو کہ خیال میں منقش ہوا ہے خیال کی آنکھ سے اسی مرتبہ میں کہ جس میں وہ منقش ہے دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ اس دائرے کو سر کی آنکھ سے خارج میں دیکھ رہے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ (دائرہ) خارج میں نقطۂ جوالہ کا محل ہے (ورنہ) اس کا کوئی نام ونشان نہیں ہے کہ وہ دیکھا جا سکے ــــــ اسی طرح شخص کی صورت ہے جو آئینے میں منعکس ہوتی ہے وہ بھی اسی طریق پر ہے کہ خارج میں صورت کا نہ ثبوت ہے نہ نمود، بلکہ اس کا ثبوت ونمود دونوں مرتبۂ خیال میں ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی جانتا ہے۔

پس جس کو شیخ قدس سرہٗ نے خارج سمجھا ہے اور اس میں بطریقِ انعکاس اشیاء کا نمود ثابت کیا ہے وہ خارج نہیں ہے بلکہ مرتبہ وہم ہے جس نے خداوند جل شانہٗ کی صنعت سے تقرر وثبات پیدا کر لیا ہے اور خارج متوہم ہوتا ہے حالانکہ خارج اس سے بلند ہے جو ہمارے شہود واحساس سے بھی بلند ہے اور جو کچھ ہم کو مشہود، محسوس، معقول اور متخیل ہوتا ہے وہ سب دائرہ وہم میں داخل ہے موجودِ خارجی جل سلطانہٗ ہمارے افہام سے ماوراء اور بلندتر ہے۔ اس مقام میں مرائیت (آئینہ داری) کی کیا گنجائش ہے اور کونسی صورت ہے کہ جس میں حضرت حق سبحانہٗ منعکس ہو، کیونکہ آئینے اور صورتیں سب ظلال کے مراتب میں ہیں کہ جن کا تعلق دائرہ وہم وحس ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰)

خواجہ شرف الدین حسین[1] کی طرف روزمرہ کے حوادث کو حق تعالیٰ کے ارادہ کی طرف راجع کرنے اور ان سے لذت حاصل کرنے کے بیان میں صادر فرمایا۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ (ہم کو) شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شاہراہ پر

[1] آپ کے نام آٹھ مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۱۴۶ پر آپ کا تذکرہ درج ہے۔

استقامت عطا فرما کر بتمام و کمال اپنی جنابِ قدس کا شیدائی بنائے ـــــ فرزند عزیز با تمیز! روزمرہ کے حوادثات چونکہ واجب الوجود جل سلطانہٗ کے ارادہ سے واقع ہوتے ہیں اور اس تعالیٰ کے فعل سے ثابت ہیں لہذا اپنے ارادہ کو حق تعالیٰ کے ارادہ کے تابع کر کے حوادث کو اپنی مرادات بنا لینا چاہئے اور ان سے لذت حاصل کرنی چاہئے، اگر بندگی کا جذبہ ہے تو اس نسبت کو پیدا کرنا چاہئے ورنہ بندگی سے پاؤں نکالنا اور اپنے مولیٰ جل شانہ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے (جیسا کہ) حدیث قدسی میں وارد ہے: مَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَائِيْ وَلَمْ يَصْبِرْ عَلٰى بَلَائِيْ فَلْيَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِيْ وَلْيَخْرُجْ مِنْ تَحْتِ سَمَائِيْ[1] (جو شخص میرے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اور میری بھیجی ہوئی بلا پر صبر نہیں کرتا تو اس کو چاہئے کہ وہ میرے علاوہ کوئی دوسرا پروردگار بنالے اور میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے) ـــــ ہاں فقراء اور مساکین اور کمزور لوگوں کی ایک جماعت آپ کی رعایت و حمایت سے آسودہ اور خوشحال ہوگئی ہے اگرچہ حق تعالیٰ ان کا بھی صاحب و مالک ہے اور ان کے لئے کافی ہے (لیکن اس طرح) آپ کی نیک نامی باقی رہے گی۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ دنیا و آخرت میں آپ کو اس کی جزا عطا فرمائے۔ والسلام

(حاشیہ: اپنے ارادوں کو حق تعالیٰ کے ارادے کے تابع کر کے لطف اندوز ہوں)

مکتوب ۶۰ شصتم

۳۱۳ + ۹۹ + ۶۰ = ۴۷۲

حضرت مجددؒ کے پیرزادہ خواجہ محمد عبد اللہ[2] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ انسان عدم ہے اور اس میں واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ظلال کا انعکاس ہے، اور اس بیان میں کہ انسان کی ذات اس کا نفسِ ناطقہ ہے اور نفس و قلب کی فنا اور علم حصولی و حضوری کے زوال (کے بیان میں)

هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ سُبْحَانَ مَنْ لَا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهٖ وَلَا بِصِفَاتِهٖ وَلَا فِيْ اَسْمَائِهٖ بِحُدُوْثِ الْاَكْوَانِ (صرف وہی حق ہے ظاہر اور منزہ ہے اور موجودات کے حادث ہونے کی وجہ سے اپنی ذات، صفات اور اسماء میں متغیر نہیں ہوتا) ـــــ چونکہ موجودات کے حدوث میں جو بھی تغیر و تلون واقع ہوتا ہے وہ سب عدم کے مراتب میں ہے (لیکن) حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ میں کوئی تنزل و تبدل خواہ خارج میں ہو یا ظاہر میں یا علم میں ہو واقع نہیں ہو سکتا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ

[1] رواہ الطبرانی فی معجم الکبیر (تشید) [2] آپ کے نام سات مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول ۲۶۶ پر درج ہے۔

جب حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے چاہا کہ اپنے ذاتی، صفاتی اور اسمائی کمالات کو ظاہر کرے اور اشیاء کے مظہروں اور آئینوں میں ان کے جلوہ گر کرے تو اس نے ہر کمال کے لئے عدم کے مراتب میں اس کمال کے مقابل کو جو کہ اس کا نقیض ہے اور باقی تمام اعدام کی اضافت کی نسبت سے متمیز ہے اس کمال کے آئینہ ہونے کے لئے تعین فرمایا کیونکہ چیزیں اپنی ضد ہی سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اور ان اعدام کو جو ان کمالات کے آئینہ داری کی قابلیت رکھتے ہیں جب چاہا حس و وہم کے مرتبہ میں ایجاد فرما کر استقرار و استحکام بخشا اور ان تمام کمالات کو ان میں منعکس کر دیا۔ اور اس انعکاس سے ان اعدام کو اس مرتبہ میں حی، عالم، قادر، مرید، سمیع، بصیر اور متکلم بنا دیا۔ لیکن محسوس ہوتا ہے کہ اول عدم میں تصرف فرماتے ہیں بغیر اس کے کہ اس میں کسی دوسری چیز کو مخلوط کریں اور اس کو اس تصرف کے ساتھ ملائم اور نرم کریں اور اس کے بعد اس میں کمال کا ظہور کرتے ہیں، جس طرح کہ اول موم کو نرم اور ملائم کرتے ہیں اور اس کے بعد اس سے صورتیں اور شکلیں بناتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اس جگہ عدم سے مراد عدمِ خارجی ہے جو وجودِ خارجی کے مقابل ہے لہذا اس کی اس ایجاد کے منافی نہیں ہے جو مرتبۂ وہم میں واقع ہوتا ہے اور ثبوتِ وہمی بھی اس کے مخالف نہیں۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ عدم کا منافی وجود ہے جو اس کا نقیض ہے اور عدم وجود نہیں ہو سکتا، لیکن اگر عدم موجود ہو جائے تب بھی کوئی استحالہ (شک و شبہ) لازم نہیں آتا جیسا کہ (حکماء نے) وجود کے بارے میں کہا ہے کہ وہ معقولاتِ ثانویہ سے ہے جو خارج میں معدوم ہے ——— اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اشیاء کے حقائق اعدام ہیں جن میں مرتبۂ وجود تعالیٰ و تقدس کے کمالات منعکس ہوئے ہیں اور انہوں نے خداوند جل سلطانہٗ کی ایجاد سے وہاں تحقق اور ثبوتِ وہمی پیدا کر لیا ہے اور مرتبہ حس و وہم میں بھی استقرار و استمرار حاصل کر لیا۔ گویا اشیاء کی ذوات (یعنی اصول) تو وہ اعدام ہیں اور ان میں کمالات کا انعکاس ان اعدام کے دست و پا کے مانند ہیں اور ان کے قویٰ اعضاء کی طرح ہیں۔

ان مقدمات کی تمہید کے بعد چند باتیں اصل مقصد کی نسبت جو ولایتِ خاصہ سے تعلق رکھتی ہیں بیان کی جاتی ہیں گوش ہوش سے سننا چاہئے، اللہ تعالیٰ تمہاری رہنمائی فرمائے اور سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ جان لیں کہ انسان کی حقیقت اور اس کی ذات "عدم" ہے جو نفسِ ناطقہ

ولایتِ خاصہ سے متعلق چند باتیں

نفسِ امارہ کی شرارت سے بچنے کا نسخہ:

کی حقیقت ہے اور ابتداء میں اس نفس کو نفسِ اَمّارہ سے تعبیر کرتے ہیں، اور انسانوں میں سے ہر فرد لفظ "انا" (میں) سے اسی (نفس) کی طرف اشارہ کرتا ہے، لہٰذا انسان کی ذات نفسِ امارہ ہوئی، اور انسان کے باقی تمام لطائف (نفسِ امارہ کے) قویٰ اور جوارح کے مانند ہوئے۔ اور چونکہ عدم اپنی ذات کے لحاظ سے "شرِّ محض" ہے اور اچھائی کی بُو تک اس میں نہیں ہے لہٰذا نفسِ امارہ بھی شرِ محض ہے اور اس میں بھی اچھائی کی کوئی بُو نہیں۔ اس (نفسِ امارہ) کی شرارت اور جہالت ہی تو ہے کہ وہ کمالاتِ منعکسہ جو اس کے اندر بطریقِ ظلیت ظاہر ہوتے ہیں وہ ان کو اپنی طرف سے جانتا ہے اور ان (کمالات) کو جو اپنی اصل کے ساتھ قائم و ثابت ہیں اُن کی نسبت اپنے نفس کی طرف کر کے اُن کمالات کی وجہ سے اپنے آپ کو کامل اور اچھائی والا جانتا ہے، اور اس طرح اپنی سرداری کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے آپ کو خداوند جل سلطانہٗ کے ساتھ ان کمالات میں شریک بناتا ہے اور بُرائی سے بچنے کی طاقت اور اچھا کام کرنے کی قوت کو اپنی ذات سے تصور کرتا ہے اور خود کو متصرف خیال کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب اس کے تابع رہیں اور وہ کسی کے تابع نہ ہو، اور وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اور دوسروں کو اپنے (اغراض کے) لئے دوست رکھتا ہے نہ کہ ان کی بھلائی کے لئے۔ اور ان ہی خیالاتِ فاسدہ کی وجہ سے وہ اپنے مولیٰ جل سلطانہٗ سے ذاتی عداوت پیدا کر لیتا ہے اور حق تعالیٰ کے نازل شدہ احکام کا معتقد نہیں ہوتا بلکہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چاہتا ہے اور اپنی خواہشات ہی کی پرستش کرتا ہے (حالانکہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے: عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِي (تو اپنے نفس کو دشمن جان کیونکہ وہ یقیناً میری مخالفت پر کمر بستہ ہے) ——— اور حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور رحمت سے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو مبعوث فرمایا جو عالم کے لئے رحمت ہیں تاکہ مخلوق کو حق جل سلطانہٗ کی طرف دعوت دیں اور اس دشمن (نفسِ امارہ) کے کارخانے کی تخریب کریں اور اس کو اس کے خالق اور مولیٰ کی طرف رہنمائی کریں اور اس جہالت و خباثت سے اس کو باہر نکالیں اور اس کے نقص و شرارت پر اس کو مطلع فرمائیں، پھر جو کوئی سعادتِ ازلی رکھتا تھا اس نے ان بزرگوں یعنی انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول کر لیا اور اپنی جہالت و خباثت سے باز آ گیا اور نازل شدہ احکام کا تابع و مطیع بن گیا۔

جاننا چاہیئے کہ تزکیۂ نفس کے دو طریقے ہیں: ایک طریقہ وہ ہے جو ریاضات و مجاہدات سے تعلق رکھتا ہے اور یہ طریقِ انابت ہے جو مریدوں کے لئے مخصوص ہے۔ اور دوسرا طریقہ جذب و محبت کا طریق ہے جو راہِ اجتباء (برگزیدہ کرنے کا راستہ) ہے اور یہ مرادوں سے تعلق رکھتا ہے ان دونوں راستوں میں بہت بڑا فرق ہے ——— پہلا طریقہ تو مطلوب کی طرف خود چل کر جانے کا ہے، اور دوسرا طریق مقصود کی طرف لے جانا ہے۔ لہذا "جانے" اور "لے جانے" میں بہت بڑا فرق ہے ——— اور جب سابقہ کرم کی وجہ سے کسی صاحبِ دولت کو چاہتے ہیں کہ اجتباء کی راہ سے لے جائیں تو اس کو جنابِ قدس کی طرف جذب و محبت عطا فرما دیتے ہیں اور اس کے ذریعے کشاں کشاں لے جاتے ہیں۔ اس دوران میں کوئی خوش نصیب (ایسا بھی) ہوتا ہے جس کو فنا کی حد تک لے جاتے اور ماسوا کی دید و دانش سے چھٹکارا دلا دیتے ہیں اور آفاق و انفس سے گزار دیتے ہیں ——— آفاق کا نسیان قلب کی فنا کے ساتھ وابستہ ہے اور انفس کی فنا، نفسِ امارہ کی فنا پر موقوف ہے (یعنی) پہلے میں علمِ حصولی کا زوال ہے اور دوسرے میں علمِ حضوری کا زوال۔ اور علمِ حضوری کا زوال اس وقت تک متصور نہیں ہوتا جبتک کہ نفسِ حاضر کا زوال متحقق نہ ہو جائے، کیونکہ جبتک حاضر قائم ہے علمِ حضوری بھی اپنی جگہ قائم ہے اور علمِ حضوری سے مراد نفسِ حاضر ہے (یعنی اپنی ذات کا ادراک) نہ کہ اس پر کوئی امر زائد۔ لہذا زوالِ شہودی نفس کی فنا میں اس کے زوال وجودی سے عبارت ہے بخلاف زوالِ شہودی کے کہ جس کو فنائے قلب میں اعتبار کیا جاتا ہے بلکہ وہ وجودِ قلب کے زوال کو لازم نہیں ہے کیونکہ اس جگہ کا شہود شاہد و حاضر پر زائد ہے اور کسی ایک کی فنا دوسرے کی فنا کو مستلزم نہیں، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کیونکہ یہ ایک ایسا دقیق فرق ہے جس کی طرف بہت کم رہنمائی ہوتی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے)۔

تنبیہ: کوئی سادہ لوح یہ خیال نہ کرے کہ نفسِ حاضر کا زوال بقاباللہ کے مقام میں ہے جو کہ توحیدِ وجودی والوں کو میسر ہوتا ہے ہم کو بھی حاصل ہے کیونکہ "حاضر" اس مقام میں حق سبحانہٗ ہے نہ کہ سالک کا نفس جو کہ فانی ہو چکا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس مقام میں "حاضر" سالک کا نفس ہے جس کو حقیقت کے عنوان سے سمجھا ہے نہ کہ حضرتِ حق تعالیٰ و تقدس، جو اس تعین اور اس حضور سے

منزہ و مبرا ہے۔ یہ بات اسی قسم سے ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ع

بخواب اندر مگر موشے شتر شد (ترجمہ) خواب میں بن گیا ہے چوہا، اونٹ

اس جگہ نفسِ حاضر کے علم کا زوال مراد ہے جو کہ علمِ حصولی کی قسم سے ہے نہ کہ نفسِ حاضر کا زوال کہ جس سے علمِ حضوری کا زوال لازم آئے اور نفسِ حاضر کا زوال اس کے عین و اثر کے زوال سے مراد ہے نہ کہ نفسِ حاضر کے علم کے زوال سے۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید[1] مدظلہ کی طرف صادر فرمایا — اس بیان میں کہ کبھی بعض مظاہر کی رویت عارف کے لئے عروج کا زینہ بن جاتی ہے اور اس کے علاوہ بھی۔

جب عارف کا معاملہ خاص ذات تعالیٰ و تقدس تک پہنچ جاتا ہے اور تمام نسبتیں اور اعتبارات ساقط ہو جاتے ہیں تو اس مقام میں عروج مشکل ہو جاتا ہے اور بغیر کسی علاقے اور تعلق کے اس سے باہر نکلنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ "اَلنَّظْرَةُ الْاُوْلٰی لَكَ[2]" (پہلی بار کا دیکھنا تیرے لئے ہے) کے مطابق پہلی نگاہ جو مظاہرِ جمیلہ سے تعلق پیدا کرتی ہے وہ اس مقام میں مدد کرتی اور بہت تیزی کے ساتھ بلندی پر لے جاتی ہے اور مجازاً جس کو "قنطرۂ حقیقت" (یعنی حقیقت کا پل) کہا گیا ہے اُس (حقیقت) تک پہنچا دیتی ہے۔ لیکن اس وقت دوسری نگاہ سے جس کو اَلنَّظْرَةُ الثَّانِيَةُ عَلَيْكَ (دوسری نگاہ تیرے لئے وبال ہے) اس سے محافظت لازم ہے کیونکہ وہ مضر اور سمِ قاتل ہے۔ لہٰذا اس مقام میں امداد و اعانت کیونکر متصور ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فِي الْحَرَامِ شِفَاءً[3] (اللہ سبحانہٗ نے حرام میں شفا نہیں رکھی) ——

ایسا محسوس ہوا ہے کہ اگر نظرِ ثانی طبعِ خام کی واقع ہوئی ہے تو وہ پتھر اور مٹی کی طرح بیکار معلوم ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے دوسری، تیسری اور چوتھی نظروں کو کہ جن کا تعلق مظاہرِ جمیلہ سے ہے

بعض عارفوں کے لئے مظاہرِ جمیلہ کبھی عروج کا زینہ بن جاتی ہے

---

[1] آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر تذکرہ درج ہے۔
[2] یہ حدیث مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، اور دارمی میں ہے (مشکوٰۃ) [3] اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ

مفید سمجھا ہے اور اس کو حقیقت کی طرف عروج کے اسباب میں سے خیال کیا ہے، وہ لوگ صاحبِ استدراج ہیں — اور وہ حقیقت جس کی طرف وہ عروج کرتے ہیں وہ عالمِ مجاز سے متعلق ہے۔ آیۂ کریمہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (نور آیت ۳۰ پ ۲۴) (مومنین سے کہدیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں) — اس جماعت کے ردّ میں کافی ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس وقفہ میں قرب و جوار کی تاریکیاں فائدہ مند ہو جاتی ہیں اور ہمسایوں کا کفر و فسق امداد کرتا ہے اور جسقدر ظلمت زیادہ ہوگی امداد بھی اسی قدر زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ فیوض اس جماعت پر وارد ہوتے ہیں جو غفلت کی ظلمت میں غرق ہو تو ان کی ناقابلیت کی وجہ سے وہ فیوض ان تک نہیں پہنچتے بلکہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جو ان کی ہمسائیگی میں باحضور ہوتا ہے اور وہ دوسروں کے فیوض سے ترقی حاصل کرتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کیونکہ اس عارف کے بلند مراتب کے باعث یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ فیوض وارده اس کے ارد گرد نہیں پہنچ سکتے چہ جائے کہ اس کے عروج میں امداد کر سکیں ——— ان بزرگوں کا کارخانہ بہت بلند ہے وہاں ہر عمل اور فیض نافع نہیں ہے بلکہ " اس مقام میں ایک نہایت دقیق راز ہے جو اربابِ حال ہی پر منکشف ہوتا ہے"۔ البتہ اتنا ظاہر کرتا ہوں کہ " کمالِ ظہور نور کے لئے ظلمت بھی درکار ہے" (اس لئے کہ) وَبِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ (اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) آپ نے سنا ہوگا ——— اور چونکہ ظلمت کا ارتکاب ممنوع ہے اور کمال کرم کی وجہ سے ہمسائیگی کی ظلمت ہی کو معتبر جانا ہے اور نور کے ظہور میں جو نور الانوار ہے نافع کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ طاعات و عبادات خصوصاً فرائض کی ادائیگی اس مقام میں کیوں نفع نہیں دیتی اور عروج میں اس کی مدد کیوں نہیں کرتی؟ — تو میں کہتا ہوں کہ کیوں نافع نہیں ہیں اور کیسے عروج میں امداد نہیں کرتیں (یعنی نفع دیتی ہیں اور امداد کرتی ہیں) لیکن نفع اور امداد جو پہلے متحقق ہوتا تھا وہ اس وقت حاصل نہیں ہے اور اسبابِ خارجی کی طرح جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں ان جیسے اور اسباب نافع نہیں ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ (اور حقیقتِ حال کو اللہ سبحانہ ہی بہتر جانتا ہے) سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ (بقرہ آیت ۳۲ پ ۱) (تو پاک ہے، ہم کو کوئی علم نہیں مگر جسقدر تو نے ہم کو سکھایا، بیشک تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت اختیار کی)

+۹۹+۳۱۳ = ۴۷۴

مکتوب ۶۲

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم[1] مدظلہ العالی کی طرف انسان کے عدمِ ذاتی کی بنا پر اس کی فنائے وجودی کی نفی میں صادر فرمایا۔

انسان کی حقیقت[2] اور ذات ہی نفسِ ناطقہ ہے جو لفظ "انا" (میں) کے ساتھ انسان کا مشارٌ الیہ ہے، اور نفسِ ناطقہ کی حقیقت عدم ہے جس نے وجود اور صفاتِ وجود (تعالیٰ) کے انعکاس سے اپنے آپ کو وہم کے طور پر موجود تصور کر لیا ہے اور اپنے آپ کو مستقل طور پر حیات، علم اور قدرت وغیرہ صفاتِ کمال کو اپنی طرف سے تصور کر کے ان کو اپنے ساتھ قائم خیال کیا ہے، اور اس توہم سے اپنے آپ کو کامل اور بہتر سمجھ لیا ہے اور اپنے ذاتی نقص اور شرارت کو جو عدم سے پیدا ہوتی ہے اور محض شر ہے فراموش کر دیا ہے، لیکن جب خداوند جل سلطانہ، کی عنایت اس کے حق میں پہنچ جاتی ہے اور اس کو جہلِ مرکب اور تصدیقِ کاذب سے چھٹکارا دلاتی ہے تب وہ جانتا ہے کہ یہ کمالات کسی دوسری جگہ سے ہیں اور یہ صفاتِ کاملہ اس کی اپنی نہیں ہیں اور نہ اس کے ساتھ قائم ہیں۔ اور جان لیتا ہے کہ اس کی حقیقت ذات "عدم" ہے جو محض شر اور خالص نقص ہے۔ اور یہ "دید" اگر حق تعالیٰ کے کرم سے غالب آ جائے تو ان تمام کمالات کو "صاحبِ کمالات" کی طرف سے جانتا ہے اور اس امانت کو کلیتہً امانت والے کے سپرد کر کے اپنے آپ کو عدمِ محض جانتا ہے اور اپنے اندر اچھائی کی بُو تک نہیں پاتا، تو اس وقت نہ اس کا نام رہتا ہے نہ نشان اور نہ عین رہتا ہے نہ اثر۔ کیونکہ "عدم" محض لاشے ہے کہ وہ مراتب میں سے کسی مرتبہ میں بھی کوئی ثبوت نہیں رکھتا اور اگر بالفرض مراتب کے کسی مرتبہ میں اس کا کوئی ثبوت ثابت بھی ہو جائے تب بھی تمام کمالات اس سے مسلوب نہیں ہوتے، کیونکہ ثبوت خود عین کمال ہے بلکہ کمالات کی اصل ہے۔

اس تحقیق سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اس کمال کے حصول میں جو اتم و اکمل ہے وجودی فانی زوال کچھ درکار نہیں ہے کیونکہ اس کا ہرگز وجود نہیں تاکہ اس کا زوال متصور ہو، بلکہ وہ ایک

(حاشیہ: نفسِ ناطقہ کی حقیقت عدم ہے)

---

[1] آپ کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر درج ہے۔
[2] اس مضمون کی مزید تفصیل دفتر ہذا مکتوب ۶۰ میں ملاحظہ ہو۔

عدم تھا جو صرف توہم کی وجہ سے اپنے وجود کو قائم رکھتا تھا اور جب یہ توہم زائل ہو گیا اور زوالِ شہودی کے ساتھ متحقق ہو گیا تو صرف عدم رہ گیا جو ہالک ولاشے (نابود وناچیز) ہے۔ اور زوالِ شہودی کے بغیر چارہ نہیں اور زوالِ وجودی بھی درکار نہیں۔ اور حقیقتِ حال اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانتا ہے۔

مکتوب ۶۳

شصت و سیوم

۳۱۳ + ۹۹ = ۴۷۵

میر منصور[1] کی طرف صادر فرمایا — حق تعالیٰ کے احاطہ وقرب اور معیت کے راز کا انکشاف اور اس سِرِ عظیم کو کتابِ کریم کے مجمل اور مشکل مقامات کی طرف رجوع کرنے کے بیان میں۔

قرب ومعیت، احاطہ وسریان، وصل واتصال، توحید واتحاد اور ان جیسے الفاظ حضرت حق جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں متشابہات اور شطحیات کی قسم سے ہیں۔ وہ قرب ومعیت اور وصل واتصال جو ہماری فہم میں آتا ہے اور جو کچھ ہماری عقل سمجھ سکتی ہے خداوند جل شانہٗ کی بارگاہِ قدس اس کے ادراک اور معلوم ہونے سے منزہ اور مبرا ہے۔ لیکن آخر کار اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرب وغیرہ اس قرب واتصال کی شبیہ ہے جو آئینہ اور اس صورت کے درمیان ہوتی ہے جو اس آئینے کے اندر متوہم اور حاصل ہے، اور یہ کہ عالم قرب واتصال کے ساتھ موہوم کے طور پر موجود ہے۔ اور چونکہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ موجود حقیقی ہے اور عالم حس ووہم کے مرتبہ میں مخلوق ہے تو لازمی طور پر واجب تعالیٰ اور ممکن کے درمیان قرب واتصال، موجود کے موہوم سے قرب کی مانند ہے۔ اور اس قرب ومعیت سے حق تعالیٰ کی جنابِ قدس میں کسی قسم کا کوئی خلل ومحظور عائد نہیں ہوتا۔ (جیسا کہ) معمولی سے معمولی چیزیں جب آئینے میں منعکس ہوتی ہیں تو آئینہ کو ان کا قرب واحاطہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن آئینے میں کسی قسم کا کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا اور اُس میں کسی قسم کی کمینگی سرایت نہیں کرتی کیونکہ جس مرتبہ میں آئینہ ہے اس مرتبہ میں ان اشیاءِ خسیسہ متوہمہ کا کوئی نام ونشان تک نہیں ہے، کہ ان کی صفات اس (آئینے) میں تاثیر کریں۔

حق تعالیٰ کی قرب ومعیت کا بیان

---

[1] آپ کے نام صرف دفترِ ہذا میں تین مکتوبات ہیں۔ اور آپ امراء میں سے تھے چنانچہ جس وقت جہانگیر بادشاہ کو مہابت خاں نے حراست میں لے لیا تھا تو اس وقت میر منصور بدخشی نے ترکی زبان میں جہانگیر کو مشورہ دیا کہ یہ وقت تحمل کا ہے۔ (مآثر الامراء ج ۳ ص ۳۳۴)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے چونکہ عالم کو مرتبۂ حس ووہم میں پیدا کیا ہے اور اس مرتبہ کو ثبات واستقامت عطا کرنے کا ارادہ کیا تو وہ احکام وآثار جو موجود پر مرتب ہیں اس موہوم پر بھی جاری کر دیئے اور موجود کے آثار کو بھی موہوم پر مترتب کر دیا۔ لہٰذا قرب واحاطۂ موہومہ کو موجودہ قرب واحاطہ کے مانند اثبات فرما دیا اور احکام صادقہ سے بنا دیا ۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ صورتِ جمیلہ کا خارج میں دیکھنا لذت حاصل کرنے اور (اس کی محبت میں) گرفتاری کا باعث ہے۔ اسی طرح اس صورت کا دیکھنا بھی جو آئینے میں منعکس ہو کر ثبوتِ وہمی پیدا کر لیتی ہے تو وہ بھی اسی طرح لذت وگرفتاری کا موجب بن جاتی ہے، حالانکہ پہلی صورت موجود ہے اور دوسری صورت موہوم، لیکن اثر کے حصول میں دونوں مشترک ہیں، اور جب خداوند جل سلطانہٗ کے کرم سے موہوم کو موجود کے ساتھ مترتب احکام میں شرکت پیدا ہو جائے اور موہوم میں موجود کی طرح اثر مترتب ہو گئے تو اس موہوم نامراد کو موجود سے بہت امیدیں پیدا ہو گئیں اور موجود کے قرب واتصال کی دولت سے بشارتیں اس کو حاصل ہو گئیں ؎

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

(ترجمہ) مبارک منعموں کو اُن کی نعمت ملے گا عاشقِ مسکیں کو اک گھونٹ

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

جاننا چاہیئے کہ قرب واتصال اس معنی کے بغیر جو اوپر بیان ہوا ہے جس طرح بھی تصور کریں اور عقل میں لائیں تو شبیہ اور جسم کی آمیزش سے خالی نہ ہوگا مگر یہ کہ ان پر ایمان لائیں اور ان کی کیفیت میں مشغول نہ ہوں اور ان کو حق جل سلطانہٗ کے علم کے سپرد کر دیں ۔

جب ان الفاظ کو ایک قسم کا بیان لاحق ہو گیا تو ان کو اگر متشابہات سے نکال کر مجمل یا مشکل میں داخل کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ۔

(اور حقیقتِ حال کو اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانتا ہے)

مخدوم زادگان کبار جامع الاسرار والعلوم خواجہ محمد سعید[1] اور خواجہ محمد معصوم[2] سلمہا اللہ تعالیٰ سبحانہٗ وابقاہما کی طرف صادر فرمایا ـــــ فنائے اتم کے بیان میں جو کہ عین واثر کے زوال سے وابستہ ہے اور واجب سبحانہٗ کے وجود کی تحقیق اور ممکن سے عدم کے زوال اور اس کے ثبوت عروجات کی بقا کا اور دوسرے گہرے دقائق کے بیان میں۔

فنائے اتم اس وقت متحقق ہوتی ہے جب فانی سے عین واثر کا زوال ہو جائے اور اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہے۔

سوال: جب کہ ممکنات کی حقیقت "اعدام" ہیں جو اضافت سے امتیاز حاصل کر کے واجب جل سلطانہٗ کے اسماء وصفات کا آئینہ بن گئے ہیں، جیسا کہ ہم نے اکثر مکتوبات میں اس معنی کی تحقیق کی ہے لہٰذا لازم آتا ہے کہ اس فنا کے حصول کی تقدیر پر عدم سے جو کہ اس کی حقیقت ہے ممکن میں کوئی نام ونشان باقی نہ رہے اور وجودِ صرف کے علاوہ کوئی چیز اس میں نہ رہے، کیونکہ دو نقیضوں میں سے ایک نقیض کا زوال دوسرے کے حصول کو مستلزم ہے تاکہ نقیضین کا ارتفاع لازم نہ آئے (جو محال ہے)۔ اور صوفیہ کے نزدیک "وجود" عین واجب تعالیٰ ہے، یا اس سبحانہٗ کی اخص صفات میں سے ہے اور ہر صورت میں "قلبِ حقیقت" لازم آتا ہے جو الحاد وزندقہ کو مستلزم ہے۔

جواب: عدم کا نقیض وہ وجود نہیں جو عین واجب تعالیٰ ہے یا اس سبحانہٗ کی صفاتِ ذاتیہ میں سے اخص ہے۔ بلکہ عدم کا نقیض اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور اس کے عکوس میں سے ایک عکس ہے۔ غرض ہر وجود جس کے مقابل عدم ہے وہ امکان کے مظان (جائے گمان) سے ہے، اور عدم جو اس کا نقیض ہے اس کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ واجب جل شانہٗ کی صفات اگرچہ دائرہ امکان سے خارج ہیں لیکن چونکہ واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ احتیاج رکھتی ہیں اور ہر ایک کے مقابل اعدام ثابت ہیں اس لئے امکان کی آمیزش سے خارج نہیں ہیں اور ان کو ہمہ وقت حق تعالیٰ کی ذات کی احتیاج دامنگیر ہے

---

[1] آپ کے نام ۲۴ مکتوبات اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر ہے۔ [2] آپ کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں اور تذکرہ ۲۹۴ پر ہے۔

اگرچہ وہ قدیم ہیں اور واجب تعالیٰ کی ذات سے جدا نہیں ہیں لیکن نفسِ احتیاج امکان کی دلیل ہے اگر غیر کی طرف احتیاج ہے تو کامل نقصان کا امکان ہے اور امکان کے دائرہ میں داخل ہے اور اگر غیر کی احتیاج نہیں ہے تو بھی امکان کی بو پائی جاتی ہے اگرچہ دائرہ امکان میں داخل نہ ہو، جیسا کہ واجب تعالیٰ کی صفات جن کا کمال ذات تعالیٰ و تقدس کے کمال سے کمتر ہے۔ پس وجوبِ مطلق خاص اس ذات تعالیٰ و تقدس کے لئے متحقق ہے جو ہر طرح کے نقص کے گمان اور شائبہ قصور سے منزہ و مبرا ہے ———— اور واجب تعالیٰ کی صفات ہر چند دائرۂ وجوب میں قدم رکھتی ہیں لیکن چونکہ وہ بھی ذات کی محتاج ہیں اور ان کا وجوب ذات تعالیٰ کے وجوب سے کمتر ہے جیسا کہ ان کا وجود ذات تعالیٰ کے وجود سے کمتر ہے، کیونکہ ان (صفات) کا وجود عدم کی نقیض رکھتا ہے مثلاً عدم علم اور عدم قدرت ہے اور ذات تعالیٰ و تقدس کے وجود کے مقابل کوئی عدم نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نقیض متصور ہو سکتا ہے، کیونکہ اگر واجب تعالیٰ کے وجود کو اعدام میں سے کوئی عدم نقیض ہو تو وہ اس نقیض کے رفع کا محتاج ہوگا اور احتیاج نقص کی علامات سے ہے جو امکان کے حال کے مناسب ہے: تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت برتر اور بلند ہے)۔

پوشیدہ نہ رہے کہ واجب تعالیٰ جل شانہٗ کی صفات میں لفظ "امکان" کے اطلاق سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اس سے حدوث کا وہم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں، اگرچہ صفاتِ واجبی واجب بِالذات نہیں ہیں لیکن واجب جل شانہٗ کی ذات کے اعتبار سے واجب ہیں جو ذات سے جدا نہیں ہیں۔ اور اس معنیٰ کا حاصل اگرچہ امکان کی طرف لے جاتا ہے لیکن وہ حدوث کے وہم سے خالی ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود کے لئے نقیض یعنی عدم کا حاصل نہ ہونا کشفی ہے اور شہودی اگرچہ وہ بصورتِ استدلال کیا گیا ہے جیسا کہ کسی بدیہیات پر استدلال کی صورت میں تنبیہ کرتے ہیں۔

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ ممکن سے عدم کے زوال کے بعد فنا کی صورت میں وجود کے علاوہ کوئی چیز اس میں باقی نہیں رہتی اور ثبوت و تحقق کے سوا اس کے نصیب میں کچھ بھی نہیں رہتا کیونکہ عدم اس سے مع عین و اثر کے منتفی (دور) ہو چکا ہے لیکن یہ وہ وجوب و ثبوت ہے جو ممکن کے لئے وہم و حس کے مرتبہ میں ثابت

فنا کے بعد ممکن کی حیثیت

کیا گیا ہے اور آثار کو اس پر مترتب کیا ہے اور عدم کے زوال کے بعد حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کے کمالات کا آئینہ بنا ہے جیسا کہ عدم زائل، ممکن کی ذات و حقیقت ہوا ہے اور یہ ثبوت زوال عدم سے پہلے صفاتِ عدم سے تھا کہ جس کو حس و وہم کے مرتبہ میں ثابت کیا گیا ہے اور اب وہی ثبوت زوالِ عدم کے بعد اس کا قائم مقام ہو کر ممکن کی ذات بن گیا اور صفات کو اپنی طرف منسوب کر لیا اور عدم کے کارخانے کو اس پر قائم کیا گیا۔ اور یہ کارخانہ جو عدم کی نیابت پر قائم ہوا ہے اس حد تک ثابت ہے کہ ثبوت کی نقیض قائم ہے اور امکان کو بقا ہے۔ اور جب معاملہ ثبوت نقیض سے بلند ہو جائے اور وجود کا کوئی مقابل نہ رہے بلکہ عدم کو بھی اس کے مقابلے کی مجال نہ ہو اور امکان کو بھی ہرگز کوئی گنجائش نہ ہو اس وقت معاملہ دوسرا ہو جاتا ہے اور دوسرا ہی دمساز و غمگسار بن جاتا ہے۔ اس مقام پر "اَوْ اَدْنیٰ" کا سِرّ تلاش کرنا چاہئے، کیونکہ جہاں تک امکان کی آمیزش اور عدم کی مجال ہے اگرچہ وہ نقیض کی صورت میں، "قَابَ قَوْسَیْنِ" (دو کمان کا اندازہ) میں داخل ہے اور جب امکان و عدم پورے طور پر اپنا بوریہ بستر باندھ لیں اور کوچ کا نقارہ بجا دیں تو اَوْ اَدْنیٰ (یا اس سے بھی زیادہ قریب) کے کمالات پیش آتے ہیں، نہ کہ اس معنی میں کہ اس وقت ممکن واجب تعالیٰ کی ذات ہو جائے بلکہ اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذاتِ بحت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے اور وہ قیام جو ذات کے ظلال میں سے کسی ظل کے ساتھ تھا زائل ہو جاتا ہے ؎

کسے کو در خدا گم شد خدا نیست (ترجمہ) جو گم ہوا خدا میں ہرگز خدا نہیں ہے

اور اس عارف کا قیام واجب الوجود تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اس طرح ہو جاتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ سبحانہ کی صفات کا قیام اس کی ذات کے ساتھ ہے، بلکہ اس کا قیام ایک ایسے مرتبہ میں ہے جہاں صفات میں سے کچھ بھی ملحوظ نہیں، اگرچہ صفات حق تعالیٰ کی ذات سے جدا نہیں ہیں لیکن صفات کا قیام ازلی اور ابدی ہے اور وہ قدیمی ہیں، اور اس (عارف) کا قیام ازلی نہیں ہے بلکہ وہ حادث ہونے کے داغ سے داغدار ہے۔ لیکن صفات کے نقائص ہیں جو کہ اعدام ہیں مثلاً عدم علم، عدم قدرت، اور اس عارف کا معاملہ اعدام کے نقائص سے بلند و بالا ہو گیا ہے۔ جیسا کہ تحقیق ہو چکا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جب معاملہ عدم کے نقیض ہونے سے بلند و بالا ہو جاتا ہے تو وجوب متحقق ہو جاتا ہے اور ممکن واجب ہو جاتا ہے اور یہ محال ہے ۔۔۔۔۔۔ ہم کہتے ہیں کہ (ممکن) اس وقت واجب ہوتا ہے جب وجودِ خارجی پیدا کر لے لیکن جب مرتبۂ حس و وہم کے علاوہ ممکن کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو پھر وجوب کا وجود کہاں سے متصور ہو گا ۔۔۔۔۔۔ اس بیان سے قیامِ صفات اور قیامِ عارف کے درمیان ایک اور فرق ظاہر ہو گیا کہ صفات کا قیام وجودِ خارجی کے اعتبار سے ہے اور عارف کا قیام وجودِ وہمی کے اعتبار سے، اگرچہ وہ بھی ثبات و قرار رکھتا ہے اور مبدأ آثار ہے ۔۔۔۔۔۔ جاننا چاہئے کہ عارف کے آنا (میں) کی بقا عدم کی بقا تک ہے جو اس کی حقیقت ہے۔ اور جب عدم زائل ہو جائے تو "آنا" کا کوئی محل و مورد نہیں رہے گا جس پر اس کا اطلاق کیا جا سکے۔ ثبوت کے معاملات زوالِ عدم کے بعد اگرچہ بہت زیادہ طول طویل ہیں اور اگرچہ ثبوت ممکن کی ذات ہو گیا ہے لیکن کلمۂ "آنا" (میں) کا اس جگہ کوئی محل و مورد نہیں ہے گویا لفظ "انا" حقیقت عدمیہ کے لئے وضع کیا گیا ہے جو حقیقتِ ثبوتیہ سے نفرت رکھتا ہے۔ ہاں ممکن میں جزوِ اعظم عدم ہی ہے اور ممکن عدم ہی سے ممکن ہوا ہے اور ممکن کا کارخانہ عدم ہی کی وجہ سے فراخ ہوا ہے، اور وہ احتیاج جو ممکن میں ہے عدم ہی سے آئی ہے اور وہ حدوث جو امکان کا دامنگیر ہے وہ بھی عدم ہی سے ظاہر ہوا ہے، اگر ممکن میں کثرت ہے تو وہ بھی عدم ہی کی راہ سے آئی ہے اور اگر امتیاز ہے تو وہ بھی اسی راہ سے ہے۔ ممکن کے حق میں وجود مستعار ہے اور وہ بھی تخیل و توہم میں سے ہے اگرچہ وہ ثبات و استقرار رکھتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ وہ صفات جو واجب جل سلطانہٗ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں تو عزشانہٗ کی ذات ان صفات میں سے ہر ایک صفت کے رنگ میں کامل طور پر ظہور فرماتی ہے نہ یہ کہ ذات کا کچھ حصہ ایک صفت سے متصف ہوا اور دوسرا حصہ کسی دوسری صفت سے۔ کیونکہ اس حضرت (تعالیٰ کی ذات) میں تبعّض و تجزی (حصے اور جزو ہونا) نہیں ہے بلکہ وہ بسیطِ حقیقی ہے۔ ہر وہ حکم جو وہاں ثابت کریں گے وہ باعتبار کلیت ہو گا جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پوری کی پوری علم ہے اور پوری کی پوری ارادہ ہے اور پوری کی پوری قدرت ہے اور وہ قیام جو عارف کو بے ملاحظہ اسماء و صفات واجب جل سلطانہٗ کی ذات کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے۔

کہ وہ کُلّی طور پر اس (عارف) کے رنگ میں ظہور فرماتا ہے اور دوسرے آئینوں کے برعکس وہ اس کے تشخص و تعین سے اپنی مرائیت (آئینہ ہونے کو) ظاہر کرتا ہے (یعنی اپنا آئینہ خود بن جاتا ہے) فَہِمَ مَنْ فَہِمَ (سمجھا جس نے سمجھا) ؎

قیامت میکنی سعدی بدیں شیریں سخن گفتن مسلّم نیست طوطی را بدورانت شکر خائی

(ترجمہ) غضب سعدی کی ہے شیریں بیانی شکر خائی نہیں طوطی کو زیبا

اس طرح کا ظہور کہ آئینہ کلی طور پر اس صورت کے رنگ کو ظاہر کرے تو عارف کو فنائے اتم کے بعد اس ظہور کے ساتھ بقا پیدا ہو کر اس کے تعینات میں اکمل ہو گا کیونکہ یہ وجود موہوب (یقیناً) نہیں ہے جو ولادتِ ثانی سے اس کو میسر ہوا ہے، اور یہ تعین باوجود حدوث امکان کے چونکہ مرتبۂ جمع سے پیدا ہوا ہے اس لئے دوسرے تعینات پر جو اس مرتبہ سے پیدا نہیں ہوئے زیادتی اور فضیلت رکھتا ہے جس طرح قرآن مجید کے حروف و کلمات کو دوسرے حروف و کلمات پر فضیلت حاصل ہے اگرچہ دونوں حدوث و امکان سے داغدار ہیں۔ وہ بہت ہی بے وقوف ہو گا جو اپنی ظاہر بینی کی وجہ سے اس تعین کو دوسرے تعینات کے برابر سمجھے اور ان قرآنی حروف و کلمات کو دوسرے حروف و کلمات کے برابر جانے۔ اس (مثال و) بیان سے عارف کی فضیلت کو سمجھ لو اور اس کی فضیلت دوسروں پر خدائے عزوجل کے کلام کی طرح دوسرے کلام پر قیاس کرو۔ بیت

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است وانکہ دیدش نقدِ خود مردانہ است

(ترجمہ) جس نے افسانہ پڑھا افسانہ ہے جس نے دیکھا آنکھ سے، مردانہ ہے

جن محروموں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح ان کو تصور کیا تو لازمی طور پر وہ (ان کے) منکر ہو گئے اور جن سعادت مندوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسالت اور رحمتِ عالمیان کے عنوان سے جانا اور باقی تمام لوگوں سے ممتاز دیکھا وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہو گئے اور نجات پا گئے۔

حاشیہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بشریت سے وراء ہونا۔

تنبیہ: بعض دقیق مطالب کی ادائیگی میں کہ جن کا تعلق واجب جل شانہٗ کی ذات سے ہے اور میدان عبارت کی تنگی کی وجہ سے ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جن سے ممکن کی صفات کا وہم گذرتا ہے اور جو نقص و قصور کو مستلزم ہیں ان الفاظ کو ظاہر کی طرف سے پھیر لینا چاہئے اور

خداوند جل سلطانہٗ کی بارگاہِ قدس کو تمام صفاتِ نقص اور علاماتِ قصور سے منزّہ و مبرا جاننا چاہیے اور بعض ایسے الفاظ جو شرع شریف میں حضرت جل شانہٗ کے لئے وارد نہیں ہوئے ان کو مشائخ عظام کی تقلید میں بطریقِ مجاز استعمال کیا ہے مثلاً امرایت وغیرہ، ان کی وجہ سے میں ترساں و لرزاں ہوں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (بقرہ آیت ۲) (اے ہمارے رب ہماری بھول چوک پر ہم سے مواخذہ نہ کر)

اگر یہ کہا جائے کہ لفظِ تجلی اور ظہورِ تجلی اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ جو تیری عبارتوں میں واقع ہوئے ہیں تو ان سے ظہور کے مراتب میں وجود کا تنزل لازم آتا ہے جیسا کہ دوسرے مشائخ نے کہا ہے اور حالانکہ تم وجود کے تنزل کا انکار کرتے ہو، اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ تنزل اس صورت میں لازم آتا ہے جبکہ ہم مظہر کو عین ظاہر کہیں جیسا کہ دوسروں نے کہا ہے۔ اگر عین نہ کہیں تو تنزل کیوں کر ہوگا اور اس فقیر کے نزدیک مختار یہی ہے کہ مظہر کے ساتھ عینیت کا نہ ہونا ظاہر ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے)۔

مکتوب ۶۵ شصت و پنجم

۳۱۳ - ۹۹   ۴۲۷ +

مولانا صفر احمد رومی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ بقائے ذات کے بعد عارف کو صفات میں سے ہر صفت اور لطائف میں سے ہر لطیفہ اس کی ذات کی کلیت میں ظہور کرتا ہے۔

معرفت نامہ والے عارفِ کامل کو بقائے ذات کے بعد جب صفات و اخلاق کاملہ عطا فرمائے جاتے ہیں تو وہ صفات میں سے ہر صفت کے ساتھ متصف ہو کر اپنی ذات کی کلیت کے طور پر ظہور کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کی ذات کا کچھ حصہ کسی صفت سے متصف ہو اور کچھ حصہ کسی دوسری صفت کے ساتھ۔ مثلاً اس کی ذات تمام کی تمام علم ہوگی اور پوری کی پوری بصر ہوگی اور تمام کی تمام سمع ہوگی، جیسا کہ صوفیائے محققین نے واجب جل شانہٗ کی صفات کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مثلاً کُل کی کُل علم ہے اور ساری کی ساری قدرت ہے اور تمام کی تمام سمع ہے اور سب کی سب بصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومنین حق تعالیٰ سبحانہٗ کو بہشت میں بے جہت دیکھ سکیں گے

(حاشیہ: عارفِ کامل کی خصوصیات)

---

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۷ پر گزر چکا ہے۔

کیونکہ وہ خود کلی طور پر "بصر" ہو چکے ہوں گے، اور جب ہمہ تن بصر ہو گئے تو پھر جہت کے لئے کیا گنجائش رہی ــــ اور (صوفیہ یہ بھی) کہتے ہیں کہ جو کچھ عام مومنوں کو چناں چنیں کے بعد آخرت میں میسر ہوگا وہ ان اولیاء کو جو کہ خواصِ مومنان ہیں ان کو دنیا میں میسر ہو جاتا ہے کیونکہ اُن کا ادھار اِن کا نقد ہے۔ لہٰذا اس موقع پر ان کے ادھار کو قیاس کرنا چاہئے کہ وہ کیسا کچھ ہوگا۔ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا (ترجمہ) مرے گلستاں سے میری بہار کو سمجھو

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیۃ ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے) ــــ اور اسی طرح اس عارف کے لطائف میں سے ہر لطیفہ اس وقت اس کی کلیت کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے، اور عارف تمام کا تمام لطیفۂ روح ہو جاتا ہے اور سارا کا سارا لطیفۂ قلب ہو جاتا ہے اور علیٰ ہذا القیاس تمام انسانی لطائف یعنی نفسِ ناطقہ اور سِرّ اور خفی و اخفیٰ اور اس کے اجزا میں سے ہر جزو اور عناصر میں سے ہر عنصر اسی طریقے پر کُل کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ مثلاً عارف اپنے آپ کو پوری طرح عنصرِ خاک پاتا ہے اور تمام کا تمام عنصرِ آب تصور کرتا ہے۔

اور لطیفۂ قلب جو کہ حقیقتِ جامعہ ہے "کُل" کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے تو وہ تعلق جو اس کو قلب کے گوشت کے ٹکڑے کے ساتھ تھا زائل ہو جاتا ہے اور اس وقت وہ گوشت کا ٹکڑا خالی رہ جاتا ہے اور بدن بے روح کی طرح نظر آتا ہے اور وہ ایسا خیال کرتا ہے کہ اس رفت و آمد (فنا و بقاء) میں اس کو اس راہ کی گرد تک نہیں پہنچی اور وہ اپنی اصلی صرافت (خالصیت) پر ہے، بالکل اسی طرح جیسے پختہ دیگ میں کوئی کچا دانہ اپنی اصلی حالت پر رہ جاتا ہے کہ نہ آگ کی گرمی اس میں اثر کرتی ہے اور نہ پانی کی رطوبت اس تک پہنچتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ (قلب) اس تعلق کے رفع ہونے اور خالی ہو جانے کے بعد باقی تمام اجزا کے رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے اور دوسرے اجزا کی طرح "کُل" کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔

❊ ❊

❊

مکتوب ۶۶ شصت و ششم

۳۱۳-۹۹ ۴۷۸+

محمد مقیم قصوری[1] کی طرف ان کے سوال کے جواب میں کہ "المجاز قنطرۃ الحقیقۃ" کے معنی کے بیان میں صادر فرمایا۔

میرے بھائی محمد مقیم نے دریافت کیا تھا کہ (صوفیہ) اَلْمَجَازُ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃِ (مجاز حقیقت کا پُل ہے) کس معنی میں کہتے ہیں؟ ـــــ جاننا چاہئے کہ مجاز حقیقت کا ظل ہے اور ظل سے اصل تک شاہراہ کشادہ ہے۔ شاید اسی وجہ سے (بزرگوں نے) کہا ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ[2] (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)۔ کیونکہ ظل کی معرفت سے اصل کی معرفت لازم آتی ہے اس لئے کہ ظل اپنی اصلی صورت پر موجود ہے لہٰذا وہ (ظل) اپنے اصل کے انکشاف کا سبب ہوتا ہے۔ کیونکہ شے کی صورت وہی ہے جس سے اصل شے ظاہر ہو۔

لیکن یہ بھی جان لینا چاہئے کہ اَلْمَجَازُ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃِ (مجاز حقیقت کا پُل) اُس صورت میں ہے جبکہ مجاز کی گرفتاری درمیان میں نہ آئے (بلکہ ایک نظر کے بعد) نظرۂ ثانیہ (دوبارہ دیکھنے) کی نوبت نہ پہنچے۔ پس وہ نظرۂ اولیٰ (پہلی نظر) ہی ہے جو حقیقت کا پُل ہے اور جس کی نسبت مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَلنَّظْرَۃُ الْاُوْلٰی لَکَ[3] (پہلی بار دیکھنا تیرے لئے ہے) گویا لفظِ لَکَ سے اس دولت کے حاصل ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور اگر عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ) مجاز کی گرفتاری درمیان میں آگئی بلکہ نظرۂ ثانیہ تک نوبت پہنچ گئی تو وہی حقیقت تک پہنچنے کا مانع ہے، وہ قنطرہ (پُل) تو کیا بلکہ وہ تو ایک بُت ہے جو اپنی پرستش کی طرف بُلاتا ہے اور ایک دیو ہے جو حقیقت سے برگشتہ کرتا ہے۔ اسی لئے مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے نظرۂ ثانیہ کو مضر جانتے ہوئے اَلنَّظْرَۃُ الثَّانِیَۃُ عَلَیْکَ[4] (دوسری نظر تیرے لئے مضر) فرمایا ہے۔ اور اس سے زیادہ کونسی چیز مضر ہوگی جو حق سے باز رکھے اور باطل میں گرفتار کرے۔

مجاز "حقیقت کا پُل" کس معنی میں ہے۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ اپنے والد شاہ ابوالمعالی کے انتقال کے وقت کم سن تھے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد تلاشِ مرشد میں لاہور پہنچے اور حیات المیر زندہ پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور خلافت پائی۔ ۱۰۵۵ھ میں انتقال ہوا۔ (حدیقۃ الاولیا، ص ۱۹)۔

[2] بعض نے اس کو مقولہ کہا اور بعض نے حدیث کہا۔ (تشیید)

[3] اس حدیث کو احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ اور حاکمؒ نے حضرت بریدہؓ سے روایت کیا (تشیید)

اور جاننا چاہئے کہ پہلی نظر بھی اس وقت فائدہ مند ہے جبکہ اپنے اختیار سے نہ ہو اور اگر اپنے اختیار سے ہوگی تو وہ بھی نظرۂ ثانیہ کا حکم رکھتی ہے ـــــ اس مطلب کے اثبات کے لئے آیۂ کریمہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (نور آیت ۳۰) آپ مومنوں سے کہدیں کہ اپنی نظروں کو نیچی رکھا کریں) کافی ہے ـــــ صوفیائے خام نے اس عبارت کے معنی نہ سمجھے اور غلط معنی کرنے کی وجہ سے وہ حسین شکلوں کے ساتھ گرفتاری (تعلق) پیدا کر لیتے ہیں اور ان کے ناز و انداز پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اس طرح پر کہ اس (عشق و محبت) کو حقیقت تک پہنچنے کا وسیلہ اور مطلوب کے حاصل ہونے کا زینہ بنائیں۔ ہر گز ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ امر سراسر مطلوب کا سدّ راہ اور مقصود کے حاصل ہونے کا حجاب ہے اور یہ ایک باطل ہے جو اُن کی نظر میں مزین و آراستہ ہو گیا ہے اور وہ دھوکے میں آکر اس کو حقیقت سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان میں سے بعض صوفی ان صورتوں کے حسن و جمال کو حق جل شانہٗ کا حسن و جمال سمجھ کر ان کی گرفتاری کو عین حق تعالیٰ کی گرفتاری جانتے ہیں اور ان کے مشاہدے کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ خیال کرتے ہیں اور ان میں بعض کہتے ہیں ؎

امروز چوں جمالِ تو بے پردہ ظاہر ست　در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

(ترجمہ) جب آج ہی جمال ترا بے حجاب ہے　حیرت ہے کل کا وعدہ کیا تو نے کس لئے؟

تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے جو وہ کہتے ہیں بہت ہی بلند و برتر ہے)۔

معلوم نہیں کہ ان کوتاہ نظروں نے حق سبحانہٗ کو کیا گمان کیا ہے اور اس کے حسن و جمال کو نہ جانے کیا تصور کیا ہے۔ شاید انھوں نے نہیں سُنا کہ حورِ بہشت جو حق سبحانہٗ کی ایک مخلوق ہے اگر اس کا ایک بال بھی دنیا میں گر جائے تو اس بال کی چمک اور روشنی کے باعث دنیا میں کبھی رات نہ آئے اور نہ کبھی اندھیرا چھائے۔ اور حق جل وعلا کی ایک ہی تجلّی تو پڑی تھی جس سے کوہ طور کے جل جانے اور اس کے ریزہ ریزہ ہو جانے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قرب و منزلت کے باوجود بیہوش ہو کر گر پڑنے کا قصہ نصِّ قرآنی سے ثابت ہے ـــــ لیکن یہ بے عقل لوگ ہر وقت حق تعالیٰ کو بے پردہ دیکھتے ہیں اور آخرت کی رویت کے وعدہ پر تعجب کرتے ہیں۔ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا (فرقان آیت ۲۱) (انھوں نے اپنے نفسوں میں تکبر کیا اور نہایت درجہ سرکش ہو گئے)۔

علماء اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے بڑی کوششیں کی ہیں اور نقلی دلائل کے ساتھ مخالفوں کے سامنے آخرت کی رویت کو ثابت کیا ہے جبکہ اہلِ سنت کے علاوہ باقی تمام مخالف گروہ خواہ وہ اہلِ ملت ہوں یا غیر اہلِ ملت آخرت میں رویتِ حق جل وعلا کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس کو محالِ عقلی سمجھتے ہیں۔ اور خود اہلِ سنت نے بھی اس کو بلا کیف کہا ہے اور عالمِ آخرت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور ان بوالہوس لوگوں نے اس دولتِ قاہرہ کے حاصل ہونے کو اس عالمِ فانی میں تصور کر لیا ہے اور اپنے خواب وخیال پر خوش ہو رہے ہیں۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

۳۱۳ - ۹۹ ۔۔۔۔۔ ۔ ۴۷۹

میر منصور[1] کی طرف کائنات کی حقیقت میں اور حضرت مجددؒ اور صاحب فتوحات مکیہ کے مکشوف کے درمیان فرق کے بیان میں صادر فرمایا۔

حقیقتِ کائنات

کائنات کا یہ میدان جو معائن (معائنہ میں آتا) اور مشاہد (مشاہدہ میں آتا) اور منبسط (کشادہ) اور مسطح (پھیلا ہوا) اور طویل وعریض خیال میں آتا ہے حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور ان کے متبعین کے نزدیک (یہ سب کچھ) "حضرتِ وجود" ہے کہ اس کے علاوہ خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے، اور وہ وجود حضرت حق سبحانہٗ کی ذات ہے جس کو ظاہر وجود کہتے ہیں جو انعکاس کے ذریعے متلبس صُوَرِ علمیہ متکثرہ (علمی صورتیں بکثرت لباس میں منعکس ہوتی) ہیں کہ جن کو "باطنِ وجود" کہتے ہیں اور ان کو "اعیانِ ثابتہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ وجود جو اپنی وحدت وبساطت پر ہے کثرت والا، فراخ اور طویل وعریض خیال میں آتا ہے، وہ (حضرت شیخؒ) فرماتے ہیں کہ یہ سب مشاہدہ واحساس، خواہ عوام ہوں یا خواص اس کو نیہ لباس کے صفحہ میں اور مختلف صورتوں اور شکلوں میں حضرتِ حق سبحانہٗ ہی ہے جو عوام کو ایک عالم متوہم ہوتا ہے اور عالم ہرگز

حضرت مجددؒ اور ابن عربیؒ کے درمیان فرق

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر ہذا کے مکتوب ۶۳ میں گزر چکا ہے۔

خانۂ علم سے باہر نہیں آیا اور اس نے وجودِ خارجی کی بُو تک نہیں پائی، بلکہ انہی علمی صورتوں کے عکوس ہیں جنھوں نے حضرتِ وجود کے آئینے میں ظاہر ہو کر خارج میں نمود پیدا کر لیا ہے اور عوام کو اپنے وجودِ خارجی کے توہم میں ڈال دیا ہے۔ بقول مولانا جامی علیہ الرحمہ: رباعی

مجموعۂ کون را بقانونِ سبق　　کردیم تصفح ورقاً بعد ورق
حقا کہ نہ دیدیم و نخواندیم درو　　جز ذاتِ حق و شیون ذاتیہ حق

(ترجمہ) کیا مطالعہ دنیا کا ہم نے مثلِ سبق　　اُلٹ پلٹ کے ہر دیکھا ہر ایک اس کا ورق
مگر یہ سچ ہے کہ دیکھا نہیں پڑھا بھی نہیں　　سوائے ذاتِ حق و بس شیونِ ذاتِ حق

اور جو کچھ کہ اس فقیر پر مکشوف ہوا اور جس بات کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ یہ عرصہ، عرصۂ وہم (وہم کا میدان) ہے اور یہ صورتیں اور شکلیں جو اس میدان میں ہیں ممکنات کی صورتیں اور شکلیں ہیں جنھوں نے خداوند جل سلطانہٗ کی صنعت و کاری گری سے حس و وہم کے مرتبہ میں ایک ثبوت پیدا کر لیا ہے اور استحکام پا لیا ہے۔ اور اس صفحۂ (ہستی) میں جو کچھ مشہود و محسوس ہے وہ ممکنات کی قسم سے ہے، اگرچہ بعض سالکوں کے نزدیک وہ مشہود واجب کے ساتھ متوہم ہو جاتا ہے اور حقیقت کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ افرادِ عالم سے ہے اور حق تعالیٰ وراء الوراء ہے، اور ہماری دید و دانش سے جدا ہے اور ہمارے کشف و شہود سے منزہ و مبرا ہے

حق تعالیٰ وراء الوراء ہے

ے
خلق را وجہ کے نماید او　　در کدام آئینہ در آید او

(ترجمہ) خلق کو منہ کہاں دکھاتا ہے　　کونسے آئینے میں آتا ہے

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ عرصۂ متوہمہ (وہم کا میدان) اس خارجی میدان کا ظل ہے جو کہ حضرت وجوب تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ کے شایانِ شان ہے چنانچہ اس مرتبہ کا وجود اس مرتبہ کے وجود کا ظل ہے اور اس مرتبۂ وہم کو اس اعتبار سے کہ مرتبۂ خارج کا ظل ہے اگر خارج بھی کہہ لیں تو اس کی گنجائش ہے جیسا کہ وجودِ ظلی کے اعتبار سے اس کو موجود بھی کہتے ہیں اور یہ عرصۂ وہم عرصۂ خارجی کے رنگ میں نفس الامری ہے اور احکامِ صادقہ رکھتا ہے اور ابدی معاملہ بھی اسی کے ساتھ وابستہ ہے جیسا کہ مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔ ملاحظہ کرنا چاہئے کہ ان دونوں مکشوفوں میں سے کونسا مکشوف خداوند جل سلطانہٗ کی

تنزیہ و تقدیس سے زیادہ قریب اور زیادہ لائق ہے اور کونسا اس تعالیٰ کی جناب قدس میں اولیٰ اور انسب ہے۔ اور ان دونوں میں سے کونسا ابتدا اور توسط حال سے مناسبت رکھتا ہے اور کونسا انتہائی حال کے مناسب ہے ـــــ سالہا سال تک یہ فقیر پہلے کشف کا معتقد رہا اور اقوال عجیبہ اور مشاہدات غریبہ اس مقام میں گذرے اور اس مقام کے بہت سے حظ حاصل کئے آخر کار محض فضل خداوندی جل شانہٗ سے معلوم ہوا کہ جو کچھ دیکھا اور جانا گیا وہ سب حق سبحانہٗ کے علاوہ تھا جس کی نفی کرنا لازم ہے۔ کچھ مدت کے بعد خداوند جل شانہٗ کے کرم سے معاملہ نفی سے انتفا (نیست ہونے) تک پہنچ گیا اور وہ باطل جس نے اپنے آپ کو حق ظاہر کیا تھا وہ بھی دبیر و دانش سے گر گیا اور غیب الغیب کے ساتھ تعلق حاصل ہو گیا اور موہوم موجود سے جدا ہو گیا اور قدیم حادث سے متمیز ہو گیا جو کہ مکشوف ثانی کا حاصل ہے۔ بقول مؤلف[۵۸]: رباعی

در عرصۂ کائنات با وقت فہم — بسیار گذشتیم بسرعت چوں سہم
گشتیم ہمہ چشم ندیدیم درو — جز ظل صفات آمدہ ثابت در وہم

(ترجمہ) دیکھا بہت ہے دنیا کو اور اب بھی دیکھ لیں — گو مثل تیر اس میں مسلسل پھرا کریں
خود آنکھ بن کے دیکھیں مگر سچ ہے بس یہی — ظل صفات ہی نظر آئے گا بس ہمیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ اس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پا سکتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے) وَالسَّلَام

فقیر محمد ہاشم[۵۹] کے نام صادر فرمایا ـــــ مرتبۂ وہم کی تحقیق میں کہ جس میں عالم مرتبہ نمود و وجود رکھتا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

مرتبۂ وہم کی تحقیق

عالم کو جو ہم موہوم کہتے ہیں وہ اس معنی میں نہیں کہ عالم وہم کی خراش اور اختراع ہے۔ وہ وہم کی اختراع کیسے ہو سکتا ہے جبکہ خود وہم بھی جملہ عالم سے ہے۔ بلکہ اس معنی میں ہے کہ عالم کو

---

[۵۹] آپ کے نام تیرہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ پر گذر چکا ہے۔
[۵۸] مؤلف سے مراد اگر خود حضرت مجددؒ ہیں تو گویا یہ رباعی آپ کا واحد شعری کلام ہے۔

حضرت حق سبحانہٗ نے "مرتبۂ وہم" میں پیدا فرمایا ہے، اگرچہ وہم اس وقت وجود میں بھی نہیں آیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کے علم میں موجود تھا۔ اور "مرتبۂ وہم" سے مراد نمودِ بے بود (جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اس کا ظہور) ہے اس دائرہ کی مانند جو نقطۂ جوالہ سے وہم میں پیدا ہوتا ہے کہ اس کا ظہور تو ہے لیکن حقیقت کچھ نہیں ہے۔ البتہ حکیمِ مطلق جل سلطانہٗ نے عالم کو اس مرتبہ میں تخلیق فرماکر نمودِ محض کو ثبوت و قیام بخشا اور غلط سے صحت و درستگی کی طرف لایا اور کذب سے صدق میں لاکر امرِ واقعی بنا دیا۔ اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (فرقان آیت ۲۵) (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے)۔

مرتبۂ موہوم بھی عجیب مرتبہ ہے کہ جس کو موجود کے ساتھ کوئی مقابلہ و مساوات نہیں، اور اس کی کوئی مواقعت بھی نہیں، اور جہتوں میں سے کوئی جہت بھی اس سے ثابت نہیں اور اس کی کوئی حد و نہایت بھی نہیں، چنانچہ دائرۂ موہومہ کو نقطۂ جوالہ موجودہ کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں اور جہات میں سے کوئی جہت بھی اس کے ساتھ ثابت نہیں ہے اور نہ اس نقطہ کو اس دائرہ کے پیدا ہونے سے کوئی نہایت پیدا ہوتی ہے (حتیٰ کہ) یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ نقطہ دائرہ کے دائیں جانب ہے یا بائیں جانب، آگے ہے یا پیچھے، اوپر ہے یا نیچے۔ اس دائرہ کے لئے ان جہات کا ثبوت ان اشیاء کی نسبت سے ہے جو اس کے مرتبہ میں ثابت ہیں لیکن وہ چیز جو کسی دوسرے مرتبہ میں ثابت ہیں دائرہ کو ان جہات میں سے کوئی جہت ثابت نہیں اور نہ اس نقطہ کو اس دائرہ کے پیدا ہونے سے کوئی حد اور نہایت پیدا ہوئی ہے اور وہ اپنی پہلی خالص حالت پر ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (نحل آیت ۶۰) (اور اعلیٰ مثال اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے)۔

اس بیان اور اس مثال سے عالم کو صانعِ عالم جل شانہٗ کے ساتھ تعلق کا حال معلوم کریں کہ اس عالم کی ایجاد سے حق سبحانہٗ کو کوئی حد اور کوئی نہایت حاصل نہیں ہوتی، اور نہ جہتوں میں سے کوئی جہت اس کے لئے ثابت ہوتی ہے، وہاں یہ نسبت کس طرح متصور ہو سکتی ہے جبکہ اس عالی مرتبہ میں اس کا نام و نشان تک بھی نہیں ہے جس سے نسبت کا تصور کیا جا سکے ——— چند بے نصیب لوگوں نے اپنی کوتاہ نظری کے باعث اس نسبت کا حصول اور ان جہتوں کا ثبوت عالم اور صانعِ عالم جل شانہٗ کے حق میں تصور کرکے واجب تعالیٰ کی رویت (دیدار) کی نفی کردی

عالم کو صانعِ عالم کے ساتھ تعلق

اور اس کو محال خیال کر کے اپنے جہلِ مرکب اور تصدیق کاذب کو کتاب و سنت پر مقدم کر لیا۔ اور ان لوگوں نے گمان کیا کہ اگر حق جل و علا مرئیٔ (دیکھا گیا) ہوا تو یقیناً (دیکھنے والے کی) جہت میں سے کسی جہت میں ہوگا اور اس سے حد اور نہایت لازم آتی ہے۔

سابقہ تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ حق سبحانہٗ کو عالم کے ساتھ ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں، رویت (دیدار) کا اثبات کریں یا نہ کریں (لیکن) رویت ہوگی اور جہت نہ ہوگی، جیسا کہ اس معنی کی تحقیق ابھی کی جائے گی ——— مگر ان بدنصیبوں نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ خطرہ تو وجودِ عالم کے وقت میں بھی ثابت ہے کیونکہ اس وقت صانع تعالیٰ، عالم کی جہتوں میں سے کسی جہت میں ہوگا، نیز عالم کے ماوراء بھی ہوگا کہ اس سے بھی حد و نہایت لازم آتی ہے، اور اگر عالم کی تمام جہتوں میں کہیں تو اس حد و نہایت کو کیا کہیں گے جس سے ورائیت لازم آتی ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ جہت کا فساد نہایت کے لازم آنے کی وجہ سے ہے اور وہ خود لازم ہے ——— اس تنگی سے خلاصی صوفیہ کے قول کو اختیار کرنے میں ہے جو عالم کو موہوم کہتے ہیں اور جہت و نہایت کے اشکال سے نجات پاتے ہیں اور موہوم کہنے میں کوئی خطرہ بھی لازم نہیں آتا کیونکہ وہ موجود کی طرح احکامِ صادقہ رکھتا ہے اور ابدی معاملہ اور دائمی نعمتیں اور عذاب اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ وہ موہوم دوسرا ہے کہ جس کے بیوقوف سوفسطائی قائل ہیں کہ وہ وہم کی اختراع اور خیال کی تراش و خراش ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دائرہ موہومہ جو نقطہ جوالہ سے پیدا ہوتا ہے اس نقطہ سے کوئی جہت بھی ثابت نہیں اور وہ نقطہ دائرہ کی جہتوں سے باہر ہے، اگر بالفرض وہ دائرہ تمام کا تمام بصر (آنکھ) بن جائے تو یقیناً اس نقطہ کو بے جہت دیکھے گا کیونکہ جہت ان کے درمیان مفقود ہے۔ اور جو کچھ کہ ہم کہنا چاہتے ہیں (وہ یہ ہے) کہ اگر دیکھنے والا ہمہ تن بصر ہو جائے اور حق جل و علا کو بے جہت دیکھے تو اس سے کونسا خطرہ لازم آتا ہے۔ مومنین بہشت میں ہمہ تن بصر ہو کر (حق تعالیٰ کو) دیکھیں گے اور کوئی جہت ثابت نہ ہوگی۔ اولیاء کو بحکم تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہونا) دنیا ہی میں یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ ہمہ تن بصر ہو جاتے ہیں، اگرچہ رویت نہیں ہوتی کیونکہ وہ آخرت سے مخصوص ہے لیکن حکم رویت رکھتی ہے ——— اور یہ جو ہم نے کہا کہ بحکم تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ، یہ اس لئے کہ (صوفیہ نے) واجب تعالیٰ کے متعلق فرمایا ہے کہ

حق تعالیٰ کی ذات کُل کی کُل بصر ہے اور کُل کی کُل سمع ہے اور کُل کی کُل علم ہے۔ اور جو لوگ (حق تعالیٰ کے) اخلاق کے ساتھ متخلق ہیں وہ یقیناً اس اخلاق سے بہرہ ور ہیں ان کی ہر صفت اس مقام میں بھی ان کی کلیت کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے اور وہ مثلاً ہمہ تن بصر ہو جاتے ہیں اور باقی تمام مومنین کو آخرت میں یہ نسبت عطا فرما کر رویت (دیدار) کی دولت سے مشرف کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور اس صورت میں کوئی محظور و اشتباہ لازم نہیں آتا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔

مکتوب ۶۹

شصت و نہم

۳۱۳ + ۹۹ + ۶۹ = ۴۸۱

قاضی موسیٰ[1] شوجین[3] (سہون) کی جانب شریعت کے التزام اور ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ اس طرف کے فقراء کے حالات لائق حمد ہیں۔ جو گرامی نامہ آپ نے درویش رحم علی کے ہمراہ بھیجا تھا وصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا (حق تعالیٰ آپ کو) سلامتی اور استقامت عطا فرمائے ——— آپ نے نصیحتیں طلب فرمائی تھیں ——— میرے مخدوم! اَلنَّصِیْحَةُ هِیَ الدِّیْنُ وَمُتَابَعَةُ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (نصیحت تو یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والسلام کے دین اور آپ کی متابعت کو لازم کر لیں) اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ متابعت کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم احکام شرعیہ کی بجا آوری ہے۔ اور باقی اقسام کو فقیر نے ایک مکتوب[2] میں جو کہ ایک دوست کے نام لکھا ہے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں ان سے کہوں گا کہ وہ اس کی نقل آپ کو بھیج دیں۔

ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب

مختصر یہ کہ اس طریقے میں فائدہ حاصل کرنا اور فائدہ پہنچانا صحبت پر منحصر ہے، کہنا اور لکھنا کافی نہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ "ہمارا طریقہ صحبت ہے"۔ اور اصحاب کرام حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت ہی کی بدولت تمام اولیائے امت سے افضل ہیں، اور کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اگرچہ اویس قرنی ہی کیوں نہ ہوں۔ دوستوں سے سلامتیٔ ایمان کی درخواست ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (الکہف ۱۰) رحم علی نے اپنے ورقِ زندگی کو پلٹ دیا ہے (محاسبۂ اعمال میں لگے ہوئے ہیں) اور اصلاح کی طرف متوجہ ہیں۔ حضرت حق سبحانہٗ ان کو استقامت عطا فرمائے۔ والسلام

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے مزید حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔ [2] دفتر دوم مکتوب ۵۴ بنام سید شاہ محمد۔

[3] شوجین صحیح معلوم نہیں ہوتا سیحون (سندھ) سے ان کا تعلق ہوگا۔ ان کے بیٹے مولانا اسحٰق کے نام مکتوب ۷۰ ہے۔

۳۱۳+۹۹+ = ۴۸۲

مکتوب ۷۰ ہفتادم

مولانا اسحٰق[1] ولد قاضی موسیٰ کی طرف ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔ مکتوب شریف جو رحم علی درویش کے ہمراہ آپ نے بھیجا تھا موصول ہوا چونکہ وہ ذوق و شوق پر مبنی تھا اس لئے خوشی کا باعث ہوا ——— جو واقعہ (خواب) آپ کو پیش آیا تھا اور جس کو آپ نے ایک علیحدہ کاغذ پر درج کیا تھا اس کے مطالعہ سے خوشی پر مزید خوشی حاصل ہوئی۔ اس قسم کے واقعات مبشرات میں سے ہیں۔ کوشش کرنی چاہئے کہ قوت سے فعل میں ظاہر ہوں اور گوش سے آغوش میں آجائیں۔ آج جبکہ تقصیر و کوتاہی کا تدارک ممکن ہے فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور (کارِ خیر میں) غفلت و تاخیر اختیار نہیں کرنی چاہئے۔

حضرت خواجہ (عبید اللہ) احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم چند درویش ایک جگہ جمع تھے (اتفاقاً) جمعہ کے دن کی اس ساعت کے متعلق گفتگو شروع ہو گئی جس میں دعا مقبول ہوتی ہے کہ اگر وہ ساعت میسر آجائے تو حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے کس چیز کی درخواست کرنی چاہئے چنانچہ ہر شخص نے (اپنی سمجھ کے مطابق) کسی ایک چیز کے لئے کہا۔ جب میری نوبت آئی تو میں نے کہا کہ ارباب جمعیت کی صحبت کی درخواست کرنی چاہئے، تاکہ اس کے ضمن میں تمام سعادتیں میسر آجائیں ——— مکتوبات میں سے بعض (مکتوب) کی نقل کرا کر حاملِ رقعہ کے ہمراہ بھیج رہا ہوں حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اُن سے بہرہ ور فرمائے ——— دیگر یہ کہ برادرم شیخ کریم الدین کچھ عرصہ سے یہاں آئے ہوئے ہیں، شاید کچھ اپنے حالات آپ کو لکھیں۔ دوستوں سے دعا کی توقع ہے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (تحریم آیت ۶۶) (اے ہمارے رب ہمارے لئے نور کو کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ سندھ کے فاضل بزرگوں میں سے تھے (غالباً سیہون) بابا کریم الدین حسن ابدالی سے جو حضرت مجدد کے خلیفہ تھے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا بعد ازاں اکیس[21] دن تک متواتر خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر کمال شوق و اخلاص سے ... [2] سالہا حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر رہ کر فیضیاب ہوئے۔ (زبدۃ المقامات)

۳۱۳+۹۹+ =۴۸۳

مکتوب ۷۱ (ہفتاد و یکم)

جناب پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ[1] کی طرف صادر فرمایا — "حقائقِ موہوم" جو کہ عالم ہے اور "موجودِ حقیقی" جو کہ صانعِ عالم ہے، ان دونوں کے درمیان فرق کے بیان میں۔

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (النحل آیت ۶۰) (اور سب سے اعلیٰ مثال اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے) وہ نقطۂ جوالہ جس کی وجہ سے وہم میں دائرہ معلوم ہوتا ہے، جس طرح وہ خارج میں موجود ہے وہم میں بھی موجود ہے لیکن وہاں (خارج میں) دائرہ کا بے پردہ ظہور ہے اور یہاں (یعنی وہم میں) اس کے ساتھ روپوش ہے اور خارج و وہم میں بھی اس معنی میں موجود نہیں ہے کہ ہر مرتبہ میں علیحدہ وجود رکھتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ صرف ایک ہی موجود ہے جو خارج میں بھی ہے اور وہم میں بھی کہ وہاں بے پردہ دائرہ ہے اور یہاں پردے کے ساتھ ہے۔ اور یہ دائرہ موہومہ جو وہم میں نمودِ بے بود رکھتا ہے اور غلطِ حس کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اگر اس کو (خارج میں) موجود شمار کریں اور ثبات و قرار دیدیں اور اس کو نمود با بود بنادیں تو یقیناً وہ حس کی غلطی سے باہر نکل کر نفس الامر (امرِ واقعی) ہو جائے گا اور احکامِ صادقہ پیدا کرلے گا۔ لہٰذا اس دائرہ کی وہم میں حقیقت اور صورت ہے اس کی حقیقت وہی نقطۂ جوالہ ہے جس کے ساتھ وہ قائم ہے اور اس کی صورت وہی دائرہ ہے جس نے ثبوت و ثبات پیدا کرلیا ہے ——— یہ صورت اگرچہ اس حقیقت کا عین نہیں ہے، کیونکہ اس کے صفات و احکام الگ ہیں لیکن حقیقت سے دور نہیں اور جدا بھی نہیں ہیں۔ یہ حقیقت ہی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اس نمود کے ساتھ متخیل کیا ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں   گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

(ترجمہ) بہت خوب لگتی ہے اُن کی کہانی   بیاں ہو اگر دوسروں کی زبانی

حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ اس مقام میں کہتے ہیں کہ "اگر تو چاہے تو کہدے کہ وہ حق (تعالیٰ) ہے اور اگر چاہے تو کہدے وہ مخلوق ہے اور اگر تو چاہے تو کہہ دے کہ وہ ایک اعتبار سے حق ہے اور دوسرے اعتبار سے خلق ہے تو بھی بجا ہے، اور اگر دونوں میں تمیز نہ ہونے کی

[1] آپ کے نام سات مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۶۶ پر گذر چکا ہے۔

حقائقِ موہوم اور موجودِ حقیقی کے درمیان فرق

صورت و حقیقت کے درمیان امتیاز

وجہ سے حیرت میں آجائے تو بھی ٹھیک ہے؟ ـــــ لیکن جاننا چاہئے کہ یہ تمیز صورت و حقیقت کے درمیان اگرچہ وہم میں ہے لیکن چونکہ صورت اس مرتبۂ وہم میں خداوند جل سلطانہٗ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہے اور اس نے ثبات و قرار پیدا کرلیا ہے اس لئے یقیناً وہ نفس الامری ہوگیا ہے اور نفس الامری کی تمیز حاصل کرکے ظلیت کے طریق پر موجود خارجی بن گیا ہے، کیونکہ صورت کا وجود جس طرح حقیقت کے وجود کا ظل ہے اسی طرح مرتبۂ نمود میں وجود کے حصول کے بعد ظل سے خارج میں آیا ہے، لہٰذا چونکہ حقیقت اور صورت کے درمیان تمیز کرنا نفس الامری ہے بلکہ خارجی ہوگئی ہے لہٰذا ایک کا دوسرے پر اطلاق کرنا محال ہوگیا اور ایک دوسرے کا عین کبھی نہیں ہوا۔ اور جس نے عین کہا ہے اس نے تمیز وہمی سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا اور امتیازِ علمی کے سوا کچھ نہ جانا۔ سبحان اللہ! وہم کا مرتبہ خداوند جل شانہٗ کی ایجاد کی وجہ سے جو اس مرتبہ میں واقع ہوا ہے خارج ہوگیا اور نفس الامر بن گیا اور اس علم و خارج سے جو متعارف ہے بلند ہوگیا اور چونکہ یہ مرتبہ خارج میں آیا ہے تو لازمی طور پر وہم کے مرتبہ کو اس نے جدا کردیا ہے اور نقطۂ جوالہ کو موجودِ خارجی بنا کر اس دائرہ نے جو اس سے پیدا ہوا ہے موہوم نام پالیا ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ صورت جو کہ حقیقت سے پیدا ہوئی ہے اور جو کچھ بھی رکھتی ہے وہ حقیقت سے رکھتی ہے اور وہ حقیقت سے کچھ بھی جدا نہیں ہے بلکہ اس کو زبردستی حقیقت سے جدا کرلیا ہے اور توہم سے تحقق میں لاکر متمیزِ وہمی کو خارجی بنادیا ہے۔ آیۂ کریمہ صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (نمل ۲۷ آیت ۸۸) (اللہ تعالیٰ کی صنعت (کاریگری) کا کرشمہ ہے کہ اس نے ہر شئے کو مضبوط بنادیا ہے) کو اس جگہ ملاحظہ کرنا چاہئے کہ اس (حق تعالیٰ) نے لاشئے محض کو اپنی قدرتِ کاملہ سے شئے بنادیا اور دانا، بینا، قادر اور مدبر بنادیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

چونکہ او ننگ گوش و چشم و دست و پائے ۔۔۔ خیرہ ام در چشم بندی خدا

(ترجمہ) جب کہ صورت میں حقیقت ہے عیاں ۔۔۔ چشم بندی کی ہے گنجائش کہاں

(یہاں چشم بندی کیا گنجائش رکھتی ہے کیونکہ چشم بندی اس جگہ ثابت ہے جہاں غیرِ واقعہ کو واقعہ ظاہر کیا جائے، اور یہاں قدرتِ خداوندی جل شانہٗ نے غیر واقع کو واقع کردیا ہے اور احکامِ کاذبہ کو جو اس مرتبہ میں ثابت تھے صادقہ بنادیا ہے۔

شیخ (ابن العربیؒ) فرماتے ہیں لِعَدَمِ التَّمَیُّزِ بَیْنَھُمَا (ان دونوں (حقیقت وصورت) کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے)۔ حالانکہ (امتیاز ہے) یعنی بندے اور رب کے درمیان پچاس ہزار سال کی راہ ہے اور آیہ کریمہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ (معارج آیہ) (فرشتے اور روح اس کی جانب چڑھتے ہیں اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے)۔ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے اور شیخ خود بھی اس دوری راہ کے معترف ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ حیرت کے قائل ہوئے ہیں ________ کوئی بے وقوف سادہ لوح اس دوری کی وجہ سے حق سبحانہٗ کو دُور نہ جانے اور اپنے آپ کو (بھی اس سے) دور نہ جانے، کیونکہ حق سبحانہٗ بندہ سے اور اس کے نفس سے بھی زیادہ قریب بلکہ اقرب ہے۔ اور یہ بُعد درک و معرفت کے اعتبار سے ہے، نہ کہ مکان و مسافت کے اعتبار سے۔ دائرہ کا آخری نقطہ ان تمام نقطوں کی نسبت دائرہ کے مبدأ سے نزدیک ترین ہے لیکن چونکہ اس کی پشت کو مبدأ کی جانب کیا ہے اور اس کے چہرے کو دوسری طرف پھیر دیا ہے اس لئے لازمی طور پر اس کا حصول باوجود قرب کے مبداء سے دور ہوگیا ہے۔ اور تمام نقطوں کے طے کرنے کے بعد پھر وابستہ ہوگیا ہے ؎

صید نزدیک و تو دور انداختہ	اے کمان و تیرہا برساختہ
از چنیں صید ست او مہجور تر	ہر کہ دُور انداز تر او دُور تر

(ترجمہ)	جب کمان و تیر سب ہے آپ کا	صید تھا پاس اُس کو دُور اب کیوں کیا؟
	دور پھینکو تیر تو ہے صید دور	صید کیونکر ہاتھ آئے دور کا

ہاں جب تک دوری کی تکلیفیں برداشت نہ کریں قُرب کی دولت کی قدر نہیں ہوتی۔ اور جو کچھ اللہ سبحانہٗ کرتا ہے وہی بہتر ہوتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

جناب خواجہ حسام الدین احمد[1] کی طرف صادر فرمایا۔ اس بیان میں کہ لشکر کی مصروفیات میں بھی ارباب جمعیت کے لئے تمکین و تسلی ہے اور اس سوال کے جواب میں جو مولود خوانی کے بارے میں کیا تھا۔

[1] آپ کے نام سولہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر درج ہے۔

لشکر کے دوران قیام صبر و اطمینان کا اظہار

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــ صحیفہ شریفہ جو آپ نے از روئے کرم و شفقت اس فقیر کے نام لکھا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہٗ کا شکر اور احسان ہے) کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں اور اپنے دور افتادہ دوستوں کے حالات معلوم کرنے سے بھی فارغ نہیں ہیں۔ اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع بھی حمد کے لائق ہیں کہ عینِ بلا میں عافیت ہے اور اس تفرقہ کی جگہ میں بھی جمعیت حاصل ہے۔ وہ فرزند و دوست جو ہمراہ ہیں ان کے اوقات بھی جمعیت و اطمینان سے گزر رہے ہیں، اور ان کے احوال میں بھی ترقی ہو رہی ہے، لشکر اُن کے حق میں عین خانقاہ ہے کہ لشکریوں کی عینِ تلوینات (مختلف مصروفیات) میں ان کو بھی تمکین و اطمینان حاصل ہے، اور عین مختلف گرفتاریوں کے باوجود جو اس جگہ کے لوازمات میں سے ہیں ایک ہی مطلب کے گرفتار ہیں، نہ ان کے ساتھ کسی کا تعلق ہے نہ ان کو کسی سے واسطہ ہے، اس کے باوجود مسلوب الاختیار (بے اختیار و مجبور) ہیں اور حبس و قید کی دولت میں گرفتار ہیں ــــ یہ ایک عجیب قسم کا حبس ہے جس کے عوض رہائی کو ایک جَو کے برابر بھی نہیں خریدتے، اور ایک عجیب قید ہے کہ وہاں سے رہائی کو ایک کوڑی کے بدلے نہیں لیتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نِعَمِہِ الْعِظَامِ (اس نعمت پر بھی اور اس کی تمام عظیم نعمتوں پر بھی اللہ سبحانہٗ کا شکر اور احسان ہے)۔

میرے مخدوم! قُرَّۃُ الْعَیْنَیْن (یعنی حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے دونوں صاحبزادوں) کی طرف خط بھیجنے سے مقصود اُن بعض نعمتوں کے فوت ہو جانے پر اظہارِ افسوس تھا جن کے حاصل ہونے کی (صاحبزادوں کے لئے) وطن (دہلی) میں امید تھی اور (ان کا) لشکر میں آنا اور صحبت اختیار کرنا آپ کی صواب دید پر وابستہ ہے کیونکہ آپ لشکر اور لشکریوں کے احوال و اوضاع کو بہتر جانتے ہیں اور اس جگہ کے نفع و ضرر کو بھی اچھی طرح پہچانتے ہیں ــــ آپ نے لکھا تھا کہ اگر تم لکھو کہ (صاحبزادگان لشکر میں) آفات سے محفوظ رہیں گے تو آ جائیں۔ اَلْغَیْبُ عِنْدَ اللّٰہِ (غیب کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے)۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمراہیوں میں سے کسی کو بھی اللہ سبحانہٗ کے فضل و کرم سے اس وقت تک اربابِ تفرقہ (فوجیوں) سے بکثرت میل جول کے باوجود اختلاف کی کوئی آفت نہیں پہنچی اور مطلوب سے باز نہیں رکھا ہے۔

دیگر یہ کہ آپ نے "مولود خوانی" کے بارے میں تحریر کیا تھا کہ " خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنا اور نعت و منقبت کے قصائد (خوش الحانی کے ساتھ) پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے۔ ممنوع تو یہ ہے کہ قرآن مجید کے حروف کو تبدیل و تحریف کیا جائے، اور نغمے کے مقامات کی رعایت کو لازم جاننا اور الحان کے طریق پر آواز کو پھیرنا اور شعر کے مناسب تالیاں بجانا جو شعر میں بھی غیر مباح ہیں۔ لیکن اگر اس طریقے پر پڑھا جائے کہ قرآنی کلمات میں کوئی تحریف واقع نہ ہو اور قصائد کے پڑھنے میں بھی مذکورہ شرائط متحقق نہ ہوں اور اس کو صحیح مقصد کے لئے تجویز کیا جائے تو کیا ممانعت ہے۔"

مولود خوانی کے بارے میں

میرے مخدوم! فقیر کے دل میں آتا ہے کہ جب تک اس دروازہ کو مطلق طور پر بند نہ کریں گے اس وقت تک بوالہوس باز نہیں آئیں گے اگر تھوڑا سا بھی جائز کریں گے تو بہت تک پہنچ جائے گا مشہور مقولہ ہے قَلِیْلُہٗ یُفْضِیْ اِلٰی کَثِیْرِہٖ (تھوڑا زیادہ کی طرف لے جاتا ہے) وَالسَّلَامُ۔

۳۱۳ + ۹۹ + مکتوب ۷۳ ہفتاد و سیوم = ۴۸۵
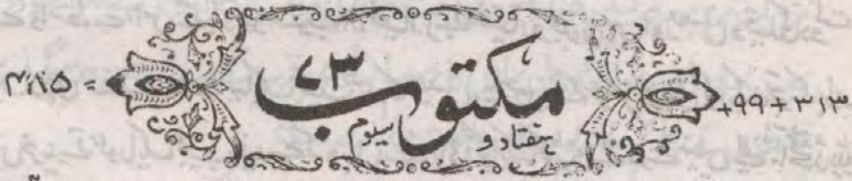
حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید[1] کی طرف صادر فرمایا۔ صفتِ حیات کے اسرار میں جو کہ علم سے بالاتر ہے اور اس بیان میں کہ جس طرح علم صفاتِ زائدہ سے ہے اسی طرح شیونِ غیر زائدہ سے بھی ہے اور یہی حال تمام صفات کا ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ اور ان کے متبعین جنھوں نے "تنزلات خمس" لکھے ہیں انھوں نے تعینِ اول کو حضرتِ علم کے اجمال سے اعتبار کیا ہے اور اس کو حقیقتِ محمدی علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کہا ہے، اور کشف کے اس تعین کو تجلی ذات جان کر اس تعین کے اوپر لاتعین جانتے ہیں جو کہ صرف ذاتِ بحت کا مرتبہ ہے اور تمام نسبتوں اور اعتبارات سے بھی احدیت مجردہ کا مرتبہ ہے ـــــ پوشیدہ نہ رہے کہ شان العلم سے بلند تر شان الحیات ہے کہ علم اس کا تابع ہے اور وہ تمام صفات کی اصل ہے خواہ وہ علم ہو یا غیرِ علم خواہ علمِ حصولی ہو یا علمِ حضوری۔ اور یہ شان الحیات ایک ایسی عظیم الشان شان ہے کہ دوسری تمام شیون و صفات اس کے پہلو میں ایسی نسبت رکھتے ہیں جیسے چھوٹی نہر کو دریائے محیط سے نسبت ہے ـــــ عجیب بات ہے کہ شیخ بزرگوار نے اس وسیع مملکت کی سیر نہیں کی

صفتِ حیات کے اسرار

[1] آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر درج ہے۔

اور نہ اس کے باغوں سے علوم و معارف کے پھول چُنے، اور اگرچہ یہ شان حضرت ذات عز شانہٗ سے بہت زیادہ قریب ہے اور جہالت اور عدم ادراک سے زیادہ مناسب ہے، لیکن چونکہ وہ تنزل اور ظلیت کا شائبہ رکھتی ہے اس لئے کم و بیش علم و معرفت کے مقام سے ہے۔

اس وقت جبکہ یہ فقیر اللہ سبحانہٗ کے کرم سے اس عظیم الشان (شان ایجاب) کی سیر میں مصروف تھا تو اس مقام کے نیچے مسافتِ بعیدہ طے کرنے کے بعد یہ بات مشاہدہ میں آئی کہ اس مقام پر شیخ (ابنِ عربیؒ) کا حجرہ ہے جس میں وہ اقامت پذیر ہیں۔ شاید آخر میں اس مقام سے بہرہ مند ہونے کے بعد ترقی کی ہو ــــــــ اس طرح کے بے چون بُعدوں کو دو اعتبار سے "بعد مسافت" کہہ سکتے ہیں یا تو میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث، یا اس کی صورتِ مثالی کی وجہ جو عالمِ مثال میں بُعد بے چونی کی صورت میں بُعد مسافت کے طور پر مشہود ہوئی ہے۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (بقرہ آیہ ۳۲) (یا اللہ! تو پاک و منزہ ہے، ہم کو کوئی علم نہیں مگر یہ کہ جس قدر تو نے ہم کو سکھایا یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

فصل بالخیر: (خوبی کے ساتھ وضاحت کرنا) اس بیان سے لازم آیا کہ علم مرتبۂ حیات میں حواس سے بلند ہے ثابت نہیں ہوتا خواہ وہ علمِ حصولی ہو یا علمِ حضوری۔ اور جب مرتبۂ حیات میں علم، ثابت نہ ہوا تو حضرتِ ذات عز شانہٗ کے مرتبہ میں کیونکر ثابت ہوگا جو کہ فوق الفوق ہے اور جب علم ثابت نہ ہوا تو اس کا نقیض ثابت ہوگا۔ تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ان سب سے بہت بلند ہے) ــــــ اس اشکال سے رہائی ایک دقیق نکتہ کی معرفت پر مبنی ہے کیونکہ بہت کم اولیاء اللہ میں سے کسی خاص کے متعلق لب کشائی کی ہے۔

جاننا چاہئے کہ واجب جل شانہٗ کا علم مثلاً جیسا کہ صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ زائدہ میں سے ہے جس طرح کہ اہلِ حق نے فرمایا ہے اسی طرح شیون اور اعتبارات ذاتیہ غیر زائدہ سے بھی ہے، اور چونکہ قسم اول حق تعالیٰ کی ذات سے زائد صفات سے ہے تو جو بھی اس سے متعلق ہے وہ حق سبحانہٗ کی ذات کے ماسویٰ ہے اور وہ ماسویٰ خواہ عالم ہو یا واجب جل سلطانہٗ کی صفاتِ زائدہ ہوں سب کے سب ظلیت کے داغ سے داغدار ہیں اور انھوں نے زیادتی کا نام پیدا کر لیا ہے۔ جو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے مرتبۂ مقدسہ کے شایانِ شان نہیں ہے اور بس، اور نہ اس کا

جنابِ قدس سے کوئی تعلق ہے خواہ وہ علمِ حصولی ہو یا علمِ حضوری۔ اگر حضوری ہے تو وہ بھی حضرتِ ذات تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل سے متعلق ہے، اگرچہ اس نے علم، عالِم اور معلوم کے درمیان اتحاد پیدا کر لیا ہے کیونکہ یہ مرتبۂ اتحاد بھی اس مرتبۂ مقدسہ کے ظلال میں سے ایک ظل ہے نہ کہ اس کا عین، اگرچہ ایک جماعت نے اس کو عینیت کا گمان کیا ہے ——— اور دوسری قسم جو شیونِ ذاتیہ غیر زائدہ سے ہے تو اس کا تعلق بھی حضرت تعالیٰ و تقدس کی ذات سے ہے اور بس۔ اور وہ عز سلطانہ، اپنی ذات کے علاوہ تعلق پیدا کرنے سے بہت بلند و بالا ہے۔

مختصر یہ کہ وہ علم جو زائد ہے اس کا تعلق حق تعالیٰ و تقدس کی ذات کے ماسوی سے ہے۔ اور وہ علم جو زائد نہیں ہے اور مجرد اعتبار ہے اس کا تعلق حضرت تعالیٰ و تقدس کی ذات سے ہے۔ اور وہ علم جو حضرت تعالیٰ کی ذات کے مرتبہ میں منتفی (معدوم) ہے وہ علم زائد ہے جو اس مرتبۂ مقدسہ کے شایاں نہیں ہے کیونکہ اس کا ظل علمِ غیر زائدہ کے لائق ہے، اور اس علمِ زائد کے دُور ہو جانے کی وجہ سے اس کا نقیض یعنی جہل کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ اگرچہ علم صفاتِ کاملہ سے ہے جب اس (حضرت ذات کے) مقام میں اس کی گنجائش نہیں ہے تو اس کا نقیض جو سراسر نقص ہے کیا گنجائش رکھتا ہے کہ اس بارگاہ میں دخل پا سکے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ دونوں نقیضین اس حضرت کی بارگاہ سے مسلوب ہیں اور اس میں کوئی محال نہیں ہے (جیسا کہ) ایک عارف کہتا ہے: عَرَفْتُ رَبِّيْ بِجَمْعِ الْأَضْدَادِ (میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع ہونے سے پہچانا)۔ گویا اس مقامِ اقدس کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ان دونوں نقیضوں میں سے کوئی بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور جب تمام نسبتیں اور اعتبارات اس بارگاہ میں مسلوب ہیں تو علم اور عدمِ علم بھی جو نسبتوں کی قسم سے ہیں مسلوب ہوں گے۔ وہ ممکن ہی ہے جس کو نسبتوں اور اعتبارات کے بغیر چارہ نہیں اور اس میں نقیض جمع و رفع نہیں ہوتا۔ نسبتوں اور اعتبارات کا خالق نسبتوں اور اعتبارات سے منزہ ہے، اور اس مقام میں حاضر پر غائب کا قیاس کرنا ممتنع ہے۔ یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علم خاص کے انتفاء سے علمِ مطلق کا عدم لازم نہیں آتا، بلکہ علمِ خاص کا عدم لازم آتا ہے جس میں ظلیت کا شائبہ ہے اور اس صورت میں بھی کوئی شک و شبہ لازم نہیں آتا اور نقیضین کا ارتفاع نہیں ہوتا پس خوب سمجھ لو۔

حاشیہ: تمام نسبتیں اور اعتبارات حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلوب ہیں

جاننا چاہیئے کہ وہ علم جو ذات تعالیٰ کے شیون سے ہے اس کو اس علم سے کوئی مناسبت نہیں ہے جس کا تعلق صفاتِ زائدہ سے ہے، اگرچہ اس علمِ زائدہ اصل بھی وہی علم (غیر زائدہ) ہے کیونکہ صفتِ زائدہ شانِ ذات کا ظل ہے اس لئے وہاں انکشاف ہی انکشاف ہے اور عینِ حضور میں حصول ہے، اور اس (علم) کے بلندئی درجہ کی وجہ سے جہل اس کے مقابلہ پر نہیں آسکتا اور اس کا نقیض نہیں بن سکتا بخلاف صفتِ علم کے کہ جہل اس کی نقاضت پر قائم ہے، اگرچہ اس کا وقوع جائز نہیں ہے اور خطاہے، اور اس میں نقیض کا احتمال ہی اس کے انحطاط کا باعث ہوا ہے اور حجابِ قدس کے تعلق سے اس کو روک لیا ہے، کیونکہ اس بارگاہِ قدس میں کسی کمال کے نقیض کی گنجائش نہیں، جو قدرت اس مرتبۂ مقدسہ میں ثابت ہے وہ وہی ہے جس کے دوسری طرف (یعنی مقابلے میں) عجز نہیں ہے بخلاف صفتِ قدرت کے کہ جس میں نقیض کا احتمال ہے اگرچہ واقع نہیں ہے۔ حق تعالیٰ و تقدس کی تمام شیون و صفات کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔

اور جب شان العلم کو صفت العلم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں تو مخلوقات کے علم کو اس شانِ عظیم الشان کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے اور کونسی مناسبت ہوگی اور اس کا تعلق اس مرتبۂ مقدسہ کے ساتھ کس طرح متصور ہوگا، مگر یہ کہ وہی بندہ نوازی فرمائے اور مخلوق کے ناقص انکشاف کو اپنے انکشاف سے جِلا بخشے اور فنائے اتم کے بعد اس کو اپنی طرف سے بقائے اتم عطا فرمائے۔ اس وقت یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اس مرتبۂ مقدسہ کے ساتھ بے کیف و بے چون تعلق پیدا ہو جائے اور ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں اصل بھی نہ پہنچ سکے اور اصل کے زینے سے اصل الاصل سے واصل ہو جائے ——— یہ ایسی خصوصیت ہے جو صرف بنی آدم کو مرحمت فرمائی گئی ہے اور ان پر ترقی کی راہ کھول دی گئی ہے لہذا یہ اصل سے بھی گزر جاتے ہیں اور اصل الاصل سے بھی، اور ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ اصل بھی ظل کے مانند راستے میں رہ جاتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ ۶۲ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم[1] کی طرف صادر فرمایا — صاحبِ فصوص کے کلام کی شرح میں اور تجلیٔ ذات کے بیان میں اور حضرت مجددؒ کی اس باب میں خاص تحقیق ورائے (اتفاقاً یہ مکتوب نامکمل رہ گیا)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) — حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا ہے "کہ تجلیٔ ذات متجلی لہٗ (جس پر تجلی ہوتی ہے) کی صورت میں ہوتی ہے لہذا متجلی لہٗ شخص حق تعالیٰ کے آئینے میں اپنی صورت کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا اور وہ حق تعالیٰ کو نہیں دیکھتا اور نہ ہی اس کو دیکھنا ممکن ہے"— اور مرآتِ حق (حق تعالیٰ کے آئینے) سے مراد وہ شان ذاتی ہے جس کا ظل وہ اسم زائد ہے جو متجلی لہٗ کا مبدأ تعین ہے، کیونکہ ہر اسمِ زائد کے لئے جو کہ مخلوقات کے تعینات میں سے کسی کا مبدأ تعین ہے مرتبۂ ذاتیہ میں اس کی اصل ہے اور یہ اصل وہی شان ہے جو ذات میں مجرد اعتبار ہے جیسا کہ مختلف مقامات پر میں نے اس کی تحقیق کی ہے۔

شیخ ابن عربیؒ کے کلام کی شرح اور تجلی ذات کی تحقیق میں

اور "مرآتِ حق" سے مراد مطلق ذات نہیں ہے کیونکہ مطلق آئینہ مقید کا نہیں ہو سکتا اور جب آئینہ بھی اس صورت کے رنگ میں جو اس میں موجود ہے مقید ہو گیا اور اس صورت کا اصل الاصل ہو گیا تو لازمی طور پر آئینہ متجلی لہٗ کی نظر میں اس صورت پر جو اس آئینے میں موجود ہے بغیر زیادتی و کمی کے جلوہ گر ہو گا کیونکہ تجلی اور اس شان کا ظہور اس مرتبہ میں نہیں ہو سکتا جس میں وہ تجلی واقع ہوئی ہے مگر اس صورت میں کہ جس میں متجلی لہٗ تھا۔ لیکن اس شان کا ظہور اس صورت میں عالم سے استغنا اور عدم تعلق کی وجہ سے اور اس اسمِ ظلی کے واسطہ سے مشروط ہے جو صورت متجلی لہٗ کا مبدأ تعین ہے اور یہ آئینۂ مقدسہ دوسرے تمام آئینوں سے الگ ہے کیونکہ ان آئینوں میں صورتوں کا ظہور ان اجزا میں سے کسی ایک جزو میں ہوتا ہے اور وہ آئینے ان صورتوں کے اعیان سے ظاہر نہیں ہوتے جو ان کے حسبِ توہم اس میں حلول کئے ہوئے ہیں اس مباینت (فرق) کی وجہ سے جو ان میں اور آئینۂ مقدسہ کے درمیان واقع ہے بخلاف اس آئینۂ مقدسہ کے کہ نہ تو اس میں صورت حلول کرتی ہے اور نہ اس کے اجزا میں سے کسی جزو میں حاصل ہے

[1] آپ کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر درج ہے۔

کیونکہ اس بارگاہ میں حالیّت و محلیّت کا فقدان ہے اگرچہ باعتبارِ ظاہر حس کے ہو۔ اور اس مرتبۂ مقدسہ میں تبعّض و تجزّی بھی نہیں ہے اگرچہ توہم و تخیل کے اعتبار ہی سے ہو۔ بلکہ یہ مرآت مقدسہ کلّی طور پر شخصِ متجلی لہٗ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، لہٰذا اس وقت وہ مرآتِ مقدسہ آئینہ بھی ہوتا ہے اور صورت بھی۔ پس متجلی لہٗ شخص نے مرآتِ حق میں صرف اپنی صورت کو دیکھا جو اس کی ذاتی شان ہے کہ جس نے متجلی لہٗ کی صورت میں ظہور کیا ہے لیکن اس نے حق مطلق اور شان خاص کو تنزیہی طریقے اور تقدیسی نہج پر نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کو دیکھنا ممکن ہے ــــــ اور یہ قول شیخ کی رائے پر مبنی ہے جس میں انھوں نے مرتبۂ تنزیہ میں امکانِ رویت کی نفی کی ہے نیز ان ظہورات میں جو جامعہ لطیفہ کی مانند ہیں تمثل اور مثال کے طور پر رویت کو ثابت کیا ہے ــــ اور شیخ کی یہ رائے جیسا کہ تم دیکھتے ہو اس کی مخالف ہے جس پر علمائے اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اتفاق کیا ہے کہ "رویتِ حق تعالیٰ دنیا میں جائز ہے لیکن غیر واقع ہے اور آخرت میں بلا کیف حق ہے اور واقع ہے تمثل و مثال کے طور پر نہیں ہوگی" جیسا کہ بدء الامالی[1] میں کہا گیا ہے ؎

یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ وَاِدْرَاکٍ وَضَرْبٍ مِّنْ مِثَالٖ

(ترجمہ) مؤمن خدا کو دیکھیں گے بے کیف و بے مثال ادراک میں کہاں کہ وہ ہے ذات بالکمال

کیونکہ رویتِ تمثل (مثل کو دیکھنا) رویتِ کیف (کیف کو دیکھنا) ہے نہ کہ رویتِ حق تعالیٰ۔ بلکہ وہ رویتِ مخلوق ہے جو حق تعالیٰ نے ایجاد فرمائی ہے اور تمثل کے طریقے پر ظاہر کی ہے اور حق تعالیٰ تمثل و مثال سے وراء الوراء ہے اور توہم و خیال سے بھی بلند ہے اور یہ سب اس تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ ــــــ اور اکابر عارفین پر تعجب ہے کہ وہ تنزیہ کو چھوڑ کر تشبیہ پر اور قدیم سے ہٹ کر حادث کے ساتھ خوش ہیں اور مثال و تمثیل پر قانع ہیں۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس مرض کی وجہ سے ہے جو ان کے توحید و اتحاد والے قول کی پیداوار ہے اور انھوں نے اپنے اس حکم پر اصرار کیا ہے کہ "تمام عالم ہی حق سبحانہٗ ہے اور بس"۔ لہٰذا اسی اتحاد کی وجہ سے جو ان دونوں کے درمیان واقع ہے ان کے نزدیک افرادِ عالم کے ہر فرد کی رویت اس تعالیٰ کی رویت ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض نے یہ فارسی شعر کہا ہے ؎

[1] قصیدہ بدء الامالی علامہ شیخ ابوالحسن سراج الدین علی بن عثمان طوسیؒ کی تصنیف ہے۔

امروز چوں جمالِ تو بے پردہ ظاہرست — در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

(ترجمہ) آج بے پردہ ہے جب تیرا جمال — ہے تعجب، وعدۂ فردا ہے کیوں؟

مگر یہ کہ شیخؒ نے افرادِ عالم میں سے کسی خاص جامع فرد کو جو بطریقِ تمثل اپنے حصول کو پہنچ چکا ہو (اس فضیلت کے لئے) مخصوص کر دیا ہو۔ لیکن یہ تخصیص اس کو کوئی نفع نہیں بخشتی۔ گویا کہ شیخ قدس سرہٗ نے کتاب و سنت کے کمالِ علم اور علماء کے اقوال کی وجہ سے مطلقاً رویت کی برائی معلوم کر لی اور اس رویت کو مطلقاً اس سبحانہٗ کی رویت کا حکم لگانے پر تامل کیا ہے۔ اس کے باوجود غلبۂ سکر اور توحید کے حال کی قوت کی وجہ سے تشبیہ کی تنگی سے پورے طور پر نجات حاصل نہیں ہوئی، اور خالص تنزیہ کے کمالات حاصل کرنے کے لئے فارغ نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ خالص تنزیہ کا قائل محض قاصر اور ناقص ہے اور حق تعالیٰ کو مُحَدِّد (محدود کرنے والا) ہے، جیسا کہ تشبیہ کا قائل۔ لہذا انھوں نے خالص تنزیہ سے گریز کر کے یقین کر لیا کہ تشبیہ اور تنزیہ کو جمع کرنا ہی کمال ہے اور یہ حکم کر دیا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کا عین ہیں تاکہ تحدید و تقیید مطلق طور پر زائل ہو جائے۔

اور یہ بات تم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ان کے نزدیک "تشبیہ" خارج میں مفقود ہے اور خارج میں یہی خالص تنزیہ موجود ہے اور بس۔ لہذا ان میں ایک دوسرے کا محدّد اور مقید نہ ہوگا جیسا کہ وجودِ خارجی اور عدمِ خارجی کہ نہ تو عدم، وجود کا محدد ہے اور نہ وجود، عدم کا محدّد۔ بلکہ وجود مع العدم اپنے اطلاق پر ہے اور عدم مع وجود بھی اپنے اطلاق پر اور ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ اگر عدم وجود کا محدد ہوتا تو اس کے شایاں ہوتا تاکہ حکم کیا جاتا کہ وجود اور عدم کے جمع کرنے میں کمال ہے۔ اور ان میں سے ایک دوسرے کا عین ہوتا، لیکن ان کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ لہذا خالص تنزیہ کا قول حق تعالیٰ کے لئے تحدید نہ ہوگا اور نہ تنزیہ و تشبیہ کو جمع کرنا کمال ہوگا بلکہ نقص ہوگا اور نہ ناقص کا کامل کے ساتھ الحاق ہوگا۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ ناقص اور کامل کا مرکب ناقص ہی ہوتا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ وہ صورِ علمیہ (معلوم صورتیں) جن کو اعیانِ ثابتہ کہتے ہیں شیخ کے نزدیک حق تعالیٰ کے علم میں ثابت ہیں ان سے بھی موجودِ خارجی کی تحدید لازم نہیں آتی، تاکہ

تاکہ حق تعالیٰ اوران چیزوں کے درمیان اتحاد وعینیت کا حکم کیاجائے۔ اوریہ بات بھی واضح ہے کہ موجود خارجی کی تحدید اسی طرح کا موجودِ خارجی کرسکتا ہے، لیکن موجودِ علمی موجودِ خارجی کی نہ تو تحدید کرسکتا ہے اور نہ اس کا مزاحم ہوسکتا ہے کیونکہ ان دونوں میں تباین (اختلاف) ہے۔ کیاتم نہیں دیکھتے کہ باری تعالیٰ کے شریک کا تصوراور علم میں اِس کا ثبوت کہ اس پرناممکن ہونے کاحکم لگایاجائے باری تعالیٰ کے ہرگز مزاحم نہ ہوگا جوکہ خارج میں موجود ہے اور نہ وہ اس کی تحدید کرتا ہے اور نہ تقیید، جس کے دفعیہ میں نامناسب حیلے بہانے کئے جائیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کا عین ہے۔

اب ہم کوچاہئے کہ شیخ کے کلام کی طرف رجوع کریں جوانھوں نے تجلّی ذات کے بارے میں اوراس کے مناسب بیان میں کہا ہے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ شیخ نے اس تجلّی کے ذکر کے بعد جوکچھ ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یقیناً یہ تجلی تمام تجلیات کی نہایت اور تمام عروجات کی غایت ہے اوراس کے عدم محض کے علاوہ کچھ نہیں ہے، لہٰذا اے سالک تو طمع نہ کر اوراس سے بالا عروج کے حصول کے لئے اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈال کہ اس سے بلند عروج حاصل ہو اوراس سے اوپر وصول نصیب ہو، اس لئے کہ تجلّی ذاتی کے عروج سے بڑھ کر کوئی اوراعلیٰ مقام نہیں ہے۔

اس حقیر محمد ہاشم کشمی[۱] (جامع دفتر ہذا) کی طرف تجلّی افعال، تجلّی صفات اور تجلّی ذات سبحانہٗ کے بیان میں صادر فرمایا۔

تجلّی افعال کا بیان

میرے بھائی خواجہ محمد ہاشم کشمی کو معلوم ہو کہ تجلّی افعال سے مراد حق سبحانہٗ کے فعل کا ظہور سالک پراس طرح ہو کہ بندوں کے افعال اس فعل کے ظلال نظر آئیں، اور (بندہ) اس فعل کو ان افعال کی اصل جانے، اوران افعال کے قیام کو اس فعلِ واحد سے سمجھے۔ اوراس تجلّی کا کمال یہ ہے کہ یہ ظلال اس کی نظر سے کلّی طور پر پوشیدہ ہوکر اپنی اصل سے ملحق ہوجائیں اوران افعال کا فاعل جمادات (بے جان) کی طرح اپنے آپ کو بے حس وحرکت معلوم کرے ——— اور وہ توحیدِ وجودی والے جوکہ عینیتِ اشیا کے قائل ہیں اور "ہمہ اوست" (سب کچھ وہی ہے) کہتے ہیں

[۱] آپ کے نام ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ پر گزر چکا ہے۔

اس مقام میں کہا ہے جس میں بندوں کے بے شمار افعال کو ایک ہی فاعل جل شانہٗ کا فعل جانا ہے، اس جگہ افعال کی نسبتیں پوشیدہ ہیں جو اپنے کرنے والوں کے ساتھ منسوب ہیں اور نسبت کا حدوث ان افعال کے لئے فاعلِ واحد سے ثابت کرتے ہیں نہ کہ نفسِ افعال کا اختفا اور ان کا اصل کے ساتھ الحاق۔ شَتَّانَ بَیْنَھُمَا وَاِنْ کَادَ اَنْ یَّخْفٰی عَلَی الْبَعْضِ (اور ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے اور قریب ہے کہ یہ بعض پر پوشیدہ رہے)۔

تجلیٔ صفات کا بیان

تجلیٔ صفات سے مراد یہ ہے کہ سالک پر حق تعالیٰ سبحانہٗ کی صفات کا ظہور اس طرح پر ہو کہ بندوں کی صفات کو واجب جل سلطانہٗ کی صفات کا ظلال جانے اور ان کے قیام کو ان کے اصول کے ساتھ معلوم کرے۔ مثلاً ممکن کے علم کو واجب تعالیٰ کے علم کا ظل سمجھے اور اس کے ساتھ قائم جانے اور اسی طرح اُس (ممکن) کی قدرت کو حق تعالیٰ کی قدرت جانے اور اس کا قیام اس کے ساتھ تصور کرے۔ اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ تمام ظلالی صفات سالک کی نظر سے پوشیدہ ہو کر اپنے اصول کے ساتھ ملحق ہو جائیں اور اپنے آپ کو جو کہ پہلے ان صفات سے موصوف رہ چکا ہے جماد کی طرح بے حیات و بے علم جانے، اور وجود اور اس کے کمالات و توابعِ وجود کا کوئی اثر اپنے اندر نہ پائے نہ وہاں اس کا کوئی ذکر رہے نہ کوئی توجہ، نہ حضور رہے نہ شہود۔ اصل سے ملحق ہونے کے بعد اگر توجہ ہے تو خود بخود متوجہ ہے اور اگر حضور ہے تو خود بخود حاضر ہے۔ اس مقام سے سالک کا نصیب یہ ہے کہ اس کو فنا و نیستی کی حقیقت حاصل ہو جائے، اور کمالات کے انتساب کی نفی ہے جو بزعمِ خود ان کمالات کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا (منتفی ہو جائے)۔ اور جس امانت کو تہمت اور کذب کی بنیاد پر اپنی طرف سے سمجھتا تھا امانت والوں کے حوالے کر دیتا ہے اور پھر کلمہ "انا" (میں) کا زوال بھی اس حد تک ہو جاتا ہے کہ اگر اس کو بقا باللہ سے مشرف کر دیں تو بھی وہ ہرگز "انا" کا مورد نہ ہو اور اپنے آپ کو "انا" کے (لفظ کے) ساتھ تعبیر نہ کر سکے، اگرچہ وہ اپنے آپ کو اسی اصل سے پائے لیکن پھر بھی اس کلمۂ انا کے اطلاق کی گنجائش اصل پر میسر نہ ہو اور اپنے آپ کو اپنی اصل کا عین نہ کہہ سکے کیونکہ خودی اس سے دُور ہو چکی ہے اور انانیت زائل ہو چکی ہے ——— اَنَا الْحَقُّ کہنا اس نسبت کے عدمِ حصول کی وجہ سے ہے اور سُبْحَانِیْ زبان پر لانا اس دولت تک نارسائی کا نتیجہ ہے لیکن چونکہ اس قسم کے الفاظ اکابر سے صادر ہوئے ہیں لہٰذا ان الفاظ کو ان بزرگوں کے توسطِ احوال پر محمول

فنائے ذات کا بیان

کرنا چاہئے اور ان کی کمالِ شان کو اس گفتگو سے بالا اعتبار کرنا چاہئے ــــــ یہ دولتِ فنا جو نیستی کی حقیقت ہے اگرچہ تجلیٔ صفات کی انتہا ہے لیکن اس کا حصول تجلیٔ ذات کے پرتو سے ہے اور جب تک ذات متجلی نہیں ہوتی یہ دولت کبھی میسر نہیں ہوتی بلکہ تجلیٔ صفات بھی انجام تک نہیں پہنچتی۔ تا نیابی نرہی (جبتک تو نہ پائے گا رہائی نہ ہوگی ــــــ یہ تجلی ذات ہی ہے جس کی وجہ سے عارف کا وہ بقیہ بھی جو اس کی نظر میں جمادِ میّت کی طرح ظاہر ہوتا تھا زائل ہو جاتا ہے۔ اور وہ عدم ہی تھا جو ہر ممکن کی اصل ہے جس نے حضرتِ وجود تعالیٰ و تقدس کی صفاتِ کاملہ کے انعکاس کے ذریعے اس میں امتیاز اور تشخص پیدا کر لیا تھا اور اس آئینہ داری کی وجہ سے دوسرے عدموں سے جدا ہو گیا تھا اور جب یہ ظلالِ منعکسہ اس عدم میں اپنے اصول کے ساتھ ملحق ہو گئے تو ان اعدام میں بھی کوئی امتیاز کی صورت نہ رہی، اور یہ عدمِ خاص بھی عدمِ مطلق کے ساتھ ملحق ہو گیا تو اس وقت عارف میں نہ کوئی نام باقی رہتا ہے نہ نشان، نہ اسم رہتا ہے نہ رسم: لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ (نہ باقی رہتا ہے نہ چھوڑتا ہے) (مدثر آیت ۲۸) - پس جس طرح وجود اور توابعِ وجود اس سے رخصت ہو گئے تھے اسی طرح عدم بھی اس سے جدا ہو کر اپنی اصل کے ساتھ جا ملا۔

جاننا چاہئے کہ وہ امتیاز جو اس عدم کو دوسرے اعدام سے ظلالِ صفات کے حصول کی وجہ سے حاصل ہوا تھا وہ توہّم کے اعتبار سے تھا ورنہ حقیقت میں اس میں کوئی ظل ثابت نہیں، جس طرح دوسرے آئینوں میں صورتوں کا حاصل ہونا توہم کے اعتبار سے ہے اور جب اس میں حصولِ ظلال توہم کے اعتبار سے تھا تو اس کا اعتبار بھی وہمی ہوگا۔ پس جس طرح ممکن کا وجود توہّم کے اعتبار سے ہے اس کا عدم بھی توہم کے اعتبار سے ہوگا اور وہم کے دائرہ کے باہر اس کی قدم گاہ نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں وجود اپنی صرافت کے اطلاق پر ہے اور عدم بھی اپنی صرافتِ اطلاق پر ہے نہ وجود میں تنزل واقع ہوا ہے اور نہ عدم کو کوئی ترقی حاصل ہوئی - یہ صانع تعالیٰ کی قدرت کا کمال ہے کہ وہم کے مرتبہ میں وجود اور عدم سے ایک عالَم (دنیا) کو پیدا فرما دیا اور اس کو پوری مضبوطی و استواری عطا فرما دی اور ابدی معاملہ اور دائمی عذاب و ثواب کو اس سے وابستہ کر دیا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ (ابراہیم آیت ۱۹) (اور اللہ تعالیٰ کے یہ کچھ دشوار نہیں)۔

اور یہ جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس دولتِ فنا کا حصول تجلیٔ ذات کے پرتو سے ہے

یعنی نفسِ تجلیٔ ذات کا حصول اس دولتِ فنا کے حصول کے بعد ہے جبتک تو آزاد نہ ہو گا اس کو نہ پائے گا۔ پرتو تجلی اور نفسِ تجلی کے درمیان جو فرق ہے وہ اسفارِ صبح (صبح کی سفیدی) اور طلوعِ آفتاب کے مانند سمجھنا چاہیئے کیونکہ صبح کی سفیدی کے وقت آفتاب کی تجلی کا پرتو ہوتا ہے اور طلوعِ آفتاب کے بعد نفسِ تجلی کا ظہور۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ تجلی کا پرتو ڈالنے کے بعد بعض کو نفسِ تجلی سے مشرف نہیں کرتے اور بعض عوارض کے واقع ہونے کی وجہ سے اس اعلیٰ دولت تک نہیں پہنچاتے، وہ اسفار تک تو پہنچ جاتے ہیں لیکن کسی سماوی یا ارضی وجوہات کی وجہ سے طلوعِ آفتاب کی طرف راہ یاب نہیں ہوتے ——— اور اسی طرح اسفار کے شہود میں قوتِ باصرہ کا کمال درکار نہیں ہے لیکن یہ تو شہودِ آفتاب ہے جہاں قوتِ باصرہ کے کمال کی ضرورت ہے اور وہ حدّتِ (تیزی) نظر چاہتا ہے۔ بیچارہ چمگادڑ اسفار کے ادراک پر تو قادر ہے لیکن آفتاب کو دیکھنے میں عاجز ہے، اس کے لئے اور ہی نظر چاہیئے جس سے آفتاب کو دیکھ سکے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تجلیٔ ذات کے پرتو کی استعداد تو ہوتی ہے لیکن نفسِ تجلیٔ ذات کی استعداد نہیں ہوتی۔ جس طرح چمگادڑ کو تجلی آفتاب کے پرتو کی استعداد تو ہے لیکن نفسِ تجلیٔ آفتاب نہیں۔ میں پوشیدہ بات کہتا ہوں شاید نافع ہو۔

تجلیٔ صفات کے سرانجام ہونے اور صفات و ذات کی فنا حاصل ہونے کے بعد عارف کو ایک ایسی تجلی دکھائی دیتی ہے گویا کہ وہ تجلیٔ ذات کی دہلیز پر ہے اور گویا وہ تجلیٔ صفات اور تجلیٔ ذات کے درمیان برزخ ہے۔ جب کسی صاحب دولت کو اس تجلی سے گزار کر (فوق کی طرف) لے جاتے ہیں تو اس کو تجلیٔ ذات سے اپنی استعداد کے مطابق حصہ مل جاتا ہے۔ اور یہ تجلیٔ برزخی اس فقیر کے خیال میں اس تجلیٔ ذات کی اصل ہے جس کے متعلق شیخ محی الدین بن العربی قدس سرہٗ نے اس عبارت سے اس تجلی کو تعبیر فرمایا ہے: اَلتَّجَلِّیْ مِنَ الذَّاتِ لَا یَکُوْنُ اِلَّا بِصُوْرَۃِ الْمُتَجَلّٰی لَہٗ فَالْمُتَجَلّٰی لَہٗ مَا رَاٰی سِوٰی صُوْرَتِہٖ فِیْ مِرْاٰۃِ الْحَقِّ وَمَا رَاَی الْحَقَّ وَلَا یُمْکِنُ اَنْ یَّرَاہُ (یہ تجلیٔ ذات متجلی لہٗ کی صورت کے علاوہ نہیں ہوتی کیونکہ متجلی لہٗ نے اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے آئینے میں دیکھا ہے نہ کہ حق تعالیٰ کو، کہ جس کا دیکھنا ممکن ہی نہیں ہے) ——— اور شیخ نے اس تجلی کو منتہائے تجلیات کہا ہے اور اس مقام سے اوپر کوئی دوسرا مقام نہیں جانا۔ اور یہ بھی کہا ہے: وَمَا بَعْدَ ھٰذَا التَّجَلِّیْ اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ فَلَا تَطْمَعْ وَلَا تَتْعَبْ فِیْ اَنْ تَرَقّٰی مِنْ ھٰذِہِ الدَّرَجَۃِ مِنَ التَّجَلِّی الذَّاتِیْ۔

(اس تجلی کے بعد عدم محض ہے پس تم اس کی طمع نہ کرو، اور نہ اس کے لئے تکلیف اٹھاؤ، کیونکہ اس تجلی ذاتی سے اوپر ترقی کے لئے کوئی درجہ نہیں ہے)۔

عجب کاروبار ہے کہ مطلوبِ حقیقی کا حصول ہی اس تجلی سے ماوراء ہے اور شیخ اس مقام سے ڈراتے ہیں اور آیۂ کریمہ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (آل عمران آیت ۳۰) (اللہ تعالیٰ تم کو اپنے آپ سے ڈراتا ہے) کے موافق ڈراتے اور تنبیہ فرماتے ہیں۔ ہم آوارہ اگر اس کی طمع نہ کریں اور اس کے حاصل کرنے میں تکلیف نہ اٹھائیں اور جوہرِ نفیس کو چھوڑ کر نکمی ٹھیکریوں پر تسلی کر بیٹھیں تو پھر کس کام کے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر مرتبہ سے اسی مرتبہ کے مناسب حصہ ہوتا ہے، اور وہ حصہ جو بیچون سے میسر ہوتا ہے وہ بھی بے چون ہوتا ہے چونکہ چون کو بیچون کی طرف راہ نہیں ہے لہٰذا وہ معرفت جو اس مرتبہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے وہ اس معرفت کی طرح نہیں ہے جو چون سے متعلق ہوتی ہے کیونکہ اس معرفت کی وہاں گنجائش نہیں ہے، اسی لئے (صوفیہ نے) کہا ہے اَلْعِلْمُ فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ جَهْلٌ (اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی ذات میں علم سراسر جہل ہے) یعنی یہ علم اس قسم سے نہیں ہے جو ممکن کے علم سے متعلق ہو، کیونکہ یہ مقولہ کیف میں سے ہے اور اس بارگاہ میں کوئی کیف نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی ذات میں تفکر کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ تفکر اور تخیل سے ماوراء ہے۔ اس سبحانہٗ کو اسی (کے فضل) سے پایا جا سکتا ہے نہ کہ فکر اور خیال سے: رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بھی بہتری فرما)۔

شیخ قدس سرہٗ کو چاہیئے تھا کہ وہ یوں فرماتے کہ "اس تجلی کے بعد خالص وجود اور محض نور ہے"۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس تجلی کے بعد جو عدم کہا ہے وہ اس اعتبار سے کہا ہے کہ عالمِ صفات کا ظل ہے اور صفات سے بالا گزرنا اپنے عدم میں کوشش کرنا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ عارف اگر اپنی صفات سے جو اس کی اصل ہے اوپر نہ جاتا اور شیون و اعتباراتِ ذاتیہ سے آگے نہ گذرے تو اس نے کیا کام کیا اور کس لئے آیا؟۔ اور اس فنا و بقا نے جو اس کو ہر مرتبہ میں میسر ہوئی ہے اس نے اس کو اپنی اصل سے اوپر جانے کے لئے دلیر بنا دیا ہے اور اصل کی بقا کے ساتھ اصل سے گزر کر اصل الاصل تک پہنچ گیا ہے ؎

يُحْرَقُ بِالنَّارِ مَنْ يَمَسُّ بِهَا وَمَنْ هُوَ النَّارُ كَيْفَ يَحْتَرِقُ

(ترجمہ) جلائے آگ جو چھوتا ہے اُس کو جو خود ہو آگ اُسے وہ کیوں جلائے

اگر شیخ قدس سرہٗ اس ظل کی اصل تک پہنچ جاتے تو فوق کی ترقی سے نہ خود ڈرتے اور نہ دوسروں کو ڈراتے۔ لیکن حُسنِ ظن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ خداوند جل سلطانہ کے فضل و کرم سے آن بزرگوار نے اس مقام سے ترقی کر لی ہوگی اور حقیقت کار کو دریافت کر لیا ہوگا، لہٰذا ان بزرگ کے حال کو ان کے قال کی میزان میں نہ تولنا چاہئے۔ شاید انھوں نے یہ بات ابتدا یا وسط میں کہی ہو، اور اس کے بعد وہاں سے گزر کر کئی منزلیں ترقی کر گئے ہوں۔ مَنِ اسْتَوٰى يَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ[1] (جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے)۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے) ——— اور تجلیٔ ذات کی نسبت کیا لکھوں اور کیا لکھا جا سکتا ہے کیونکہ وہ ذوقی چیز ہے جو وہاں پہنچا اس نے پالیا اور جس نے اس کو چکھا ہی نہیں وہ کیا جانے۔ ع

قلم اینجا رسید و سر بشکست (ترجمہ) پہنچا یہاں قلم تو قلم اُس کا سر ہوا

بس اتنا ظاہر کیا جاتا ہے کہ "تجلیٔ ذات" اس عارف کے حق میں جس کی فنا کا ذکر اوپر ہو چکا ہے دائمی ہے، اور جو تجلی دوسروں کے لئے برق کی طرح ہے وہ اس کے لئے دائمی ہے بلکہ تجلیٔ برقی بھی حقیقت میں تجلیٔ ذات نہیں ہے، اگرچہ بعض نے اس کو تجلیٔ ذات کہا ہے، البتہ شیونِ ذات میں سے کسی شان کی تجلی ہے جو کہ جلدی پوشیدہ ہو جانے والی ہے۔ اور جہاں تجلیٔ ذات ہے وہ شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر ہے اس کے لئے دوام لازم ہے اور وہاں پوشیدہ ہونا بھی متصور نہیں ہے۔ تجلیات کی تلوینات (رنگ بدلتے رہنا) صفات و شیون کا پتہ دیتی ہیں اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس تلوینات سے منزہ و مبرا ہے اور وہاں پوشیدہ ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ ۶۲ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑے فضل والا ہے) ۔ وَالسَّلَامُ۔

ابن عربیؒ کے متعلق بہت عمدہ فیصلہ

[1] اس کو دیلمی نے حضرت علیؓ سے مرفوعاً روایت کیا اور حافظ سیوطی اور سخاوی نے احادیث مشتہرہ میں ضعیف کہا۔ (تشیید المبانی)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ شانُ العلم کی بلندی اور اس سے بالاتر مرتبۂ مقدسہ کا بیان جس کو نورِ صرف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شانُ العلم کی بلندی کی شان

شانُ العلم اگرچہ شانُ الحیات کے تابع ہے لیکن علم کو حضرت حق تعالیٰ و تقدس کے مرتبۂ ذات میں جو صفات و شیون کے اعتبار کے زوال کے بعد ایک ایسی شان ہے جس کی گنجائش شانُ الحیات کو بھی حاصل نہیں ہے لہٰذا باقی صفات و شیون کا کیا ذکر، یہ ایک ایسا بلند مرتبہ ہے جو تمام نسبتوں سے مجرد ہے اور نور کے اطلاق کے علاوہ اپنے اوپر کچھ تجویز نہیں کرتا ـــ میں خیال کرتا ہوں کہ علم کو بھی اس جگہ گنجائش ہے لیکن وہ علم نہیں جس کو حصولی یا حضوری کہتے ہیں کیونکہ وہ علم بھی اپنی دونوں قسموں (حصولی اور حضوری) کے ساتھ حیات کے تابع ہے، بلکہ وہ علم جو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی طرح بے چون و بے چگونہ ہے اور سب کا سب بے شعور و بے چون ہے جس میں عالِم اور معلوم کا اعتبار نہیں ہے۔ اور اس مرتبہ کے اوپر ایک اور مرتبہ ہے جس میں دوسرے شیون کی مانند علم کو بھی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے وہاں صرف نور ہی نور ہے کہ اس کی اصل شعور ہے جو بے چون و بے چگونہ ہے، اور جب اس حضرتِ نور کا ظل بھی بے چون و بے چگونہ ہے تو پھر اصل کی بے چونی کی نسبت جو عین نور ہے کیا کہا جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے، اور تمام کمالات خواہ وہ وجوبی ہوں یا امکانی، نور کے ظلال ہیں اور اسی نور کے ساتھ قائم ہیں، وجود بھی اسی نور سے وجود میں آیا ہے اور آثار کا مبدا ہو گیا ہے۔

مرتبۂ اُولیٰ چونکہ حضرتِ نورِ صرف کے مرتبہ سے انحطاط (پستی کی) بُو رکھتا ہے اور شعور و نور کا جامع ہے مخبرِ صادق علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو مخلوق کہا ہے اور کبھی اس کو عقل سے تعبیر فرمایا ہے جیسا کہ اس جگہ آپؐ نے فرمایا: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلُ[2] (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کیا وہ عقل ہے)۔ اور کبھی اس کو نور سے یاد فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کیا وہ میرا نور ہے)۔ اور ان دونوں کا ایک ہی

[1] آپ کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر گذر چکا ہے۔ [2] اس کو طبرانی نے ابوامامہ سے اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت عائشہؓ سے اور دیلمی نے مسند الفردوس میں اور حافظ ابن حجر نے اپنی تلخیص میں اس کو ذکر کیا۔

مطلب ہے کہ یہی نور ہے اور یہی عقل و شعور ہے۔ اور چونکہ آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مرتبۂ نور کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور "میرا نور" فرمایا ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مرتبہ "حقیقتِ محمدی" ہے اور یہی تعینِ اول ہے۔ البتہ یہ حقیقت و تعینِ اول وہ نہیں ہے جو صوفیہ کے درمیان متعارف ہے کیونکہ وہ تعین اگر اس تعین کے ظلال کا ظل بھی ہو تو بھی غنیمت ہے اور جبکہ اس عقل سے بھی وہ عقل مراد نہیں ہے جس کو فلاسفہ نے ایجاب کے طریقے پر واجب تعالیٰ سے صادرِ اول (عقلِ فعال) کہا ہے اور اس کو کثرت کے صادر ہونے کا مصدر بنایا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جس جگہ بھی تعین ہے وہاں امکان کی بُو موجود ہے اور عدم کی آمیزش بھی اس کے ساتھ ہے جو وجود تعالیٰ کی تمیز و تعین کا باعث بنا ہے، وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ (اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) ——— واجب جل شانہٗ کی صفات جنھوں نے تعین و تمیز پیدا کر لی ہے وہ باوجود قدیم ہونے کے واجب لذاتہا (اس کی ذات کے ساتھ واجب) نہیں ہیں بلکہ وہ واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ واجب ہیں جس کا حاصل وجوب بالغیر (غیر کے ساتھ واجب ہونا) ہے جو امکان کی اقسام میں سے ہے۔ اگرچہ صفاتِ قدیمہ میں لفظِ امکان کے اطلاق سے پرہیز کرنا لازم ہے کیونکہ اس سے حدوث کا وہم ہوتا ہے لہٰذا اس مقام میں وجوب کا اطلاق مناسب ہے جو ذات واجب تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، لیکن حقیقت میں اس جگہ امکان کی گنجائش ہے کیونکہ ان کا وجوب ذاتی نہیں ہے بلکہ غیر کی طرف سے آیا ہے اگرچہ اس کو غیر نہیں کہتے اور غیر سے غیر مصطلح مراد لیتے ہیں لیکن اثنینیت (دوئی) غیریت کا تقاضا کرتی ہے۔ اَلْإِثْنَانِ مُتَغَايِرَانِ (دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں) یہ ارباب معقول کا مقررہ اصول ہے۔

عجیب بات ہے کہ شیخ محی الدین بن العربیؒ نے دو تعین کو وجوبی کہا ہے اور تین تعین کو امکانی۔ حالانکہ حقیقت میں تمام تعینات ظلیت کا داغ اور امکان کی بُو رکھتے ہیں۔ اگرچہ ممکن ممکن میں بھی بہت بڑا فرق ہے کیونکہ ایک قدیم ہے اور دوسرا حادث۔ لیکن یہ سب دائرہ امکان سے خارج نہیں ہیں اور عدم کی بو رکھتے ہیں ——— اور مرتبۂ دوم جو کہ خالص نور ہے اور لاتعین سے متعین ہے اس کو بھی دوسروں کی طرح ذاتِ بحت اور احدیتِ مجردہ خیال نہ کریں کیونکہ وہ بھی نورانیت صرف کے حجابوں میں سے ایک حجاب ہے۔ إِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِينَ أَلْفَ حِجَابٍ

مِنْ نُوْرٍ وَّ ظُلْمَةٍ (اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں)۔ اگرچہ تعین نہیں ہے لیکن مطلوبِ حقیقی کا حجاب ضروری ہے، ہر چند یہ آخری حجاب ہے لیکن حق تعالیٰ وراء الورا ہے۔ اور یہ نورِ صرف چونکہ تعین کے دائرہ میں داخل نہیں ہے لہٰذا عدم کی ظلمت سے منزہ و مبرا ہے وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (نحل آیت ۶۰) (اور اللہ تعالیٰ کی مثال سب سے اعلیٰ ہے) ــــــ اس کی مثال سورج کی شعاعوں کی طرح ہے جو کہ اس (سورج) کے قرص (ٹکیہ) کو پردہ کئے ہوئے ہیں اور اس کا قرص (آفتاب کے) عین سے پراگندہ ہو کر اس کا حجاب ہو گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے حِجَابُهُ النُّوْرُ (اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے)۔ اور یہ بلند مرتبہ تجلیاتِ ذاتیہ سے بالا ہے پھر تجلیاتِ فعل و صفت کے بارے میں کیا بیان کیا جائے، کیونکہ وہ تجلی تعین کی آمیزش کے بغیر متصور نہیں کی جا سکتی اور یہ مقام تمام تعینات سے بلند و برتر ہے لیکن ان تجلیاتِ ذاتیہ کا منشأ (پیدا ہونے کی جگہ) وہی خالص نور ہے، اور تجلی بھی اسی کے توسط سے متصور ہوتی ہے، اگر وہ نہ ہوتی تو تجلی بھی حاصل نہ ہوتی۔

کعبۂ ربانی کی حقیقت

اور حقیقتِ کعبۂ ربانی کے متعلق میں خیال کرتا ہوں کہ یہ اسی حضور کا نور ہے جو سب کا مسجود ہے اور تمام تعینات کی اصل ہے۔ لہٰذا جب تمام تجلیاتِ ذاتیہ کا ملجا و ماویٰ یہی نور ہو گیا تو دوسروں کی مسجودیت سے اس کی کیا تعریف کروں۔ اور جب خداوند جل سلطانہٗ اپنے کمال فضل اور عنایت سے ہزاروں میں سے کسی ایک عارف کو اس دولت کے وصول سے مشرف کرتا ہے اور اس مقام میں فنا و بقا سے سرفراز فرماتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس نور سے بقا حاصل کر کے فوق سے فوق الفوق کا حظ وافر حاصل کرے اور اس نور کے ساتھ نور سے گذر کر اصل نور تک پہنچ جائے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)

یہ معارف جس طرح نظر و فکر سے بالا ہیں اسی طرح کشف و شہود کے اطوار سے بھی ماوراء ہیں نیز اربابِ کشف و شہود ان علوم کے سمجھنے میں اربابِ علم و عقل کی طرح ہیں، ان کے لئے نبوت کی فراست کا نور درکار ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی دولت سے ان حقائق کے سمجھنے کی ہدایت فرمائے اور ان علوم و معارف کے حاصل کرنے کی طرف رہنمائی کرے۔

جاننا چاہئے کہ یہ نور ہرگز دوسرے انوار کی مانند امکان کا شائبہ نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ جوہر و عرض

ملہ اس حدیث شریف کی تخریج دفتر اول مکتوب ۵۸ ص ۱۸۹ پر گذر چکی ہے۔ ملہ رواہ مسلم

کی قسم سے ہے بلکہ یہ ایک ایسا مرتبہ ہے جس پر نور کے علاوہ کسی چیز کا اطلاق کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اگرچہ وہ وجوبِ وجودی کیوں نہ ہو کیونکہ وجوب کا درجہ بھی اس سے ادنیٰ ہے۔

تنبیہ: اس بیان سے کوئی شخص یہ وہم نہ کرے کہ اس عارف کے حق میں ذات تعالیٰ کے تمام حجابات اٹھ گئے ہیں کیونکہ تمام حجابات میں سے آخری حجاب اسی نور کو کہتے ہیں اور اس حدیث کی رو سے اس کا زوال ممتنع اور محال ہے۔[5] اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ لَوْ کُشِفَتْ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْھِہٖ مَا انْتَھٰی اِلَیْہِ بَصَرُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ (اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں اگر وہ اٹھا دیئے جائیں تو اس کی ذات کے انوار تمام مخلوق کو جہاں تک اس کی نظر جائے جلا کر رکھ دیں)۔ چونکہ اس مقام میں حجابوں کے ساتھ ہی تحقق اور بقا ہے جو کہ ایک دوسرے کے لئے اسباب ہیں نہ کہ حجابات کا اٹھنا، اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

۳۱۳+۹۹+

مکتوب ۷۷ (ہفتاد و ہفتم)

= ۴۸۹

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید[1] کی طرف صادر فرمایا ـــ حقیقتِ کعبۂ ربانی کے اسرار، اور عمدہ معرفت کے دقائق اور حقیقتِ صلوٰۃ اور کلمۂ طیبہ کی نفی و اثبات کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے) ـــ نورِ صرف (خالص نور) کے بعد کہ جس کو اس فقیر نے "حقیقتِ کعبۂ ربانی" پایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک نہایت ہی عالی مرتبہ ہے جو کہ حق تعالیٰ جل سلطانہ، کے قرآن مجید کی حقیقت ہے اور اُسی کے حکم سے قرآن مجید کے مطابق کعبۂ معظمہ آفاق کا قبلہ بنا اور تمام (مخلوق) کے مسجود ہونے کی دولت سے مشرف ہوا، لہذا امام قرآن مجید ہے اور ماموم یعنی مقتدی پیشِ قدم کعبۂ معظمہ ہے اور یہ مرتبہ مقدسہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی بیچون وسعت کا مبدا ہے

حقیقت کعبۂ ربانی کے اسرار

۱؎ آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۹ پر درج ہے۔
۵؎ اس حدیث کی تخریج دفتر اول مکتوب ۵۸ پر گذر چکی ہے۔

اور اس بارگاہ کی بیچونی و بیچگونی کے امتیاز کا مبدأ بھی یہی درجۂ عالیہ ہے۔ اس درجۂ مقدسہ کی وسعت و عظمت اس کے طول و عرض کی درازی کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ وہ نقص و امکان کی علامات ہیں بلکہ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جبتک اس کے ساتھ متحقق نہ ہو (یعنی جبتک اس مقام تک نہ پہنچے) معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح اس مرتبۂ مقدسہ کا امتیاز بھی مزایلت (ایک دوسرے کو زائل کرنے) اور مباینت (باہم فرق کرنے) کی رُو سے نہیں ہے کیونکہ اس سے تبعض (ٹکڑے ٹکڑے ہونا) اور تجزی (جزو جزو ہونا) لازم آتا ہے جو کہ جسم اور جسمانی (جسم والا) ہونے کے لوازمات میں سے ہے اور اللہ سبحانہٗ اس سے بلند و برتر ہے ———— اس مقام میں شئے کا غیرِ شئے فرض کرنا متصور نہیں ہے کیونکہ غیریت، مغائرت اور اثنینیت پر مبنی ہے بلکہ فرض کی بھی گنجائش جو فرضِ محال کی قسم سے ہے۔ مَنْ لَّمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ (جس نے چکھا نہیں وہ کیا جانے) ؎

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا ہست نامے پیش مردم ز مرغِ من بود آں نام ہم گم

(ترجمہ) لکھوں اُس مرغ کا کیونکر ٹھکانا کہ جو عنقا کا ہے ہم آشیانہ

ہے عنقا نام تو لوگوں کو معلوم مگر اُس مرغ کا ہے نام معدوم

اس مقام میں جو شئے بھی فرض کی جائے اگرچہ وہ فرضِ محال ہی کیوں نہ ہو، اور اس شئے میں ہر چند دُور دُور جایا جائے اگرچہ کوئی بھی وہاں تک نہ پہنچا ہو، اس جگہ ہرگز کوئی ایسا امر پیدا نہیں ہوتا جو اس شئے کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہو اور کسی دوسری شئے میں وہ مفروضہ نہ پایا جائے، اور اسی طرح ان دونوں مفروض اشیا میں امتیاز ثابت و کائن ہوتا ہے اور ایک کے احکام دوسرے سے ممتاز و متمیز ہوتے ہیں۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلْ لِلْخَلْقِ اِلَیْہِ سَبِیْلًا اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِہٖ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت سے عاجزی کے علاوہ مخلوق کے لئے اپنی طرف کوئی راستہ نہیں بنایا) ———— اور معرفت سے عاجز ہونا اکابر اولیاء کا حصہ ہے۔ عدم معرفت اور چیز ہے اور عجزِ معرفت دوسری شے۔ مثلاً اس مقامِ مقدس میں عدم امتیاز کا حکم کرنا اور ہر ذاتی کمال کو دوسرے کا عین معلوم کرنا جیسا کہ صوفیہ نے کہا ہے کہ علم عین قدرت ہے اور قدرت عین ارادہ ہے (لیکن) یہاں اس مقام کے امتیاز کی عدم معرفت ہے اور اس مقام کے امتیاز کا حکم کرنا اور اس

معرفت سے عاجز ہونا اکابر اولیاء کا حصہ

امتیاز کی حقیقت کی عدم دریافت کا اعتراف کرنا اس مقام کے امتیاز کی معرفت سے عاجز ہونا ہے البتہ عدم معرفت جہل ہے اور معرفت سے عاجز ہونا علم ہے، بلکہ عجز دو علموں پر شامل ہے ایک شئے کا علم اور دوسرے اس شئے کی کنہ و حقیقت کا عدم علم، جو اس شئے کی کمال عظمت اور کبریائی کی وجہ سے ہے، اگر علم ثالث کو بھی درج کریں تو اس کی بھی گنجائش ہے اور وہ اپنا عجز و قصور کا علم ہے جو کہ عبدیت و عبودیت کے مقام کا مؤید ہے ——— اور عدم معرفت جو کہ جہل ہے بسا اوقات وہ جہل مرکب بن جاتا ہے اور اپنے جہل کو جہل نہیں سمجھتا بلکہ اس کو علم جانتا ہے۔ اور عجز معرفت میں اس مرض سے بھی پوری طرح نجات ہے بلکہ اس مرض کی وہاں گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ یہ اپنے عجز کا اعتراف کرتا ہے اور اگر عدم معرفت اور عجزِ معرفت ایک ہوتے تو تمام "نادان" "عارف" ہوتے اور ان کا جہل ان کے کمال کا باعث ہوتا بلکہ اس مقام میں جو زیادہ جاہل ہوتا وہ زیادہ عارف ہوتا کیونکہ اس مقام میں معرفت، عدم دریافت کا نام ہے۔ "اور عجز از معرفت" میں یہ مقدمہ صادق ہے کہ جو کوئی معرفت میں جسقدر زیادہ عاجز ہوگا وہ اسی قدر معارف میں زیادہ عارف ہوگا۔ "عجز از معرفت" ایک تعریف ہے جو ذم (ہجو) سے مشابہت رکھتی ہے اور عدم معرفت ایک ایسی ذم ہے کہ جس میں مدح کی بُو تک نہیں۔ رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا بِکَمَالِ الْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِكَ سُبْحَانَكَ (اے میرے رب تو پاک ہے مجھے اپنی معرفت کے کمالِ عجز کا علم زیادہ عطا فرما)۔

شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ اگر اس فرق کو ملاحظہ فرما لیتے جس کی اس فقیر کو رہنمائی ہوئی ہے تو ہرگز "عجز معرفت" کو جہل سے یاد نہ فرماتے اور اس کو عدم علم شمار نہ کرتے جیسا کہ انھوں نے کہا ہے: فَمِنَّا مَنْ عَلِمَ وَمِنَّا مَنْ جَهِلَ فَقَالَ الْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ (ہم میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے جان لیا ہے اور بعض وہ ہیں جو جاہل ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ادراک سے عاجز ہو جانا بھی ادراک ہے) ——— اس کے بعد شقِ اول کے علوم کو بیان کیا ہے اور ان پر فخر و مباحات فرمائی ہے اور ان علوم کو اپنے ساتھ مخصوص جان کر کہا ہے کہ "خاتم الانبیاءؐ بھی ان علوم کو خاتم الاولیاء سے اخذ کرتے ہیں" اور اپنے آپ کو "خاتم الولایت محمدیہ" کہا ہے اور اسی وجہ سے مخلوق کے طعنوں کا نشانہ بن گئے اور "فصوص" کے شارحین نے اس کی توجیہات میں اپنی ہمتیں اور کوششیں صرف کی ہیں۔ اور اس فقیر کے نزدیک بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ حقیقت میں یہ علوم

(حاشیہ: ابن عربیؒ کے نظریہ کا رد و قبول)

جو شیخ نے بیان کئے ہیں اس عجز سے مراتب میں کئی درجے نیچے ہیں بلکہ اس عجز کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے کیونکہ وہ علوم ظلال کے ساتھ وابستہ ہیں اور عجز اس مقام میں اصل ہے ــــــ

سبحان اللہ (برائے تعجب) اس قول کے قائل حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اور وہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عجز کے ظہور کا مصدر ہیں جو عارفوں کے سردار اور صدیقوں کے رئیس ہیں، علم کی کیا حقیقت کہ اس عجز پر سبقت لے جائے اور وہ کونسا قادر و زور آور ہے کہ اس عاجز کے سامنے پیشقدمی کرے۔ ہاں جب وہ حضرت صدیقؓ کے خواجہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایسا کہہ سکتے ہیں تو اگر صدیق کے متعلق ایسا کہہ دیں تو کیا کہا جا سکتا ہے ــــــ

شیخ ابن عربیؒ کی عظمت شان

عجب معاملہ ہے کہ شیخ کی اس طرح کی گفتگو اور خلافِ شرع باتوں کے باوجود شیخ مقبولین میں نظر آتے ہیں اور اولیاء کے زمرہ میں مشاہدہ ہوتے ہیں۔ ع

باکریماں کارہا دشوار نیست (ترجمہ) کریموں کو نہیں ہے کام مشکل

ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ دعا سے ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی برا بھلا کہنے سے خوش ہو جاتے ہیں لہٰذا شیخ کا رد کرنے والا بھی خطرہ میں ہے اور ان کی ایسی باتوں کے ساتھ ان کو قبول کرنے والا بھی خطرہ میں ہے۔ شیخ کو قبول کرنا چاہئے اور ان کی اختلافی باتوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔ شیخ کے قبول اور عدم قبول کے بارے میں متوسط راہ یہی ہے جو اس فقیر کی پسندیدہ ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (اور حقیقت حال کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے)

مرتبہ حقیقت قرآن مجید

اب ہم اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مرتبۂ مقدسہ میں جس کو ہم نے "حقیقت قرآن مجید" کہا ہے نور کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے اور دوسرے تمام کمالاتِ ذاتیہ کی طرح نور بھی راہ میں ہی رہ جاتا ہے، وہاں وسعتِ بیچون اور امتیازِ بے چگون کے علاوہ کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے، اور آیت کریمہ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ (مائدہ آیت ۱۵) (یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا ہے) میں اگر نور سے مراد قرآن ہو تو ممکن ہے کہ انزال و تنزل کے اعتبار سے ہو جیسا کہ کلمۂ قَدْ جَآءَکُمْ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے ــــــ اور اس مرتبۂ مقدسہ کے اوپر ایک اور بہت بلند مرتبہ ہے جس کو حقیقتِ صلوٰۃ کہتے ہیں اور عالم شہادت میں اس کی صورت مصلیانِ اربابِ نہایت (منتہی نمازیوں) کے ساتھ قائم ہے اور یہ جو معراج شریف کے واقعہ میں

مرتبہ حقیقت صلوٰۃ

آیا ہے کہ قِفْ یَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ اللّٰہَ یُصَلِّیْ (اے محمدؐ! ٹھہر جائیے کیونکہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ میں ہے) ممکن ہے کہ اس میں اسی حقیقتِ صلوٰۃ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ ہاں وہ عبادت جو مرتبۂ تجرد و تنزہ کے لائق ہے شاید مراتبِ وجوب سے صادر ہوتی ہو اور قِدَم کے اطوار سے ہی ظہور میں آتی ہو۔ فَالْعِبَادَۃُ اللَّائِقَۃُ بِجَنَابِ قُدْسِہٖ تَعَالٰی ہِیَ الصَّادِرَۃُ مِنْ مَّرَاتِبِ الْوُجُوْبِ لَاغَیْرُ فَہُوَ الْعَابِدُ وَ الْمَعْبُوْدُ (پس وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ کے لائق ہے وہ مراتبِ وجوب ہی سے صادر ہوتی ہے اس کے علاوہ کسی اور سے نہیں پس وہی عابد ہے اور وہی معبود ہے) ——— اس مرتبۂ مقدسہ میں کمال درجہ وسعت اور امتیازِ بے چون ہے کیونکہ اگر "حقیقتِ کعبہ" ہے تو وہ بھی اسی کا جزو ہے، اور اگر "حقیقتِ قرآن" ہے تو وہ بھی اسی کا حصہ ہے کیونکہ تمام مراتبِ عبادات کے ان تمام کمالات کی جامع ہے جو اصل الاصل کی نسبت سے ثابت ہیں کیونکہ معبودیتِ صرف اسی کے لئے ثابت ہے۔ اور "حقیقتِ صلوٰۃ" جو کہ تمام عبادات کی جامع ہے اس مرتبہ میں وہ اس مرتبۂ مقدسہ کی بھی عبادت ہے جو اس سے اوپر ہے کیونکہ معبودیتِ صرف کا استحقاق بھی اسی مرتبۂ فوق کے لئے ثابت ہے جو کہ "اصلِ کُل" ہے اور سب کی جائے پناہ ہے، اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راستہ میں رہ جاتا ہے اگرچہ وہ بیچون و بیچگون ہو۔ کامل انبیاء و اکابر اولیا علیہم الصلوات والتسلیمات اولاً و آخراً کے اقدام کا انتہا "حقیقتِ صلوٰۃ" کے مقام کی انتہا ہے جو کہ عابدوں کے مرتبۂ عبادت کی نہایت ہے، اور اس مقام سے اوپر معبودیتِ صرف کا مقام ہے جہاں کسی کو کسی طرح بھی اس دولت میں شرکت نہیں ہے کہ اس سے اوپر قدم رکھ سکے۔ کیونکہ ہر وہ مقام جہاں عبادت اور عابدیت کی آمیزش ہے وہاں تک تو نظر کی طرح قدم کے لئے بھی گنجائش ہے لیکن جب معاملہ "معبودیتِ صرف" تک پہنچ جاتا ہے تو قدم بھی کوتاہی کرتا ہے اور سیر بھی انجام کو پہنچ جاتی ہے، لیکن اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے کہ نظر کو اس جگہ سے منع نہیں فرمایا اور اس کی استعداد کے مطابق گنجائش بخشی ہے۔ ع

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے (ترجمہ) مصیبت تھی اگر یہ بھی نہ ہوتا

ہو سکتا ہے کہ قِفْ یَا مُحَمَّدُ (اے محمدؐ! ٹھہر جاؤ) کے امر میں اسی کوتاہیٔ قدم کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی اے محمدؐ! ٹھہر جائیں اور قدم آگے نہ رکھیں کیونکہ یہاں مرتبۂ صلوٰۃ سے بلند مرتبہ جو کہ

مرتبۂ وجوب سے صادر ہے وہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا مرتبۂ تجرّد و تنزہ ہے جہاں نہ قدم کی جولانگاہ ہے اور نہ گنجائش ہے البتہ کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقت اس مقام میں متحقق ہو جاتی ہے اور غیر مستحق معبودوں کی عبادت کی نفی میں صورت اختیار کرتی ہے اور معبودِ حقیقی کا اثبات یعنی اس (حق تعالیٰ) کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں، اس مقام میں حاصل ہو جاتا ہے اور عابدیت اور معبودیت کے درمیان کمال درجہ کا امتیاز اس جگہ ظاہر ہوتا ہے اور عابد، معبود سے کماحقہ جدا ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی منتہیوں کے حال کی نسبت سے لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ (نہیں معبود مگر اللہ) ہیں جیسا کہ شرع شریف میں اس کلمہ کے معنی مقرر ہو چکے ہیں، اور لَا مَوْجُوْدَ وَلَا وُجُوْدَ وَلَا مَقْصُوْدَ کہنا ابتدائی اور درمیانی نسبت سے ہے اور لَا مَقْصُوْدَ کا مرتبہ لَا مَوْجُوْدَ اور لَا وُجُوْدَ کے مرتبہ سے بلند ہے کیونکہ وہ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ کا دریچہ (کھڑکی) ہے ـــــــ جاننا چاہئے کہ اس مقام میں نظر کی ترقی اور نگاہ میں تیزی صلوٰۃ (نماز) کی عبادت پر وابستہ ہے جو منتہیوں کا کام ہے دوسری عبادات بھی اس صلوٰۃ کی تکمیل میں شاید مدد فرمائیں اور اس کے نقصان کی تلافی کریں۔ اسی لئے نماز کو بھی ایمان کی طرح حَسَن لذاتہ (یعنی اصل امر ذات میں خوب اور بہتر) کہتے ہیں اور دوسری عبادتیں حُسن لذواتہا (اپنی ذات میں حُسن) نہیں ہیں۔

کلمۂ طیبہ کی حقیقت کا متحقق ہونا

حضرت مخدوم زادہائے عالی مرتبہ خواجہ محمد سعیدؒ[1] و خواجہ محمد معصومؒ[2] کے نام اشتیاق (ملاقات) اور شفقت کے اظہار اور لشکر کے ثمرات کے بیان میں صادر فرمایا۔ (یہ مکتوب لشکر کے دوران قیام کا تحریر کردہ ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام ہو) ـــــــ فرزندانِ گرامی! اگرچہ ہمیشہ ہماری صحبت میں رہنے کے مشتاق اور خواہاں ہیں اور ہم بھی ان کو اپنے پاس رکھنے اور ان کی ملاقات کے آرزومند ہیں لیکن کیا کر سکتے ہیں کیونکہ تمام آرزوئیں میسر نہیں ہوا کرتیں۔ ع

تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَھِی السُّفُنُ (ترجمہ) ہوا چلتی ہے کشتی کے مخالف

[1] آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۹۵ پر ہے [2] آپ کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں اور تذکرہ دفتر اول ۲۹۴ پر ہے۔

لشکر گاہ میں اس طرح بے اختیار و بے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت سمجھتا ہوں اور اس مقام (کے قیام) کی ایک ساعت کو دوسرے مقامات کی بہت سی ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہوں، اس جگہ (لشکر میں) وہ کچھ میسر ہے جو دوسری جگہوں میں اس کے مثل میسر ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ اس مقام کے علوم و معارف بھی جدا ہیں اور اس مجمع کے احوال و مقامات بھی علیحدہ ہیں۔ وہ ممانعت و پابندی جو بادشاہ (جہانگیر) کی طرف سے ہے اس کو اپنے مولیٰ جل شانہٗ کی کمال مہربانی اور رضامندی کا دروازہ جانتا ہوں اور اپنی سعادت اس حبس و قید میں خیال کرتا ہوں، خصوصاً ان اختلافات کے دنوں میں عجیب ہی کاروبار ہے اور ان پراگندہ وقتوں میں عجیب و غریب ناز و کرشمے ظاہر ہوتے ہیں لیکن ہر دولت تازہ اور عجیب جو ہر روز پہنچتی ہے اس کے لئے فرزندوں کی جدائی میں دل تڑپتا ہے اور ان کی دوری اور نارسائی سے جگر بے چین رہتا ہے۔ خیال کرتا ہوں کہ میرا شوق تمہارے شوق پر غالب اور بڑھا ہوا ہے، اور یہ بات مسلّم ہے کہ باپ جتنا اپنے بیٹے کو چاہتا ہے بیٹا اتنا باپ کو نہیں چاہتا اگرچہ اصل (جڑ) اور شاخ کا تقاضا اس معنی کے برعکس حکم کرتا ہے۔ کیونکہ اصل کو احتیاج نہیں ہوتی اور فرع سراسر اصل کی محتاج ہوتی ہے لیکن ابتدا ہی سے ایسا ہوتا آیا ہے کہ زیادہ شوق اصل کے لئے ثابت ہے۔ ہاں ع

درخانہ بکدخائے ماند ہمہ چیز (ترجمہ) اہلِ خانہ کے گھر میں ہے ہر چیز

اگر میرا قیام دہلی میں ہو تو بھی تمہارا ہمسایہ ہوں اور اگر آگرہ میں ہے تو وہ بھی اللہ سبحانہٗ کے کرم سے قریب ہے۔ والسلام۔

(مرتبہ ۲۰)

۴۹۱ = مکتوب ۷۹ ہفتاد و نہم = ۹۹۰

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ کے نام صادر فرمایا — عارف کو عطا کئے ہوئے ذاتِ بیچونی کے اسرار میں اور تجلّیِ ذات اور رویتِ اخروی کی تحقیق میں۔

جب عارف کا معاملہ شیون و صفات سے بالا ہو جاتا ہے اور ذات تعالیٰ و تقدس کے وجوہ و اعتبارات سے بلند و بالا پہنچتا ہے، اور اس مقام سے بھی جس کو ہم نے "حقیقتِ صلوٰۃ" سے

سلہ آپ کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۷ پر گذر چکا ہے۔

ذات بیچون کے اسرار

تعبیر کیا ہے تفوق پیدا کر لیتا ہے تو اس وقت توجہ اور متوجہ اس مقام کے متوجہ الیہ کی طرح بے چون ہو جاتے ہیں کیونکہ چون کو بے چون کے ساتھ کوئی راہ نہیں ہے اور وہاں متوجہ عارف کی ذات ہے، جس سے تمام وجوہ واعتبارات دُور ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور کُنہ سے مراد وہ ذاتِ مجرد ہے جو بذاتِ خود بلا کسی وجہ واعتبار کے اپنی معروف ومطلوب ذات وکنہ کی طرف متوجہ ہے۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ کنہ (حقیقت) سے مراد "ذاتِ مجرد" ہے یہ اس لئے کہ شے کی کُنہ وہ ہے جو شے کے تمام وجوہ اور اعتبارات سے ماوراء ہو، اور شئے کی ذات بھی وہی ہے جو تمام وجوہ واعتباراتِ شئے سے ماوراء ہو، کیونکہ شئے کے وجوہ واعتبارات سے جو بھی مراد لی جائے تو شئے کی ذات ان سب سے ماوراء ہو گی اور مرتبۂ ذات میں کسی امر کے اثبات کی گنجائش نہیں ہے، اور اس جگہ جو کچھ اثبات کیا جائے گا وہ وجوہ واعتبارات میں داخل ہو گا لیکن ذات اس سے ماوراء ورا ہے۔ اور اس مقام میں نفی وسلب کے علاوہ کوئی اور امر متصور نہیں ہے، اگر امتیاز کے ساتھ علم ہے تو وہ بھی اس مقام میں سلب کے ساتھ ہے، اور اگر تعبیر وتفسیر ہے تو وہ بھی سلب سے ہے اور ہر وہ چیز کہ جس میں اثبات کی گنجائش نہیں اور سلب کے بغیر تعبیر میں نہ آسکے وہ بے چونی کا حصہ ہے اور مجہول الکیفیت ہے۔ اور وہ توجہ جو مرتبۂ ذات میں اثبات کی جاتی ہے وہ بھی متوجہ کی عینِ ذات ہے نہ کہ ذات کی وجہ واعتبارات، کیونکہ تمام وجوہ واعتبارات اس مرتبہ میں مسلوب ہو گئے ہیں اور صرف ایک ذات کے علاوہ کچھ نہیں رہا، لہٰذا لازمی طور پر وہ توجہ جو عین ذات ہے وہ بھی بے چونی کے حصہ سے ہو گی۔ پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ توجہ اور متوجہ بھی متوجہ الیہ کے، مانند بے چون ہوں گے، اگرچہ ایک بے چون سے دوسرے بے چون تک بہت بڑا فرق ہے۔ مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ، (چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک)

یہی وجہ ہے کہ توجہ اور متوجہ میں بے چونی کا حصہ اثبات کیا ہے کہ متوجہ الیہ صرف بے چون حقیقی ہے اور جب ممکن کی ذات وکُنہ مجہول الکیفیت اور بے چون ہو اور کچھ بھی اثبات میں نہ آسکے تو پھر واجب تعالیٰ کی ذات جو کمال درجہ لطافت وتقدس اور تنزہ ہے کس طرح ادراک میں آسکتی ہے اور کونسا حاصل اس سے ہاتھ آسکتا ہے۔

آنکہ از خویشتن چو نیست چنین | چہ خبر دارد از چناں وچنیں

ترجمہ، خود کو جانے نہ پیٹ کا بچہ | دوسروں کو وہ پھر کہاں جانے

اس ارحم الراحمین نے اپنی کمال رافت و مہربانی سے ممکن کو جو سراسر چون ہے بیچونی کا حصہ عطا فرما دیا تاکہ وہ بیچونِ حقیقی سے آگاہی پیدا کرے اور اس کے ساتھ گرفتاری حاصل کر لے ؎

وَلِلْاَرْضِ مِنْ کَاسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٌ (ترجمہ) زمیں کا حصہ کا سہ سے بڑوں کے

اور جنھوں نے کنہ ذات کی معرفت کو محال کہا ہے وہ معرفتِ متعارف ہو گی کہ جس کا تعلق عالم کیف و چون سے ہے اور اس کا بے چون سے تعلق محال ہے، لیکن وہ امر جو عالم بے چون سے ہو اور بیچون کے اتصال سے بے چون کے ساتھ واصل ہو جائے اور اس دولتِ عظمیٰ سے بہرہ ور ہو جائے تو اس کے لئے کیسے محال ہو گا۔ "یہ ایک عجیب معرفت ہے اور نہایت دقیق مسئلہ ہے جو آج تک اہلِ کشف و عرفان پر بہت کم ظاہر ہوا ہے" ——— یہ ذاتِ مجرد جو بے چونی سے حصہ رکھتی ہے اور جو تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے "عارف تام المعرفت" کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ حضرت ذاتِ مجرد تعالیٰ و تقدس سے واصل ہوتا ہے اور اس درجۂ علیا میں فنا و بقا حاصل کر چکا ہے اور یہ دولت بھی اسی بقائے ذات کے اثر سے ہے۔ چنانچہ اس عارف کے علاوہ باقی تمام ممکنات کے لئے ذات سے کچھ حصہ نہیں، اور وہ ہرگز ایسی ذات نہیں رکھتے کہ ان کی صفات اس ذات کے ساتھ قائم ہوں۔ بلکہ ان کا تمام وجود اسماء و صفات کے ظلال میں اور شیون و اعتبارات کے عکوس ہیں جو اپنی اصل یعنی اسماء و صفات کے ساتھ قائم ہیں کسی ایسے امر کے ساتھ نہیں جس کو ذات سے تعبیر کیا جائے ———

انسان کے ساتوں لطیفے جو کہ ممکنات میں سے جامع ترین ہیں خواہ خفی ہوں یا اخفیٰ سب صفات ہی کے اثر ہوتے ہیں اور اس کے جسمانی و روحانی لطائف ذات تعالیٰ و تقدس کے اسماء و اعتبارات کے پرتو ہیں لیکن اس میں نقشِ ذات کو پوشیدہ نہیں کیا اور ان کا قیام ذات کے ساتھ نہیں رکھا۔

سوال: جب اسماء و صفات کا بذاتِ خود قیام نہیں ہے بلکہ ان کا قیام تعالیٰ و تقدس سے ہے تو پھر دوسری چیزیں ان کے ساتھ کیوں کر قائم ہو سکتی ہیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ دوسری چیزیں اس لئے ان کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتیں کہ وہ موجود ہیں، اگر وہ دوسری چیزیں بھی مرتبۂ وہم میں ثبوت و استقرار پیدا کر لیں تو وہ ان (اسماء و صفات) کے ساتھ کیوں قائم نہ ہو سکیں گی جبکہ وہ اضعف (نہایت ضعیف) ہیں۔

اور یہ جو ہم نے کہا اور لکھا ہے کہ "ممکن کی ذات عدم ہے"۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کہہ دیا جائے کہ ممکن کی کوئی ذات نہیں ہے: ذَاتُہٗ عَدَمٌ (اس کی ذات عدم ہے) یا وَلَاذَاتَ لَہٗ (اس کی کوئی ذات نہیں ہے)۔ ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اگرچہ فلسفی تحقیق ان دونوں کے مفہوم کے درمیان مغائرت پیدا کر دیں لیکن اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور حقیقت میں ان کا مرجع ایک ہی ہے کیونکہ عدم جب اپنے لئے بھی نہیں ہے تو دوسروں کے کیا کام آئے گا، اور جب وہ خود اپنے آپ کو نہیں اٹھا سکتا تو دوسروں کو کیا اٹھائے گا۔

اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ چونکہ اسماء، وصفات کے عکوس عدم کے آئینے میں ظاہر ہوئے ہیں اس لئے ان کا قیام بظاہر اس آئینے میں معلوم ہوتا ہے جو آئینہ ان کی ذات کی طرح ان کے قیام کے اعتبار سے متخیل ہوتا ہے ورنہ حقیقت میں ان کا قیام اپنے اصول سے ہے آئینے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور سوائے توہم کے ان کو عدم کے آئینے سے کچھ کام نہیں ہے حالانکہ اس آئینے کی جوہریت اور ذاتیت یہاں کیا گنجائش رکھتی ہے، جب عدم عرض (ظاہر) ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا تو جوہر کس طرح ہو سکے گا ——— ایسا کامل معرفت والا عارف جو حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے مرتبہ سے واصل ہے اور ذات کے ساتھ بقا حاصل کئے ہوئے ہے ہر وقت عَنْقَاءُ مُغْرِب (نادر الوجود) کا حکم رکھتا ہے کہ عزیز الوجود اور غریب الوقوع (کمیاب) ہے۔ فنا و بقا کے بعد اس کو ایک ایسی ذات عنایت فرمائی گئی ہے کہ جس کے ساتھ اسماء وصفات کے ان ظلال وعکوس کا قیام اس کی ذات سے ہوتا ہے جو کہ اس کی حقیقت ہے، جیسا کہ ان کے اصول یعنی اسماء کا قیام حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے پس ان اسماء کے ظلال کو بھی اس ذات کے پرتو کے ساتھ قیام ہوگا جو اس عارف کو عطا کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ عارف جوہر و عرض سے مرکب ہوتا ہے اور ممکن کے باقی تمام افراد مجرد اعراض ہوتے ہیں جن میں جوہریت کا شائبہ تک نہیں ہوتا ——— صاحب فتوحاتِ مکیہ نے کیا خوب کہا ہے کہ "عالَم عینِ واحد میں اعراض کا مجموعہ ہے" یعنی اعراض مجتمعہ ہے جو ذاتِ واحد کے ساتھ قیام رکھتا ہے۔ لیکن شیخ قدس سرہ نے اس مقام میں [۱] دو نکتوں کو فروگذاشت کر دیا ہے ایک یہ کہ عارفِ کامل کو اس حکم سے مستثنیٰ نہیں فرمایا، دوسرے [۲] اس کا قیام ذاتِ احد تعالیٰ کے ساتھ رکھا ہے حالانکہ اس کا قیام اپنی اصل کے ساتھ ہے

جو کہ اسماء و صفات ہیں نہ کہ ذات تعالیٰ کے ساتھ۔ اگرچہ اسماء و صفات کا قیام بھی ذات (تعالیٰ) کے ساتھ ہے کیونکہ حضرت ذات کو عالم (دنیا) کے ساتھ استغنا ذاتی ہے لہٰذا اُس درجۂ عُلیا کے ساتھ عالم کا قیام کیوں کر ہو سکتا ہے اور عالم کی کیا حقیقت ہے کہ اس بلند درجے کے ساتھ قیام کی ہوس ظاہر کرے ؎

ما تماشا کنانِ کوتہ دست — تو درختِ بلند و بالائی

(ترجمہ) دیکھنے والے کے ہیں چھوٹے ہاتھ — تیری اونچائی تک کہاں پہنچیں

اور اس عارف کا معاملہ عالم (دنیا) سے جدا ہے اور اس کا حکم احکامِ عالم سے مستثنیٰ ہے۔ وہ (عارف) محبتِ ذاتی کی وجہ سے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے) کے مطابق اپنی اصل سے گذر کر اصلِ اصل کے ساتھ معیت پیدا کر چکا ہے اور اس نے اپنے آپ کو اس اصلِ اصول میں فانی کر لیا ہے۔ اکرم الاکرمین نے آیۂ کریمہ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (رحمٰن آیت ۶۰) (یقیناً احسان کا بدلہ احسان ہی ہے) کے مطابق اس کی فنا کے بدلے میں اس کو بقا عطا فرما دی ہے اور جس چیز میں وہ فانی ہوا تھا اسی کے ساتھ اس کو بقا عطا فرما دی اور اپنی ذات اور اپنے اسماء و صفات کا مظہر بنا کر ایک جامع آئینہ بنا دیا ہے۔ پس تمام افرادِ عالم اس عارف کی جامعیت کے مقابلے میں کاش اتنی ہی نسبت رکھتے جتنی ایک قطرے کو دریائے محیط سے ہوتی ہے لیکن اسماء و صفات کی تو حضرت ذات تعالیٰ کے سامنے (مطلقاً) کوئی بھی قدر و مقدار نہیں ہے، اگرچہ قطرہ کو تو پھر بھی دریا کے مقابلے میں کچھ نہ کچھ نسبت ہے۔ البتہ کہا جا سکتا ہے کہ ان (اسماء و صفات) کو تو اس کے مقابلے میں اتنی نسبت بھی نہیں ہے۔ اس مقام پر اس عارف کے علم و معرفت اور درک و ادراک کا دوسروں کے مقابلے میں قیاس کرنا چاہیئے اور اس جگہ اس کی عظمت و بلندی کو سمجھنا چاہیئے۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (بقرہ آیت ۱۰۵) (اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

تجلیٔ ذاتی کی تحقیق

اس صاحبِ دولت کو جب بقاءِ ذاتی کے ساتھ مشرف کرتے ہیں تو ایک ایسی ذات[1] عطا کر دیتے ہیں جس کے ساتھ اس کی صفات مثلاً علم و قدرت وغیرہ کا قیام ہوتا ہے جن کا قیام پہلے

[1] قیومیت؟ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۳۹ و ۳۲۲ - یعنی مکتوب ۸۰ و ۱۰۴ دفتر سوم

باقی تمام افرادِ عالم کی طرح ان کے اصول کے ساتھ تھا، اس بقاءِ اکمل کے حاصل ہونے کے بعد کلمۂ "انا" کے وجود کا اطلاق جو اس (عارف) سے زائل ہو گیا تھا وہ عود نہیں کرتا اور بقا کے مراتب میں سے کسی مرتبے میں بھی "انا" کا اطلاق اپنے اوپر نہیں کر سکتا کیونکہ بقائے اکمل اس کی فنائے اتم پر متفرع (منقسم) ہے جس نے کلمۂ "انا" کے اطلاق کا نام و نشان تک اس سے مٹا دیا ہے اور عود (واپس آنے) کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اَلزَّائِلُ لَا یَعُوْدُ (زوال شدہ چیز دوبارہ واپس نہیں آتی) مشہور قضیہ ہے۔ اور جو واپس آ جائے وہ زائل نہیں ہوا بلکہ مغلوب و مستور ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی عارض کے پیش آجانے کی وجہ سے وہ سر نکالے اور غالب آ جائے (تو ممکن ہے) فَاِنَّ الْمَغْلُوْبَ قَدْ یَغْلِبُ (کیونکہ کبھی مغلوب بھی غالب آ جاتا ہے)۔

جاننا چاہئے کہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے مرتبۂ علیا سے اس صاحبِ دولت کے لئے حصہ مخصوص ہے جو حصولِ ذات سے باقی ہو گیا ہے اور صفات نے اس میں قیام پا لیا ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی کسی قسم کی فنا و بقا حاصل کرے گا اس کا حصہ اسماء و صفات ہی سے ہو گا نہ کہ ذات تعالیٰ و تقدس سے۔ اگرچہ اسماء و صفات بھی ذات تعالیٰ سے جدا نہیں ہیں لیکن ذات سے بہرہ ور ہونا اور چیز ہے اور صفات سے مستفیض ہونا دوسری بات ہے۔ اگرچہ یہی عدم انفکاک یعنی ذات سے صفات کا علیحدہ نہ ہونا ایک جماعت کو وہم میں ڈال دیتا ہے اور وہ صفات کے حصہ کو ذات کا حصہ سمجھ بیٹھے ہیں، لیکن ہر ایک کی علامات و امارات (نشانات) مختلف ہیں، اور ہر ایک کے علوم و معارف بھی علیحدہ ہیں جو اس دولتِ عظمیٰ کے حاصل کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ لیکن مخفی نہ رہے کہ تجلیٔ ذاتی اس عارف کے ساتھ بھی مخصوص نہیں ہے بلکہ جائز ہے کہ اس کے علاوہ دوسروں پر بھی تجلیٔ ذات ہو لیکن وہ نفسِ ذات تعالیٰ سے حصہ نہ ہو۔ کیونکہ تجلی ایک طرح کی ظلیت چاہتی ہے کہ جس کا مرتبۂ ثانی میں ظہور ہے۔ اور یہ جو نفسِ ذات کا حصہ کہا گیا ہے وہ ظلیت کا شائبہ تک نہیں رکھتا بلکہ نفسِ تجلی و ظہور سے بھی روپوش ہو جاتا ہے۔ اور وہ ظہورِ ذات جو صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ ثابت ہو وہ بھی مرتبۂ ثانی میں ظہورِ ذات ہے لیکن تجلیٔ ذات نہیں ہے بلکہ وہ ذات تعالیٰ و تقدس کے اعتبارات میں سے کسی اعتبار کی تجلی ہے کیونکہ ذات عز شانہ، تمام اعتبارات کی جامع ہے بلکہ سب سے منزہ ہے لہٰذا وہ تجلی جو اعتبارات میں سے کسی اعتبار سے ہو گی ذات کی تجلی نہ ہو گی۔

سوال: شیخ محی الدین ابن العربی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اور ان کے متبعین نے تعین اول کو تجلی ذات کہا ہے اور وہ ظہورِ ذات ہے جو تعینِ علمی جملی کے ساتھ ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے اگرچہ وہ جامعیت کا حامل ہے۔

جواب: جو کچھ اس درویش کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ ظہور علمی جملی کہ جس کو تعین اول سے تعبیر کیا ہے وہ بھی تجلئ ذات نہیں ہے بلکہ وہ ذات کی شیونات میں سے کسی ایک شان سے ماخوذ ہے اور تجلئ ذات تمام شیون و اعتبارات کی جامع ہے بلکہ تمام شیون و اعتبارات سے بلند و بالا ہے، اس مقام میں علم کا اعتبار بھی ان دوسرے ذاتی اعتبارات کی طرح ہے جن کے وصول کا ہاتھ اس مرتبۂ مقدسہ کے دامنِ عِلا سے کوتاہ ہے ——— اور اگر یہ کہیں کہ مرتبۂ ثانی کا ظہور علم پر منحصر ہے کیونکہ خارج میں نفسِ ذات تعالیٰ ہے اور بس۔ لہذا مرتبۂ ثانی میں اس کا ظہور خانۂ علم میں ہوگا، کیونکہ ظہور یا تو علم میں ہے یا خارج میں، جس کی تیسری شق ظاہر ہی نہیں ہوتی تاکہ اس مقام میں ظہور کا اثبات کیا جائے ——— ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ قادر مطلق جل و علا جس نے شانِ علم سے جو ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے اس کے ساتھ ظہور فرمایا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ اس طریقے پر ظہور فرمائے کہ ظہورِ علم کا اعتبار اس ظہورِ جامع کا بعض حصہ ہو۔ یا اس طریقے پر ظہور فرمائے کہ وہاں اعتبارِ علم اور باقی تمام اعتبارات کی کوئی گنجائش نہ ہو، اور وہ ظہورِ جامع کا مرتبہ، مرتبۂ خارج اور مرتبۂ علم سے جو کہ خارج کا ظل ہے ماورا ہو، اور علم کے ساتھ کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو۔ اور تجلئ ذات کو تعینِ علم سے مقید کرنا دریا کو کوزہ میں بند کرنے کے مترادف ہے بلکہ پانی کو سراب میں تلاش کرنا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

کسے در صحنِ کاچی قلیہ جوید ... اَضَاعَ الْعُمْرَ فِیْ طَلَبِ الْمُحَالِ

(ترجمہ) جو ڈھونڈو قلیہ کاچی کے گھر میں ... تو کھوئی عمر لایعنی کے پیچھے

ہاں علم کا اعتبار ذات کے تمام اعتبارات سے جامع ترین ہے کیونکہ جس قدر ذات کے کمالات اس (علم کے اعتبار) میں شامل ہیں اتنے کسی اور اعتبار میں نہیں ہیں۔ اگر مجاز کے طور پر ظہور علمی کو ظہور ذات کہہ دیں اور اس پر تجلئ ذات کا اطلاق کریں تو اس کی گنجائش ہے اگرچہ ان کے اطلاقات سے بہت بعید ہے اور ان کے مذاق سے بھی دور ہے جیسا کہ ان کے کلام کو دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔

رویتِ اُخروی کی تحقیق

سوال: شیخ محی الدین بن العربی نے رویتِ اُخروی کو لطیفۂ جامعہ مثالیہ کی صورت میں مقرر کیا ہے اس مسئلہ میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟

جواب: صورتِ جامعہ مذکورہ کی رویت حق جل وعلا کی رویت نہیں ہے بلکہ اس سبحانہٗ کے کمالات کے مظاہر میں سے ایک مظہر کی رویت ہے جس نے عالمِ مثال میں ایک ثبوت پیدا کرلیا ہے ؎

یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ وَاِدْرَاکٍ وَضَرْبٍ مِنْ مِّثَالٖ

(ترجمہ) مؤمن خدا کو دیکھیں گے بے کیف و بے مثال ادراک میں کہاں کہ وہ ہے ذات باکمال

حق سبحانہٗ کی رویت کو کسی صورت کی رویت پر قرار دینا حقیقت میں رویتِ حق جل وعلا کی نفی کرنا ہے اور اسی طرح وہ صورت جو عالمِ مثال میں حاصل ہوتی ہے، ہرچند وہ جامع ہو لیکن عالمِ مثال کے اندازے کے مطابق ہی ہوگی۔ اور عالمِ مثال اگرچہ کتنی ہی وسعت رکھتا ہو پھر بھی حق تعالیٰ کی مخلوق عوالم میں سے ایک عالم ہے، ایسی صورت کی جامعیت جو اس میں ہو وہ کیا گنجائش رکھتی ہے کہ تمام کمالاتِ وجوبیہ ذاتیہ کی جامع ہو اور سب کا (نظم و) ضبط کرسکے تاکہ اس مرتبۂ مقدسہ کا آئینہ بنے اور اس کی رویت حق تعالیٰ کی رویت ہو ———— اگرچہ صفتِ علم جو کہ صفاتِ وجوبیہ میں سے ہے اور تمام صفاتِ ذاتیہ میں سے جامع ترین ہے اس کی گنجائش نہیں رکھتی کہ تمام صفات و اعتباراتِ ذاتیہ کی جامع ہو۔ جیسا کہ اوپر تحقیق کے ساتھ گزر چکا ہے۔ تو پھر عالمِ مثال جو ممکن اور مخلوق ہے اس کی کیا حیثیت ہے کہ اس میں ایسی صورت ظاہر ہو جو تمام کمالاتِ وجوبیہ کی جامع ہو، اور اگر فرض کرلیں اور اندازاً ہم اس کو جامع کہیں بھی تو بھی وہ اس مرتبۂ مقدسہ کے ظلال میں سے ایک ظل ہوگی اور ظل کی رویت حقیقت میں اصل کی رویت نہیں ہوتی ———— مخبرِ صادق علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے رویتِ اُخروی کو لیلۃ البدر (چودھویں رات) میں چاند دیکھنے سے تشبیہ دی ہے اور اس میں کوئی پوشیدگی نہیں چھوڑی۔ اور ظل کی رویت ایسی ہے جیسے پانی کے طشت میں چاند کو دیکھا جائے جس کو بلند فطرت والے پسند نہیں کرتے۔ پس اسقدر سمجھ میں آتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس مرتبۂ مقدسہ کا ظہور خانۂ علم کے باہر ہو اور مرتبۂ خارج کے ظل میں ثبوت پیدا کرے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اور اس ظہورِ جامع کا خانۂ علم میں کوئی جامع ظل ہو جس کو تعینِ اول سے تعبیر کریں اور اس ظلِ جامع کا عالمِ مثال میں ایک دوسرا ظلِ جامع ہو جو ظلِ جامع علمی کی آئینہ داری کرے

اور یہ ظل جامع مثالی جو لطیفہ کی صورت میں عالمِ مثال میں ظاہر ہوتا ہے اور انسانی صورت میں موجود ہے وہ مخلوقات میں جامع ترین مخلوق ہے: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ[1] (تحقیق اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا)۔ ہو سکتا ہے کہ اسی اعتبار سے آیا ہو۔ لیکن حق جل وعلا کی رویت تمام ظہورات اور صورتوں سے ماوراء ہے اور عالم بے کیف و بے چون سے ہے۔ لہٰذا رویتِ اخروی پر ایمان لانا چاہئے اور کسی کیف و چند و چوں میں نہیں پڑنا چاہئے ——— آخرت کے خلق و وجود کو اس دنیا کے خلق و وجود سے کوئی نسبت نہیں جن سے ایک کے احکام کو دوسرے پر قیاس کیا جا سکے، اس مقام کے لئے آنکھ دوسری ہے اور فہم و ادراک بھی دوسرا ہے، اُس کے لئے دوام ابدی ہے اور یہاں زوال و فنا پیچھے لگا ہوا ہے، وہاں سراسر نطافت و لطافت ہے اور یہاں خبث و کثافت۔ لیکن شیخ قدس سرہ خانۂ علم کے باہر حق جل وعلا کے ظہور کا اثبات نہیں کرتے اور مجالی و مظاہر کے ماوراء شہود و مشاہدہ اور رویت کو تجویز نہیں کرتے۔ ع

آں ایشانند و من چنینم یارب　(ترجمہ) وہ ایسے ہیں میں ایسا ہوں خدایا

شیخ ابن عربیؒ کے محاسن

کیا کیا جائے کہ اس میدان میں شیخ قدس سرہ ہی ہیں کہ کبھی ان کے ساتھ جنگ ہے اور کبھی صلح۔ کیونکہ انھوں نے ہی معرفت و عرفان کی باتوں کی بنیاد رکھی ہے اور ان کی شرح و بسط کی ہے اور وہی ہیں جنھوں نے توحید و اتحاد کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور تعدد و تکثر کا منشا بیان فرمایا ہے، اور وہی ہیں جنھوں نے وجود کو کلی طور پر حق جل وعلا کے لئے ثابت کیا ہے اور عالم کو موہوم و متخیل قرار دیا ہے، اور وہی ہیں جنھوں نے تنزلاتِ خمسہ کو خاص طور سے وجود کے لئے ثابت کیا ہے اور ہر مرتبہ کے احکام کو جدا کیا ہے، اور وہی ہیں جنھوں نے عالم کو عین حق جل شانہٗ جانا ہے اور "ہمہ اوست" (سب کچھ وہی ہے) کہا ہے، اور اس کے باوجود حق سبحانہٗ کے مرتبۂ تنزیہ کو عالم سے وراء الوراء جانا ہے اور سب کی دید و دانش سے حق سبحانہٗ کو منزہ و مبرا سمجھا ہے۔ وہ مشائخ جو شیخ سے پہلے تھے ان میں سے اگر کسی نے اس باب میں کوئی کلام کیا ہے تو وہ اشارات و رموز میں کیا ہے اور شرح و تفصیل میں مشغول نہیں ہوئے۔ اور وہ مشائخ جو شیخ کے بعد آئے ہیں ان میں سے اکثر نے شیخ کی تقلید کی ہے اور انہی کی اصطلاح کے موافق بات کی ہے۔ ہم پسماندگان نے بھی ان بزرگوار (شیخ اکبرؒ) کی برکات سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے اور ان کے علوم و معارف سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ جَزَاہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ (اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے)

[1] اس حدیث کی تخریج و تشریح دفتر اول مکتوب ۹۵ پر درج ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ چونکہ بحکمِ بشریت خطا کا گمان اور صواب کا مقام آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہیں اور انسان احکام میں کبھی مخطی (خطا کرنے والا) اور کبھی مصیب (صحیح کام کرنے والا) ہوتا ہے تو لازمی طور پر اہلِ حق کے سوادِ اعظم کے احکام کے مطابق ہم کو صواب کا مصداق بننا چاہئے اور ان کی مخالفت کو خطا کی دلیل جاننا چاہئے، خواہ قائل کوئی ہو اور مقولہ بھی کسی کا ہو ——

مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: عَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ[1] (تم پر سوادِ اعظم (بڑے گروہ) کی تابعداری لازم ہے) —— اور یہ بھی مقررہ قاعدہ ہے کہ صناعت کی تکمیل مختلف افکار اور مختلف نظریات کے ملنے پر موقوف ہے۔ سیبویہ کے متعلق اگرچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ علمِ نحو کے احکام کا بانی ہے لیکن وہ نحو جس نے متاخرین کے افکار کے ملنے سے اور ان کے نظریوں کے اختلاف سے کمال درجہ تنقیح پیدا کرلی ہے وہ دوسری چیز ہے اور اس نے ایک نئی زیب و زینت حاصل کرلی ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک علیحدہ چیز ہوگئی ہے اور اس نے علیحدہ احکام حاصل کرلئے ہیں۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب ہم کو اپنی جانب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما) والسلام

مکتوب ۸۰

ہشتادم

۳۱۳ + ۹۹ + ۸۰ = ۴۹۲

یہ مکتوب بھی حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ سبحانہٗ کی طرف صادر فرمایا ——

عارف کی ذاتِ موہوب کی طرف اشیاء کے منسوب ہونے کا بیان۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) علیہم الصلوات والتسلیمات (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول علیہم الصلوات والتسلیمات حق بات لے کر آئے) —— ہر ظل کے لئے اپنے اصل کی طرف ایک شاہراہ ہے اور کوئی خار و خسک (کانٹا اور تنکا) ان کے درمیان حائل نہیں ہے، اگر کوئی خار و خسک ہے بھی تو اس کی توجہ خود اپنی طرف ہے اور اصل سے اعراض (روگردانی) ہے، اور ظل کی حیثیت صرف اصل کی امانت داری سے زیادہ کچھ نہیں ہے کیونکہ وہ جو کچھ بھی رکھتا ہے وہ وجود اور توابعِ وجود کے حُسن و کمال سب کے سب اصل سے

عارف کی ذاتِ موہوب کی طرف اشیاء کا منسوب ہونا

[1] عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم رواہ ابن ماجہ

مستفاد ہیں۔ یہ عدم ہی ہے جس کو اصل کے توسط کے بغیر (ظل) نصیب ہوا ہے جو محض لاشے ہے اور صرف ایک اعتبار ہے اور اس ظل نے اپنی کمال نادانی کی وجہ سے اپنی اصل کو فراموش کر دیا ہے اور اس کی امانتوں کو اپنی طرف سے سمجھ کر امانت میں خیانت کر لی ہے، اور با وجود ذاتی نقص کے جو عدم کے باعث رکھتا ہے اور اپنے آپ کو اس نے احسن و کامل جان لیا ہے لیکن اپنی طرف توجہ رکھنے اور اصل سے روگردانی کے باوجود اس کو اپنی اصل کے ساتھ محبت اور طبعی لگاؤ موجود ہے خواہ وہ جانے یا نہ جانے، بلکہ وہ محبت جو اپنے آپ سے رکھتا ہے وہی محبت تو ہے جو اصل کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ وہ حُسن و کمال جو محبت سے متعلق ہے وہ اصل ہی کی طرف سے ہے نہ کہ اس کی اپنی طرف سے۔ اور وہ سوائے عدم اور قبح کے اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں رکھتا جس سے محبت تعلق اختیار کرے۔ جیسا کہ کئی مرتبہ تحقیق ہو چکی ہے۔ اور جب خداوند جل سلطانہٗ کے کرم سے یہ خود بینی کا مرض اس سے زائل ہو جاتا ہے اور وہ جہل مرکب سے باز آجاتا ہے اور امانت کو اہلِ امانت سے جانتا ہے اور اپنی طرف توجہ دینے اور مشغول رہنے کی بجائے اپنے سے اعراض (روگردانی) پیدا کر لیتا ہے اور وہ اعراض جو اصل سے رکھتا تھا اس کی طرف توجہ کرنے سے تبدیل ہو جاتا ہے تو اس وقت سعادت کا سرچشمہ اس کے ہاتھ میں آجاتا ہے اور اصل تک پہنچنے کی امید حاصل ہو جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ عالم واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ظل ہے، اس لئے اس کے اصول بھی اسماء و صفات ہیں اور ظلال اعراض ہیں کہ جن کا قیام اپنے اصول یعنی اسماء و صفات کے ساتھ ہے اور ان کے درمیان کوئی جوہر ایسا نہیں ہے کہ جس کے ساتھ وہ قائم ہوں۔ نظام معتزلی بحکم اِنَّ الْكَذُوْبَ قَدْ يَصْدُقُ (جھوٹا بھی کبھی سچی بات کہہ دیتا ہے) اس راز سے آگاہ ہو کر کہتا ہے کہ "عالم کُل کا کُل اعراض ہے اور ان کے درمیان کوئی جوہر نہیں ہے کہ جس کے ساتھ وہ قائم ہو"۔ لیکن اس نے بھی اس بات میں غلطی کی ہے کہ ان اعراض کا قیام ان کے اپنے نفس کے ساتھ کہا ہے اور ان کے اصول سے غافل رہ گیا ہے کہ جس کے ساتھ وہ قیام رکھتے ہیں۔

——— اور صوفیہ میں شیخ محی الدین بن العربی قدس سرہ عالم کو اعراضِ مجتمعہ فرماتے ہیں اور ان کے قیام کو حق جل و علا کی ذات کے ساتھ کہتے ہیں نہ کہ اسماء و صفات کے ساتھ جو کہ ان کے اصول ہیں: فَيَالَيْتَ شِعْرِىْ مَا مَعْنَى الْقِيَامِ بِالذَّاتِ الْمُجَرَّدَةِ عَنْ جَمِيْعِ الْوُجُوْهِ وَالْاِعْتِبَارَاتِ

وَلَا مَعْنٰی لِلْقِیَامِ ثَمَّ اِلَّا الْاِخْتِصَاصُ النَّاعِتُ وَلَا نَعْتَ ثَمَّ فَلَا قِیَامَ وَاَیْضًا اِنَّ الْقِیَامَ مِنْ جُمْلَۃِ الْوُجُوْہِ وَالْاِعْتِبَارَاتِ الْمَنْفِیَّۃِ فَلَا مَعْنٰی لِاِثْبَاتِہٖ فِیْ تِلْکَ الْمَرْتَبَۃِ الْمُقَدَّسَۃِ (کاش میں جانتا کہ تمام وجوہ واعتبارات سے مجرد ذات کے ساتھ قیام کے کیا معنی ہیں حالانکہ وہاں اختصاص ناعت ہے، (یعنی وہ تعلقِ خاص جو قائم اور محلِ قیام کے درمیان ہو) لیکن وہاں نہ نعت ہے نہ قیام، اور یہ بھی ہے کہ قیام وجوہ واعتباراتِ منفیہ کی قسم سے ہے اس لئے اس مرتبہ مقدسہ میں اس کا ثابت کرنا بے معنی ہے۔

اور چونکہ افرادِ عالم اسماء وصفات کے ظلال ہیں اس لئے لازمی طور پر ان کا وصول بھی انہی کے اصول سے ہوگا جو کہ اسماء وصفات کے اصول ہیں، اور اگر اصول کے اصول تک بھی پہنچ جائیں تو پھر وہ ذات مجرد مقدسہ تک منتہی ہوں گے اور اس سے آگے نہیں گذر سکیں گے، کیونکہ اصالت کو بھی اس مقام سے آگے کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس مقام میں سب چیزوں سے غنائے ذاتی ہے خواہ وہ اسم ہو یا صفت اور خواہ وہ شان ہو یا اعتبار۔ لہذا عالم کو حضرت ذات تعالیٰ کے اس مرتبہ مقدسہ سے سوائے محرومی کے کچھ حاصل نہیں اور وصل واتصال کی بھی وہاں گنجائش نہیں ہے، لیکن عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ اپنی کمال رحمت ورافت سے مدتیں اور عرصہ دراز گذر جانے کے بعد کسی صاحبِ دولت کو فنائے اتم سے نوازنے کے بعد بقائے اکمل عطا کرتے ہیں اور ذاتِ اقدس کا نمونہ اس کو عطا فرما دیتے ہیں کہ اس کا قیام جیسا کہ پہلے اپنی اصل کے ساتھ تھا جو کہ اسماء وصفات ہیں اب وہ اس نمونہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے اور ان اعراضِ سابقہ کا مجموعہ جو وہ پہلے رکھتا تھا اور یہ ذاتِ موہوب (عطا شدہ ذات)، دونوں مل کر اس کی حقیقت بن جاتی ہے اور اب اس کا انسانی کمال جو انجام کو پہنچ گیا ہے تو نعمت بھی اس کے حق میں پوری ہو جاتی ہے۔

ایک بات کہتا ہوں بہت غور سے سنیں کہ اس ذاتِ موہوب کے ساتھ صرف عارف کا قیام ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام افرادِ عالم کے ساتھ ہے جو اعراضِ مجتمعہ ہیں جس طرح وہ پہلے اسماء وصفات کے ساتھ قیام رکھتے تھے اب ان کا قیام اس ذات موہوب کے ساتھ مربوط کر دیا ہے اور سب کو اس ایک ذات کے ساتھ قائم کر دیا گیا ہے۔ ع

خاص کند بندۂ مصلحت عام را (ترجمہ) ایک بندہ خاص ہوتا ہے سبھی کے واسطے

انسان کی خلافت کا راز جو آیہ کریمہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (بقرہ آیت ۳۰) (میں زمین میں

انسان کی خلافت کا راز

خلیفہ بنانے والا ہوں) میں ہے اس مقام پر متحقق ہو جاتا ہے، اور اس خبر (حدیث) اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) کی حقیقت بھی اس مقام میں واضح ہو جاتی ہے ——— اور یہ جو ہم نے کہا کہ "اس (عارف) کو ذاتِ اقدس کا نمونہ عطا فرما دیتے ہیں"۔ وہ عبارت کے تنگیٔ میدان کی وجہ سے ہے ورنہ نمونہ کو بھی اس جگہ کیا گنجائش ہے اور کونسی چیز ہے جو اس کی صورت اختیار کر سکے اور صورت کو بھی اس جگہ کوئی مجال نہیں ہے ——— نیز جاننا چاہئے کہ اس قسم کے بزرگ ایک زمانے میں متعدد نہیں ہوتے، بلکہ (ایسا بزرگ) زمانۂ دراز کے بعد ایک پیدا ہوتا ہے تو پھر ایک زمانے میں متعدد ہونا کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ اگر اس قسم کے دولت والے (عارف) کے ظہور کی مدت کا تعین کیا جائے تو شاید بہت کم لوگ اس کا اعتبار کریں۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۸) (اے ہمارے رب ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما)۔

جاننا چاہئے کہ جب کسی عارف کو بقاءِ ذات سے مشرف کرتے ہیں تو وہ ذاتِ موہوب بے چونی کی حامل اور تمام وجوہ و اعتبارات سے وراء ہو گی کیونکہ جو کچھ بھی چون ہے وہ وجوہ و اعتبارات کے ساتھ مقید ہے جب تک بے چون نہ ہو جائے وجوہ و اعتبار سے رہائی ممکن نہیں اور وہ ذات جو بے چونی سے حصہ رکھتی ہے وہ بے چونِ حقیقی جل شانہٗ کی ذات کی طرف ایک شاہراہ ہے جس طرح ظل کو وجہ و اعتبار کی طرف راستہ ہے جو کہ اس کی اصل ہے۔ اسی طرح ظل کی عطا فرمائی ہوئی ذاتِ مجرد کو بھی ذاتِ مجردہ بے چونی کی طرف شاہراہ ہے، اور یہ ذاتِ موہوب عارف کی کنہ ہے کیونکہ کنہ وہ ہوتی ہے جو تمام وجوہ و اعتبارات سے ماوراء ہو، اور یہ ذات تمام اعتبارات سے ماوراء ہے اور باقی تمام افرادِ عالم کے لئے کوئی کنہ نہیں ہے کیونکہ ان کا تمام وجود، وجوہ و اعتبارات ہیں، وہاں کوئی ذات نہیں ہے جو اعتبارات سے ماوراء ہو اور جس کو کنہ کہا جائے لہذا جب ان کی کنہ (حقیقت) نہیں ہے تو ان کو اصل کنہ سے بھی کیا نصیب ہو گا۔ کنہ کو کنہ کے ساتھ تو راہ ہوتی ہے لیکن وجہ کو کنہ کے ساتھ کیا مناسبت ہے۔ کنہ گویا کنہ کے مقابل ہے اور وجہ کو کنہ سے انحراف (برگشتگی) ہے، تو وہ کنہ تک کس طرح پہنچے۔ جسقدر دور جائے گا اسی قدر دور تر ہو تا جائے گا ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی	کیں راہ کہ تو میروی بترکستان ست
(ترجمہ) نہیں کعبہ کو پہنچے گا تو ناداں	کہ تیری راہ ترکستان کی ہے

اور کنہ کو کنہ کے مقابل کہنے کا اطلاق میدانِ عبارت کی تنگی کی وجہ سے ہے ورنہ اس بارگاہ میں محاذات کی کیا حقیقت ہے لیکن بے چون کے یہ معنی صورتِ مثالی میں محاذات کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں اس لئے محاذات کا اطلاق مجاز کے طور پر کیا گیا ہے: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَأْنَا (بقرہ آیت ۲۸۶) (اے ہمارے رب! ہماری بھول چوک اور ہماری خطاؤں پر مواخذہ نہ فرما)۔

سنو سنو! جب افرادِ عالم کو جو اعراضِ مجتمعہ ہیں عارف کی ذات موہوب کے ساتھ قیام پیدا ہو گیا جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے تو ان کو اس عارف کی ذات کے توسط سے ذات اقدس جل شانہٗ کے ساتھ نسبت ظاہر ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اس مرتبۂ مقدسہ کی راہ سے کچھ نہ کچھ حصہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان کی ذات اسی عارف کی ذات ہے، گویا کہ اس نے اپنی ذات کے توسط سے ذات بے چون سے تعلق پیدا کیا ہے اور اس کے باوجود ذاتِ اقدس کی طرف ان کی نسبت اس عارف کے توسط سے ہے کہ وہ ذات حقیقت میں ذاتِ عارف ہے ــــــــ ایک اور عجیب بات سنو! جس شخص کو بذاتِ خود ذاتِ اقدس جل شانہٗ کے ساتھ انتساب حاصل ہے اس لئے اس مرتبۂ مقدسہ سے بے چون وصول ہے تو وہ شخص اس مرتبۂ مقدسہ سے فیوض و برکات اخذ کرنے میں اصالت و استقلال رکھتا ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ واسطے اور وسیلے اس مرتبۂ مقدسہ سے بہت نیچے ہیں۔ واصلین میں سے جس شخص کو اپنی استعداد کے مطابق حصہ ملتا ہے وہ بطریقِ اصالت ملتا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا (اللہ سبحانہٗ ہی تمام امور کے حقائق کو بہتر جانتا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

خواجہ جمال الدین حسین[1] کی طرف ایک معاملے کے حل اور واقعہ کی تعبیر میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے فرزند عزیز کو معلوم ہو کہ صحیفہ شریفہ جو تم نے ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ چونکہ وہ ظاہری اور معنوی عافیت و جمعیت کا حامل تھا اس لئے فرحت کا باعث ہوا۔ وہ واقعہ جو (کشف) میں پیش آیا تھا اور تم نے تحریر کیا تھا اور اس کی تعبیر دریافت کی تھی جس میں لکھا تھا کہ "میں وضو کرنے والا تھا کہ یک بیک بیہوش ہو کر گر پڑا گویا کہ بدن سے جان نکل گئی، پھر جب افاقہ ہوا تو

[1] آپ کے نام چھ مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۱۷۷ میں تذکرہ ہے۔

تو آفتاب درخشندہ کی مانند ایک نور دیکھا کہ جس نے انتہائی لطافت کی زیادتی سے بیہوش کر دیا جس طرح کہ کوئی اپنے محبوب کو دیکھ کر اس کے حُسن کے پرتو سے محو ہو جائے اور اس کا نام و نشان باقی نہ رہے"

میرے فرزند کو معلوم ہو کہ انسان سات معروف و مشہور لطائف سے مرکب ہے اور ہر لطیفہ کا معاملہ علیحدہ ہے اور ہر ایک کے احوال و مواجید جُدا ہیں۔ اس وقت تک میرے فرزند کے حالات اور ذوق و شوق کا تعلق لطیفۂ قلب سے تھا اور قلب کی تلوینات سے متلون تھا۔ اب جبکہ اس قوی وارد جس نے بے شعور کر دیا تھا تمہارے لطیفۂ روح پر اُترا آیا ہے اور روح کو اپنے تصرف میں لے لیا۔ (آیۂ کریمہ) اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْآ اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً (نمل ۲۷ آیت ۳۴) (تحقیق جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہس نہس کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والے لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں) ——— چونکہ دانش و شعور کا منشا روح ہے اس لئے واقعہ سے مغلوب ہو کر بیہوشی طاری ہو گئی لہذا تمہارا معاملہ لطیفۂ روح سے متعلق ہے اور آج کے حلقہ میں اس نسبت کی تکمیل کے لئے تھوڑی سی امداد و اعانت بھی وقوع میں آئی ہے اور اس کے اثر کا ظہور بھی مشہود ہوا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اس نے وسعت و فراخی پیدا کر لی ہے اور وہ اثر وسرایت پیدا کرنے کے درپے ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ انجام کو پہنچائے۔

اور دوسرا واقعہ جو تحریر تھا کہ "پروین اور بنات النعش (ستاروں کے نام) کی ملاقات اپنی منزل میں معلوم ہوتی ہے" اس کی تعبیر بھی پہلے واقعہ کی تعبیر کے مطابق ہے کہ نسبت قلبی اور نسبتِ روحی کا جمع ہونا ان دو قسم کے ستاروں کی ملاقات میں ظاہر ہوا ہے۔ چونکہ پروین میں ستاروں کی جمعیت ہے اس لئے اس کی مناسبت قلب کے ساتھ ہے اور بنات النعش میں ستاروں کی پراگندگی ہے اس لئے وہ روح کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے ——— واقعۂ دوم اگر واقعۂ اولیٰ کے بعد ظاہر ہوا ہے تو درست ہے اور دونوں نسبتوں کا حصول جمع ہو گیا، اور اگر وہ واقعہ پہلا ہے تو بھی درست ہے، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نسبت حاصل ہو جاتی ہے لیکن ظاہر نہیں ہوتی اس کے حصول کو ظاہر کیا گیا ہے اور اس کے بعد ایک دوسرے واقعہ سے بھی اس کو ظاہر کیا گیا۔ واللہ سبحانہ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ وَالسَّلَامُ

مکتوب ۸۲

حضرات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم مدظلہما کی طرف، جدائی کے رنج والم کے اظہار اور بعض بشارتوں کے بیان میں صادر فرمایا۔ (یہ مکتوب بھی لشکر کے دوران قیام کا ہے)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— فرزندانِ گرامی ظاہری و باطنی جمعیت کے ساتھ رہیں۔ ان سفروں اور محنتوں (تکلیفوں) میں ان دونوں عزیز فرزندوں کی جدائی کے برابر کوئی رنج و غم معلوم نہیں ہوتا بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ان کی یاد سے فارغ ہوتا ہوں۔ جسقدر بھی نعمتیں منعمِ حقیقی جل شانہٗ سے زیادہ پہنچ رہی ہیں اُسی قدر دُور اُفتادہ احباب کی یاد بھی زیادہ آرہی ہے۔ روزانہ کے تازہ واقعات مسودہ میں آنے اور بیاض میں لکھے جاتے ہیں لیکن ایسا کوئی نہیں جو ان کا ادراک کرسکے اور ان سے لطف اندوز ہوسکے۔ خواجہ محمد ہاشم کا وجود غنیمت ہے کہ ان کو سخن فہمی کا ذوق حاصل ہے اور وہ ان سے کچھ نہ کچھ لذت حاصل کرتے ہیں، لیکن اس سفرِ اجمیر میں تکالیف کی زیادتی سے اور متعلقان (بیوی بچوں) کے صحیح عذر کی وجہ سے شاید ہی چند دن اور موافقت کریں۔ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (آل عمران ۳ آیہ ۱۷۳) (ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے)۔ رفقا بھی بہت کم ہیں اور خوراک بھی کم ہے۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (زمر ۳۹ آیہ ۳۶) (کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے)۔ بَلٰی (ہاں کیوں نہیں یعنی وہ کافی ہے)

دوسری بات یہ ہے کہ ایک رات تمہاری جدائی میں بہت بیقرار تھا کہ نمازِ تہجد کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ تم دونوں بھائی اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کے ساتھ بادشاہ کے وکیل کے پاس گئے ہو تا کہ بادشاہ کے نوکر ہو جاؤ، اور نوکری کی تجویز کو اس وکیل کے سپرد کر دیا کہ جس کو قابل سمجھے نوکر رکھ لے۔ چنانچہ وکیل جس کو لائق و قابل سمجھتا ہے ایک کاغذ پر اُس کا حُلیہ لکھ لیتا ہے اور اس کاغذ کے کنارے پر تحریر کر دیتا ہے کہ اس کو نوکر رکھ لیا ——— ان تینوں میں سے تم دونوں بھائیوں کے حُلیے کو اس نے لکھ لیا ہے اور نوکری بھی تجویز کر دی ہے، لیکن تیسرے دوست کا حُلیہ نہیں لکھا اور نہ اس کو نوکر رکھا ——— میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ اس تیسرے دوست کا حلیہ کیوں نہیں لکھا؟

صاحبزادوں کی جدائی کے غم کا اظہار

صاحبزادوں کی ترقی درجات کی بشارت

تم نے جواب دیا کہ حلیہ لکھتے وقت وکیل نے اپنے چہرہ کو اس کے نزدیک کیا اور اچھی طرح ملاحظہ کر کے کہا کہ یہ سیاہی رکھتا ہے، یا ان الفاظ کے قریب قریب کچھ کہا اور حلیہ نہ لکھا[۱] ——— حَمدًا لِلّٰہِ سُبحَانَہٗ (اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد ہے) کہ تم دونوں کی جانب سے دل کو اطمینان ہو گیا کہ تم قبول کر لئے گئے۔ لیکن اس تیسرے دوست کی طرف سے طبیعت آزردہ ہے کہ اس کا نام تجویز نہ ہو سکا۔ کاش کہ اس کو بھی بادشاہ کے نوکروں کی نوکری کے لئے قبول فرمالیں۔ اَلعَاقِبَۃُ بِالخَیرِ (انجام بخیر ہو)۔

یہ مکتوب بھی حضرات مخدوم زادگان کبار (خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم) سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

" لشکر کی برکات کے بیان میں کہ وہاں کا قیام اپنے اختیار میں نہیں ہے" ——— فرزندان گرامی جمعیت کے ساتھ رہیں، ہمارے احباب ہر وقت ہماری مشقتوں کو مدنظر رکھتے ہیں اسی لئے اس تنگی (نظربندی) سے خلاصی چاہتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ نامرادی، بے اختیاری اور ناکامی کے اندر کس قدر حسن و جمال ہے اور کونسی نعمت اس نعمت کے برابر ہے کہ کسی شخص کو اپنے اختیار سے بے اختیار کر دیں اور اپنے اختیار سے اس کو زندگی عطا کریں اور اس کے اختیاری امور کو بھی اس کی بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کو دائرہ اختیار سے باہر نکال دیں اور کَالمَیِّتِ بَینَ یَدَیِ الغَسَّالِ (جیسا کہ مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے)۔ اس کو بھی ایسا ہی بنا دیں۔

اس قید کے ایام میں جب بھی میں اپنی بے اختیاری اور ناکامی کا مطالعہ کرتا تھا تو عجیب طرح کی لذت پاتا تھا اور عجب ذوق معلوم ہوتا تھا۔ ہاں ارباب فراغت (عیش و آرام میں رہنے والے) ارباب بلا کے ذوق کو کیا سمجھ سکتے ہیں اور اس کی اس مصیبت کے جمال کا کیا ادراک کر سکتے ہیں۔ بچوں کو تو شیرینی ہی میں لذت محسوس ہوتی ہے اور جس نے تلخی سے حصہ پایا ہو وہ شیرینی کو ایک جَو کے برابر بھی نہیں خریدتا۔ مصرع

مرغ آتش خوارہ کے لذت شناسد دانہ را (ترجمہ) جو پرندہ آگ کھائے دانہ کب کھائے گا وہ

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الھُدٰی (اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

[۱] حضرت مجدد صاحبؒ پیش نظر دفتر کے مکتوب ۱۰۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ " ایک زمانے کے بعد ظاہر ہوا کہ اس کو بھی قبول کر لیا ہے" اور تیسرے دوست سے مراد غالباً خواجہ محمد ہاشم کشمی ہیں۔

+۳۱۳ +۹۹ = ۴۹۶

مکتوب ۸۴
هشتاد و چہارم

حافظ عبدالغفور[1] کی طرف اس طریقۂ عالیہ کے آداب میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ اس راہ کے طالب کو چاہئے کہ اول اپنے عقائد کو علماءِ اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے عقائد کے موافق درست کرے، پھر فقہ کے ضروری احکام کا علم حاصل کرے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مصروف رکھے بشرطیکہ اس ذکر کو کسی شیخ کامل و مکمل سے اخذ کیا ہو کیونکہ ناقص سے کامل نہیں ہو سکتا اور اپنے اوقات کو ذکر کے ساتھ اس طرح معمور رکھے کہ فرضوں اور مؤکدہ سنتوں کے علاوہ کسی چیز میں مشغول نہ ہو، حتی کہ (ذکر میں پختگی آنے تک) قرآن مجید کی تلاوت اور عباداتِ نافلہ کو بھی موقوف رکھے اور وضو سے اور بے وضو بھی ذکر کرتا رہے، کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے بھی اس کام میں مشغول، نیز چلتے پھرتے کھانے پیتے اور سونے کے وقت بھی ذکر سے خالی نہ رہے ؎

ذکر گو ذکر تا ترا جان ست — پاکیٔ دل زذکرِ رحمان ست

(ترجمہ) ذکر کرتا رہ کہ جب تک جان ہے — دل کی پاکی ذکرِ رحمٰن ہی سے ہے

اس طرح دوامِ ذکر میں اسقدر مشغول رہے کہ مذکور کے سوا سب کچھ اس کے سینے سے دُور ہو جائے اور مذکور کے علاوہ اس کے باطن میں کسی چیز کا نام و نشان تک نہ رہے حتی کہ بطور وسوسہ بھی ماسوا اس کے دل میں نہ گذرے اور اگر تکلف سے بھی غیر کا خطرہ دل میں لانا چاہے تو نہ لا سکے، اور یہ نسیان جو دل کو تمام ماسوائے مطلوب سے حاصل ہوا ہے وہ حصولِ مطلوب کا ایک مقدمہ ہے اور حصولِ مطلوب اور اس کے وصول کی خوشخبری دینے والا ہے۔ اور نفسِ حصولِ مطلوب اور وصولِ حقیقی مقصود کے متعلق کیا لکھے کہ وہ وراء الوراء ہے

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَہَا — قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَہُنَّ حُتُوْفٌ

(ترجمہ) ہائے پہنچوں کس طرح محبوب تک — پُر خطر ہیں کوہ و غار اس راہ میں

اور جب برادرِ عزیز اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے اس سبق کو انجام تک پہنچا لیں تو دوسرے سبق کی طلب ظاہر کریں۔ واللہ سبحانہ الموفق والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

[1] آپ کے نام صرف یہی مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

راہِ سلوک کے مبتدی کے لئے چند نصیحتیں۔ حصول مطلوب کی بشارت یہ ہے کہ دل کو ماسوائے اللہ کا نسیان حاصل ہو جائے۔

حضرات ذوی البرکات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کے نام حفظِ اوقات کی نصیحت سے متعلق صادر فرمایا۔

اس طرف کے احوال و اوضاع شکر کے لائق ہیں۔ میں اللہ سبحانہٗ سے تمہاری سلامتی کے لئے دعا کرتا ہوں اور اللہ سبحانہٗ ہی کی مشیت سے تمہاری استقامت کا خواستگار ہوں۔ اگر اجمیر پہنچا ہوا اور راستہ کی تکالیف اور موسم گرما کی شدت سے نجات میسر ہوئی تو میں تم کو لکھوں گا اور اپنے پاس بلا لوں گا، انشاء اللہ تعالیٰ ———— اطمینان و جمعیت سے رہیں اور اپنی تمام ہمت کو مرضیٔ مولیٰ جل شانہٗ میں مصروف رکھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فراغت میں پڑ جائیں اور نفس پروری میں مبتلا ہو جائیں اور اپنے اہل و عیال سے بہت زیادہ محبت پیدا کر لیں، کارخانۂ اہم میں فتور پیدا کر لیں تو پھر سوائے محرومی و شرمندگی کے کچھ حاصل نہ ہوگا اور کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اس صحبتِ (ذکر) اور اس دولتِ (باطنی) کو غنیمت جانیں اور اپنے اوقات کو ضروری امور میں صرف کریں۔ مطلع کرنا شرط ہے ———— ہم نے اپنے معارفِ جدیدہ جو تم کو تحریر کئے ہیں وہ تمہارے لئے سبق کی حیثیت رکھتے ہیں سرسری طور پر ان سے نہ گذر جائیں بلکہ ان کے مطالعہ میں جد و جہد کریں، شاید ان کے پوشیدہ اسرار کا دروازہ تم پر کھل جائے اور سرمایۂ سعادت بن جائے۔

تمہارے بارے میں ایک خوشخبری پہنچی ہے جو ایک مکتوب (نمبر ۸۲) میں تحریر کر کے خواجہ محمد ہاشم کشمی کے سپرد کر دی تا کہ وہ تم تک پہنچا دے، امید ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تم کو ضائع نہ کرے گا اور قبول فرمائے گا لیکن ترساں و لرزاں رہیں اور لہو و لعب میں نہ پڑیں۔ ایسا نہ ہو کہ صحبت کی دوری کا اثر ہو جائے حضرت حق سبحانہٗ کے ساتھ گریہ و زاری کرتے رہیں اور ضرورت کے موافق اہلِ حقوق سے ملتے رہیں اور ان کی خاطر داری کرتے رہیں اور گھر کی مستورات کو بھی وعظ و نصیحت کرتے ہوئے زندگی بسر کریں اور ان کے حق میں امر معروف و نہی عن المنکر سے دریغ نہ کریں، اور تمام اہلِ خانہ کو نماز کی اور صلاح و تقویٰ کی اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کی ترغیب دیتے رہیں اس لئے کہ تم سے (از روئے حدیث) ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے تم کو علم دیا ہے اس کے مطابق عمل بھی عطا فرمائے اور اس پر استقامت بخشے۔ (آمین)

نفس پروری کی نصیحتیں

درویش حبیب[1] خادم کے نام خوارق و کرامات کے بکثرت و بقلت ظاہر ہونے کے اسرار میں صادر فرمایا۔

خوارق کا کثرت و قلت کے ساتھ ظاہر ہونے کے اسرار میں۔

فضول مباحات (یعنی ضرورت سے زائد جائز امور) کا ارتکاب ظہورِ کرامت کی قلت کا باعث ہے خصوصاً جبکہ فضول مباحات میں بکثرت مشغول ہو کر مشتبہ حد تک پہنچ جائے اور پھر وہاں سے حرام کے اردگرد چکر لگانے لگے، اس سے اللہ سبحانہٗ کی پناہ۔ ایسی صورت میں کرامات کہاں اور خوارق کیسے؟۔ بلکہ جسقدر بھی ارتکابِ مباح کا دائرہ تنگ کر کے ضرورت کے مطابق پر اکتفا کیا جائے اسی قدر کشف و کرامات کی گنجائش زیادہ ہوگی اور خوارق کے ظہور کی راہ زیادہ کشادہ ہو جائے گی ـــــــ واضح ہو کہ خوارق (معجزہ) کا ظہور نبوت کے شرائط میں سے ہے ولایت کی شرط میں سے نہیں، کیونکہ نبوت کا اظہار واجب ہے، ولایت کا اظہار واجب نہیں بلکہ اس مرتبہ (ولایت) میں پوشیدہ اور اخفا رہنا اولیٰ و انسب ہے کیونکہ وہاں مخلوق کو دعوت دینا ہے اور یہاں حق جل شانہٗ کا قرب (حاصل کرنا) ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ دعوت کے لئے اظہار کرنا ضروری ہے اور قرب کے لئے پوشیدگی مناسب ہے۔ کسی ولی سے خوارق کے ظہور کی کثرت اس کی دوسرے اولیاء پر افضلیت کا باعث نہیں بنتی جن سے خوارق ظہور میں نہیں آئے بلکہ یہ جائز ہے کہ ولی ہو اور اس سے کوئی کرامت ظاہر نہ ہو اور وہ اُن اولیاء سے افضل ہو جن سے خوارق کا ظہور ہوا ہے۔ چنانچہ شیخ الشیوخ (حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ) اپنی کتاب عوارف المعارف میں اس معنی کی تحقیق فرمائی ہے، جبکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات میں ظہورِ خوارق (معجزات) جو کہ نبوت کی شرط ہے اس کی کمی و زیادتی فاضلیت و مفضولیت کا باعث نہیں تو پھر ولایت میں جہاں یہ شرط نہیں ہے کس طرح افضلیت کا باعث ہو جائیں گے۔ ـــ میں خیال کرتا ہوں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ریاضات و مجاہدات اور اپنے نفوس پر مباح چیزوں کے دائرہ کو دائرہ تنگ کرنے کا اصل مقصد ظہورِ خوارق ہے جو کہ ان پر واجب ہے اور ان کی نبوت کے لئے شرط ہے قربِ الٰہی جل سلطانہٗ کے درجات تک وصول کا ذریعہ نہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پہلے ہی مجتبیٰ اور برگزیدہ ہیں کہ جن کو جذبِ محبت کی رسی سے کھینچ کر لے جاتے ہیں اور ان کو بے مشقت قرب کے درجات پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہ انابت و ارادت ہی ہے جہاں قربِ الٰہی جل شانہٗ کے

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ حضرت مجددؒ کے سفر و حضر میں خصوصی خادم تھے (روضۃ القیومیہ)

درجات کے وصول کے لئے ریاضات و مجاہدات درکار ہیں کیونکہ یہ مریدوں کا راستہ ہے لیکن مرادوں کا راستہ اجتباء ہے۔ اور مرید مشقت و محنت کے ساتھ خود اپنے پاؤں سے چل کر جاتے ہیں لیکن صاحبِ مراد کو ناز و نعمت کے ساتھ کشاں کشاں خود لے جاتے ہیں اور ان کو محنت کے بغیر قرب کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ ریاضات و مجاہدات راہِ انابت و ارادت کے لئے شرط ہیں، اجتباء کی راہ میں مجاہدات شرط نہیں اس کے باوجود نافع اور سود مند ضرور ہیں۔ مثلاً ایک شخص جس کو کشاں کشاں لے جایا جارہا ہے اگر وہ اس کشش کے ساتھ اپنی سعی اور مشقت کو بھی کام میں لائے تو وہ بہت جلد منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گا اور دور نہ رہے گا بخلاف اس شخص کے جو اپنی سعی کو کام میں نہ لائے۔ اگرچہ جائز ہے کہ کبھی تنہا کشش بھی جو زیادہ قوی ہو کششِ مرکب مذکور سے بھی زیادہ کارآمد ہو۔ لہٰذا راہِ اجتباء میں سعی و تردّد اور مشقت کمالِ وصول کے لئے شرط نہیں جیسا کہ نفسِ وصول کی شرط نہیں۔

ہاں (سعی و مشقت میں) نفع کا احتمال ضرور ہے اگرچہ بعض مقامات ہی میں کیوں نہ ہو۔ اور ریاضات و مجاہدات کے فوائد و منافع جن سے مراد ضروری مباحات کو کم کرنا ہے اربابِ اجتباء کے لئے بھی بغیر اس فائدے کے جو مذکور ہوئے ہیں بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں مثلاً جہادِ اکبر کا دوام، اور کمینی دنیا کی آلودگیوں سے باطن کی طہارت و پاکیزگی۔ کیونکہ جسقدر حوائج ضروری ہیں وہ دنیا میں داخل نہیں ہیں اور جو کچھ فضول و زائد ہیں وہ داخلِ دنیا ہیں ــــــــــــ اور دوسرا نفع ریاضت کرنے اور ضروریات میں کمی کرنے سے آخرت کے محاسبہ اور مؤاخذہ میں کمی ہونا ہے اور نیز آخرت کے درجات کی بلندی کا سبب بھی ہے کیونکہ جسقدر دنیا میں محنت ہے اس کی (جزا میں) کئی گنا آخرت میں راحت ہے۔ لہٰذا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ریاضات و مجاہدات کے لئے مذکورہ بالا وجہ کے علاوہ دوسرے وجوہات بھی واضح ہو گئے۔ نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ ریاضات اور جائز ضروریات میں کمی کرنا اگرچہ اجتبا کی راہ میں وصول کی شرط نہیں ہے لیکن اپنی ذات کی حد تک محمود و مستحسن ضرور ہے بلکہ مذکورہ فوائد کی بنا پر ضروری اور لازم ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما) ــــــــ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۸۷

ہشتاد و ہفتم

مولانا صالح کولابی[۱] کی طرف حضرت مجددؒ مد ظلہ العالی کی مرادی اور مریدی کے بارے میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ میں اللہ جل و علا کا مرید بھی ہوں اور اللہ عزشانہٗ کی مراد بھی ہوں، میری ارادت کا سلسلہ بے توسط اللہ تعالیٰ سے متصل ہے، اور میرا ہاتھ اللہ سبحانہٗ کے ہاتھ کے قائم مقام ہے، اور میری ارادت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت واسطوں سے ہے ـــــ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس[۲۱] واسطے درمیان میں ہیں، اور طریقہ قادریہ میں پچیس[۲۵]، اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس واسطے درمیان میں ہیں ـــــ اور میری ارادت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ واسطوں کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ اوپر بیان ہوا لہٰذا میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرید بھی ہوں اور ان کا ہم پیر (پیر بھائی) بھی، اور آپ کا "پس رو" (یعنی آپ کا تبع اور مقتدی) بھی ـــــ اور (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) اس دولت کے دسترخوان پر اگرچہ میں طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا، اور اگرچہ ان کا تبع ہوں لیکن اصالت سے بے بہرہ نہیں ہوں۔ اگرچہ میں اُمّتی ہوں لیکن دولت میں ان کا شریک ہوں۔ البتہ ایسی شرکت نہیں ہے کہ جس سے ہمسری کا دعویٰ پیدا ہو، کیونکہ وہ کفر ہے بلکہ یہ وہ شرکت ہے جو خادم کو اپنے مخدوم کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب تک مجھے طلب نہیں کیا گیا اس دولت کے دسترخوان پر حاضر نہیں ہوا، اور جب تک انہوں نے نہیں چاہا اس دولت کی طرف میں نے اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اگرچہ میں اویسی ہوں لیکن میں اپنا مربی حاضر و ناظر رکھتا ہوں ـــــ اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقیؒ ہیں لیکن میری تربیت کا کفیل اللہ الباقی ہے۔ میں نے اس کے فضل سے تربیت پائی ہے اور میں اجتباء کی راہ پر چلا ہوں، میرا سلسلہ رحمانی سلسلہ ہے کیونکہ میں عبدالرحمٰن ہوں اور میرا رب رحمٰن ہے اور میرا مربی ارحم الراحمین ہے ـــــ اور میرا طریقہ سبحانی طریقہ ہے کیونکہ میں تنزیہ کی راہ سے چلا ہوں اور میں نے ذات اقدس تعالیٰ کے سوا کسی کو اسم اور صفت سے

---

[۱] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۶۱ پر درج ہے۔ اور [illegible] بعض حضرات نے اعتراضات کئے تو حضرت مجددؒ نے ان کا جواب مکتوب ۱۲۱/۳ میں دیا ہے جو خواجہ حسام الدین احمد کے نام ہے

نہیں چاہا۔ میرا یہ سبحانی کہنا وہ سبحانی نہیں ہے جس کے قائل (بایزید) بسطامی ہوئے ہیں کہ ان کو اس سے کوئی ارتباط و مساس نہیں ہے بلکہ وہ انفس کے دائرہ سے باہر نکلے ہی نہیں، اور یہ (سبحانی کہنا) ماورائے انفس و آفاق ہے، اور وہ تشبیہ ہے کہ جس نے تنزیہ کا لباس پہن لیا ہے اور یہ تنزیہ وہ ہے جس کو تشبیہ کی گرد تک نہیں پہنچی اور اس نے مستی کے سرچشمہ سے جوش مارا اور عین صحو (ہوش) سے برآمد ہوا ہے۔ ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو موقوف علیہ نہیں رکھا اور میری تربیت میں اپنے فضل کے علاوہ کسی دوسرے کو علتِ فاعلی نہیں بنایا، اور اپنے کمال کرم سے اور اس غیرت کی وجہ سے جو حق تعالیٰ و تقدس نے میرے حق میں رکھی ہے کہ کسی دوسرے کے فعل کو میری تربیت میں تجویز نہیں فرمایا یا میں کسی دوسرے کے ساتھ اس معنی میں متوجہ ہوں۔ میں اللہ جل شانہٗ کا پروردہ اور اس تعالیٰ کے بے انتہا فضل و کرم کا مجتبیٰ اور برگزیدہ ہوں ع

با کریماں کارہا دشوار نیست (ترجمہ) کریموں کو نہیں ہے کام مشکل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ وَالْمِنَّةِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالتَّحِیَّةُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اُس بڑے جلال و اکرام والے کا احسان ہے اور اس کے رسول پر اول و آخر صلوٰۃ و سلام اور تحیہ ہو)۔

حضرت مخدوم زادہ عالی مرتبہ خواجہ محمد سعید[له] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف خلیل کی خلّت کے اسرار اور تعینِ وجودی کے اثبات میں صادر فرمایا۔

جب حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ جس بندے کو اپنی خُلّت کی دولت سے جو کہ بالاصالت حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے مشرف فرماتا ہے اور ولایتِ ابراہیمی سے سرفراز فرما کر اس کو اپنا انیس و ندیم بنا لیتا ہے اور انس و الفت کی نسبت جو خلت کے لوازم سے ہے درمیان میں لاتا ہے اور جب خلت کی وہ نسبت جو انس و الفت کے لوازم سے ہے درمیان میں آ گئی تو پھر خلیل کے اوصاف اور اس کے اخلاق کی قباحت و کراہت نظر سے دور ہو جاتی ہے کیونکہ اگر برائی نظر میں رہے تو نفرت و بے الفتی کا باعث ہو گی جو مقامِ خلّت کے منافی ہے جو سراسر الفت ہے۔

خلیل کی خلّت کے اسرار

[له] آپ کے نام ۱۴ مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر آپ کا تذکرہ ہے۔

سوال: خلیل کے اوصاف کی قبح (برائی) کا نظر سے اُٹھ جانا مجاز میں تو ظاہر ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس مقام میں خلّت کی نسبت غالب آجائے اور خلیل کے اوصاف کی برائی کو پوشیدہ کردے لیکن مرتبۂ حقیقت میں جہاں کسی شے کا علم کما حقہ اپنی صورت میں ہے تو برائی کو برائی نہ جاننا اور خلت کی نسبت سے مغلوب ہوجانا جائز نہیں ہے۔

جواب: ہر برائی میں حُسن کی وجوہات میں سے کوئی نہ کوئی وجہ ثابت ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ برائی کو اس وجۂ حسن کی وجہ سے حسن جانے اور اس کے حسن ہونے کا حکم فرمائے ——— جاننا چاہئے کہ اگرچہ اس برائی میں حُسن کامل پیدا نہیں ہوا لیکن چونکہ اس کی وجۂ حُسن مولیٰ جل شانہٗ کو ملحوظ و منظور ہے اس لئے لازمی طور پر فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ[۵۱] (مائدہ آیہ ۵۶) (پس یقیناً اللہ تعالیٰ کا لشکر ہی غالب رہے گا) کے مطابق باقی تمام وجوہات پر وہ غالب آجاتی ہے اور سب کو اپنے رنگ میں رنگ کر پسندیدہ و مستحسن بنادیتی ہے فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ (فرقان آیہ ۷۰) (پس یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا)۔

جان لیں اللہ تعالیٰ تم کو سیدھے راستے کی ہدایت دے کہ خلّت اور محبت کے درمیان عموم و خصوص کی نسبت ہے۔ خُلّت عام ہے اور محبت اس کا ایک فرد کامل ہے، کیونکہ انس والفت کا حد سے زیادہ ہوجانا محبت ہے جو کہ گرفتاری کا باعث ہے اور بے قراری و بے آرامی پیدا کردیتی ہے، اور خلت سراسر انس والفت اور آرام ہے۔ وہ محبت ہی ہے جو گرفتاری پیدا کرتی ہے اور خلت کے دوسرے افراد سے متمیز ہوئی ہے گویا کہ وہ دوسری جنس ہوگئی ہے۔ اور وہ ہنر جو کہ محبت نے اس امتیاز میں خلت کے باقی تمام افراد کی نسبت زیادہ حاصل کیا ہے وہ درد و حزن ہے، اور نفس خلّت سب کا سب عیش در عیش، فرح در فرح اور انس در انس ہے۔ اسی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے خلیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں بھی جو کہ رنج و محنت کا گھر ہے عمل کا اجر عطا فرمایا ہے اور آخرت میں بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے حق میں ارشاد فرماتا ہے: وَاٰتَیْنٰہُ اَجْرَہٗ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ (عنکبوت آیہ ۲۷) (اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی اس کا اجر عطا فرمایا اور یقیناً وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہیں)۔

اور چونکہ محبت درد و حزن کا منشا ہوئی اس لئے جس فرد میں بھی محبت غالب ہوگی اس میں درد و حزن بھی زیادہ ہوگا ——— اسی وجہ سے کہا گیا ہے: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

۵۱؎ اصل فارسی اور دیگر نسخوں میں سہو کتابت کی وجہ سے یہ آیت اس طرح درج ہے "الا ان حزب اللہ ہم الغالبون" (مرتب)

مُتَوَاصِلَ الْحُزْنِ وَدَائِمَ الْفِکْرِ (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ مغموم اور دائم الفکر رہتے تھے)۔
اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ (کسی نبی کو اتنی ایذا نہیں پہنچی جتنی مجھے پہنچی ہے)۔ کیونکہ افرادِ انسانی میں سے محبت کے حصول میں فردِ کامل آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام ہی تھے، اور اگرچہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام محبوبِ (رب العالمین) ہیں لیکن چونکہ محبت کی نسبت درمیان میں آگئی تو محبوب بھی محب کی طرح شیفتہ اور گرفتار ہو گیا۔
حدیثِ قدسی ہے: اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی لِقَائِیْ وَاَنَا اِلَیْھِمْ اَشَدُّ شَوْقًا (میری ملاقات کے لئے نیک لوگوں کا شوق بہت طویل ہو گیا اور میں ان سے بھی زیادہ ان کا شوق رکھتا ہوں)۔ اس جگہ ایک مشہور

سوال یہ ہے کہ شوق تو مفقود میں ہوتا ہے اور جب حضرت جل وعلا سے کوئی چیز معدوم مفقود نہیں ہے تو پھر شوق کیا ہو گا اور اشدّ شوق کیسا؟

جواب:۔ ہم کہتے ہیں کہ کمالِ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ دوئی ختم ہو جائے اور محب و محبوب کا اتحاد ہو جائے۔ اور جب یہ معنی مفقود ہیں تو شوق موجود ہے، اور جب اتحاد بالاصالت کی تمنا محبوب میں موجود ہے کیونکہ محب شاید ہی صرف وصلِ محبوب پر قناعت کرے تو لازمی طور پر اشدِ شوق محبوب ہی کی جانب ہو گا اور ہمیشہ غمگین رہنا حبیب کی صفت ہو گی۔

(**سوال**) اگر لوگ کہیں کہ حضرت حق سبحانہٗ تمام امور پر قادر ہے اور جو کچھ چاہے اس کو میسر ہے پس اس تعالیٰ کے حق میں کوئی چیز مفقود نہ ہو گی تاکہ شوق متحقق ہو؟

جواب: کسی کام کی تمنا کرنا اور بات ہے اور اس امر کا ارادہ کرنا اور چیز ہے۔ اس تعالیٰ کی مراد، اس سبحانہٗ کے ارادہ کے خلاف نہیں ہوتی، اور (ہو سکتا ہے کہ) تمنا ہو لیکن اس کے حصول کا ارادہ نہ ہو اور اس کے وجود کو بھی نہ چاہے۔ ع

در عشق چنیں بو العجبیہا باشد (ترجمہ) عشق کی باتیں ہی ہوتی ہیں عجیب

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عشق میں صرف مطلوب درد ہوتا ہے اور وصل ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ وصل کو نہیں چاہتا اور محبوب کے اتصال سے گریزاں ہوتا ہے اور یہ سب کچھ عشق کی دیوانگیاں ہیں بلکہ عشق کے فنون میں سے ہیں۔ مَنْ لَمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ (جس نے چکھا ہی نہیں وہ کیا جانے)۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خُلّت بہت عالی مقام ہے اور کثیر البرکت ہے

اور عالمِ مجاز میں بھی جس شخص کو کسی دوسرے کے ساتھ انس و الفت اور سکون و آرام ہے وہ سب خُلّت کے مقام کے ظلال ہیں۔ مثلاً وہ محبت جو باپ کو بیٹے سے ہے اور بھائی کو بھائی سے اور بیوی کو شوہر سے، یہ سب اسی خلت کی جنس سے ہے۔ اور اسی طرح ہر حظّ، لذت اور آرام جو حسین صورتوں اور مظاہرِ جمیلہ سے ثابت ہے وہ مقام خُلّت ہی سے ہے۔ لیکن محبت ایک دوسری ہی شے ہے اور اس کا منشا بھی دوسرا ہے۔ اگر خُلّت اور انس و الفت درمیان میں نہ ہوتو کوئی مُرکب وجود میں نہ آئے اور اس کا کوئی جزو دوسرے جزو کے ساتھ نہ ملے بالخصوص جبکہ وہ تضاد کی نسبت رکھتے ہوں اور پیوستہ و آمیختہ نہ ہوں۔ بلکہ کوئی وجود بھی کسی ماہیت کے ساتھ ضم نہ ہوتا اور کوئی عالم بھی واجب تعالیٰ کی ایجاد میں داخل نہ ہوتا، کیونکہ یہ حُب ہی ہے جو ایجاد کے سلسلہ کو حرکت میں لائی ہے اور اشیاء کے وجود کا باعث ہوئی ہے ——— حدیثِ قدسی ہے: فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا) ——— اور حُبّ خُلّت کی فردِ کامل ہے جیسا کہ بیان کیا گیا۔ لہٰذا اگر خُلّت نہ ہوتی تو کوئی چیز بھی موجود نہ ہوتی اور کوئی چیز بھی کسی دوسرے کے ساتھ جمع نہ ہوتی اور الفت نہ کرتی، عالم کا وجود اور اس کا نظام دونوں خلّت سے وابستہ ہیں۔ اگر خلت نہ ہوتی تو وجود کی طرح نظام بھی مفقود ہوتا، پس خلت ایجاد کی اصل قرار پائی موجد کی جانب میں بھی اور موجود کی جانب میں بھی، کیونکہ یہ خلت ہی ہے کہ جس نے ممکن کو وجود کے قبول کرنے کے لئے مانوس کیا ہے اور اس کو ایجاد کی قید میں لاتا ہے بلکہ عدم بھی اپنے خلوت خانے میں خلّت کی دولت کی وجہ سے آرام پائے ہوئے ہے اور اپنی نیستی پر راضی ہو کر اپنے وجود کے نقیض پر الفت و انس حاصل کر کے اس کے کمالات کا آئینہ دار ہوا ہے اور ممکنات کے وجود کا واسطہ بنا ہے لہٰذا خلت تمام اشیاء سے زیادہ برکت والی قرار پائی اور اس کی برکات موجود اور معدوم کو شامل ہوئیں ——— جب تم نے "مقامِ خلّت" کے معارفِ دقیقہ جان لئے اور اس کے عمومِ برکات بھی معلوم کر لئے اور یہ بھی جان لیا کہ مقامِ خلت بالاصالت حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کی ولایت "ولایتِ ابراہیمی" ہے۔

پس جان لو کہ اب اس فقیر پر ان معارف کی برکات کے توسل سے ظاہر کیا گیا ہے کہ تعینِ اول حق تعالیٰ کی ذات کا حضرتِ وجود سے تعین ہے۔ اور وہ تعینِ اول وجودی حضرت خلیل علیٰ نبینا و علیہ و علیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والتحیۃ والبرکۃ والسلام کا رب ہے، اسی وجہ سے وہ سب کے امام ہوئے۔

تعین وجودی کا اثبات

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (بقرہ آیت ۱۲۴) (میں تجھ کو سب لوگوں کا امام بنانے والا ہوں) — اور حضرت سید البشر علی نبینا وعلیہ الصلوات والبرکات ان کی متابعت کے لئے مامور ہوئے (چنانچہ آیۂ کریمہ اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا (نحل ۱۶ آیت ۱۲۳) (آپ یکسو ہو کر ملتِ ابراہیم کی پیروی کریں) - اور آپ (حضرت ابراہیمؑ) کے بعد جو پیغمبر مبعوث ہوئے ان کو آپ علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کا حکم ہوا ——— اور باقی تمام تعینات اسی تعینِ وجودی کے ضمن میں مندرج ہیں - اگر تعین علمی جملی ہے تو وہ بھی اسی کے ضمن میں ہے اور اگر تفصیلی ہے تو وہ بھی اسی میں مندرج ہے۔ اسی لئے ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "اُبُوَّتْ" (پدرانہ طور) سے یاد کرتے تھے، اور باقی تمام انبیاء علی اجمعہم الصلوات والتسلیمات کو "اُخُوَّتْ" (برادرانہ طور پر) کے لفظ سے، اور اگر تمام انبیاءؑ کو بُنُوَّتْ (پسرانہ طور پر) سے یاد فرماتے تو بھی گنجائش تھی، کیونکہ ان بزرگوں کے تعینات آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے تعین کے ضمن میں جس کو تعین علمی جملی کہتے ہیں درج ہے - اور یہ جو "صلوٰۃ منطوقہ" (نمازِ ماثورہ) میں آیا ہے كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ (جیسا کہ تو نے ابراہیمؑ پر رحمت نازل فرمائی) - ہو سکتا ہے کہ یہ اسی لئے ہو کہ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس تک وصول بغیر توسط تعینِ اول وجودی اور بغیر وسیلہ ولایتِ ابراہیمی کے تمام کمالات میسر نہیں کیونکہ اس خاص مرتبۂ مقدسہ کے قبابِ اول (خیمہ، باب) وہی ہیں جنھوں نے غیب الغیب کی آئینہ داری فرمائی ہے اور باطنوں کے باطن کو ظاہر کیا ہے، لہٰذا کسی شخص کو بھی ان کے توسط کے بغیر چارہ نہیں۔ (اسی لئے) خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی آپؑ کی متابعت کا حکم فرمایا ہے تاکہ آپؐ اُن کی پیروی سے ان کی ولایت تک پہنچیں اور وہاں سے حضرتِ ذات جل شانہٗ تک نازو انداز کے ساتھ خراماں خراماں چلے جائیں، علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوات والتحیات۔

سوال: اس بیان سے لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت خاتم الرسل علی جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں، حالانکہ اجماع، خاتم الرسل علیہ وعلیہم التحیات والتسلیمات کی افضلیت پر ہے۔ اور نیز یہ بھی لازم آتا ہے کہ تجلی ذات بالاصالت حضرت خلیلؑ کا حصہ ہے اور دوسروں کو ان کی متابعت سے حاصل ہے، حالانکہ اکابر صوفیاء اس پر متفق ہیں کہ تجلی ذات بالاصالت حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں کے لئے آپ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی میں ؛

جواب تجلیٔ ذات تعالیٰ وتقدس کی طرح ذات کے ساتھ وصول بھی ۲ دو قسم سے ہے ایک باعتبارِ نظر ہے اور دوسری باعتبارِ قدم، یعنی نظر واصل ہے یا ناظر بنفسِ خود واصل ہے۔ اور جو قسم کہ وصولِ نظری ہے وہ بالاصالت حضرت خلیلؑ کا حصہ ہے جو حضرت ذات تعالیٰ سے اقرب ترین تعینات تعینِ اول ہے اور ان (حضرت ابراہیم) کا رب ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ——— لہذا جبتک اس تعین تک نہ پہنچیں نظر اس کے ماورٰی نفوذ نہیں کرتی۔ اور وہ قسم جو باعتبار قدم کے ہے وہ بالاصالت حضرت حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ محبوبِ رب العالمین ہیں، اور محبوبوں کو اُس مقام تک لے جاتے ہیں جس جگہ کے لئے خلیلؑ بھی عاجز ہیں مگر یہ کہ ان کی اتباع میں لے جائیں۔ ایسا کوئی خلیل ہونا چاہئے کہ جس کی نظر رئیسِ محبوباں علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے وصول کے مقام تک پہنچ سکے اور راہ میں ہی نہ رہ جائے۔

مختصر یہ کہ تجلیٔ ذات ایک وجہ سے تو بالاصالت حضرت خلیلؑ کے ساتھ مخصوص ہے، اور دوسرے ان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع ہیں۔ اور دوسری وجہ سے وہ تجلی بالاصالت آنحضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں، اور چونکہ وجہ ثانی قرب کے مراتب میں زیادہ قوی اور زیادہ دخیل ہے اس لئے لازمی طور پر تجلیٔ ذات کو حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زیادہ تر مناسبت حاصل ہوئی، اور ان کے ساتھ خصوصیت پیدا کرلی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خلیلؑ سے اور باقی تمام انبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات سے افضل ہوئے، لہذا انبیا میں سے کلّی فضیلت ان دونوں بزرگوار علیہما وعلیہم الصلوات والتسلیمات والبرکات کے حصہ میں آئی، اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے افضل ہے ——— اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات چونکہ محبوبوں کے سردار ہیں جبکہ ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ اتباعہ الصلوۃ والسلام رئیسِ محبوباں ہیں تو لازمی طور پر آپ (موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ایک طرح کی معیت حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں ہے۔ اور نیز یہ کہ اس بارگاہ میں ان کے لئے ایسی قدم گاہ اور مرتبہ ہے جو ان کی محبت کے توسل سے ہے جس میں کسی دوسرے کو کوئی دخل نہیں ہے، لیکن یہ فضیلت جزئی کی طرف راجع ہے جس کو عدیلِ کلّی

(یعنی کل کے برابر) کہہ سکتے ہیں، کیونکہ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی ایک بہت بڑی جماعت اس مقام میں آپ (حضرت موسیٰ) علیٰ نبینا وعلیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے تابع ہے حالانکہ فضلِ کلی وہی ہے جو حضرت خلیل وحبیب علیہما الصلوات والتحیات کے نصیب میں آیا ہے، اور اگرچہ ان میں سے ہر ایک ایک طرح سے دوسرے کا تابع ہے۔ وصولِ نظری میں حضرت خلیلؑ اصل ہیں اور حضرت حبیبؐ علیہم الصلوات والتسلیمات ان کے تابع ہیں۔ اور وصولِ قدمی میں حضرت حبیبؐ اصل ہیں اور حضرت خلیلؑ آپ علیہم الصلوات والتحیات والبرکات کے تابع ہیں ——— اور حضرت (موسیٰ) کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص کمالات جس قدر اس فقیر پر ظاہر ہوئے ہیں دل چاہتا ہے کہ ان کو علیحدہ کاغذ پر تحریر کروں انشاء اللہ تعالیٰ۔

جاننا چاہئے کہ وہ انبیاء جو کسی نبی علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے توسل سے حضرتِ ذات تعالیٰ تک پہنچے ہیں تو وہ نبی حضرت ذات تعالیٰ اور انبیاء کے درمیان حائل نہیں ہیں اور ان کو حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ بالاصالت نصیب حاصل ہے ——— خلاصۂ کلام یہ کہ ان (انبیاء) کا اس درجہ تک پہنچنا اس نبی علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کی تبعیت (پیروی) پر وابستہ ہے برخلاف کسی نبی کی امت کے جو کہ نبی کے توسل سے پہنچتی ہے تو وہ پیغمبر درمیان میں حائل ہوتا ہے مگر یہ کہ افرادِ امت میں سے کسی فرد کو حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ بالاصالت نصیب ہو تو اس مقام میں نبی کا حائل ہونا مفقود ہے البتہ اس کی تابعداری موجود ہوتی ہے، اور ایسے حضرات بہت قلیل ہیں بلکہ اقلِ قلیل (بہت ہی کم) ہیں۔

سوال: اس تقدیر (اندازہ) کے مطابق اس امتی فرد اور دوسرے تمام انبیاء کے درمیان کیا فرق ہے کیونکہ دونوں میں حائل ہونا مفقود ہے اور تبعیت (پیروی) موجود ہے؟۔

جواب: امت کے فرد میں تبعیت (اتباع) تشریع کے اعتبار سے ہے کہ جب تک وہ نبی کی شریعت کی متابعت نہ کرے گا نہ پہنچے گا۔ اور انبیاءؑ میں تبعیت اس اعتبار سے ہے کہ نبی متبوع کے لئے اس درجہ کا وصول اولاً بالذات ہے اور دوسروں کا وصول ثانوی طور پر بالعرض ہے۔ کیونکہ دعوت سے مطلوب تو محبوب ہے اور دوسروں کو اس کے طفیل میں بلاتے ہیں اور اس کی تبعیت کی وجہ سے طلب کرتے ہیں لیکن وہ سب کے سب ایک ہی دسترخوان کے ہم جلیس ہیں اور ایک ہی مجلس میں

اپنے اپنے درجاتِ تفاوت کے مطابق لذتوں اور نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں، یہی وہ اُمتی ہیں جو ان انبیاءؑ کے حاشیہ بردار ہیں اور ان کا پس خوردہ (بچا کچا کھانا) کھاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان افراد میں سے کوئی فردِ خداوند جل شانہٗ کے فضل و کرم سے مخصوص ہو جائے اور اکابر کی مجلس کا ہمنشین بن جائے، جیسا کہ بیان ہو چکا۔ ع

با کریماں کارہا دشوار نیست (ترجمہ) کریموں کو نہیں ہے کام مشکل

اگرچہ اُمتی، اُمتی ہے لیکن پیغمبر پیغمبر ہی ہے۔ اُمتی خواہ کتنا ہی بلند درجہ حاصل کرلے اگر اس کا سر پیغمبر کے پاؤں تک بھی پہنچ جائے تو یہ بہت بڑی دولت ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (صفّت آیت ۱۷۱ تا ۱۷۳)

(اور بیشک ہمارا حکم اپنے مرسلین بندوں کے حق میں پہلے ہی مقرر ہو چکا ہے کہ ان ہی کی مدد کی جائے گی اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا)۔

سوال: حضرت ابراہیمؑ کی ملّت کی متابعت سے جس کے لئے ہمارے پیغمبرؐ مامور ہوئے ہیں کیا مراد ہے اور باوجود آپ کی شریعت کے استقلال کے ان کی تبعیت کا کیا حکم ہوگا علیہ و علی جمیع الانبیاء الصلوات والتسلیمات۔

جواب: شریعت کا مستقل ہونا تبعیت (اتباع) کے مخالف نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے شریعت کو بالاصالت اخذ کیا ہو لیکن کسی امر کے حصول کے ذریعے حضرت خلیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی متابعت کا امر ہوا ہو، کیونکہ وہ امر متبوع کی ان خصائص میں سے ہے جس کی متابعت کا امر ہوا ہے اور اس امر کا حصول اس متابعت کے حصول کے ساتھ وابستہ ہے، مثلاً کوئی شخص فرائض میں سے کسی فرض کو ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ متابعت کی نیت بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس فرض کو ہمارے نبی نے ادا کیا ہے اس لئے ہم بھی ادا کرتے ہیں تو اس صورت میں امید ہے کہ وہ ادائے فرض کے ثواب کے علاوہ متابعت کا ثواب علیحدہ پائے اور اس نبی کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کی وجہ سے مزید برکات سے بھی مستفید ہوگا ——— اور اس امر کی تفتیش کہ ملت کی متابعت سے مراد تمام ملتوں کی متابعت ہے یا بعض کی۔ اگر تمام کی ہے تو بعض احکام منسوخ ہو جانے کے باوجود کل کی متابعت کس طرح درست ہوگی، اور اگر بعض مراد ہے تو وہ بھی خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ اس کو علمائے تفسیر نے

حل کیا ہے وہاں رجوع کرنا چاہئے کہ یہ باب علمائے ظواہر سے متعلق ہے اور علوم صوفیہ سے بہت کم مناسبت رکھتا ہے ۔ ــــــــ سبحان اللہ! اس قسم کے عجیب و غریب معارف جو مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں اور عجیب ہونے کی بنا پر قریب ہے کہ میرے ہم جنس مجھ سے نفرت کرنے لگیں اور جو میرے ہم راز ہیں وہ بھی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں اور مجرم ٹھہرائیں ۔ نہ میرا ان معارف کے حصول میں کچھ اختیار ہے اور نہ ان کے اظہار میں کچھ دخل ہے، مجھ کو تو بتایا گیا ہے کہ تعینِ اول "تعینِ وجودی" ہے جو حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب اور ان کا مبدأ تعین ہے ۔ اس ہزار سال کی مدت میں کیا کسی نے سنا ہے کہ تعینِ اول "تعینِ وجودی" ہے اور وہ حضرت خلیل الرحمٰن علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے ۔ متقدمین میں اس قسم کی عبارت متعارف نہ تھی اور نہ ہی تعین و تنزل کی گنجائش تھی، لیکن متاخرین میں اس قسم کی باتیں متعارف ہوئیں تو تعینِ اول "تعین علمی جملی" قرار پایا اور وہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب مقرر ہوا ۔ آج اگر اس مقررہ امر کے خلاف کسی سے ظاہر ہو تو خیال کرنا چاہئے کہ اس کے سر پر کیا گذرے گی اور وہ کس طرح مطعون اور ملامت زدہ ہوگا ۔ وہ میری نسبت خیال کرتے ہیں کہ میں خلیلؑ کو حبیبؐ پر فضیلت دیتا ہوں اور حبیبؐ کو جزو خلیلؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام بناتا ہوں، کیونکہ تمام تعینات کو تعیناتِ اول میں مندرج جانتا ہوں ۔ اگرچہ مندرجہ بالا عبارت میں ان کے وہم کا ازالہ کر دیا گیا ہے اور شافی جواب دیدیا گیا ہے لیکن معلوم نہیں کہ وہ اس کو کافی سمجھیں اور اس شفا سے مستشفی ہو جائیں ۔ کیا کہا جا سکتا ہے اس لئے کہ جہل و عناد اور تعصب کا کوئی علاج نہیں مگر یہ کہ مقلب القلوب ہی اپنی قدرت کاملہ سے ان کے قلوب کو پھیر دے اور حق بات سننے اور اس کو قبول کرنے کے قابل بنا دے ۔ ــــــــ حضرت خلیلؑ کی بزرگی اور پیروی کے حکم "اِتَّبِعْ" (پیروی کرو) سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا ہے معلوم کرنا چاہئے کہ متبوع کو تابع کے ساتھ کیا نسبت ہے ۔ لیکن وہ محبوبیت جو خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حصہ میں آئی ہے وہ قرب کے تمام فضائل و مراتب پر غالب ہے اور سب سے پیشقدم اور برتر ہے ۔ قرب کے ہزار ... محبوبیت کی ایک نسبت کے برابر نہیں ہو سکتے، کیونکہ محب اپنے محبوب کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے دوسروں کی کیا مجال ہے کہ اس کے ساتھ مشارکت کی خواہش کریں ۔

سوال: تم نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ حضرت خلیلؑ کا رب بھی شان العلم ہے جیسا کہ وہ حضرت حبیبؐ کا رب ہے علیہما الصلوات والتسلیمات۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ وہاں تفصیل کے طور پر ہے اور یہاں اجمال کے ساتھ۔

جواب: یہ معرفت اس ولایتِ خلّت کی حقیقت تک وصول سے پیشتر کی ہے اور جب اس ولایت کی حقیقت متحقق ہو گئی تو معاملہ جیسا کہ تھا ظاہر ہو گیا۔ گویا کہ وہ معرفت اس حقیقت کے ظل سے متعلق تھی وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اور اللہ تعالیٰ ہی بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے)۔ ان معارف سے واضح ہو گیا کہ وجود، عینِ ذات نہیں ہے بلکہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے تعینات میں سے سب سے پہلا تعین ہے۔ اور جس نے وجود کو عینِ ذات کہا ہے تو اس نے تعین کو لاتعین خیال کیا ہے اور غیرِ ذات کو ذات سمجھا ہے لہٰذا غیریت میں جھگڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ وہ تنگیٔ عبارت سے ہے۔

سوال: اس تعینِ اول وجودی کو جس کو تم نے دریافت کیا ہے اس تعین اول علمی جلی سے کہ جس کو دوسروں نے دریافت کیا ہے کیا نسبت ہے؟ اور ان دونوں کے درمیان کوئی دوسرا تعین بھی ہے یا نہیں؟۔

جواب: تعینِ وجودی تعینِ علمی سے بلند تر ہے اور تعینِ علمی سے اوپر جو مرتبہ حضرت ذات اور لاتعین کہا ہے یہی تعینِ وجودی ہے جس کو دوسروں نے حضرت ذات کا عین پایا ہے اور وجود کو عین ذات جانا ہے اور ان دونوں تعینات کے درمیان شان الحیوۃ ہے جو تمام شیونات سے اَقْدَم (پہلے) ہے، اس کے بعد شان العلم ہے جو اجمالاً اور تفصیلاً اس کے تابع ہے۔ لیکن اس درمیانی تعین کا کوئی مظہر نظر میں نہیں آتا اور وہ حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور استغنائے ذاتی اس میں بہت زیادہ جلوہ گر ہے۔ بس اسقدر مفہوم ہوتا ہے کہ اس کے فیوض و برکات خصوصیت کے ساتھ روحانیوں پر پڑ رہے ہیں، وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ (اور حقیقتِ حال کو اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے)۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (بقرہ آیہ ۳۲) (یا اللہ تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا بیشک تو جاننے والا حکمت والا ہے)۔

تنبیہ: جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ وصولِ نظری بالاصالت حضرت خلیل کا حصہ ہے۔

اور وصولِ قدمی بالاصالت حضرت حبیب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے تصیب ہے۔ اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ وہاں شہود ومشاہدہ ہے یا قدم کو اس جگہ گنجائش ہے۔ وہاں تو بال کی بھی گنجائش نہیں پھر قدم کی کیا حقیقت ہے۔ بلکہ وہاں ایک مجہول الکیفیت "وصول" ہے۔ اگر صورتِ مثالیہ میں نظر کے ساتھ منقش ہو جائے تو اس کو "وصولِ نظری" کہیں گے اور اگر وہ قدم کے ساتھ منقش ہو تو اس کو "حصولِ قدمی" کہتے ہیں ورنہ نظر اور قدم دونوں اس حضرت جل شانہٗ کی بارگاہ میں حیران و پریشان ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۸۹

۳۱۳ + ۹۹ + ۸۹ = ۵۰۱

قاضی اسمٰعیل[1] فرید آبادی کی طرف صادر فرمایا ——— شیخ روزبہان بقلی کے کلام کی شرح اور توحیدِ وجودی کے بعض دقائق کے بیان میں۔

شیخ روزبہان بقلی کا کلام اور اس کی شرح

شیخ ولی روزبہان[2] بقلی قدس سرہٗ نے متصوفین کی غلطیوں کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ "دوسری غلطی یہ ہے کہ وہ "ہمہ اوست" (سب کچھ وہی ہے) کہتے ہیں، اور ان تمام متفرق اور حادث جزئیات کے باوجود ایک ہی ذات جانتے ہیں اور رمز و اشارے کے ساتھ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ "ہم خود بھی وہی ہیں"۔ لہٰذا ان کافروں کے ہزار ہا ہزار خدا ہوئے۔ اور خداوندِ عالم تعالیٰ وتقدس محدثات کے جمع وتفریق سے منزّہ و مبرّا ہے، اور وہ ایک ہے کہ جزء کو اس میں کوئی راہ نہیں، وہ حلول کو قبول نہیں کرتا اور متلون نہیں ہوتا۔ اس قول کی وجہ سے وہ کافر ہیں، وہ نہ اپنے آپ کو جانتے ہیں نہ خدا کو۔ اگر ان میں سے کوئی شخص حق (خدا) ہوتا تو کیوں فنا ہوتا۔ بعض لوگ روح کے سلسلہ میں غلطی پر ہیں اور بعض جسم کے بارے میں قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ ان کو ہلاک کرے) (انتہیٰ کلامہٗ شیخ روزبہان)۔

پوشیدہ نہ رہے کہ عبارت "ہمہ اوست" اگرچہ متقدمین صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں متعارف نہ تھی لیکن اَنَا الْحَقُّ، سُبْحَانِیْ اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ وغیرہ کے مانند بہت سی باتیں

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور آپ کے حالات بھی معلوم نہ ہوسکے۔

[2] آپ کی کنیت ابو محمد ابی النصر البقلی الفسوی شیرازی ہے۔ آپ اپنے زمانے کے عارفوں کے سلطان، علماء کے برہان اور عشاق کے پیشوا تھے، سخت ریاضتوں اور ذوق و استغراق والے تھے۔ آپ کے آنسو بند نہ ہوتے تھے۔ آپ کی تصانیف کافی ہیں۔ محرم سنہ ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔ (نفحات الانس)۔

سرزد ہوئی ہیں لہذا اس کلمہ کا اور اس قسم کی دوسری عبارتوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ ع

آب از سر چوں گذشت است چہ یک نیزہ چہ صد (ترجمہ) سر سے پانی ہو گیا اونچا تو اک نیزہ ہو یا سو نیزہ ہو

یہ مثل موزوں اور مشہور ہے ——— اور متاخرین صوفیہ میں یہ عبارت شائع اور عام ہے اور وہ بے تکلف "ہمہ اوست" کہتے ہیں اور اس قول پر اصرار کرتے ہیں اگرچہ ان میں سے بہت کم ایسے ہیں جو اس عبارت اور اس جیسی عبارتوں میں تردد رکھتے ہیں بلکہ اس کے انکار کی صورت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور جو کچھ کہ یہ فقیر ان کے اطلاقات یعنی "ہمہ اوست" سے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام حادث متفرق جزئیات ایک ہی ذات تعالیٰ و تقدس کا ظہور ہیں جیسے کہ زید کی صورت مختلف آئینوں میں منعکس ہو اور وہاں اس کا ظہور پیدا کرے تو کہیں گے "ہمہ اوست"۔ یعنی یہ تمام صورتیں جنھوں نے مختلف آئینوں میں اپنا ثبوت پیدا کر لیا ہے زید کی ایک ذات کا ظہور ہیں۔ اس مقام میں کونسی جزئیت اور اتحاد ہے اور کونسا حلول و تلون ہے۔ ان تمام صورتوں کے باوجود ذاتِ زید اپنی اصلی حالت کی صرافت پر ہے اور ان صورتوں نے اس میں نہ کوئی اضافہ کیا اور نہ کوئی کمی کی، بلکہ جہاں زید کی ذات ہے وہاں ان صورتوں کا نام و نشان تک نہیں ہے تاکہ اس کے ساتھ کوئی بھی جزئیت، اتحاد، حلول اور سریان کی نسبت پیدا کر سکیں۔ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ (وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا) کا راز اس مقام میں تلاش کرنا چاہئے، کیونکہ جس مرتبہ میں حق تعالیٰ ہے وہاں جیسا کہ ظہور سے پہلے عالم کی کوئی گنجائش نہ تھی اسی طرح ظہور کے بعد بھی عالم کی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پس لازمی طور پر وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا

عجیب معاملہ ہے کہ متقدمین صوفیہ میں سے بہت سے اکابرین نے اس عبارت کے توحید آمیز معنی حلول و اتحاد سمجھے ہیں اور اس عبارت کے ماننے والوں کی تکفیر اور تضلیل کی ہے اور ان میں سے بعض نے ان عبارتوں کی اس طرح توجیہ کی ہے جو قائلین کے مذاق سے کوئی نسبت اور مناسبت نہیں رکھتی۔

صاحب عوارف المعارف فرماتے ہیں کہ "منصور کا اَنَا الْحَقّ (میں حق ہوں) کہنا، اور بایزید بسطامیؒ کا سُبْحَانِیْ (میں پاک ہوں) کہنا، حق جل سلطانہٗ کی طرف سے حکایت کے طور پر تھا، اور اگر بطریقِ حکایت نہ ہوتا بلکہ اس میں حلول و اتحاد کا شائبہ بھی درمیان میں ہوتا تو ہم ان اقوال کے کہنے والوں کا رد کرتے جیسا کہ ہم نصاریٰ کا رد کرتے ہیں جو کہ حلول و اتحاد کے قائل ہیں"۔

سابقہ تحقیق سے واضح ہو گیا کہ ان شطحی نما عبارتوں (ایسی عبارت جس کے ادراک سے ظاہر عقل عاجز ہے) میں کوئی حلول و اتحاد نہیں ہے، اور اگر یہ ان معانی پر محمول ہیں تو ظہور کے اعتبار سے ہیں نہ کہ وجود کے اعتبار سے، جیسا کہ ان لوگوں نے سمجھا ہے اور اس کو حلول و اتحاد کی طرف لے گئے ہیں ـــــ

ہم مانتے ہیں کہ یہ مسئلہ توحید متقدمین صوفیہ میں اچھی طرح صاف اور واضح نہیں ہوا تھا ان میں سے جو کوئی مغلوب الحال ہو جاتا تھا اس سے اس قسم کے "اتحاد نما" توحیدی کلمات سرزد ہو جاتے تھے اور غلبۂ سکر کے باعث وہ اس سر کو نہ پا سکتا تھا اور ان عبارتوں کے ظاہر کو حلول و اتحاد کی آمیزش سے پھیر نہ سکتا تھا اور جب شیخ بزرگوار محی الدین بن العربی قدس سرہ تک نوبت پہنچی تو انہوں نے کمال معرفت سے اس دقیق مسئلہ کی تشریح فرمائی اور اس کو ابواب و فصول کے ساتھ ترتیب دے کر صرف و نحو کی طرح مدوّن فرمایا، اس کے باوجود اس طائفہ کے بعض لوگوں نے شیخ موصوف کی مراد کو نہ سمجھنے کے باعث ان کو غلطی پر کہا اور ان پر طعن و ملامت کی۔ اس مسئلہ کی اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہیں اور ان پر طعن کرنے والے لوگ حق بات سے دور ہیں۔ شیخ کی بزرگی اور ان کے علم کی زیادتی اس مسئلہ کی تحقیق سے (جو شیخ نے کی ہے) معلوم کرنی چاہئے اور ان پر رد و طعن نہیں کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ پر جسقدر غور و بحث کی جاتی ہے متاخرین کے مختلف فکروں کے ملنے سے اسی قدر زیادہ واضح اور صاف ہوتا جاتا ہے اور حلول و اتحاد کے شبہات سے دور تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

شیخ ابن عربیؒ کی بزرگی اور علمی فضیلت

وہ علمِ نحو جو اب متاخرین کے افکار کے ملنے سے واضح اور منقح ہو چکا ہے وہ ہرگز سیبویہ اور اخفش کے زمانے میں اتنا واضح اور منقح نہیں تھا کیونکہ ہر ایک صنعت و فن کی تکمیل مختلف فکروں کے ملنے پر موقوف ہے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم (ابو حنیفہ) و امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما خلقِ قرآن کے مسئلہ میں چھ ماہ تک ایک دوسرے کے ساتھ بحث کرتے رہے اور رد و بدل فرماتے رہے، پھر چھ ماہ کے بعد یہ بات قرار پائی کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہو جائے گا۔ اتنی مدت بحث و مباحثہ اسی لئے ہوتا رہا کہ یہ مسئلہ صاف اور واضح نہیں ہوتا تھا، اب چونکہ مختلف فکروں کے ملنے سے واضح ہو چکا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ اگر نزاع کا موجب حروف و کلمات ہیں جو کلامِ نفسی پر دلالت کرتے ہیں تو وہ بیشک حادث و مخلوق ہیں، اور اگر کلام سے مراد مدلولات (معانی) ہیں تو وہ قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔ یہ تنقیح مختلف فکروں کے ملنے کی برکت سے ہے۔

خلقِ قرآن مجید کا مسئلہ

توحیدِ وجودی کے دقائق

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اس عبارت کے دوسرے معنی بھی ہیں جو اتحاد و حلول سے بعید ہیں یعنی "یہ سب نہیں ہیں صرف حق تعالیٰ ہی موجود ہے" نہ یہ کہ یہ سب ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں۔ اس قسم کی بات تو کوئی بے وقوف اور زادان بھی نہیں کہے گا پھر ان بزرگوں سے کس طرح متصور ہو سکتی ہے اور چونکہ غلبۂ محبت کے باعث محبوب کے سوا سب کچھ ان بزرگواروں کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے سوا کچھ بھی ان کے مشاہدہ میں نہیں رہتا اس لئے وہ "ہمہ اوست" کہہ دیتے ہیں یعنی یہ سب کچھ جو ثابت و موجود دکھائی دیتا ہے سراسر وہم و خیال ہی ہے اور موجود صرف حق تعالیٰ ہی ہے۔ اس صورت میں نہ جزئیت و اتحاد کی آمیزش ہے نہ حلول و تلوّن کا گمان۔ لیکن اس کے باوجود یہ فقیر اس قسم کی عبارتوں کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ یہ (عبارتیں) اس قسم کے مقاصد سے ہر طرح مبرا ہیں کیونکہ یہ خداوند جل سلطانہٗ کے مرتبۂ تقدیس و تنزیہ کے لائق نہیں ہیں، ان اشیا کی کیا حیثیت ہے جو اس کا مظہر ہو سکیں۔ ع

درکدام آئینہ درآید او (ترجمہ) کونسے آئینے میں آئے گا وہ

اور ان میں یہ طاقت و مجال کہاں ہے کہ وہ ظہور کے اعتبار سے بھی اس تعالیٰ پر محمول ہو سکیں، اگر وہ مظہر بھی ہیں تو اس تعالیٰ کے کمالات کے ظلال میں سے کسی ظل کا مظہر ہیں، اور وہ ظل کہ جس کا یہ مظہر ہیں خداوند جل سلطانہٗ کے ظلال میں سے وہ ظل ہے جس سے لیکر ذات تعالیٰ تک کئی ہزار ظلال درمیان میں ہیں۔ إِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّ ظُلْمَةٍ (بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے ستر ہزار نور اور ظلمت کے پردے ہیں) آپ نے سنا ہی ہوگا ــــــــــ پس حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے کمال کے ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو بے تحاشا حق تعالیٰ پر محمول کرنا اور (ہمہ) اوست کہنا بڑی بے ادبی اور کمال درجہ کی دلیری ہے، لیکن چونکہ وہ سُکرِ حال کے غلبہ میں کہا گیا ہے اس لئے اسقدر مذموم نہیں ہے اور اسی طرح دوسری توجیہ کے موافق اپنے مشہود کو عین حق تعالیٰ جاننا اور اس کے اعتبار سے محمول کرنا بھی بے ادبی بلکہ خلافِ واقع ہے کیونکہ وہ مشہود بھی سبحانہٗ و تعالیٰ کے کمالات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور حق تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ نیز جو کچھ کہ مشہود ہے وہ نفی کے لائق ہے لہٰذا وہ حق جل و علا نہ ہوگا ــــــــــ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں "جو کچھ دیکھا، سُنا اور جانا گیا سب حق سبحانہٗ کا غیر ہے کلمۂ لَا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیئے" ــــــــــ اور اس مسئلہ میں جو کچھ اس حقیر کے نزدیک مختار اور شانِ تقدیس

اور تنزیہ کے مناسب ہے وہ "ہمہ از وست" کی عبارت ہے (یعنی سب کچھ اسی سے ہے)۔ صرف اس معنی کے لحاظ سے نہیں جس پر علماء ظاہر کفایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب کا صدور و خلق ہمہ از وست سے ہے اگرچہ یہ خود صادق و درست ہے ـــــــ اس کے باوجود یہاں ایک اور تعلق و نسبت بھی ہے جس کی طرف علما نے رہنمائی نہیں پائی اور صوفیہ اس کے حصول کے ساتھ ممتاز ہوئے ہیں اور وہ اصالت و ظلیت کا باہمی رابطہ ہے۔ یعنی اگر ممکن کا وجود ہے تو وہ واجب تعالیٰ کے وجود سے پیدا ہے اور اسی ذات سبحانہٗ و تعالیٰ کے وجود کا پرتو ہے ـــــــ اور اسی طرح اگر حیات ہے تو وہ بھی اسی کی صفتِ حیات سے پیدا ہے اور اسی کی حیاتِ مقدسہ کا پرتو ہے۔ اور علم و قدرت اور ارادہ وغیرہ کو بھی اسی پر قیاس کر لیں۔ پس صوفیہ کے طور پر عالم حق سبحانہٗ سے صادر بھی ہوا ہے اور اس کے کمالات کا ظل بھی ہے اور اسی کے منزہ کمالات سے پیدا ہے۔ مثلاً جو وجود کہ ممکن کو دیا گیا ہے وہ ایسا امر نہیں ہے کہ خود بخود ہو اور اس کو استقلال حاصل ہو بلکہ وہ وجود واجب تعالیٰ کے وجود کے ظل کا پرتو ہے۔ اور اسی طرح حیات اور علم وغیرہما جو ممکن کو بخشے گئے ہیں اس قسم کے امور نہیں ہیں کہ جنھوں نے صانع تعالیٰ شانہٗ سے مستقل ثبوت پیدا کر لیا ہو بلکہ ان کا صدور صانع تعالیٰ کی طرف سے ہونے کے باوجود یہ سب حق سبحانہٗ کے کمالات کے ظلال اور ان کمالات کی صورتیں اور مثالیں ہیں ـــــــ اصالت و ظلیت کا یہی ارتباط ہے کہ جس کی طرف صوفیہ نے ہدایت پائی ہے اور صوفیہ کے معاملہ کو اعلیٰ علیین تک لے گیا ہے اور ان کو فنا و بقا تک پہنچا کر ولایتِ خاصہ کے ساتھ متحقق کر دیا ہے لیکن چونکہ علماء ظواہر کو یہ دید میسر نہیں ہوئی اس لئے وہ فنا و بقا سے بہرہ مند اور ولایتِ خاصہ کے ساتھ ممتاز نہیں ہوئے۔ اور صوفیہ چونکہ اپنے کمالات کو واجب تعالیٰ کے کمالات کا ظلال سمجھتے ہیں اور وجود اور تمام توابع وجود کو اس کے کمالات کا عکوس جانتے ہیں تو ناچار اپنے آپ کو اس کے کمالات کے امانتدار ہونے سے زیادہ نہیں جانتے اور ان کمالات کی آئینہ داری کے سوا اپنے آپ کو کچھ نہیں پاتے اور چونکہ بحکم اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (نساء آ ۵۸ ع ۴) اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو امانت والوں کے حوالے کر دو، اس امانت کو امانت والے کے سپرد کرتے ہیں اور ان تمام کمالات کو بڑے ذوق و شوق سے اصل کے سپرد کر دیتے ہیں اور اپنے آپ کو معدوم پاتے ہیں اور مُردہ جانتے ہیں کیونکہ وجود و حیات

جب اصل کی طرف چلے گئے تو معدوم ومیت باقی رہ گیا اور فنا متحقق ہو گئی مولوی (روم) فرماتے ہیں:-

چوں بدانستی تو اورا از نخست سوئے آنحضرت نسب کردی درست

وآنکہ بدانستی کہ ظلِّ کیستی فارغی گر مُردی و گر زیستی

(ترجمہ) جب نہ تھا پہلے سے اس کو جانتا نسبت اُس حضرت کی طرف کرتا رہا

اب اگر جانا ہے ظل کس کا ہے تو فکر مت کر زندہ یا مردہ ہے تو

فنا کے بعد اگر اس کو بقا کے ساتھ مشرف کرتے ہیں تو دوبارہ اس کو وجود اور توابع وجود یعنی صفاتِ کاملہ عطا فرماتے ہیں اور اس کو ولادتِ ثانیہ کے ساتھ متحقق کر دیتے ہیں۔ لَنْ یَّلِجَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ مَنْ لَّمْ یُوْلَدْ مَرَّتَیْنِ (جو شخص کہ دوبارہ پیدا نہ ہوا وہ اس کے آسمانوں کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوگا۔ ع

هَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا (ترجمہ) مبارک اہلِ نعمت کو ہو نعمت

بارِ الٰہا! تنگیٔ عبارت کی وجہ سے بعض ایسے الفاظ جن کا اطلاق شرع شریف میں وارد نہیں ہے جیسے ظلّیت وغیرہ ان کا اطلاق ہم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "وجودِ ممکن، وجودِ واجب تعالیٰ کا ظل ہے اور اس (ممکن) کی صفات حق تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا ظلال ہیں"۔ ان اطلاقات کی وجہ سے میں ترساں ولرزاں ہوں۔ چونکہ تیرے اولیاء نے مجھ سے پہلے ان اطلاقات پر سبقت کی ہے اس لئے میں معافی کا امیدوار ہوں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا (بقرہ آیہ ۲۸۶) (اے ہمارے رب! ہماری بھول چوک اور ہماری خطاؤں پر مؤاخذہ نہ فرما)۔

بعض عبارتوں پر حق تعالیٰ سے معذرت

جاننا چاہئے کہ سابقہ تحقیق سے واضح ہو گیا کہ صوفیہ جو کلام "ہمہ اوست" کے قائل ہیں عالم کو حق جل وعلا کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول وسریان ثابت نہیں کرتے بلکہ ظہور وظلیت کے اعتبار سے حمل کرتے ہیں، وجود وتحقق (ثبوت) کے اعتبار سے نہیں، اگرچہ ان کی ظاہر عبارت سے اتحادِ وجودی کا وہم گذرتا ہے لیکن حاشا وکلا ان کی یہ مراد ہرگز نہیں ہے، کیونکہ یہ کفر والحاد ہے اور جب ایک کا دوسرے پر حمل کرنا ظہور کے اعتبار سے ہے نہ کہ وجود کے اعتبار سے تو "ہمہ اوست" کے معنی "ہمہ از وست" (سب کچھ اسی سے ہے) ہوئے۔ کیونکہ کسی چیز کا ظل اسی شے سے پیدا ہوتا ہے اور اگرچہ یہ حضرات غلبۂ حال میں "ہمہ اوست" کہتے ہیں لیکن حقیقت میں اس عبارت سے ان کی مراد

"ہمہ از وست" ہے پس (اس بیان کے موافق) ان کے کلام پر اعتراض کرنے اور اس کلام کے کہنے والوں کو کافر و گمراہ کہنے کی کوئی مجال نہیں رہی ——— واضح ہو کہ کسی شے کے ظل سے مراد مرتبۂ ثانی، ثالث یا رابع میں اس شے کا ظہور ہے، مثلاً زید کی صورت جو آئینے میں منعکس ہوئی ہے وہ مرتبۂ ثانی میں زید کا ظل اور زید کا ظہور ہے اور زید اپنی ذات کی حد تک اصل وجود کے مرتبہ میں ہے جس نے اپنے ظل سے اپنے آپ کو آئینوں میں ظاہر کیا ہے بغیر اس کے کہ اس کی ذات و صفات میں کوئی تبدیلی و تغیر پیدا ہو جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (تحریم آیت ۶۶) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے نور کو کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

۳۱۳ + ۹۹ = ۵۰۲ مکتوب ۹۰

فقیر ہاشم کشمی[1] کے نام صادر فرمایا ——— ان کے سوال کے جواب میں کہ (دنیا میں) عارفوں کے قلب جو حق جل و علا کا مشاہدہ کرتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟

دنیا میں حق تعالیٰ کی رویت کی تحقیق

آپ نے دریافت کیا تھا کہ بعض محقق صوفیہ دنیا میں دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کی رویت و مشاہدہ کا اثبات کرتے ہیں جیسا کہ شیخ عارف (شہاب الدین سہروردی) قدس سرہٗ نے اپنی کتاب عوارف میں مَوْضِعُ الْمُشَاهَدَةِ بَصَرُ الْقَلْبِ (مشاہدہ کا محل قلب کی آنکھ ہے) فرمایا ہے۔ اور شیخ ابو اسحٰق کلابادی قدس سرہٗ جو اس طائفہ علیہ کے قدماء میں سے ہیں اور ان کے سرداروں میں سے ہیں اپنی کتاب "تعرف"[2] میں لکھتے ہیں وَاَجْمَعُوْا عَلٰى اَنَّهٗ تَعَالٰى لَا يُرٰى فِي الدُّنْيَا بِالْاَبْصَارِ وَلَا بِالْقُلُوْبِ اِلَّا مِنْ جِهَةِ الْاِيْقَانِ (اور اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ کو دنیا میں ان آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا اور نہ قلوب سے مگر یقین کی جہت سے دیکھا جا سکتا ہے) ان دونوں تحقیقوں کے درمیان تطبیق کی کیا صورت ہے اور اس میں آپ کی کیا رائے ہے اور اختلاف کے باوجود اجماع کس معنی میں ہے؟

(جواب) اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔ جان لیں کہ اس مسئلہ میں فقیر کے نزدیک

---

[1] آپ کے نام ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ پر درج ہے۔
[2] تعرف لمذہب التصوف، شیخ ابی بکر محمد بن ابراہیم بخاری کلابادی متوفی ۳۸۰ھ کی تصنیف ہے۔

صاحبِ "تعرف" قدس سرہٗ کا قول مختار و پسندیدہ ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ قلوب کو اس دنیا میں اُس حضرت جل سلطانہٗ کی رویت کے لئے سوائے یقین کے اور کچھ نصیب نہیں ہے جس کو آپ رویت کہیں یا مشاہدہ۔ اور جب (اس دنیا میں) قلب کو رویت حاصل نہیں ہوئی تو آنکھوں کو کیا حاصل ہوگی کیونکہ وہ (آنکھیں) اس دنیا میں اس معاملہ (مشاہدۂ حق) میں بیکار و معطل ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایقان کے معنی جو قلب کو حاصل ہوتے ہیں وہ معنی عالمِ مثال میں بصورتِ رویت ظاہر ہوتے ہیں۔ مُوقَن بہٖ (یعنی جس پر یقین لایا گیا) وہ مرئی کی صورت میں ظہور کرتا ہے کیونکہ عالمِ مثال میں ہر معنی و حقیقت کی ایک صورت ہے جو عالمِ شہادت کے مناسب ہے اور جب عالمِ شہادت میں کمالِ یقین رویت میں ہے تو وہ یقین بھی عالمِ مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے، اور جب ایقان رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کا تعلق جو کہ موقن بہ ہے اس لئے لازمی طور پر وہ بصورتِ مرئی اس جگہ ظاہر ہوتا ہے اور جب سالک اس کو عالمِ مثال کے آئینے میں مشاہدہ کرتا ہے تو آئینہ داری کے توسط سے غافل ہو کر صورت کو حقیقت جانتے ہوئے خیال کر لیتا ہے کہ اس کو حقیقتاً رویت حاصل ہو گئی اور مرئی پیدا ہو گیا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ رویت اس کے ایقان کی صورت ہے اور وہ مرئی مُوقن بہ کی صورت ہے، یہ صوفیہ کی غلطیوں میں سے ہے ———— اور ان کے لئے صورتیں حقائقِ اشیاء سے ملتبس ہو جاتی ہیں، اور یہی دید جب غالب آجاتی ہے اور باطن سے ظاہر میں اثر کر جاتی ہے تو کبھی کبھی سالک کو اس وہم میں ڈال دیتی ہے کہ رویتِ بصری بھی حاصل ہو گئی اور مطلوب بھی گوش سے آغوش میں آگیا ———— ———— وہ یہ نہیں جانتا کہ اس معنی کا حصول جبکہ اصل میں بصیرت ہے، وہ بھی وہم و تلبیسِ اشیاء پر مبنی ہے تو چشمِ ظاہر کو جو اس دنیا میں اس کی فرع ہے کیا رسائی حاصل ہوگی اور اس کو رویت کہاں سے حاصل ہو جائے گی۔ رویتِ قلبی کے سلسلہ میں بھی صوفیہ کا ایک جمِ غفیر توہم میں پڑا ہوا ہے یعنی وہ اس کے وقوع کا حکم کرتا ہے۔ مگر (دنیا میں) رویتِ بصری کے متعلق اس طائفہ میں سے کوئی ناقص ہی ہوگا جو اس کے وقوع کے وہم میں پڑا ہو۔ کیونکہ یہ اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے اجماع کے خلاف ہے۔

سوال: جب عالمِ مثال میں موقن بہ کی صورت پیدا ہو گئی تو لازم ہوا کہ حق سبحانہٗ کی

وہاں کوئی شکل وصورت ہے۔

جواب: یہ تجویز کیا گیا ہے کہ اگرچہ حق سبحانہ کی کوئی مثل نہیں لیکن مثال ہے۔ اور جائز ہے کہ مثال میں کسی صورت پر بھی ظہور فرمائے جیسا کہ صاحبِ فصوص قدس سرہٗ نے رویتِ اُخروی کو بھی صورتِ جامعہ کے ساتھ "لطیفۂ مثالیہ" مقرر کیا ہے ——— اور اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ موقن بہ کی صورت مثال میں حق تعالیٰ کی صورت نہیں ہے بلکہ صاحبِ ایقان کے مکشوف کی صورت ہے کہ اس کے ایقان نے اس کے ساتھ تعلق حاصل کر لیا ہے اور وہ مکشوف حق سبحانہٗ کی ذات کے بعض وجوہ واعتبارات میں سے ہے نہ کہ حق جل وعلا کی ذات۔ لہٰذا جب عارف کا معاملہ ذات جل سلطانہٗ تک پہنچ جاتا ہے تو اس قسم کے خیالات پیدا نہیں ہوتے اور کوئی رویت وعرئی متخیل نہیں ہوتی، کیونکہ حق سبحانہٗ کی ذات کے لئے مثال میں کوئی صورت موجود نہیں کہ اس کو عرئی صورت کے ساتھ ظاہر کرے اور اس کے ایقان کو رویت کی صورت میں جانے۔ ——— یا ہم یہ کہتے ہیں کہ عالمِ مثال میں معانی کی صورتیں ہیں نہ کہ ذات کی صورت۔ اور چونکہ عالم کل کا کل اسماء وصفات کا مظہر ہے اور ذاتیت سے بہرہ ور نہیں، جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق مختلف مقامات پر کی ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر وہ (مرئی) تمام معانی کی قسم سے ہوگا اور عالمِ مثال میں اس کی صورت ثابت ہوتی ہے۔ اور کمالاتِ وجوبی میں جس جگہ بھی صفت و شان ہے اس کا قیام ذات پر ہے اور وہ معانی کی جنس سے ہے۔ اگر مثال میں اس کی کوئی صورت ہو، اگرچہ نقص کے ساتھ اس کی گنجائش ہے۔ لیکن اس ذات سبحانہٗ کی ہرگز مراتب میں سے کسی مرتبہ میں بھی صورت نہیں ہو سکتی، کیونکہ صورت سے تحدید وتقیید لازم آتی ہے (یعنی محدود ومقید ہو جانا) اور وہ خواہ کسی مرتبہ میں بھی ہو جائز نہیں ہے تمام مراتب جو کہ اس سبحانہٗ کی مخلوق ہیں اس کی کہاں گنجائش رکھتے ہیں کہ اپنے خالق کو محدود ومقید کر لیں۔ جس کسی نے بھی حضرت جل شانہٗ کے لئے مثال تجویز کی ہے وہ وجوہ واعتبارات کے اعتبار سے ہے نہ کہ عین ذات تعالیٰ کے اعتبار سے۔ اور اگرچہ حضرت ذات تعالیٰ کے لئے وجوہ واعتبارات کی مثال کی تجویز بھی اس فقیر پر گراں ہے مگر یہ کہ دُور کے ظلال میں سے کسی ظل کے لئے اس کو تجویز کیا جائے۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ عالمِ مثال میں معانی اور صفات کی صورتوں کے نقوش تو

حق تعالیٰ کی رویت

حق تعالیٰ کی رویت کی مثال میں

موجود ہیں نہ کہ ذات تعالیٰ کے۔ لہٰذا جو کچھ صاحبِ فصوص نے رویتِ اُخروی کے بارے میں مثالی صورت تجویز کی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے وہ بھی حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے بلکہ حق سبحانہٗ کی صورت کی رویت بھی نہیں ہے کیونکہ اس سبحانہٗ کی کوئی صورت نہیں کہ جس سے رویت تعلق پیدا کرے۔ اور اگر مثال میں کوئی صورت ہے تو وہ ظلالِ بعیدہ میں سے کسی ظل کی صورت ہے، لہٰذا اس کی رویت حق سبحانہٗ کی رویت کیسے ہوگی ——— شیخ قدس سرہ رویتِ حق جل و علا کی نفی میں معتزلہ اور فلاسفہ سے کچھ کم نہیں ہیں، بلکہ رویت کا اثبات ایسے طریقے پر کرتے ہیں جس سے رویت کی نفی لازم آتی ہے اور وہ نفی صریح نفی کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے، البتہ اسقدر فرق ضرور ہے کہ اس جماعت کے پیشوا کی عقل ان کی عقیل ہے، اور شیخ کا مقتدا بعید از صحت کشف ہے (یعنی غلط ہے)۔ شاید کہ مخالفین کے ناتمام دلائل نے جو شیخ کے تخیل میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے کشف کو بھی اس مسئلہ میں صواب سے منحرف کر دیا ہے اور ان کے مذہب کی طرف مائل کر دیا۔ اور چونکہ وہ خود اہلِ سنت سے ہیں اس لئے اثبات کی صورت پیدا کی ہے اور اسی پر اکتفا کیا ہے اور اسی کو رویت گمان کیا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا (بقرہ آیت ۲۸۶) (اے ہمارے رب! ہماری بھول چوک اور خطاؤں پر مواخذہ نہ فرما)۔ اس دقیق مسئلہ کی تحقیق اور اس کے حل میں کتاب عوارف کے بعض مقامات سے بھی لیا گیا ہے۔

اور وہ جو اجماع کے بارے میں آپ نے تحریر کیا تھا تو ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک ایسا اختلاف جو اعتبار کے لائق ہو ظہور میں نہ آیا ہو یا اپنے زمانے کے مشائخ کا اجماع مراد ہو۔ واللہ سبحانہٗ اعلم بحقیقۃ الحال۔

رویتِ حق کی نفی میں شیخ معتزلہ اور فلاسفہ سے کم نہیں

مکتوب ۹۱

نود و یکم

۳۱۳ + ۹۹ + ۹۱ = ۵۰۳

مولانا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ——— ان کے سوالات کے جواب میں جو معرفت اور ایمانِ حقیقی کے درمیان فرق کے متعلق کئے گئے تھے وغیرہ

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد واضح ہو کہ برادرِ عزیز کا گرامی نامہ جو شیخ سجاول کے ہمراہ بھیجا تھا موصول ہوا۔ اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے کہ آپ سلامت و عافیت سے ہیں۔ چند سوالات

---

[۱] آپ کے نام گیارہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۲۲ پر درج ہے۔

جو آپ نے تحریر کئے تھے ان کے جواب میں جو کچھ دل میں آیا تحریر کیا جاتا ہے، اس پر اچھی طرح غور فرمائیں۔

سوال اول: معرفت اور ایمانِ حقیقی کے درمیان کیا فرق ہے؟

معرفت اور ایمانِ حقیقی کے درمیان فرق

جواب: یہ ہے کہ معرفت ایک چیز ہے اور ایمان دوسری چیز۔ کیونکہ "معرفت" کے معنی پہچاننے کے ہیں اور "ایمان" گرویدہ ہونے کو کہتے ہیں لیکن کبھی شناخت تو ہوتی ہے اور ایمان نہیں ہوتا ——— چنانچہ اہلِ کتاب کو ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں معرفت تو حاصل تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ پیغمبر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (بقرہ آیۃ ۱۴۶) (وہ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو) لیکن چونکہ دشمنی اور سرکشی کی وجہ سے گرویدگی نہ تھی اس لئے ان کا ایمان بھی متحقق نہ ہوا ——— اور ایمان کی طرح معرفت کی بھی ۲ دو قسمیں ہیں، ایک معرفت کی صورت ہے جو صورتِ ایمان کی طرح ہے اور دوسری معرفت کی حقیقت ہے جو حقیقتِ ایمان کی صورت میں ہے۔ ایمان کی صورت تو وہی ہے جس کو حضرتِ حق سبحانہٗ نے اپنی کمال رأفت ورحمت سے شریعت (کی اتباع) میں نجاتِ اخروی کے لئے کفایت فرمایا ہے اور وہ نفسِ امارہ کی سرکشی اور انکار کے باوجود قلب کا گرویدہ ہونا ہے — اور صورتِ معرفت بھی نفسِ امارہ کی جہالت کے باوجود اسی لطیفۂ قلب کے ساتھ محدود ہوتی ہے — اور حقیقتِ معرفت یہ ہے کہ نفسِ امارہ اپنی جبلّی جہالت سے باہر نکل آئے اور شناسائی پیدا کرلے۔ اور حقیقتِ ایمان یہ ہے کہ نفس شناسائی کے بعد نفس گرویدہ اور مطمئن ہوجائے اور طبعی امارگی چھوڑ دے۔

(سوال) اگر کہا جائے کہ شریعت میں تصدیقِ قلبی کا اعتبار کیا گیا ہے اور یہ گرویدہ ہونا اس کی تصدیق کا عین ہے یا اس تصدیق کے علاوہ کوئی اور امر ہے۔ اگر تصدیق سے بالاتر ہے تو یہ بات لازم آتی ہے کہ ایمان میں تین چیزیں معتبر ہیں: اقرار[1]، تصدیق[2] اور گرویدہ[3] ہونا۔ حالانکہ یہ بات علماء کے مقررہ اصول کے خلاف ہے اور بعض علماء نے عمل کو بھی ایمان میں معتبر سمجھا ہے اس طرح عمل ایمان کا جزوِ چہارم ہوجاتا ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ گرویدہ ہونا عین تصدیق ہے کیونکہ تصدیق جو کہ حکم ہے اس سے مراد اذعان (یعنی مان لینا ہے) کہ جس سے گرویدہ ہونا تعبیر کیا گیا ہے ———

(سوال): اگر دریافت کریں کہ جب اہلِ کتاب ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو

نبوت کے عنوان سے جانتے تھے تو لازمی طور پر وہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا حکم کرتے تھے (اس طرح) یقین اور گرویدہ ہونا ان کو بھی حاصل تھا کیونکہ اس اندازے کے مطابق حکم لگانا عین گرویدہ ہونا ہے لہذا ان کے حق میں ایمان کیوں متحقق نہ ہوگا اور کس وجہ سے وہ کفر کے دائرہ سے باہر نہ ہوں گے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ نبوت کے عنوان سے تو وہ (اہلِ کتاب) آپ کو جانتے تھے لیکن تعصب اور عناد کی وجہ سے ان کے قلب کو اذعان ویقین حاصل نہ تھا تاکہ وہ آپ کی نبوت کا حکم لگاتے، صرف معرفت اور تصور تھا لیکن اذعان ویقین نہ ہوا کہ تصدیق ہوتا اور ایمان تک پہنچا کر کفر سے باہر نکال دیتا ـــــــ یہ بہت باریک فرق ہے غور سے سنو! اور اپنے وجدان سے اس کی کنہ تک پہنچو۔ باوجود عناد اور دشمنی کے کہہ سکتے ہیں کہ نَبِیُّ اللّٰہِ فَعَلَ کَذَا (اللہ تعالیٰ کے نبی نے ایسا کام کیا)۔ لیکن جب تک اذعان پیدا نہ ہو جائے اِنَّہٗ نَبِیُّ اللّٰہِ (بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں) یہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ صورتِ اولیٰ میں صرف تصور ہے اور معرفتِ مشہورہ کا حوالہ ہے اور دوسری صورت میں تصدیق ہے جو اذعان اور گرویدہ ہونے پر مبنی ہے۔ اور جب تک اذعان ویقین نہ ہو تصدیق کیسے حاصل ہوگی ـــــــ اور نیز صورتِ اولیٰ میں نبوت کا اثبات مقصود نہیں ہے بلکہ اس (نبی) کے فعل کا اثبات ہے، اور صورتِ ثانیہ میں مقصود اثباتِ نبوت ہے جس کو عناد و دشمنی برداشت نہیں کر سکتا لہذا اذعان کی کیا صورت ہے۔ اور اگر بالفرض اذعان کے حصول کے بغیر تصدیق اور حکم پیدا ہو جائے تو وہ بھی داخلِ تصورات ہے اور محض تصدیق کی صورت ہے۔ جب تک اذعان پیدا نہ ہوگا اس وقت تک تصدیق کی حقیقت کی صورت نہیں بنتی۔ اور نہ ایمان حاصل ہوگا ـــــ یہ مسئلہ علمِ کلام کے اصولی مسائل میں سے ہے اور بہت دقیق ہے بڑے بڑے متبحر علماء اس کے حل میں عاجز ہیں۔ ان میں سے بعض نے مجبوراً اس کو ایمان کا رکنِ ثالث قرار دے کر اضافہ کیا ہے اور گرویدہ ہونے کو تصدیق پر زائد رکھا ہے۔ اور دوسری جماعت نے جو تصدیق کو عین گرویدہ ہونا کہتے ہیں اس معما کو کماحقہٗ حل نہیں کیا اور اجمالی کیفیت میں چھوڑ دیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ (اعراف آیہ ۴۳) (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے)۔

سنو غور سے سنو! مرکبِ اضافی اور مرکبِ توصیفی مثل نَبِیُّ اللّٰہِ (اللہ کا نبی) اور ھٰذَا النَّبِیُّ (یہ نبی)

اگرچہ اس حکم بِاَنَّہٗ نَبِیٌّ (بیشک وہ نبی ہیں) کو متضمن ہے اور نبوت کے عنوان سے اس کی معرفت پر مشتمل ہے لیکن تصدیق کا حاصل ہونا بِاَنَّہٗ نَبِیٌّ کے اذعان و یقین پر موقوف ہے جو کہ مثبتِ ایمان ہے۔ غُلَامُ زَیْدٍ فَعَلَ کَذَا (زید کے غلام نے ایسا کیا)۔ اور رَجُلٌ صَالِحٌ حَکَمَ بِکَذَا (نیک آدمی نے ایسا حکم کیا)۔ یہ دونوں جملے بغیر اذعان کے کائن اور صحیح ہیں اور دونوں عنوانِ غلامیت و عنوانِ صلاحیت کی معرفت سے ثابت ہیں، لیکن ان میں اذعان نہیں ہے جس سے ہر ایک کی غلامیت و صلاحیت کی تصدیق ہو سکے۔

(سوال) اگر کہا جائے کہ تم نے اذعانِ نفس کو اذعانِ قلب کے بعد کہا ہے اور اذعانِ نفس کو ایمانِ حقیقی سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ فلاسفہ اور اربابِ معقول نے تصدیق میں مطلق اذعان نفس کو تسلیم کیا ہے اور اذعانِ قلب کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اربابِ معقول کبھی نفس سے روح مراد لیتے ہیں اور کبھی اس سے قلب مراد ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ ان کی فلسفیانہ موشگافیاں مختلف ہیں ان سے اکثر بے فائدہ ہیں، اور اس مقام میں تو وہ بالکل ہی معطل و بیکار ہیں اور عوام کا حکم رکھتے ہیں۔ یہاں صوفیہ کے لئے تحقیق و تدقیق کا موقعہ ہے جو کہ ہر لطیفے کے احکام سے موصوف ہیں اور ہر ایک لطیفہ سے سیر و سلوک کے ساتھ بالا گذر جاتے ہیں اور نفس کو قلب سے جدا کرتے ہیں اور روح کو سِرّ سے علیحدہ اور خفی کو اخفیٰ سے متمیز کرتے ہیں ——— اربابِ معقول کو ان کے ناموں کی معرفت کے سوا اور کچھ حاصل نہیں۔ فلاسفہ نفسِ امارہ کو بہت بڑی چیز جانتے ہیں اور اس کو مادہ سے شمار کرتے ہیں اور قلب و روح کا نام تک نہیں جانتے اور سر و خفی و اخفیٰ کا تو نشان تک نہیں بتاتے۔ اِنَّ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ مَلَکًا یَسُوْقُ الْاَھْلَ اِلَی الْاَھْلِ (یقیناً اللہ سبحانہٗ کا ایک فرشتہ ہے جو اہل کو اہل کے ساتھ ملاتا ہے) ——— اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اربابِ معقول نے عادی اور عرفی احکام پر نظر کر کے اذعانِ نفس کو جو ان کی فہم کے قریب ہے ذکر کیا ہے، اور ہمارا کلام احکامِ شرعیہ کی تصدیقات سے متعلق ہے کہ نفس کو بالذات ان سے انکار ہے، اس سلسلہ میں اذعان و یقین کیا ہوتا ہے۔ اور یہ وہ انکار ہے جو منکر کو (ان احکام والے کی) عداوت تک پہنچا دیتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (ہم اپنے نفسوں کی شرارت اور اعمال کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں)۔ اور حدیثِ قدسی[1] ہے: عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّھَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ (تو اپنے نفس کو دشمن جان کیونکہ وہ میری دشمنی پر کمر بستہ ہے)۔

---

[1] بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ داؤد علیہ السلام کی حدیثِ قدسیات میں سے ہے۔

ارحم الراحمین نے اپنی کمال مہربانی سے ابتدائے حال ہی میں اذعانِ نفس کو منظور نہیں کیا اور نجات کو اذعانِ قلب کے ساتھ وابستہ کر دیا اس کے بعد اگر محض حق سبحانہٗ کے فضل و کرم سے اذعانِ نفس بھی میسر ہو جائے تو نورٌ علیٰ نور، سرورٌ علیٰ سرور اور درجاتِ ولایت تک وصول اور حقیقتِ ایمان کا حصول ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ فقیر کی فہم و دانش کے مطابق جواب لکھا جائے تاکہ میں اس کو سمجھ سکوں (جواب) کیا کیا جائے کہ مسئلہ بہت دقیق ہے اور اس کا حل بھی بغیر دقّت کے مشکل ہے بلکہ نفسِ حل بھی دقّت طلب ہے، اس میں عبارت کا کیا قصور ہے۔ آپ کو چاہیے تھا کہ پہلے ہی غور و فکر کر کے اس قسم کے سربستہ معما کو حل کرنے کے سوال کی جرأت نہ کرتے: فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (ابراہیم آیت ۲۲[۱۴]) (پس اب تم مجھے الزام نہ دو بلکہ اپنے آپ ہی کو الزام دو)۔

دقیق مسائل کا جواب بھی دقیق ہوگا۔

سوال دوم: یہ تھا کہ زاہد اور عابد ایمانِ حقیقی سے مشرف ہیں یا نہیں۔ جواب: اگر مقربین کے مرتبہ پر پہنچ جائیں اور ان کے نفوس مطمئنہ ہو جائیں تو ایمانِ حقیقی حاصل ہو جائے گا۔

سوال سوم یہ تھا کہ اجمالی معرفت والے کو جو کہ کفرِ حقیقی کا منشا ہے تو اس کو کس معنیٰ میں عارف کہہ سکتے ہیں ۔۔۔ (جواب) اس عبارت کے معنی اچھی طرح واضح نہیں ہوئے کہ کیا ہیں؟ آپ نے خود غیر واضح عبارت لکھی ہے اور دوسروں کو منع کرتے ہیں۔ اگر یہ مقصود ہے کہ کافرِ طریقت کو کس معنی میں عارف کہا جا سکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافرِ طریقت نے بھی چونکہ خداوند جل شانہٗ کو واحد و یکتا پہچانا ہے اور اس کے ماسوا کو نابود و ناچیز کر دیا ہے لہٰذا وہ عارف ہے۔ لیکن عارف کامل نہیں ہے کیونکہ وہ تمیز سے باہر نکل آیا ہے۔ پھر جب تمیز تک پہنچ جائے تو عارف مطلق ہو جاتا ہے اور ایمانِ حقیقی سے مشرف ہوگا۔ والسلام۔

فقیر محمد ہاشم[۱] کی طرف صادر فرمایا ۔۔۔ ان کے سوال کے جواب میں کہ کیا صوفیہ حق سبحانہٗ کے کلام کو سنتے ہیں اور حق تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ ہم "کلامِ حق" سنتے ہیں اور ہم اس

---

[۱] آپ کے نام ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ پر درج ہے۔

حق تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہوتے ہیں جیسا کہ امام بزرگ جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں ایک آیت کو بار بار پڑھتا رہا یہانتک کہ میں نے اس کو متکلم (یعنی حق تعالیٰ) سے سُن لیا ——— اور رسالہ غوثیہ سے بھی جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے، اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے اس کے کیا معنی ہیں اور آپ کے نزدیک اس کی تحقیق کیا ہے؟

حق تعالیٰ کا کلام بھی اس کی ذات وصفات کی طرح بے چون وبے چگونہ ہے

(جواب) اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔ جاننا چاہئے کہ حق جل وعلا کا کلام بھی حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی طرح بے چون وبے چگونہ ہے اور اس بے چون کلام کا سننا بھی بے چون ہے کیونکہ چون کو بے چون کے ساتھ کوئی راہ نہیں ہے لہذا وہ سننا حاسۂ سمع سے وابستہ نہیں ہے کیونکہ وہ سراسر چون ہے۔ وہاں اگر بندہ سے بھی استماع ہے تو وہ "تلقئ روحانی" سے ہے کہ وہ بے چونی سے حصہ رکھتا ہے اور حروف وکلمات کے توسط کے بغیر ہے۔ اور اگر بندہ کی طرف سے کلام ہے تو وہ بھی القائے روحانی کے طور پر ہے جو بغیر حروف وکلمات کے ہے، اور یہ کلام بے چونی سے بہرہ ور ہے اور بے چون سنائی دیتا ہے۔

یا ہم یہ کہتے ہیں کہ کلام لفظی جو بندے سے صادر ہوتا ہے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو بھی سماع بے چونی کے ساتھ استماع فرماتا ہے اور حروف وکلمات کے توسط کے بغیر بلا تقدیم وتاخیر اس کو سنتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانہ کے احکام جاری نہیں ہو سکتے تاکہ اس میں تقدیم وتاخیر کی گنجائش ہو ———

اس مقام میں اگر بندے سے سماع ہے تو وہ کلی طور پر سماع ہے، اور اگر کلام ہے تو وہ بھی پورے کا پورا متکلم ہے اور وہ سب کا سب گوش ہے اور سب کا سب زبان ہے۔ میثاق کے روز جو ذرات مخرجہ (جو حضرت آدم کی پشت سے نکالے گئے تھے) انھوں نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کے قول کو بغیر کسی واسطے کے اپنی کلیت کے ساتھ سُنا اور اپنی کلیت کے ساتھ بَلٰی (ہاں کیوں نہیں) جواب دیا۔ وہ ہمہ تن کان تھا اور ہمہ تن زبان تھے، کیونکہ اگر گوش کو زبان سے متمیز کیا جائے تو بے چون کے کلام کا سماع حاصل نہ ہوتا اور مرتبۂ بے چون کی شان سے وابستہ نہ ہوتا۔ لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ (بادشاہوں کی سواریاں ہی بادشاہوں کے عطیات اٹھا سکتی ہیں)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ معنیٔ متلقّٰی جو انھوں نے روحانیت کی راہ سے اخذ کئے ہیں، جب دوبارہ عالم خیال میں جو کہ انسان میں عالم مثال کی تمثیل ہے حروف وکلمات مترتبہ کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں اور وہ تلقی، القاء سماع کلام لفظی کی صورت میں مرتسم (نقش) ہو جاتا ہے کیونکہ اس عالم میں

ہر معنی کی ایک صورت ہے اگرچہ وہ معنی بے چون ہوں، لیکن بے چون کا ارتسام (نقش) ہوتا بھی وہاں چون کی صورت میں ہے کہ جس کے ساتھ فہم و افہام وابستہ ہے جو اس ارتسام کا اصلی مقصود ہے۔ اور جب متوسط سالک اپنے آپ میں مترتب کلمات کو پاتا ہے اور کلامِ لفظی کے سماع کا احساس کرتا ہے تو وہ خیال کرتا ہے کہ یہ حروف و کلمات اصل سے سُنے گئے ہیں اور بغیر کسی تفاوت کے وہاں سے اخذ کئے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ حروف و کلمات اس معنی متلقی کی خیالی صورتیں ہیں اور یہ سماع و کلامِ لفظی بے چونی سماع و کلام کی تمثال (شکل) ہے۔

ایسا عارف تام المعرفت ہونا چاہئے جو ہر مرتبہ کے حکم جدا کرے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہ ہونے دے پس ان اکابر کا سماع و کلام جو کہ مرتبۂ بے چونی کے ساتھ وابستہ ہے وہ تلقی اور القائے روحانی کی قسم سے ہے اور حروف و کلمات جو اس معنی متلقیٰ کی تعبیر کرتے ہیں وہ عالم مثال کی صورتیں ہیں ـــــــ اور ایک جماعت جس نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم حروف و کلمات کو اس حضرت جل سلطانہٗ سے سنتے ہیں وہ دو[2] فریق ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک فریق جس کا حال بہتر ہے وہ کہتا ہے کہ یہ حروف و کلمات حادثہ مسموعہ اس کلامِ نفسی قدیم پر دلالت کرتے ہیں۔ اور دوسری جماعت جو حق جل شانہٗ کے کلام کے سماع پر قول کا اطلاق کرتے ہیں اور انہی حروف و کلماتِ مترتبہ کو حق جل و علا کا کلام سمجھتے ہیں اور اس میں کچھ فرق نہیں کرتے کہ کونسا کلام اس تعالیٰ کے شایانِ شان ہے اور کونسا اس جنابِ قدس سبحانہٗ کے شایاں نہیں۔ یہ جاہل جھوٹے ہیں اور نہیں جانتے کہ کس چیز کا اطلاق اس تعالیٰ کے لئے جائز ہے اور کونسی چیز حق تعالیٰ کے شایاں نہیں۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ (بقرہ[2] آیہ ۳۲) (یا اللہ تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں مگر جو تو نے ہم کو سکھایا بیشک تو جاننے والا اور حکمت والا ہے) والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر البشر و آلہ و اصحابہ الاطہر۔

مکتوب ۹۳
نود و سوم

۳۱۳ + ۹۹   ۵-۵

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ـــــ تعینِ اولِ وجودی کی تحقیق میں اور حبیب و خلیل اور کلیم علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادیٔ تعینات کے درمیان فرق کے بیان میں۔

آخر کار (حق تعالیٰ نے) اپنے فضل و کرم سے جو کچھ اس فقیر پر مکشوف کیا وہ یہ ہے کہ تعینِ اول جو

سلہ[1] آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر درج ہو چکا ہے۔

تعین اول وجودی کی تحقیق

حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے لئے مخصوص ہے وہ حضرتِ وجود کا تعین ہے جو تمام اشیا کو محیط ہے اور تمام اضداد کا جامع ہے، خیرِ محض اور کثیر البرکت ہے۔ یہاں تک کہ اس طائفہ علیہ کے اکثر مشائخ نے اس کو عین ذات تعالیٰ کہا ہے اور اس ذات سبحانہٗ پر اس کی زیادتی کو منع کیا ہے۔ یہ (تعین) نہایت ہی دقیق اور لطیف ہے کہ ہر شخص کی آنکھ اس کو دریافت نہیں کر سکتی اور اس کو اصل سے جدا نہیں کر سکتی، یہی وجہ ہے کہ اس کا تعین اس وقت تک مخفی رہا اور متعین سے متمیز نہیں ہوا۔ اور ایک جمِّ غفیر نے اس کو خدا سمجھ کر پرستش شروع کر دی اور اس سے ماورا کوئی معبود و مطلوب نہیں سمجھا اور آثارِ خارجی کا مبدأ اسی کو جانا اور روزمرہ کے حوادث کا خالق اسی کو خیال کیا ——— اور یہ غیرِ حق سے حق کی تمیز ایک ایسی دولت تھی جو اس مسکین اور پسماندہ کے لئے ذخیرہ کی گئی تھی، اور غیر معبود کی معبودِ سبحانی کے ساتھ مشارکت کی نفی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا اولش (پس خوردہ) تھا جو اُن کے اس زلّہ بردار (بچے ہوئے طعام کو اٹھانے والا) کے لئے نگاہ رکھا گیا تھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ اس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی بھی ہدایت نہ پا سکتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے) ——— نیز (فقیر پر) یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ یہ "تعینِ اول وجودی" حضرت خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا و علیہ الصلوات والتحیات کا رب ہے اور ان کا اور ان کی خُلّت کا مبدأ تعین بھی یہی ہے ——— اور ظاہر کیا گیا کہ اس تعین کا مرکز جو کہ اس کا اشرف ترین جزو ہے وہ دوسرے اجزاء میں اصل کے ساتھ اقربیت کی نسبت رکھتا ہے اور وہ حبیب اللہ کا رب ہے اور ان کا اور ان کی محبت کا مبدأ تعین ہے علیہ و علیٰ جمیع الانبیاء الصلوات والتسلیمات۔

سوال: جب "تعین اول" حضرت خلیلؑ کا رب ہوا تو ہمارے پیغمبر علیہ و علیٰ خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس معنی میں اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ[1] (حق تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) فرمایا ہے؟

جواب: چونکہ دائرہ کا مرکز دائرہ کے تمام اجزا سے اسبق و اول ہوتا ہے اور نیز جزء کو اس کے کل پر تقدم ہوتا ہے لہٰذا لازمی طور پر آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین جس کو آپ نے اپنے نور سے تعبیر فرمایا ہے وہ سب سے اسبق و اول ہوا ——— دائرہ کا مرکز اگرچہ دائرہ کا جزو ہے اور دائرہ اس کا کُل ہے لیکن یہ ایسا جزو ہے کہ کُل کے تمام اجزا اس سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے کہ

[1] ذکرہ الزرقانی فی شرح المواہب۔

محیط دائرہ کے تمام اجزاء اس جزء کے ظلال ہیں جو کہ اس دائرہ کا مرکز ہے، اگر وہ جزء نہ ہو تو دائرہ کا نام و نشان تک بھی نہ ہو —— پس واضح ہوا کہ حضرتِ خلیلؑ کا رب اور مبدأ تعین، تعینِ اول ہے اور تعینِ اول کا منشاء (پیدا ہونے کی جگہ) جو کہ اس کا مرکز اور اس کے اجزاء کا اشرف جزو ہے وہ حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کا رب اور مبدأ تعین ہے۔ لہٰذا سب سے زیادہ اول و اسبق حضرت خاتمِ نبوت کی حقیقت ہے، اور دوسروں کے ظہور کا منشا بھی یہی حقیقت ہے علیہ و علیٰ جمیع الانبیاء الصلوات والبرکات۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث قدسی میں حضرت حبیب اللہ کی شان میں وارد ہے: لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ وَلَمَا أَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِيَّةَ[1] (اگر تو نہ ہوتا تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) —— چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات کا مبدأ تعین، تعینِ اول کے دائرہ کا مرکز ہے جو کہ حضرت خلیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے تو لازمی طور پر ولایتِ محمدیؐ جس کا منشا محبت ہے ولایتِ خلیلی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مرکز ہوا جس کا منشا خُلّت ہے۔ اور ولایتِ خلیلیؑ باوجود اولیت کے ولایتِ محمدیؐ اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے درمیان حاجز اور حائل نہیں ہوئی، کیونکہ دائرہ کا مرکز ذاتی طور پر دائرہ سے سبقت رکھتا ہے۔ پس خلف (پچھلا) سلف (پہلے) کا حائل نہیں ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

—— اور دوسری وجہ اس مرکز کی سبقت اور قرب کی یہ ہے، ذرا غور سے سنو! جب اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے اس مرکز کے نقطہ میں دُور دُور تک جانا ہو جائے تو اس نقطہ سے کہ محبت اس کا حاصل ہے تو محب اور محبوب متمیز ہو جاتے ہیں اور دائرہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس دائرہ کا مرکز "محبوبیت" ہے اور اس کا محیط مُحبّیت ہے تو وہ محبیت ولایتِ موسوی علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ ہے اور اس مبدأ کی محبوبیت، ولایتِ محمدی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہے لہٰذا محبوبیت کا یہ مرکز اس مرکزِ محبیّت سے جو کہ دائرہ بن چکا ہے پیش قدم (پہلے) ہوا۔ اور حضرت ذات تعالیٰ سے بھی نزدیک تر ہوا، کیونکہ مرکز کو جو سبقت اور قرب حاصل ہے وہ دائرہ کو حاصل نہیں۔ اور اسی طرح اس مرکز کو دائرہ کے محیط کی نسبت جو سبقت و قرب حاصل ہے وہ محیط کو نہیں ہے لہٰذا ولایتِ محمدی ولایت موسوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیات سے بھی اسبق و اقرب ہوئی۔

---

[1] اس کی تحقیق دفتر اول مکتوب ۴۴ میں گذر چکی۔

ولایتِ محمدیؐ ولایتِ خلیلیؑ اور ولایتِ موسویؑ سے اسبق و اقرب ہے۔

ایک اور (تیسری) وجہ بھی ولایتِ محمدیؐ کی سبقت و قرب کے بارے میں سنو! ـــــــ
اللہ سبحانہٗ کے فضل و کرم سے جب اس محبوبیت کے مرکز میں دُور دُور تک جائیں تو وہ مرکز بھی دائرہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ جس کا مرکز محبوبیتِ صرف معلوم ہوتا ہے۔ اور اس محبوبیت کا محیط محبیت کی آمیزش میں ظاہر ہوتا ہے جو آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے افراد میں سے کسی ایک فرد کو آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی میں نصیب ہوتا ہے بلکہ ولایتِ موسوی علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے مناسب ہے جو کہ محیط دائرہ کے ساتھ بھی مناسبت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ ولایتِ محمدیؐ ہمہ وقت (ہمیشہ کے لئے) مرکز ہے اور منشأ محبیت بھی اسی ولایت کی برکات سے ہے کہ جس کی آمیزش کی وجہ سے مرکزِ ثانی دائرہ بنا ہے اور ایک دوسرا مرکز (مرکزِ ثالث) پیدا ہوا، جاننا چاہئے کہ یہ مرکزیتِ ثالث کام کو بہت آگے لے جاتا ہے اور نزدیک سے نزدیک تر کر دیتا ہے۔ ع

یا کریماں کارہا دشوار نیست

اس سے زیادہ دقائق و اسرار کیا ظاہر کئے جائیں اور تعینِ اول کے ماوراء کی نسبت اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے، اگرچہ تعین اول سے وراء (اوپر) اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اس کا جزو ہے یا ایک واسطہ سے یا دو واسطے سے اس جزو کا جزو ہے، لیکن نظرِ کشفی میں تعینِ اول مراتب کے اعتبار سے کئی درجے سبقت رکھتا ہے اور اس سے کئی منازل میں مطلوب سے نزدیک تر ہے۔

سوال: ہر وہ کمال جو جزء کو میسر ہوتا ہے وہ کل کو بھی میسر ہے کیونکہ کُل سے وہ جزء اور دوسرے اجزاء مراد ہیں لہٰذا وہ سبقت و قرب جو جزء میں پیدا ہوتا ہے کُل میں نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: وہ کمال جو جزء میں بطریقِ اصالت پیدا ہوتا ہے وہ کل میں جزو کی وساطت و تبعیت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ بطریقِ اصالت۔ اور اس میں شک نہیں کہ اصالت کو ایک ایسی سبقت حاصل ہے جو تبعیت کو نہیں ہے، اور اس کو اصل کے ساتھ ایک ایسا قرب ہے جو فرع کو حاصل نہیں ۔ لہٰذا اگر دائرہ کا مرکز اپنے مخصوص کمالات میں دائرہ سے پیشقدمی کرے تو اس کی گنجائش ہے۔ ـــــــ اور اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ جزو کا کمال کل میں اس وقت سرایت کرتا ہے جبکہ وہ کمال اس جزء کی ماہیتِ اصلیہ سے پیدا ہوا ہو، اور اگر جزء میں کوئی ایسا کمال ہو جو جزء کی ماہیت کے انقلاب کے بعد پیدا ہوا ہو تو پھر ضروری نہیں ہے کہ وہ کل میں سرایت کرے کیونکہ وہ جزء اپنی

ماہیت کے انقلاب کے بعد اس کل کا جزء نہیں رہا کہ وہ اس میں سرایت کر سکے۔ مثلاً چاندی جس کا ایک جزء اکسیر کے عمل کے ذریعے سونا بن جائے اور ماہیتِ نقرہ، ماہیتِ طلا میں تبدیل ہو جائے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس جزء کے کمالاتِ ذہبیت اس چاندی میں جو کہ اس کا کل ہے سرایت کر گئے کیونکہ وہ جزء انقلاب کی وجہ سے اس کا جزء نہیں رہا کہ وہ اس میں سرایت کرے۔ پس سمجھ لو اور اس پر ہمارے مسئلہ کی معرفت کو قیاس کرو۔

سوال: تعینِ اول وجودی کا وجود خارج میں ہے یا صرف ثبوتِ علمی رکھتا ہے، ان دونوں شقوں میں سے کوئی بھی درست نہیں آتی کیونکہ ان بزرگوں کے نزدیک خارج میں سوائے ایک ذاتِ احد تعالیٰ کے اور کوئی موجود نہیں ہے، اور اس خارج میں بھی تعینات و تنزلات کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ اور اگر ثبوتِ علمی کہا جائے تو لازم آتا ہے کہ تعینِ علمی اس سے سابق ہو اور وہ مفروضہ کے خلاف ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ نفسِ امر میں ثابت ہے، اور اگر ثبوتِ خارجی میں بھی اس اعتبار سے کہا جائے کہ علم کے ماورا بھی اس کا ثبوت ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی درست بات کا الہام کرنے والا ہے۔

٣١٣ + ٩٩ = ٥٠٦

مکتوب ۹۴
نود و چہارم

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم[1] سلمہ اللہ کی طرف صادر فرمایا۔۔۔ کمال و جمالِ ذاتی کے دقائق کے بیان میں اور اس مرتبۂ مقدسہ کا بیان جو اس سے فوق ہے، اور ان دونوں مرتبوں میں جو حضرات حبیبؐ و خلیلؑ اور کلیم علیہم السلام کے تعینات کا حصہ ہے اور حضرت مجددؒ ان میں سے کس تعین سے بہرہ مند ہیں۔

ذاتِ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ بذاتِ خود جمیل ہے اور ذاتی حسن و جمال اسی کے لئے ثابت ہے، لیکن وہ ایسا حُسن و جمال نہیں جس کا انکشاف و ادراک ہم کر سکیں اور وہ ہماری عقل و تخیل میں آسکے۔ اس کے باوجود اس کی بارگاہ میں ایک ایسا مقدس مرتبہ ہے کہ یہ حُسن و جمال بھی اپنی انتہائی

حق تعالیٰ کے کمال و جمالِ ذاتی کے دقائق

[1] مکتوبات میں آپ کے نام ۲۷ مکتوب ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۹۴ پر درج ہے۔

عظمت و کبریائی کے باوجود اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے اور اس کے حسن و جمال سے متصف نہیں ہو سکتے۔
تعینِ اول جو کہ تعینِ وجودی ہے وہ بھی کمال و جمالِ ذاتی کا تعین ہے اور ان کا ظلِّ اول ہے اور اس مرتبۂ اقدس سے کہ جہاں کمال و جمال کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے اس تعینِ (وجودی) میں کوئی چیز موجود نہیں کیونکہ وہ اپنی انتہائی عظمت و کبریائی کی وجہ سے کسی تعین کے ساتھ متعین نہیں ہو سکتا مصراع

در کدام آئینہ در آید او (ترجمہ) دیکھیے کس آئینے میں آئے وہ

ہاں اس مرتبۂ اقدس کا راز اور کیفیت اس تعینِ اول کے دائرہ کے مرکز میں بطور ودیعت رکھا گیا ہے اور اس بے نشان کا نشان وہاں پوشیدہ کیا گیا ہے جیسا کہ تعینِ اول جو ولایتِ خلیلی کا منشا ہے اور وہ سرّ اور وہ نشأ جو اس تعین کے مرکز میں رکھا ہے وہ ولایتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشا ہے، اور وہ حسن و جمالِ ذاتی کہ جس کا ظل تعینِ اول ہے صباحت کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جو کہ عالمِ مجاز میں حُسنِ رخسار اور جمالِ خال کی قسم سے ہے اور وہ سرّ اور نشأ جو کہ مرکز میں ودیعت کیا گیا ہے ملاحت سے مناسبت رکھتا ہے جو قد کی خوبی اور رخسار کی صباحت سے ورا، اور حُسنِ چشم اور جمالِ خال سے بھی ورا ایک ذوقی امر ہے جب تک ذوق عطا نہ ہو وہ سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

آں دارد آں نگار کہ آں ہست ہرچہ ہست آنرا طلب کنید حریفاں کہ آں کجاست

(ترجمہ) محبوب ہی کے پاس سبھی کچھ ہے خوبی ہے لوگو اُسی کو ڈھونڈو جہاں بھی وہ مل سکے

اس بیان سے ان دونوں ولایتوں کے درمیان کا فرق معلوم کر سکتے ہیں، اگرچہ دونوں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے قرب سے پیدا ہوئے ہیں لیکن ایک کا مرجع (ولایتِ محمدی) ذات کے کمالات ہیں اور دوسری کا مآل (ولایتِ ابراہیمی) صِرف ذات تعالیٰ ہے۔ اور چونکہ ملاحت صباحت سے فوق تر ہے اس لئے صباحت کے مراتب طے کرنے کے بعد ملاحت کے وصول کی صورت پیدا ہوتی ہے اور جب تک ولایتِ ابراہیمی کے تمام مقامات کا وصول میسر نہ ہو جائے ولایت کی حقیقت تک جو ولایتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اعلیٰ درجہ کی بلندی ہے وصول میسر نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی متابعت کے لئے مامور کئے گئے تاکہ اس متابعت کے

وسیلے سے ان کی ولایت کی حقیقت تک پہنچ سکیں، اور وہاں سے اپنی ولایت کی حقیقت تک پہنچ جائیں کہ جس کو ملاحت سے تعبیر کیا گیا ہے متحقق ہو جائیں ـــــــ اور چونکہ ہمارے پیغمبرؑ کو ولایتِ خُلّت کے مرکزِ دائرہ کے ساتھ ذاتی مناسبت ہے جو کہ حضرتِ اجمالِ ذات تعالیٰ کے بہت ہی قریب ہے اور اس دائرہ کے محیط سے مناسبت کم رکھتا ہے کیونکہ وہ کمالاتِ ذات تعالیٰ کی تفصیل کی طرف توجہ رکھتا ہے، لہٰذا جب تک اس دائرہ کے محیط کے کمالات سے بھی متحقق نہ ہوں ولایتِ خُلّت تمام (مکمل) نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ صلوٰۃِ منطوقہ (ماثورہ) میں وارد ہے: كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ (جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیمؑ پر درود بھیجا ہے) تاکہ ولایتِ خلّت کے تمام کمالات ان کو میسر آ جائیں، جیسا کہ صاحبِ ولایت کو میسر تھے علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ـــــــ اور چونکہ ولایتِ محمدیؐ کا مکانِ طبعی ولایتِ خلیلی علیہما الصلوات والتحیات کے دائرہ کا مرکزی نقطہ ہے اور اس کی سیر بھی اس دائرہ کے مرکز کی سیر پر منحصر ہے لہٰذا لازمی طور پر اس مقام سے باہر نکل کر اس دائرہ کے محیط میں داخل ہونا اور اس کے کمالات کا اکتساب کرنا بہت دشوار ہوتا ہے اور طبعی تقاضے کے خلاف ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے افراد میں سے کوئی فرد واسطہ ہونا چاہیے جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی وجہ سے اس مرکز کے عین میں ہو، اور دوسری راہ سے اس دائرہ کے محیط کے ساتھ بھی مناسبت رکھتا ہو، تاکہ وہ اس مرتبہ کے کمالات حاصل کرے اور اس مرتبہ کی حقیقت کے ساتھ متصف ہو، اور اس کا متبوع پیغمبر بحکم مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا (جس کسی نے کوئی نیک سنت جاری کی تو اس کو اپنا اجر بھی ملتا ہے اور ان کا اجر بھی جو اس پر عمل کریں) کے مطابق اس کے وصول کے ذریعے ان کمالات کے ساتھ بھی متحقق ہو جائے اور ولایتِ خلیلی کے تمام مراتب بھی پورے کر لے۔

اس معما کے راز کا بیان جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے یہ ہے کہ ولایتِ خلت کے مرکزِ دائرہ کا نقطہ جو اس کے تمام نقطوں میں محبت کے ساتھ امتیاز حاصل کئے ہوئے ہے اگرچہ بسیط ہے لیکن چونکہ وہ محبّیت اور محبوبیت کے اعتبار کا بھی متضمن ہے اس لئے اس نے دائرہ کی صورت پیدا کر لی ہے، اور اس مرکز سے ایک اور دائرہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کا محیط اعتبارِ محبّیت ہے جو اس محبوبیت کے اعتبار کا مرکز ہے اور ولایتِ موسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشا اور اعتبارِ محبّیت ہے

اسم مبارک احمدؐ اور محمدؐ کے دقائق و اسرار

جو اس دائرہ کا محیط ہے اور ولایتِ محمدیؐ کا منشا اعتبارِ محبوبیت ہے جو اس دائرہ کا مرکز بھی ہے، لہٰذا حقیقتِ محمدیؐ کا حصول اس مقام میں تصور کرنا چاہئے۔ اور ہزار سال کے بعد اس دائرۂ ثانی کے اس نقطۂ مرکز نے بھی کہ جس سے "حقیقتِ محمدیؐ" وابستہ ہے وسعت پیدا کرلی اور اس میں دو۲ اعتبار ظاہر ہوئے اور دائرہ کی صورت میں باہر نکل آیا جو محبوبیتِ صرف کا مرکز ہے اور اس کا محیط محبوبیت ہے جو محبّیت کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور اس دائرہ کا مرکز ولایتِ احمدیؐ کا منشا ہے۔ اور "احمدؐ" آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا اسم ہے جو آسمان والوں میں معروف ہے، جیسا کہ علماء کہتے ہیں۔

——— اسی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو خود اہلِ سمٰوات میں سے ہو گئے ہیں آں سرورؐ کی تشریف آوری کی بشارت اسمِ "احمدؐ" کے ساتھ دی ہے، (نیز) اس اسمِ مبارک کو ذاتِ "احد" جل شانہٗ کے ساتھ بھی بہت زیادہ تقرب ہے، اور دوسرے اسم (محمدؐ کی نسبت) ایک منزل حضرتِ ذات جل سلطانہٗ سے نزدیک تر ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور یہ اسم اسمِ مبارک "احدؐ" صرف ایک حلقۂ میم سے جدا ہوا ہے[1] جو مبدأ محبت ہے اور ظہور و اظہار کا باعث ہوا ہے۔ اور اسی طرح "میم" جو کہ "احمدؐ" میں اندراج پائے ہوئے ہے وہ قرآن مجید کے حروفِ مقطعات میں سے ہے جو سورتوں کے شروع میں نازل ہوئے ہیں اور بڑے دقیق اسرار میں سے ہیں اور اس حرفِ مبارک "میم" کو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک خاص خصوصیت حاصل ہے جو آپؐ کی محبوبیت کا باعث ہوئی ہے اور اسی کو سب سے زیادہ فوقیت دی گئی ہے۔

حضرت مجددؒ کا مرتبہ تعین

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دائرہ کا محیط جو کہ محبوبیت سے مراد ہے اور محبّیت کے ساتھ ملا ہوا ہے تو اس کا منشا آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے افراد میں سے ایک فرد کی ولایت کا منشا ہے جو ولایتِ محمدی مرکزی کے حصول کے باوجود محیط دائرہ سے بھی مناسبت رکھتا ہو اور وہاں کے کمالات کو بھی حاصل کئے ہوئے ہو، اور معلوم ہوا کہ یہ دولتِ ثانی اس کو ولایتِ موسوی سے حاصل ہوئی ہے اور وہ ان ہر دو۲ ولایتِ عظمیٰ کے طفیل مرکز و محیط کے کمالات کا جامع ہوا ہے۔ اور یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ ہر وہ کمال جو امت کو میسر ہوتا ہے وہ کمال اس امت کے نبی کو بھی حاصل ہے۔ مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً (جو کوئی نیک سنت جاری کرے) کے مطابق آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس فرد کی وجہ سے اس دائرہ کے محیط کے کمالات میسر ہوئے اور ولایتِ خلّت بھی

---

[1] یہ مضمون ۳/۱ ص ۳۱۱ پر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں کامل ہو گئی۔ اور دعا، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ (اے اللہ! حضرت محمد پر بھی اسی طرح رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم پر رحمت فرمائی تھی) ہزار سال کے بعد قبول ہوئی اور سوال بھی مستجاب ہوا۔

ولایتِ خلت کے کامل ہونے کے بعد آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کاروبار اس سرو نشأ کے ساتھ ہے جو مرکز میں ودیعت کیا ہوا ہے اور جس کو ملاحت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور اس فرد کو امت کی نگہبانی اور پاسبانی کے لئے اس مقام سے عالم میں دوبارہ واپس کر دیا اور خود خلوت خانۂ غیب الغیب میں محبوب کے ساتھ خلوت اختیار کر لی۔ شعر

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

(ترجمہ) مبارک منعموں کو اُن کی نعمت بہت ہے عاشقِ مسکیں کو ایک گھونٹ

جاننا چاہئے کہ "مرکزِ ثالث" کا محیط اگرچہ تعینِ اول کے مرکز کے محیط کی نسبت چھوٹا معلوم ہوتا ہے لیکن وہ اس سے زیادہ جامع ہے کیونکہ جو چیز بھی حضرت ذات جل شانہٗ سے زیادہ قریب ہے وہ زیادہ جامع ہے تو اس کا چھوٹا ہونا انسان کے چھوٹا ہونے کی طرح سمجھنا چاہئے کہ باوجود چھوٹا ہونے کے عالم کی تمام اصناف سے جامع ترین ہے۔ اور اسی طرح ایک شخص جو اس محیط کے کمالات سے متصف ہو گا اور مرکز کے اجمال سے نکل کر محیط کی تفصیل میں آ گیا تو اس کی وہ بے مناسبتی جو محیط اور تفصیل کے ساتھ رکھتا تھا زائل ہو گئی اور بلا تکلف ایک تفصیل سے دوسری تفصیل میں چلا گیا اور اس تفصیل کے کمالات سے بھی متصف ہو گیا ——— ستو! کمال درجہ اقتدار کے باوجود چونکہ نظامِ عالم کو ایک حکمت کے ساتھ وابستہ کیا ہے اس لئے محبوبین کی تربیت میں بھی اسباب کے وجود کے بغیر چارہ نہیں، اگرچہ اسباب کا وجود محض ایک بہانہ ہے اور روپوشِ قدرت (قدرت کے پردہ) سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں۔ سُنَّۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (فتح آیت ۲۳)

(یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے اور تم ہرگز اللہ تعالیٰ کے طریقے میں تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

تنبیہ: نبی اگرچہ بعض کمالات کو اپنی امت کے افراد میں سے کسی فرد کے توسط سے حاصل کرتا ہے اور اس کے توسل سے بعض مقامات پر پہنچتا ہے لیکن اس راہ سے نبی کے لئے کوئی نقص لازم نہیں آتا اور اس فرد کو اس توسط کی وجہ سے نبی پر کوئی فضیلت نہیں ہوتی کیونکہ اس

فروتے اس کمال کو اس نبی ہی کی متابعت سے حاصل کیا ہے اور اس کے طفیل سے اس دولت تک پہنچا ہے لہٰذا وہ کمال حقیقت میں اسی نبی کا کمال ہے اور اسی کی متابعت کا نتیجہ ہے، اور یہ فرد اس کے خادم ہونے سے زیادہ کچھ نہیں ہے جو اسی کے خزانوں سے خرچ کر کے زیب و زینت والے لباس اور مزین فرش تیار کر کے لایا ہے جو مخدوم کے حسن و جمال کی زیادتی کا باعث ہوئے ہیں اور اس کی عظمت و کبریائی کو زیادہ کرتے ہیں۔ اس صورت میں مخدوم کا کیا نقص ہے اور خادم کی کونسی فضیلت ہے، البتہ برابر والے ہمسروں سے امداد و اعانت لینا نقص ہے لیکن جو امداد و اعانت خدام اور غلاموں سے واقع ہوتی ہے وہ عین کمال ہے اور جاہ و جلال کی زیادتی کا باعث ہے۔ کوئی ناقص اور بے وقوف ہی ہوگا جو ایک کو دوسرے کے ساتھ خلط ملط کرے اور نقص کے توہم میں پڑ جائے۔ بادشاہ اپنے لشکر اور خادموں کی مدد سے ملک حاصل کرتے ہیں اور قلعوں کو فتح کرتے ہیں اور امداد سے بادشاہ کی عظمت اور ہیبت کے علاوہ اور کچھ معلوم نہیں ہوتا، اور اس کے خادموں اور غلاموں کے لئے عزت و شرف کے علاوہ کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ اُمتیں بھی اپنے انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کی ایک طرح خادم اور غلام ہیں، اگر ان سے ان بزرگوں کو (مذکورہ بالا اندازے کے مطابق) کچھ امداد پہنچ جائے تو ان کی شان میں نقص خیال کرنے کا کونسا مقام ہے ——— اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگوار ہرگز امداد کے محتاج نہیں ہیں اور کمال کے تمام مراتب بالفعل ان کو حاصل ہیں، مکابرۂ صریح (واضح مقابلہ) اور ضد ہے کیونکہ یہ بزرگوار بھی خداوند جل شانہٗ کے بندے ہیں اور ہمہ وقت اس کے فیوض و برکات اور فضل و رحمت کے امیدوار ہیں اور ہمیشہ ترقی کے خواہاں ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے: مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ[1] (جس کے دو[2] دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے) ——— اور آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص اپنی امت کو فرمایا ہے سَلُوا لِیَ الْوَسِیْلَةَ[3] (میرے لئے مقامِ وسیلہ کا سوال کیا کرو) ——— اور اسی طرح صحاح کی احادیث میں آیا ہے: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْکِ الْمُهَاجِرِیْنَ[4] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقراء مہاجرین کے وسیلے سے فتح کی دعا مانگا کرتے تھے) ———

یہ سب کچھ امداد و اعانت کی طلب ہے۔ وہ جماعت جو امتیوں کی امداد و اعانت کو ان بزرگوں کے حق میں

---

[1] یہ حدیث دفتر ہذا کے مکتوب ۵، صفحہ ۲۱۶ پر آچکی ہے۔ [2] شرح السنۃ میں امیہ بن خالد بن عبداللہ بن اسید سے مروی ہے [3] رواہ مسلم (مشکوٰۃ)

تجویز نہیں کرتی اور ان بزرگوں کو ان کی امداد کا محتاج نہیں جانتی، ان کی نظر میں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بزرگی بڑی ہی ہیں اور ان کے بلند درجات ان کی نظر میں آتے ہیں۔ اسی طرح اگر ان کی نظر ان بزرگوں کے بندہ ہونے پر بھی پڑتی اور ان کی احتیاج و ضرورتیں جو وہ اپنے مولائے جل شانہٗ کے ساتھ رکھتے ہیں ان کے علم میں آجاتیں تو وہ ان ابنیوں کی امداد سے انکار نہ کرتے اور ان کے خادموں اور غلاموں کی اعانت سے منحرف نہ ہوتے۔ رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (تحریم آیت ۸ ۶۶) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے نور کو کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلٰی جَمِیۡعِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَعَلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ الۡکِرَامِ الۡعِظَامِ۔

مولانا صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان اسرار کے بیان میں جو حضرت ایشاں (حضرت مجدد علیہ الرحمہ) مدظلہ العالی کی ولایت کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اس حقیر کی ولایت اگرچہ ولایتِ محمدی اور ولایتِ موسوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پروردہ ہے اور ان دونوں اکابر علیہما الصلوات والتسلیمات کے طفیل نسبتِ محبوبی اور نسبتِ محبّی سے مرکب ہے کیونکہ محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم اور محبّوں کے سردار حضرت کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ لیکن حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم وعلیٰ آل کل الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے وسیلے کی وجہ سے میری ولایت کا کاروبار دوسرا ہے اور ایک علیحدہ معاملہ اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگرچہ اس ولایت کی اصل خود پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے جو ولایتِ محمدیؐ ہے کہ جس کا منشأ بالاصالت نسبتِ محبوبیتِ صرف ہے لیکن چونکہ اس میں ولایتِ موسوی کی کیفیت بھی ہے جو بالاصالت مُحِبّیتِ صرف سے ناشی ہے اور اس ولایت کے ساتھ پیوستہ ہو گئی ہے اور اسی کے رنگ میں رنگین ہو کر ایک دوسری ہیئت پیدا کر لی ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک دوسری حقیقت بن گئی ہے اور اس نے دوسری طرح کا پھل دیا ہے اور ایک دوسرا ہی نتیجہ

حضرت مجددؒ کی ولایت کے اسرار

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۶۱ پر درج ہو چکا ہے۔

(ماتم) پیدا کرلیا ـــــ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ازیں افیون کہ ساقی در مے افگند حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار

(ترجمہ) پلادے مے میں افیوں کوئی ساقی حریفوں میں رہے سدھ بدھ نہ باقی

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

فصل بالخیر

جو کاروبار اس ولایت سے وابستہ ہے اگر اس میں سے تھوڑا سا بھی ظاہر کردیا جائے، یا وہ معاملات جو ان دونوں ولایتوں سے وابستہ ہیں اگر اشارہ کے طور پر بھی ان کو ظاہر کردیا جائے تو قُطِعَ الْبُلْعُوْمُ وَذُبِحَ الْحُلْقُوْمُ (نرخرہ کاٹ دیا جائے اور حلق ذبح کردیا جائے) ـــــ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی نے بعض علوم کے اظہار میں جو انھوں نے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کئے تھے قطع البلعوم کہا ہے تو دوسروں کے متعلق کیا کہا جائے ـــــ یہ حق تعالٰی جل سلطانہٗ کے نہایت دقیق اسرار ہیں جن کو وہ اپنے اخص خواص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے اور کسی نامحرم کا ان کے آس پاس بھی گذر نہیں ہوسکتا۔ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے جو کہ رحمتِ عالمیان ہیں اپنی کمال معرفت اور وفورِ قدرت سے ان اسرار کو ابوہریرہؓ وغیرہ کے درمیان بیان فرمایا۔ اور سننے والوں کی قابلیت کو محسوس فرما کر ان پوشیدہ موتیوں کو اُن پر آشکار کردیا۔ مجھ جیسا مفلس بے بضاعت ان اسرار کے ذکر اور خطروں سے ہراساں و لرزاں ہے اور اپنی اس خرابی و آوارگی کے باوجود ان عالی مطالب کے ساتھ کسی طرح بھی اپنی مناسبت نہیں پاتا، لیکن اتنا جانتا ہے ع

با کریماں کارہا دشوار نیست (ترجمہ) کریموں کے لئے مشکل نہیں کام

ہاں خداوند جل شانہٗ کے شایانِ شان یہی ہے اور خدائے تعالٰی کو ایسا ہی کرم زیب دیتا ہے، اور حق تعالٰی کا یہ کرم ہمارے حق میں آج ہی سے نہیں بلکہ جب اس نے ہماری مشتِ خاک کو زمین سے اُٹھا کر اپنا خلیفہ بنایا اور اپنی نیابت کے ساتھ اشیا کا قیوم (قائم رکھنے والا) کیا، اور بغیر کسی واسطہ کے تمام اشیا کے ناموں کی اس کو تعلیم دی اور ملائکہ کو جو اس کے مکرم بندے ہیں اس کا شاگرد بنایا اور ان (فرشتوں) کو اس بزرگی کے باوجود اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، اور ابلیس جو علم الملکوت کے

رموز و اشارات کا انتہائی درجہ

لقب سے ملقب تھا اور طاعت و عبادت میں عظیم شان رکھتا تھا جب اس نے (آدم کو) سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور اس کی تعظیم و توقیر نہ کی تو اس (ابلیس) کو اپنی درگاہِ معلی سے راندہ و ملعون اور مردود کر کے مطعون و ملامت زدہ کردیا، اور اس مشتِ خاک کو ایسی قدرت و ہمت عطا کی کہ اُس نے بارِ امانت کو اٹھا لیا، حالانکہ اس امانت کو اٹھانے سے آسمان و زمین اور پہاڑوں نے انکار کردیا تھا اور ڈر گئے تھے ـــــ پھر اس (مشتِ خاک) کو ایسی قوت عطا فرمائی کہ اس قوت کے باعث اس نے اپنی باچونی و باچگونگی کے باوجود بے چون و بے چگونہ خالقِ سموات و ارض کی رویت کی قابلیت پیدا کر لی، حالانکہ پہاڑ (کوہِ طور) اپنی سختی اور مضبوطی کے باوجود اس سبحانہٗ کی ایک تجلی سے پارہ پارہ اور خاکستر ہوگیا ـــــ وہ خدا قدیم الاحسان اور ارحم الراحمین اس بات پر بھی قادر ہے کہ مجھ جیسے پس ماندہ کو سابقون کے درجات تک پہنچادے اور ان کے طفیل ان کی دولت کا شریک کردے ؎

اگر بادشاہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

(ترجمہ) اگر بادشہ آئے بڑھیا کے گھر تعجب تو اے خواجہ بالکل نہ کر

تنبیہ: حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیشہ اپنی تنزیہ و تقدیس پر ہے اور حدوث کی صفات اور نقص کی علامات سے منزہ و مبرا ہے۔ حضرت جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں تغیر و تبدل کو کوئی دخل نہیں اور اتصال و انفصال کو اس کی بارگاہ میں کوئی گنجائش نہیں۔ وہاں حالیت (کسی میں حلول ہونا) اور محلیت (کسی کا اس میں حلول کرنا) کو تجویز کرنا کفر ہے اور اتحاد و عینیت کا حکم لگانا عین الحاد و زندقہ ہے۔ اس تعالیٰ کے خاص بندے اس کی جناب میں خواہ کتنا ہی قرب و وصل پیدا کریں لیکن وہ قرب جسم کا جسم کے ساتھ کی قسم سے نہیں ہے اور نہ وہ جوہر سے عرض کے اتصال کی طرح ہے، وہاں اگر قرب ہے تو بھی بے چون ہے اور اگر وصل ہے تو وہ بھی بے چون۔ ان بزرگوں کے تمام کاروبار حضرت جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں عالمِ بے چونی سے ہے اور عالمِ چون کی عالمِ بے چون کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ایک قطرہ دریائے محیط کی نسبت کا حکم رکھتا ہے کیونکہ وہ ممکن ہے اور یہ واجب تعالیٰ۔

حق تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس۔

اور یہ بھی ہے کہ عالمِ چون زمان و مکان کی تنگی میں محدود ہے اور عالمِ بے چون اس تنگی سے آزاد و فارغ ہے اور زمان و مکان سے گذر گیا ہے۔ ہاں عبارت اور تعبیر کا میدان اُس عالم (چون) میں بہت وسیع و فراخ ہے اور اس عالم (بے چون) میں تنگ و تاریک ہے۔ کیونکہ وہ عبارت سے بلند ہے اور

اشارے سے بھی دور ہے۔ ــــــ ارحم الراحمین نے اپنے خاص بندوں کو بے چونی سے بہرہ ور کرکے ان کو عالم بے چون میں داخل کرلیا ہے اور بے چونی کے معاملات سے مشرف فرمادیا ہے۔ ـــــ اگر بالفرض اس بے چونی کی تعبیر چون سے کریں تو وہ اس سے بھی زیادہ بعید ہے جیسا کہ نابالغ لڑکوں کے سامنے جماع کی لذت کو قند وشکر کی لذت سے تعبیر کریں کیونکہ یہ دونوں لذتیں ایک ہی عالم چون سے ہیں اور اس کی تعبیر اور معبّر دونوں عالموں سے جدا ہے، اور لازمی طور پر جب کوئی شخص بے چون کی تعبیر چون سے کرے اور بے چون پر "چون" کے احکام جاری کرے تو وہ طعن وطنز کا مورد بن جائے گا اور الحاد وزندقہ سے متہم ہوگا۔ لہٰذا ان اسرار کی باریکی اور پوشیدگی عبارت وتعبیر کی وجہ سے ہے نہ کہ تحقیق وحصول کی راہ سے۔ کیونکہ ان اسرار کے حصول سے متحقق ہونا کمالِ ایمان ہے اور اس بے چون کو چون کے ساتھ عبارت کرنا عین کفر والحاد ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہوگئی) کو اس جگہ کام میں لانا چاہیے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَآ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (تحریم آیت ۶۶) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے نور کو کامل کردے اور ہماری مغفرت فرما بےشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ دَآئِمًا وَّسَرْمَدًا۔

فقیر ہاشم کشمی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ ان اسرار کے بارے میں جو آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ السلام کے دو مبارک اسموں احمدؐ اور محمدؐ سے متعلق ہیں۔

ولایت محمدی اور ولایت احمدی کے اسرار

ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام دو اسموں سے مسمّٰی ہیں، اور وہ دونوں اسم مبارک قرآن مجید میں مذکور ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (فتح آیت ۲۹) (محمدؐ اللہ کے رسول ہیں)۔ اور (حضرت عیسٰیؑ) روح اللہ کی بشارت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ــــ اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (الصف آیت ۶) (ان کا نام احمد ہوگا) ــــ اور ان دونوں مبارک اسموں کی ولایت علیحدہ ہے۔ ولایتِ محمدی اگرچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقامِ محبوبیت سے پیدا

---

[1] آپ کے نام ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ پر درج ہے۔

ہوئی ہے لیکن وہاں محبوبیتِ صرف موجود نہیں ہے بلکہ اس میں نشأ محبیت (محبّیب کی کیفیت) کا امتزاج بھی ہے، اگرچہ وہ آمیزش اس کی اصالت کے ساتھ ثابت نہیں ہے البتہ مقامِ محبوبیتِ صرف کا مانع ہے ——— اور ولایتِ احمدی محبوبیتِ صرف سے پیدا ہوئی ہے جس میں محبّیت کا شائبہ تک نہیں ہے، اور یہ ولایت پہلی ولایت سے پیشقدم (بلند) ہے، اور مطلوب سے ایک منزل نزدیک تر ہے اور محب کو بھی زیادہ مرغوب ہے کیونکہ محبوب جس قدر محبوبیت میں کامل تر ہوگا اس کو استغنیٰ و بے نیازی بھی کامل تر ہوگی اور محب کی نظر میں بھی اسی قدر زیادہ محبوب اور زیبا تر دکھائی دے گا اور محب کو اپنی طرف زیادہ جذب کرلے گا اور اس کو شیفتہ اور والا شیدا کرلے گا ؎

نہ تنہا آفتم زیبائی اوست ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بلائے من زنا پروائی اوست

(ترجمہ) نہ اُس کا حُسن ہی آفت ہے مجھ کو ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بَلا مجھ پر بنی ہے التفاتی

بَلا سے مراد عشق کی افراط (زیادتی) ہے جو کہ عاشق کو مطلوب ہے۔ سبحان اللہ! احمد عجب بزرگ اسم ہے جو کہ کلمۂ مقدسہ "احد" اور حرفِ "میم" کے حلقہ سے مرکب ہے جو عالمِ بیچون میں اسرارِ الٰہی جل شانہٗ کے پوشیدہ رازوں میں سے ہے اور اس امر کی گنجائش نہیں رکھتا کہ عالمِ چون میں اس رازِ نہانی کی تعبیر حلقۂ میم کے بغیر کی جاسکے، اور اگر اس کی گنجائش ہوتی تو حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس کی تعبیر ضرور فرماتا۔ اور احد وہ احد ہے کہ لَا شَرِيْكَ لَهٗ (انعام آیت ۱۶۳) (اس کا کوئی شریک نہیں ہے) اور حلقۂ میم عبودیت کا طوق ہے جو بندے کو مولا سے متمیز کرتا ہے لہٰذا بندہ وہی حلقۂ میم ہے اور لفظِ احد اس کی تعظیم کے لئے آیا ہے اور اس میں آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے ؎

چو نام این ست نام آور چہ باشد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ مکرم تر بود از ہر چہ باشد

(ترجمہ) جب ایسا نام ہو تو نام والا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ سبھی سے ہوگا اعلیٰ اور اَولیٰ

اور ہزار سال گذر جانے کے بعد اس کو امورِ عظام (بڑے بڑے معاملات) کے تغیر میں ایک تاثیر رکھی ہے اور اُس ولایت کا معاملہ اس ولایت تک پہنچ گیا اور ولایتِ محمدی، ولایتِ احمدی کے ساتھ انجام پا گئی اور کاروبارِ عبودیت دو طوقوں میں سے ایک طوق کے متعلق ہوگیا، اور پہلے طوق کی بجائے حرفِ الف جو اس کے رب کی طرف سے ایک رمز ہے متمکن ہوگیا یہاں تک کہ محمدؐ سے احمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہوگیا ——— اس کی وضاحت یہ ہے کہ عبودیت کے دو طوقوں سے مراد

ؔ بعض نسخوں میں یہ مصرع درج نہیں ہے۔

دو حلقۂ میم ہیں جو اسمِ مبارک "محمدؐ" کے اندر مندرج ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دو طوق (م) سے آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے دو تعین کی طرف اشارہ ہو، ان دو تعین میں سے ایک تعین جسدی بشری ہے اور دوسرا تعین روحی ملکی ہے، اور تعینِ جسدی میں اگرچہ انتقال کے عارض ہونے کی وجہ سے سستی اور نقص پیدا ہو گیا تھا اور تعینِ روحی نے قوت حاصل کر لی تھی لیکن پھر بھی اس تعین کا اثر باقی رہ گیا تھا اور اس کے لئے ہزار سال درکار تھے تاکہ اس کا اثر بھی زائل ہو جائے اور اس تعینِ (جسدی) کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔ اور جب ہزار سال پورے ہو گئے اور اس تعین کا کوئی اثر باقی نہ رہا تو ان دو طوقِ عبودیت میں سے ایک طوق ٹوٹ گیا اور اس پر زوال و فنا طاری ہو گئی اور الوہیت کا الف جس کو بقا باللہ کے رنگ میں کہا جا سکتا ہے اس کی جگہ بیٹھ گیا تو لازمی طور پر "محمدؐ" "احمد" ہو گیا اور ولایتِ محمدی ولایتِ احمدی میں منتقل ہو گئی۔ لہٰذا محمدؐ دو تعینِ (م) سے عبارت ہے اور احمد ایک تعین (م) سے کنایہ ہے اور بس۔ لہٰذا یہ اسم (احمد) حضرتِ اطلاق سے زیادہ قریب ہوا اور عالم سے دور تر۔

سوال: وہ فنا و بقا جو مشائخ نے قرار دی ہے اور ولایت کو اس کے ساتھ وابستہ کیا ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ اور جس کو تعینِ محمدی میں فنا و بقا کہا گیا ہے وہ کس معنیٰ میں ہے؟

جواب: وہ فنا و بقا جس کے ساتھ ولایت وابستہ ہے وہ فنا و بقائے شہودی ہے، اگر فنا اور زوال ہے تو نظر کے اعتبار سے ہے اور اگر بقا و ثبات ہے تو وہ بھی نظر کے اعتبار سے۔ اس مقام میں صفاتِ بشری پوشیدہ ہو جاتی ہیں زائل اور فانی نہیں ہوتیں۔ لیکن اس تعینِ (محمدی) کی فنا ایسی نہیں ہے بلکہ اس مقام میں صفاتِ بشری کو زوالِ وجودی متحقق ہو جاتا ہے اور تعینِ جسدی کا پراگندہ ہونا اور تعینِ روحی کا ثابت ہونا ہے اور اس مقام میں بقا کی جانب میں بھی اگرچہ بندہ حق تعالیٰ نہیں ہو جاتا اور بندگی سے خلاصی نہیں پا لیتا لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ نزدیک سے نزدیک ہو جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ معیت پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ سے دور ہو کر اس سے احکامِ بشری بالکل مسلوب ہو جاتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اس "عروجِ محمدی" نے جو صفاتِ بشری کی نفی کے ساتھ وابستہ ہے اگرچہ ان علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کاروبار کو بہت بلند لے گیا اور ان کو بلندی کی آخری چوٹی پر پہنچا دیا اور غیر و غیریت کی کشاکش سے رہائی دلا دی، لیکن آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر

فنا و بقا میں صفاتِ بشری پوشیدہ ہو جاتی ہیں زائل نہیں ہوتیں

معاملہ زیادہ تنگ ہوگیا اور آپ کا نورِ ہدایت جو بشریت کی مناسبت کے واسطہ سے تھا کمتر ہوگیا اور وہ توجہ جو ان باقی پسماندگان کے حال پر تھی کم ہوگئی اور آپ پوری طرح قبلۂ حقیقی کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس رعایا پر افسوس ہے جس کا بادشاہ اس کے حال پر توجہ نہ کرے اور اپنے محبوب کی طرف کلّی طور پر متوجہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہزار سال کے بعد کفر و بدعت کی تاریکیاں غالب ہوگئیں اور اسلام اور سنت کے نور میں کمی آگئی۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَآ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[۶۶] (تحریم آیت ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے نور کو کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

۳۱۲+۹۹+ مکتوب ۹۷ ۵۰۹

مکتوب نود و ہفتم

صوفی قربان جدید کے نام عالم کے موہوم ہونے کے اسرار میں صادر فرمایا۔

صوفیہ نے جو عالم کو موہوم کہا ہے تو اس معنی میں نہیں کہ عالم محض وہم کی اختراع و تراش ہے جیسا کہ بے وقوف سوفسطائیوں کا مذہب ہے، بلکہ موہوم اس معنی میں ہے کہ وہ خداوند جل شانہٗ کی تخلیق سے مرتبۂ وہم میں مخلوق ہوا ہے، اور اس مرتبہ میں اس نے اللہ تعالیٰ کی صنعت سے ثبوت و قرار پیدا کر لیا ہے لیکن وہ خیر و کمال جو اس عالم میں ثابت ہے وہ حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ سے مستعار ہے اور اس مرتبۂ مقدسہ کے کمالات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے —— اور وہ شر و نقص جو اس (عالم) میں موجود ہے وہ عدم سے مستعار ہے اور عدم کے وہ شر و نقائص جو اس میں پوشیدہ ہیں وہ ان کے ظلال میں سے ایک ظل ہیں جو ہر شر و نقص کا منشا ہیں —— اور جب مستعد سالک خداوند جل سلطانہٗ کی تربیت کی وجہ سے ان امانتوں کو پورے طور پر اُن کے اہل لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے اور خیر و کمال کو بھی اس کے اہل کو دیدیتا ہے اور شر کو بھی اس کے اہل کے حوالے کر دیتا ہے تو لازمی طور پر وہ فنا کی دولت سے متحقق ہو جاتا ہے اور اس میں اس کا نام و نشان تک نہیں رہتا، نہ تو خیر کا اس میں کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ کسی شر سے اس کو ضرر متوقع ہوتا ہے کیونکہ وہ جو کچھ بھی خیر یا شر رکھتا تھا وہ سب وجود و عدم سے مستعار تھا وہ اپنے باپ کے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا تھا، یہ سب ہنر اس میں صرف امانتداری کے طور پر تھے اور جب وہ

عالم کے موہوم ہونے کے اسرار

حقیقت فنا

[۵۷] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ حضرت مجددؒ کے خلفا میں سے ہیں (روضۃ القیومیہ)۔

ان سب امانتوں کو امانت والوں کے حوالے کر دیتا ہے تو لازمی طور پر وہ میرے اور ہیں (خودی) کی زحمت سے خلاصی پالیتا ہے اور رضا و نیستی سے ملحق ہو جاتا ہے۔

۳۱۳+۹۹+ ۵۱۰

حاجی عبد اللطیف خوارزمی[1] کے نام حسنِ صوری سے بہت زیادہ لذت حاصل کرنے کے اسرار میں صادر فرمایا۔

حسنِ خالص کی خوبی اور حسنِ ظاہر کی برائی

ہر خیر و کمال اور حسن و جمال جہاں بھی ہے وہ "وجود" کا اثر ہے جو "خیرِ محض" ہے اور واجب الوجود جل سلطانہٗ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ممکن میں جس طرح وجود حضرت جل و علا کی بارگاہ سے ظلیت کے طریقے پر منعکس ہوا ہے اسی طرح حسن و جمال بھی اسی مرتبۂ مقدسہ سے ظلیت کے طریقے پر آیا ہے۔ چونکہ ممکن کی ذات جو اپنے عدمِ ذاتی کی وجہ سے شرِ محض ہے اس لئے اس میں برائی اور نقص ہے البتہ یہ حُسن و جمال جو ممکن میں مشہود ہوتا ہے اگرچہ وجود ہی کی طرف سے آیا ہے لیکن چونکہ وہ عدم کے آئینے میں ظاہر ہوا ہے اس لئے اس نے آئینہ داری کے اصول سے بُرائی سے بھی حصہ حاصل کیا اور نقص پیدا کر لیا ہے۔ اور ممکن چونکہ ذاتی بُرائی رکھتا ہے اس لئے جس قدر حظ و لذت وہ اس (بُرائی) کے حُسن میں پاتا ہے (وہ لذت) اس حسنِ خالص میں نہیں پاتا جو اس حُسن کا مبدا ہے، کیونکہ اس کی مناسبت اس (ذاتی برائی والے) حسن کے ساتھ زیادہ ہے بہ نسبت اس (حُسنِ خالص) کے۔ جیسا کہ خاکروب کو بدبودار چیزوں سے جو مناسبت اور لذت حاصل ہوتی ہے وہ خوشبودار اچھی چیزوں سے نہیں ہوتی۔

قصہ مشہور ہے کہ ایک خاکروب عطاروں کے محلہ سے گذرا اور اچھی خوشبوؤں کی زیادتی کی وجہ سے پریشان ہو گیا اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ایک بزرگ جو اس راہ سے گزر رہے تھے جب اس کے معاملے سے آگاہ ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ اس کی ناک کے قریب بدبودار چیز رکھ دو، تاکہ اس کی بدبو سے خوش ہو کر ہوش میں آجائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ ہوش میں آگیا۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

میر مومن بلخی اور وہاں کے اکابرین کے فیوض و برکات

جناب سیادت مآب وارشاد پناہ میر مومن بلخی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان ظاہری باطنی نعمتوں کے شکر کے اظہار میں جو ماوراء النہر کے اکابرین کی برکات سے پہنچی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔ مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰهَ[2] (جس نے انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے گویا اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کیا) ـــــ ماوراء النہر کے علماء و مشائخ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے حقوق ہم پسماندگان اور دور افتادگان بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں پر اسقدر ہیں کہ وہ تقریر و تحریر کے احاطہ میں نہیں آسکتے۔ اللہ سبحانہٗ ان شہروں پر اہل سنت وجماعت کی کثرت فرمائے، ان کی صائب آراء کے مواقف اعتقاد کی درستگی ہم کو ان بزرگوں کی تحقیقات سے حاصل ہوئی ہے اور علماءِ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب کے مطابق عمل کی درستگی بھی انہی کی تدقیقات سے حاصل کی ہے، اور طریقۂ عالیہ صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا سلوک بھی اِس ملک ہندوستان میں اُسی سرزمین کی برکات کا مرہونِ منت ہے ـ اور مقامِ جذبہ وسلوک، فنا وبقا اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کی تحقیق جو ولایت خاصہ کے مرتبہ سے وابستہ ہے وہ بھی اسی مبارک مقام کے اکابرین کے فیوض سے حاصل ہوئی ہے۔ مختصر یہ کہ ظاہر بھی وہیں سے اصلاح یافتہ ہوا ہے اور باطن میں بھی اسی مقام سے فلاح حاصل ہوئی ہے ؎

شکر فیضِ تو چمن چوں کند اے ابر بہار ۔۔۔ کہ اگر خار و اگر گُل ہمہ پروردۂ تست

(ترجمہ) شکر تیرے فیض کا کیونکر کرے باغ اے بہار ۔۔۔ پھول بھی تیرے سبب پیدا ہوئے ہیں اور خار

اللہ سبحانہٗ بحرمۃ سید السادات علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اس علاقہ کو اور وہاں کے رہنے والوں کو تمام آفات وبلیات سے محفوظ رکھے ـــــ اس (فضیلت) کے باوجود جو احباب اُس عالی مرتبہ علاقہ سے کاروبار کے سلسلہ میں اس دیارِ سُفلیٰ (گھٹیا شہر ہندوستان) کی طرف

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں، دوسرا مکتوب دفتر اول مکتوب ۱۵۱ ہے۔ آپ کے حالات معلوم نہ ہو سکے البتہ پیشِ نظر مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ وہاں کے اکابر بزرگوں میں سے تھے۔ [2] رواہ الترمذی۔

آئے ہیں تو وہاں کے بابرکت حضرات کی مہربانیاں بالخصوص ارشاد و ہدایت پناہ افادہ و افاضہ دستگاہ (آنجناب) سلمہ اللہ تعالیٰ کی شفقت و محبت کا اظہار اس حقیر کی نسبت کرتے ہیں کہ ان عالی جناب نجابت آیات کو تمہارے ساتھ حسنِ ظن ہے اور تمہارے بعض علوم و معارف جو تم نے تحریر کئے ہیں ان کا مطالعہ فرمایا ہے اور پسند کیا ہے ـــــــ بزرگوں سے اس قسم کی بشارتیں امیدواری کی زیادتی کا باعث ہوتی ہیں اور بعض اذواق و مواجید کے تحریر کرنے پر دلیر کر دیتی ہیں۔ اور چونکہ انہی دنوں شیخ ابو المکارم صوفی نئے نئے تشریف لائے ہیں تو انھوں نے بھی آنجناب کے الطاف اور قسم قسم کی مہربانیوں کا اظہار فرمایا ہے اس لئے ان کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے ان چند کلموں سے سمع خراشی کی تکلیف دی اور اپنی یاد آوری کی طرف آپ کو توجہ دلائی ـــــــ چونکہ فقیر کے بعض مسودات کی نقل جو اخوی خواجہ محمد ہاشم کشمی نے جو (اس حقیر کے) مخلص دوستوں میں سے ہے صوفی مشارٌ الیہ کے ہمراہ ارسال کر دی ہے، اس لئے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اس بزرگ جماعت کے علوم و معارف سے کوئی مقولہ اس خط میں درج نہیں کیا۔ آپ حضرات کی عنایات اور مہربانیوں سے امید ہے کہ مخصوص اوقات میں سلامتیٔ خاتمہ کی دعا اور فاتحہ سے فراموش نہیں کریں گے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما)۔

اس حقیر کی فقیرانہ دعائیں حضرات عالی درجات جناب نقابت و نجابت پناہ اہل اللہ کی جائے پناہ سید میرک شاہ، اور جناب افادہ دستگاہ علامۃ الوریٰ مولانا حسن، اور جناب ناصر الشریعہ حافظ الملت قاضی تولک ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم جملہ حضرات کی خدمت میں پہنچا دیں۔ نیز مخدوم زادہائے گرامی کی خدمت میں فقیر زادے بھی دعا کی درخواست و فاتحہ کی التماس کرتے ہیں۔

مکتوب ۱۰۰ صدم

۳۱۳ + ۹۹ + = ۵۱۲

شیخ نور الحق[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ حضرت یعقوب کی حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کی (محبت میں) گرفتاری کے راز میں اور بعض اسرارِ غریبہ اور علوم عجیبہ کے بیان میں۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے صاحبزادے ہیں۔ بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے والد ماجد سے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد سلسلہ قادریہ میں مرید ہو کر خلافت پائی پھر حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی خدمت میں طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا۔ شاہجہاں کے زمانے میں آگرہ کے قاضی مقرر ہوئے صاحب تصانیف تھے ۱۰۷۳ھ میں نوے سال کی عمر میں دہلی میں انتقال ہوا۔ (تذکرہ علمائے ہند وغیرہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) فضائل و کمالات کے پناہ والے برادرم عزیز شیخ نور الحق نے اس (محبت میں) گرفتاری کی نسبت جو حضرت یعقوب کو حضرت یوسف صلوات اللہ سبحانہٗ وتسلیماتہٗ تعالیٰ علیٰ نبینا وعلیہما کے ساتھ تھی اس کو بڑے شوق واہتمام کے ساتھ دریافت کیا تھا، اس فقیر کو بھی بہت مدت سے اس معنی کے انکشاف کا شوق تھا جب ۔۔ کا شوق اس شوق کے علاوہ پیش آیا تو بے اختیار ہو کر ہمہ تن اس دقیقہ کے کشف کی طرف متوجہ ہوا ــــــــ تو سرسری نظر میں معلوم ہوا کہ ان (حضرت یوسفؑ) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خِلقت اور ان کا حُسن وجمال اس عالم دنیا کی خِلقت اور حُسن وجمال کی قسم سے نہیں ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان کا جمال بہشتیوں کے جمال کی قسم سے ہے۔ نیز مشہود ہوا کہ باوجود اس جہان کے ان کا حسن حور وغلمان کے حُسن سے مشابہت رکھتا ہے۔ بعد ازاں اب خداوند جل سلطانہٗ کے فضل وکرم سے اس بارے میں مفصل طور پر جو کچھ فائض ہوا اس کو تحریر کر کے ارسال کیا جاتا ہے: سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (بقرہ آیت ۳۲) (بار الٰہا) تو پاک ومنزہ ہے ہم کو کچھ علم نہیں مگر جس قدر تو نے ہم کو سکھایا) ؎

درپسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　　آنچہ استادِ ازل گفت بگو می گویم

(ترجمہ) آئینے کے پیچھے طوطی کی طرح بیٹھا ہوں میں　　　بس کہا استادِ ازل سے سیکھ کر کہتا ہوں میں

سوال: یہ تمام محبت کی زیادتی اور گرفتاری جو حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہما الصلوات والتسلیمات کے ساتھ تھی وہ کس وجہ سے تھی؟ حالانکہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو اور ان کے آبائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والبرکات والتحیات کو اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (صٓ ۳۸ آیت ۴۵) (ہاتھوں اور آنکھوں والے) (یعنی کمال درجے عمل اور علم والے) فرمایا ہے۔ اور نیز ان کی شان میں اور ان کے آبائے کرام کی شان میں وہ (حق تعالیٰ) فرماتا ہے: اِنَّآ اَخْلَصْنٰھُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرَی الدَّارِ وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ (صٓ ۳۸ آیت ۴۶-۴۷) (یقیناً ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا کہ وہ یاد آخرت کی ہے اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں)۔ لہٰذا جب حق جل وعلا کے ماسوا کی گرفتاری اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ انبیاء کی شان کے مناسب ہو تو برگزیدہ مخلصین حضرات کو مخلوق کے ساتھ ایسا تعلق رکھنا کیا گنجائش رکھتا ہے؟ یہ

حضرت یعقوبؑ کی حضرت یوسفؑ سے محبت کے عجیب و غریب اسرار

ہمایوں

بنا پایا ہے کہ یہ گرفتاری حق تعالیٰ کے سوا تھی کیونکہ مخلوق اس سبحانہٗ کے حُسن و جمال کے آئینے سے زیادہ نہیں ہے جیسا کہ صوفیوں نے کہا ہے اور وحدت کے شہود کو کثرت کے آئینے میں تجویز کیا ہے۔ اور رویتِ اخروی کے علاوہ اس دنیا میں ممکنات کی صورتوں کے مظہروں اور آئینوں میں مشاہدہ اور مکاشفہ کا اثبات کیا ہے، کیونکہ اس قسم کے کشف و شہود جو کہ صوفی سالکوں کو غلبۂ توحید میں اسی دنیائے فانیہ میں حاصل ہوتے ہیں تو بہت ممکن ہے کہ انبیاء کے خواص امتی حضرات اس سے انکار کریں اور وہ ان مکشوفات و مشاہدات سے یکسوئی اور پرہیز اختیار کریں۔ جب معاملہ اس طرح کا ہو تو برگزیدہ انبیاء کے متعلق اس قسم کے احوال کے ثبوت میں کیا احتمال ہے بلکہ اس معنی کا تصور کرنا بھی ان بزرگوں کے حق میں عین وبال ہے۔

جواب: یہ سوال ایک مقدمہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرت کا حسن و جمال اور وہاں کی لذتیں اور نعمتیں اس دنیاوی حسن و جمال کی طرح نہیں ہیں اور نہ اس دنیا کی طرح وہاں کی لذتیں اور نعمتیں ہیں کیونکہ وہاں کا حُسن و جمال سب کا سب خیر ہی ہے اور وہاں کی لذتیں اور نعمتیں سب مولیٰ جل شانہٗ کی پسندیدہ اور مقبول ہیں، اور یہاں کا حُسن و جمال سب کا سب شر اور نقص ہے اور یہاں کی لذتیں اور نعمتیں سب نامقبول اور غیر مستحسن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت کا گھر مقامِ رضا ہے اور دنیا کا گھر مولیٰ جل سلطانہٗ کے غضب کی جگہ ہے۔

سوال: جب ممکن میں حسن و جمال حضرت وجوب تعالیٰ کے مرتبہ سے مستعار ہے اور ممکن کی اس مرتبہ کے مظہر اور آئینے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ ممکن اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا، جو کچھ بھی اس کے پاس ہے وہ حضرت وجوب تعالیٰ و تقدس سے مستفاد ہے، لہٰذا ان دونوں مقامات میں فرق کہاں سے آگیا کہ ایک تو پسندیدہ اور مقبول ہو اور دوسرا نامقبول اور غیر مستحسن۔

اس کا **جواب** چند مقدمات پر مبنی ہے ــــــــ مقدمۂ اول: یہ کہ عالَم تمام کا تمام اسماء و صفاتِ واجبی جل شانہٗ کا مظہر اور جلوہ گاہ ہے اور اس تعالیٰ کے اسماء و صفات کے کمالات کا آئینہ ہے ــــــــ مقدمۂ دوم: یہ کہ واجبی جل سلطانہٗ کی صفات اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن چونکہ ان کو اپنے قیام اور وجود کے لئے حضرت ذات تعالیٰ کی احتیاج ثابت ہے لہٰذا ان میں امکان کی بُو موجود ہے اور وجوبِ ذاتی ان کے حق میں غیر یقینی ہے کیونکہ ان کا وجوب

از خود نہیں ہے بلکہ واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے، اگرچہ ان کو غیر ذات نہیں کہتے لیکن غیریت کے بغیر چارہ نہیں ہے کیونکہ اثنینیت (دوئی) ان کے درمیان میں موجود ہے وَالْاِثْنَانِ مُغَایِرَانِ (دو چیزیں آپس میں غیر ہوتی ہیں) اربابِ معقول کا مقررہ قاعدہ ہے۔ لیکن ان کے حق میں امکان کا اطلاق بھی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے حدوث کا وہم پیدا ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے اور وجوب بالغیر بھی اس مقام میں تجویز نہیں کرنا چاہئے کیونکہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے ان کے جدا ہونے کا وہم ہوتا ہے ـــــــ مقدمۂ سوم یہ ہے کہ جس جگہ بھی امکان کی بو پائی جاتی ہے وہاں عدم کے لئے بھی اس کی ذات کی حد تک گنجائش ہے اگرچہ اس عدم کا حصول محال ہو، لیکن اس کا محال ہونا اس کے اپنے نفس سے پیدا نہیں ہوا بلکہ دوسری جگہ سے آیا ہے ـــــــ مقدمۂ چہارم یہ ہے کہ واجب جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات کو جس طرح ان کی جانب وجود میں حسن و جمال ثابت ہے اسی طرح ان کے احتمال عدم کی جانب میں بھی حسن و جمال ثابت ہے، اگرچہ اس حُسن کا ثبوت مرتبۂ حس و وہم میں ہی ہو، جو کہ عدم کے مناسب ہے۔ اور اگرچہ وہ ہمسائیگی کی وجہ سے مستعار ہو، کیونکہ عدم کو اپنی ذات کی حد تک شر اور برائی کے علاوہ اور کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ وجود ہی ہے جو سراسر خیر اور کمال ہے اور تمام کا تمام حسن و جمال ہے ـــــــ جاننا چاہئے کہ وہ حُسن جو عدم میں نمودار ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے حَنظل (کڑوا پھل) کو شکر کے غلاف میں لپیٹ دیں اور اس کو شیریں سمجھیں۔ ـــــــ مقدمۂ پنجم یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ کے فضل و کرم سے نظرِ کشفی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس دنیا میں ممکن کی جانب عدم کو کمال اقتدار سے ترتیب دی گئی ہے اور اور اس کو مرتبۂ حس و وہم میں بھی اپنی پوری صنعت (کاری گری) سے ثبات و استقرار بخشا ہے اور صفات کے حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے جو ان کے احتمال عدم کی جانب میں نمودار ہوا تھا۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ آخرت کی زندگی میں ممکن کے وجود کی جانب ترجیح دے کر صفات کے حسن و جمال کا مظہر بنائیں گے جو کہ ان کے وجود کی جانب میں ثابت ہے۔

جب ان پانچوں مقدموں کا علم ہو گیا تو اس دنیا کے حُسن و جمال اور آخرت کے حسن و جمال کا فرق بھی واضح ہو گیا، اور ایک کی بُرائی اور دوسرے کی اچھائی بھی ظاہر ہو گئی اور ناپسندیدہ اور

پسندیدہ میں بھی تمیز پیدا ہو گئی، اور ان تحقیقات سے یہ سوال بھی حل ہو گیا اور اس مقدمہ کی توجیہ بھی ہو گئی۔ کیونکہ پہلے سوال کا جواب اسی پر مبنی تھا جیسا کہ سمجھدار لوگوں پر مخفی نہیں ہے۔

جب یہ مقدمہ واضح ہو گیا تو اب ہم پہلے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ خداوند جل شانہٗ کے فضل و کرم سے کشفِ صریح سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اگرچہ اس دنیا میں پیدا ہوا ہے لیکن اس دنیا کی تمام موجودات کے برخلاف ان کے وجود کی پیدائش اُخروی زندگی سے ہوئی ہے اور ان کے وجود کی جانب ترجیح دے کر اس حُسن وجمال کا مظہر بنایا ہے جس کا تعلق اسماء وصفات کے ساتھ ہے اور عدمیت کے شائبہ کو جو ان کے نقص یا ان کی اصل سے تعلق رکھتا ہے پوری طرح اس کی نفی کر دی گئی ہے اور عدم کی علت سے کہ جہاں ہر طرح کی برائی اور نقص پیدا ہوتا ہے ان کو اور ان کی اصل کو پاک کر دیا ہے، اور وجود کے نور کی جانب غلبہ کے علاوہ جو کہ بہشتیوں کا حصہ ہے اس میں کچھ نہیں چھوڑا۔ لہٰذا لازمی طور پر ان کے حسن وجمال کی گرفتاری بہشت اور بہشتیوں کے حسن وجمال کی گرفتاری کی طرح نیک اور محمود ہو کر کاملین کا حصہ بن گئی۔ محب جس قدر بھی کامل تر ہو گا وہ اتنا ہی آخرت کے حسن وجمال کا زیادہ گرفتار ہو گا، اور اسی قدر مولیٰ جل شانہٗ کی خوشنودی میں زیادہ قدم بڑھا کر رکھے گا کیونکہ اُس آخرت کی گرفتاری اس آخرت والے یعنی حق سبحانہٗ کے ساتھ عین گرفتاری ہے۔ اور وہ آخرت اس جل سلطانہٗ کی حکمت کے طلسم سے زیادہ نہیں ہے، اور کبریائی کی چادر کی طرح (حق تعالیٰ کے) نقاب سے زیادہ نہیں ہے وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (یونس آیۃ ۲۵) (اللہ تعالیٰ تم کو سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے) نصِ قاطع ہے وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (انفال آیۃ ۶۷) (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آخرت چاہتا ہے) اس معنی پر واضح دلیل ہے۔

اور (صوفیہ میں سے) جس نے آخرت کی گرفتاری کو دنیاوی گرفتاری کی طرح بُرا سمجھا ہو اور مولیٰ جل شانہٗ کی گرفتاری کی علاوہ جانا ہے اس نے آخرت کی حقیقت کو پوری طرح نہیں جانا اور غائب (آخرت) کو شاہد (دنیا) پر بیّن فرق کے باوجود قیاس کر لیا ــــــــ بیچاری رابعہ (بصری) اگر بہشت کی حقیقت کو پوری طرح جانتی تو اس کو جلانے کا فکر نہ کرتی اور اس کی گرفتاری کو مولائے جل سلطانہٗ کی گرفتاری کے علاوہ نہ جانتی ــــــــ اور کسی اور نے کہا ہے آیۂ کریمہ:

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (آل عمران آیۃ ۱۵۲) (تم میں سے کوئی دنیا چاہتا ہے

حضرت یوسفؑ کے وجود کی پیدائش اور حُسن اُخروی زندگی سے متعلق ہے

اور تم میں سے کوئی آخرت چاہتا ہے) میں دونوں فریق سے شکایت ہے ـــــــ حضرت حق سبحانہٗ ان کو انصاف کی توفیق دے، یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ بہشت کی طرف دعوت دے اور دعوت دینے کے بعد جو اس کو قبول کر کے اس سے شکایت کرے۔ اگر اس اس مقدس مقام کی گرفتاری بُری ہوتی یا برائی کا شائبہ ہی رکھتی تو بہشت دار رضا (رضا کا مقام) نہ ہوتا، کیونکہ رضا قبولیت کے مرتبوں میں انتہائی بلند مرتبہ ہے تو وہ بھی دنیا کی طرح مغضوب ہوتی ـــــــ غضب کی علّت اور برائی کا سبب عدم ہے جو ہر برائی اور نقص کی جڑ ہے اور وہ (عدم) دنیا کے حصہ میں آیا ہے اور اس کی لعنت کا سبب بن گیا ہے، لہٰذا جب عدم سے بیزاری حاصل ہو گئی تو برائی اور قبح کا شائبہ بھی زائل ہو گیا اور ناپسندیدگی اور نامقبولی دشمنوں کے حصہ میں آگئی اور سوائے رضا و قبول اور وجود و نور اور وصل و وصول اور راحت و سرور کے اور کچھ باقی نہ رہا ـــــــ مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ "تسبیح، تہلیل اور تحمید سے بہشت میں درخت لگاؤ"۔ یعنی سُبْحَانَ اللّٰہِ کہو اور بہشت میں ایک درخت لگاؤ۔ یعنی وہ تنزیہی معنی جو اس دنیا میں ان حروف و کلمات کے لباس میں پیدا ہوئے ہیں وہاں درختوں کی صورت میں متمثل ہوں گے، لہٰذا اس درخت کے ساتھ گرفتاری اور اس درخت سے لذت کی گرفتاری عین تنزیہی معنی میں ہے ـــــــ علیٰ ہذا القیاس صوفیہ عالیہ جنہوں نے تمام دقائق و اسرار، توحید و اتحاد کے بارے میں فرمائے ہیں اور اس دنیا کے خوبصورت مظاہر پر محمول کر کے عشق کی باتیں کی ہیں اور ان کے ضمن میں شہود و مشاہدہ کا اثبات کیا ہے، اور ان کے حُسن و جمال کو مولیٰ جل شانہٗ کا حُسن و جمال جانا ہے۔ چنانچہ ایک نے کہا ہے: ذُقْتُكَ فِيْ كُلِّ طَعَامٍ لَذِيْذٍ (اے محبوب! میں نے ہر مزیدار کھانے میں تیرا مزہ پایا ہے) ـــــــ اور دوسرا کہتا ہے ؎

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر ست | در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

(ترجمہ) جب حُسن تیرا آج ہی بے پردہ ہو گیا | حیرت ہے کل کا وعدہ کیا ہے تو کس لیے؟

اور تیسرا کہتا ہے ؎

از عطش گر در قدح آبے خورند | در درونِ آب حق را ناظر اند

(ترجمہ) پیاس سے پانی جو کاسہ میں پئیں | جلوۂ حق اُس میں دیکھیں اور جئیں

تسبیح و تہلیل سے بہشت میں درخت لگاؤ

اس دنیا میں اس قسم کی باتوں کی سچائی اس فقیر کی فہم اور معلومات سے بہت دور ہے کیونکہ میں دنیا میں ان نزاکتوں کے تحمل کی طاقت نہیں پاتا اور اس قسم کی دولت کو قابلِ قبول نہیں جانتا۔ اگر اس (دنیا) میں قبولیت کی طاقت ہوتی تو مولیٰ جل شانہٗ کی مبغوض نہ ہوتی، اور حضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ (دنیا ملعون ہے) نہ فرماتے ـــــ وہ بہشت ہی ہے جو ان کرامات کے لئے سزاوار اور ان مقامات کے قابل ہے۔ اور (یہ قول) ذُقْتُكَ فِيْ كُلِّ طَعَامٍ لَذِيْذٍ (میں نے ہر مزیدار کھانے میں تیرا مزہ پایا ہے) بہشتی کھانوں پر صادق آتا ہے نہ کہ دنیاوی کھانوں پر کہ جن میں عدم کا زہر آمیز پانی مخلوط ہے لہٰذا اس کا ارتکاب مستحسن نہیں ہے ـــــ اس فقیر کے نزدیک ہر شخص کی بہشت سے مراد، اسمِ الٰہی جل شانہٗ کا وہ ظہور ہے جو اس شخص کا مبدأ تعین ہے اور اس اسم نے درختوں اور نہروں کی صورت میں اور حور و قصور اور غلاموں اور لڑکوں کے لباس میں ظہور فرمایا ہے، چنانچہ جس طرح اسماءِ الٰہی جل سلطانہٗ میں بلندی و پستی کے اعتبار سے اور جامعیت اور عدم جامعیت کے اعتبار سے فرق ہے اسی طرح جنتوں میں بھی ان کے اندازوں کے مطابق فرق ہے۔

اگر اس ظہور کے ضمن میں شہود و مشاہدہ کا اثبات کیا جائے تو مستحسن اور زیبا ہے اور ہر شے کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا ہے لیکن اس مقام کے علاوہ اس قسم کی باتوں کا اطلاق کرنا جرأت بے جا ہے اور کسی شے کو اس کے غیر مناسب مقام پر رکھنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صوفیۂ عالیہ جو غلبۂ محبت اور کمالِ اشتیاق کی وجہ سے جو وہ اپنے محبوب کے ساتھ رکھتے ہیں۔ جس قدر بھی ان کو اپنے مطلوب کی خوشبو دل و دماغ میں پہنچتی ہے اس کو غنیمت جانتے ہیں اور اس کو سکرِ محبت کے غلبہ کی وجہ سے عین مطلوب و مقصود سمجھ کر وہ عاشقی جو ان کو اپنے مطلوب کے ساتھ کرنی چاہئے تھی اس کو درمیان میں لاکر حظ و لذت حاصل کرتے اور مشاہدہ و مکاشفہ ثابت کرتے ہیں۔ ایک بزرگ کہتا ہے ؎

بوئے تو ز جا بر جہم مست و بیخود   زہر سو کہ آواز پائے بر آید

(ترجمہ) جہاں سے بھی آہٹ ہو تیرے قدم کی   تری سمت اُچھل کر چلوں بے خودی میں

ہاں اس قسم کے معاملات عاشقی اور محبت کی بے آرامی کی وجہ سے جائز بلکہ مستحسن ہیں چونکہ یہ سب باتیں حق تعالیٰ کے واسطے اور بے مثل مطلوب کی ملاقات کے شوق میں ہیں لہٰذا ان کی خطا صواب کا حکم رکھتی ہے اور ان کا سکر صحو کے حکم میں ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

سِینُ بِلَالٍ عِنْدَاللّٰہِ شِینٌ (بلالؓ کا سین اللہ تعالیٰ کے نزدیک شین ہے) ۔ ع

براَشْہَد تو خندہ زند اَسْہَد بلالؓ (ترجمہ) اَشْہَد پہ طعن کرتا ہے کیا اَسْہَد بلالؓ

جاننا چاہئے کہ اس فقیر کا مکشوف یہ ہے کہ بہشت میں ہر ایک بہشتی شخص کی رویت بھی اُس اسمِ الٰہی جل سلطانہٗ کے اندازے کے مواقق ہوگی جو اس شخص کا مبدأ تعین و تشخص ہے، اور بہشت کے درختوں، نہروں اور حور و غلمان کے لباس میں ظاہر ہوا ہے، اس معنی میں کہ کچھ مدت کے بعد حق تعالیٰ جل شانہٗ کے فضل و کرم سے یہ درخت اور نہریں وغیرہ جو اس اسمِ مقدس کے مظاہر ہیں کچھ وقت کے لئے عینک کا حکم پیدا کرلیں گے اور اس شخص کے لئے بے کیف رویت کی دولت کا وسیلہ ہوجائیں گے اور پھر اپنی اصلی حالت پر آجائیں گے اور اس کو اپنے ساتھ مشغول رکھیں گے اور (یہ معاملہ) اسی طرح ابدالآباد تک ہوتا رہے گا۔

بالکل اسی طرح تجلّیٔ ذاتی برقی ہے جس کو صوفیہ نے اس جہان میں ثابت کیا ہے کہ حضرتِ ذات جل شانہٗ کی تجلی اس دولت کے سعادت مند حضرات کے لئے ہمیشہ اسماء وصفات کے پردہ میں ہوتی رہتی ہے لیکن کچھ مدت کے بعد تھوڑی دیر کے لئے ان اسماء وصفات کا حجاب دُور ہوجاتا ہے اور حضرتِ ذات اسماء وصفات کے پردے کے بغیر متجلی ہوتی ہے۔ اور چونکہ وہ اسمِ الٰہی جل سلطانہٗ حضرتِ ذات تعالیٰ کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے اس لئے ہر شخص کی رویت کا تعلق بھی اسی اعتبارِ ذاتی کے ساتھ ہوگا جو کہ اس شخص کا رب (مربی) ہے ــــــــ اس مضمون سے کوئی شخص ذاتِ حق تعالیٰ کے اجزا اور ٹکڑے ہونے کا وہم نہ کرے کیونکہ ذات عزّ شانہٗ بتمامہٖ وہ اعتبار ہے نہ یہ کہ ذات کا بعض حصہ تو وہ اعتبار ہے اور بعض حصہ کوئی دوسرا اعتبار۔ کیونکہ یہ نقص اور حدوث کی علامت ہے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ان باتوں سے منزہ و مبرا ہے ــــــــ اور یہ جو صوفیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام کی تمام علم ہے اور سب کی سب قدرت ہے اور کُل کی کُل ارادہ ہے، اور اگرچہ ہر اعتبار بتمامہٖ ذات ہے لیکن مرئی (نظر آنے والا) وہی اعتبار ہے نہ کہ دوسرے اعتبارات لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ (انعام آیت ۱۰۳) (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں) کا راز اس جگہ تلاش کرنا چاہئے۔

(سوال) یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب اعتبارات میں تمیز نہیں ہوتی اور ہر ایک عین ذات تعالیٰ ہی تو پھر رویت کے متعلق تمام اعتبارات میں سے ایک اعتبار کو لینے کا کیا مطلب ہوگا؟

بہشت میں رویتِ باری تعالیٰ

تجلّی ذاتی برقی کی تحقیق

(جواب) اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتبارات ہر چند عین ذات ہیں بلکہ ایک دوسرے کے عین بھی ہیں اور چونی (یا کیف) کا امتیاز جو عالم چون کے گرفتاروں کے نزدیک معتبر ہے وہ بھی نہیں رکھتے، لیکن بے چونی کا امتیاز ان کے درمیان موجود ہے، اور وہ صاحب دولت جو عالم چون سے عالم بے چون کے ساتھ پیوستہ ہیں ان کا بے چونی سے پیوستہ ہونا اور بے چونی کا امتیاز بھی ان پر واضح ہے اور اس امتیاز کو وہ کان اور آنکھ کی مانند پاتے ہیں۔ ہاں صاحب دولت کہ جس کا مبدأ تعین اسم جامع ہو اس کو اعتدال کے طور پر تفاوت درجات کے مطابق ذات تعالیٰ و تقدس کے تمام اعتبارات سے حصہ حاصل ہے اور اس کی رویت ان سب کے ساتھ متعلق ہے لیکن چونکہ اجمال کی جامعیت کی تنگی جو کہ اس کا حصہ ہے ہر وقت اس کی دامنگیر ہے اس لئے احاطہ و ادراک اس کے حق میں بھی مفقود ہوتا ہے، اور آیۂ کریمہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (انعام آیت ۱۰۳) (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) اس پر صادق ہے، اور وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثًا (نساء آیت ۸۷) (اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہے)۔

جاننا چاہئے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ جس بندے کو اپنے کرم سے مخصوص کر کے فنائے اتم کی دولت سے مشرف فرماتا ہے اور عدم کی قید سے جو اس کی ماہیت ہو گئی تھی خلاصی عطا فرماتا ہے اور عین واثر (ذات و صفات) اس پر باقی نہیں چھوڑتا (اس وقت) اس کو اس طرح کی فنا کے بعد ایک ایسا وجود بخشتا ہے جو عالم آخرت کے وجود کی مشابہ ہوتا ہے اور جو وجود ممکن کی ترجیح کی جانب تعلق رکھتا ہے، نیز وہ اسماء و صفات الٰہی جل شانہٗ کے وجود کی جانب کمالات کا مظہر ہوتا ہے، جس کی تحقیق پہلے گذر چکی ہے ـــــــ حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے پہلے ہی وجود کے ساتھ اس دولت سے مشرف ہوئے تھے اور یہ عارف وجود ثانی کے ساتھ دوسری ولادت میں اس دولت سے مشرف ہوا ہے۔ چونکہ وہ دولت جبلی (پیدائشی) تھی لہٰذا اُن (حضرت یوسفؑ) کو حسن ظاہر بھی عطا کیا گیا۔ اور اس (عارف) کو چونکہ (یہ دولت) کسب کے بعد حاصل ہوتی ہے لہٰذا اس کے لئے نور باطن پر ہی اکتفا کیا گیا اور حسن ظاہر کو اس کے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دیا گیا ـــــــ اس قسم کا دولت مند انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد نادر الوجود اور اقل قلیل (بہت ہی کم) ہے۔ یہ بزرگ اگرچہ نبی نہیں ہے لیکن انبیاءؑ کی پیروی کی بدولت

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دولتِ خاصہ کا شریک ہے۔ اگرچہ طفیلی ہے لیکن ان کی نعمت کے دستر خوان پر بیٹھنے والا ہے، اور اگرچہ خادم ہے لیکن مخدوموں کا ہم نشین ہے، اور اگرچہ ان کا تابع ہے لیکن متبوعین کا ہمراز و مصاحب ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا راز بیان کر دیا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بھی اس پر رشک کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شریک ہونا پسند کرتے ہیں، جیسا کہ مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس کی خبر دی ہے[۱]، لیکن اس قسم کا معاملہ جزئی فضیلت میں داخل ہے، فضلِ کُلّی خاص انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہی کے لئے ہے۔ چونکہ یہ فضیلت بھی اس کو ان کی متابعت کی دولت کی وجہ سے میسر ہوئی ہے اس لئے یہ سب انہی کی طرف سے ہے اور اس کی حیثیت صرف ان کے امانتدار کی ہے۔ آیۂ کریمہ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (صٰفّٰت ۳۷ آیت ۱۷۱ تا ۱۷۳) (اور بیشک ہمارے مرسلین بندوں کے لئے ہمارا قول پہلے ہی مقرر ہو چکا ہے کہ وہی (مظفر و) منصور ہیں اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا)۔ نصِ قرآنی ہے کہ جس نے ان بزرگوں کی شان کو سب سے آگے بڑھا دیا ہے اور سب پر نصرت و کامرانی دے کر غالب کر دیا ہے۔

فضلِ کُلّی خاص انبیاء ہی کے لئے ہے۔

سوال: یہ وجود جو عارف تام الفنا کو بخشا جاتا ہے، کیا وہ بھی اس وجود کے ساتھ اس دنیا کی باقی تمام موجودات کی طرح حس و وہم کے مرتبہ میں ہے یا اس مرتبہ سے باہر نکل آیا ہے اگر باہر نکل آیا ہے تو اس نے وجودِ خارجی پیدا کیا ہے یا نہیں، حالانکہ (صوفیہ کا) مقررہ اصول ہے کہ خارج میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

جواب: آخر کار جو کچھ مجھے معلوم ہوا ہے بیان کرتا ہوں کہ وہ (مرتبۂ وہم سے) باہر نکل چکا ہے اور نفسِ امری بن گیا ہے، اور اگرچہ مرتبۂ وہم نے بھی ثبات و تقرر کے اعتبار سے نفسِ امر کا حکم پیدا کر لیا ہے لیکن حقیقت میں وہ نفسِ امر نہیں ہے کیونکہ نفسِ امر اس مرتبہ سے فوق ہے۔ گویا یہ مرتبہ وہم و خارج کے درمیان برزخ ہے۔ عالمِ آخرت کی موجودات بھی نفسِ امر کے مرتبہ میں ہیں، بلکہ صفاتِ واجبی جل شانہٗ بھی صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ کے علاوہ سب اسی مرتبہ میں ہیں اور خارج کے

---

[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ محبت کرتے ہیں میرے جلال کے بارے میں ان کے لئے نور کے منبر ہوں گے جن کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے (رواہ الترمذی)۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے بھی ہیں کہ وہ نہ انبیاء ہیں اور نہ شہداء لیکن اس کے باوجود قیامت کے دن انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ رواہ ابو داؤد۔ (مشکوٰۃ)

مرتبہ میں واجب جل شانہٗ کی ذاتِ اقدس کے اور اس تعالیٰ کی صفاتِ ثمانیہ کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہیں ہے لہذا موجودات کے لئے تین مرتبے ظاہر ہوئے ــــــ مرتبۂ اول "وہم" ہے جو اس دنیا کے اکثر افراد کا حصہ ہے اور تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اس مرتبہ سے باہر آچکے ہیں اور اسی طرح ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کہ ان کا وجود آخرت کے عالم سے مناسبت رکھتا ہے اور اولیاء کرام میں سے بھی بہت کم حضرات اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں جو وہم سے نکل کر نفسِ امر کے ساتھ ملحق ہو گئے ہوں ــــــ مرتبۂ دوم "نفسِ امر" ہے جہاں واجب جل شانہٗ کی صفات و افعال موجود ہیں اور ملائکہ کرام بھی اس مرتبہ میں موجود ہیں، اور آخرت کے عالم کا وجود بھی اسی مرتبہ میں ثابت ہے اور اسی طرح تمام انبیاء بھی، البتہ اولیاء میں سے بہت کم حضرات اس مرتبہ میں گئے ہیں علیہم وعلیٰ اتباعہم الصلوات والتسلیمات۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ واجب جل شانہٗ کی صفات اس مقام کے مرکز میں ہیں جو کہ اس کے اجزا میں سے اشرف ہے۔ اور باقی تمام موجودات اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس مرکز کے اطراف و اکناف میں ہیں ــــــ مرتبۂ سوم "خارج" ہے جہاں واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی ذات اور صفاتِ ثمانیہ موجود ہیں۔ اگر فرق ہے تو مرکز اور غیر مرکز کا ہی کیونکہ مرکز (اشرف اقدس کے زیادہ مناسب ہے۔

سوال: مرتبۂ وہم سے مرتبۂ نفس میں جانا کونسی فضیلت رکھتا ہے اور اس سے کونسا قرب وابستہ ہے؟

جواب: چونکہ ہر خیر و کمال اور حسن و جمال کا منشا وجود ہے اور وجود میں جس قدر زیادہ قوت و استقرار پیدا ہوگی اسی قدر ان صفات کا ظہور کامل تر ہوگا اور اس میں شک نہیں کہ وجودِ نفسِ امری وجودِ وہمی سے زیادہ قوی اور قائم تر ہے اس لئے لازمی طور پر اس میں خیر و کمال اتم و اکمل ہے اور اس کے قرب میں بھی کیا کلام ہے، کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی صفاتِ افعال کے مرتبہ میں موجود ہو گیا ہے اور اس نے خالقیت و رازقیت کی صفات کے ساتھ ہمسائیگی پیدا کر لی ہے۔

جاننا چاہئے کہ عدم کا ثبوت اور ایسے ہی ان کمالات کا ثبوت کہ جن میں عدم کا شائبہ ملحوظ ہے اگرچہ وہ کمالاتِ صفاتیہ میں سے ہوں جو سب کے سب مرتبۂ حس و وہم میں ہیں، اور جب تک عدم سے بالکل پاک نہ ہو جائیں اور عدم کا عین و اثر بالکل زائل نہ ہو جائے وہ مرتبۂ نفسِ امر کے وصول کے

موجودات کے تین مرتبے

ہر خیر و کمال اور حسن و جمال کا منشا وجود ہے

شایانِ شان نہیں ہوتے، اور اگرچہ ثبوتِ وہمی میں عدم کی قوت وضعف کے اعتبار سے بہت سے درجات ہیں، یعنی عدم جسقدر زیادہ قوی ہوگا اسی قدر مرتبۂ وہم کی گرفتاری زیادہ اتم ہوگی، اور جسقدر زیادہ ضعیف ہوگا اسی قدر گرفتاری کم ہوگی ۔۔۔۔۔۔ اولیا میں سے بہت سے ایسے ہیں جو سیر و سلوک طے کرکے عدم کے مراتب سے گذر جاتے ہیں اور ان میں عدم کے کچھ اثر کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا، لیکن جبتک اسکا اثر باقی ہے اس وقت تک مرتبۂ نفسِ امر میں داخل نہیں ہوتے البتہ مرتبۂ وہم سے گذر کر اس کے نہایتِ نقطہ پر پہنچ جاتے ہیں اور مرتبۂ نفس امر کا نظارہ کرتے ہوا اس مقام سے اپنا حصہ حاصل کرتے ہیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات اپنے اپنے درجات کے تفاوت کے اعتبار سے اور اسی طرح انبیاء کے بعض متبعین اگرچہ وہ بہت تھوڑے ہیں جو مرتبۂ نفسِ امر کے مقام کی انتہا تک پہنچ چکے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے اپنے اپنے درجات کے مطابق خاص وطن اور علیحدہ مقام ہے۔ اس جگہ قرآن مجید کے حروف و کلمات بھی مشہود ہوتے ہیں اور ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مقام سے فوق ہے گویا وہ اس مقام سے نکل چکے ہیں البتہ مقامِ فوق تک نہیں پہنچے اور دونوں مقاموں کے درمیان برزخ بن کر اقامت اختیار کرلی ہے کیونکہ فوق کا مقام حضرت واجب الوجود تعالیٰ کی ذات و صفاتِ مقدسہ کے ساتھ مخصوص ہے اور خارج میں اس ذاتِ مقدس کے علاوہ کچھ بھی موجود نہیں ۔۔۔۔۔۔ اور چونکہ یہ حروف و کلمات حدوث کا نشان رکھتے ہیں اس لئے اس مقام کے وصول کی قابلیت نہیں رکھتے لیکن اس مرتبہ کی تمام موجودات سے پیش قدم (آگے) ہیں۔ اور اپنے معنی و مرادات کے دامن کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اور جو بزرگ مرتبۂ نفسِ امر کی انتہا میں اقامت کئے ہوئے ہیں وہ مرتبۂ فوق کا نظارہ کرتے ہیں اور درجہ گرفتاری کے باعث نرگس کی مانند ہمہ تن آنکھ بن کر جنابِ قدس کی طرف دیکھتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ عجیب معاملہ ہے کہ یہ بزرگوار اس مقام میں اقامت رکھنے کے باوجود اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (رواہ الشیخین) (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہو) کے مطابق اپنے محبوب کے ساتھ مجہول الکیفیت رکھتے ہیں اور عالمِ بیخودی میں اس کے ساتھ ہیں اور بغیر اتحاد و بلا اثنینیت کے اپنے مطلوب کے ساتھ مانوس و مالوف ہیں۔

رویت باری کے اسرار و دقائق

قرآن مجید کی بلندی شان

اس اثنا میں جب قرآن مجید کے حروف و کلمات کی معیت اس مرتبۂ مقدسہ میں ملاحظہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ معیت دوسروں کی معیت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں رکھتی لہٰذا یہ معیت سب سے عالی ہے اور کچھ بھی ادراک میں نہیں آسکتی کیونکہ وہ باطنوں کے باطن پر مربوط ہے تو مخلوق کی فہم وہاں کیا گنجائش رکھتی ہے ـــــــ اَلْقُرْاٰنُ کَلَامُ اللّٰہِ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ[1] (قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے) وارد ہوا ہے۔ ان حروف و کلماتِ مقدسہ کی بلندی شان سے معلوم ہوتا ہے کہ کلامِ نفسی بھی یہی حروف و کلمات ہیں جیسا کہ قاضی عضدؒ[2] نے اس کی تحقیق کی ہے اور بغیر تقدیم و تاخیر کے سب کو کلامِ قدیم نفسی کہا ہے اور ان کی تقدیم و تاخیر کو اپنے آلۂ حادثہ (زبان) کے قصور کی طرف راجع کیا ہے۔

سوال: اگر یہی حروف و کلمات کلامِ نفسی ہوں تو چاہئے کہ یہ مرتبۂ خارج میں داخل ہوں اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ اس مقام میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ حروف و کلمات چونکہ ذہنوں میں تقدیم و تاخیر کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں تو لازمی طور پر کشفی نظر کے ساتھ ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مرتبۂ خارج میں داخل نہیں، لیکن جب دوسری مرتبہ تقدیم و تاخیر کے ملاحظہ کے بغیر دیکھا گیا تو مشہود ہوا کہ اس میں داخل ہیں اور اپنی اصل کے ساتھ ملحق بلکہ متحد ہیں۔ لہٰذا ان کی معیت دوسروں کی معیت کے ساتھ کیا نسبت رکھتی ہے کیونکہ وہاں (اُس معیت میں) اتحاد ہے اور دوسروں کی معیت میں اتحاد کی گنجائش نہیں ـــــــ سبحان اللہ! یہی حروف و کلماتِ قرآنی جب اللہ سبحانہٗ کا قدیم کلام ہیں تو اس دنیا میں ان کا ظہور باقی تمام صفاتِ قدیمہ کے خلاف بہ نفسِ خود ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں حروف و کلمات خود اسی کا نفس ہیں۔ اور عارضی تقدیم و تاخیر کے علاوہ بھی آلۂ تکلم کے قصور کے باعث اس کا روپوش بنتے ہیں اور کوئی حجاب نہیں ہے۔ لہٰذا خداوند جل سلطانہٗ کی مقدس بارگاہ میں تمام اشیاء سے زیادہ قریب قرآن مجید ہوا۔ اور واجب جل سلطانہٗ

---

[1] بدر الامالی میں ہے کہ قرآن مخلوق نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور پروردگار کا کلام اس سے بلند ہے کہ وہ (لوگوں کی) گفتگو کی جنس سے ہو۔ اور نظم القرائد میں ہے کہ اسکے مثل صحابہؓ میں سے حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے عمرو بن دینار اور ابن عیینہ وغیرہ سے بھی مروی ہے اور ابن علی نے اپنی کامل میں اسے مرفوعاً روایت کیا ہے ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے دیلمی نے بھی اسے مسند میں روایت کیا سخاوی اور ان کے شیخ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ باطل ہے۔

[2] قاضی عضد الدین عبد الرحمن بن احمد الایجی متوفی ۷۵۶ھ نے فرمایا کہ الفاظ کا قیام خارج میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور ترکیب زمانہ کے لحاظ

کی صفات میں سے ظاہر ترین بھی وہی ہے جس میں ظلیت کی گرد کی بو تک نہیں پہنچی ہے۔ اور تقدیم و تاخیر کے خس و خاشاک مجبوبوں کی آنکھ میں ڈال کر اپنی اصالت کے ساتھ عالم ظلال میں جلوہ گر ہو گیا ہے، اسی لئے تمام عبادتوں سے افضل عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہے اور اس کی شفاعت دوسروں کی شفاعت کی نسبت زیادہ مقبول ہے، شفاعت خواہ کسی مقرب فرشتے کی ہو یا کسی نبیٔ مرسل کی۔ غرض وہ نتائج و ثمرات جو قرآن مجید کی تلاوت پر مرتب ہوتے ہیں ان کی تفصیل کیا بیان کی جاسکتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ (قرآن) تلاوت کرنے والے کو اُٹھا کر ایسے درجات پر لے جاتا ہے کہ وہاں بال برابر بھی گنجائش متصور نہیں ہوتی۔

سوال: کیا قرآن مجید کے حروف و کلمات ہی اس دولت کے ساتھ مخصوص ہوئے ہیں یا باقی تمام نازل شدہ آسمانی کتب کے حروف و کلمات بھی اس دولت میں شرکت رکھتے ہیں اور کیا سب کلام قدیم نفسی ہیں؟

جواب: سب کو اس دولت میں شرکت حاصل ہے البتہ نظر کشفی میں اسقدر فرق ضرور متمثل ہوتا ہے کہ قرآن مجید گویا دائرہ کا مرکز ہے اور تمام نازل شدہ کتابیں بلکہ وہ سب کچھ جس سے ازل سے ابد تک تکلم واقع ہوا ہے گویا اس دائرہ کا محیط ہیں، لہذا قرآن مجید سب کی اصل اور دوسری تمام کتابوں سے اشرف ہے۔ کیونکہ مرکز دائرے کے تمام اجزا میں سب سے اشرف ہے اور دائرے کے تمام نقطوں کی اصل ہے۔ گویا تمام نقطے اس کی تفصیل ہیں اور وہ سب کا اجمال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی شان میں فرماتا ہے: وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (شعراء آیہ ۱۹۶) (اور بلاشبہ وہی پہلی کتابوں میں بھی ہے)۔

سوال: سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں مظاہر جمیلہ کے ضمن میں جس کو شہود و مشاہدہ کہتے ہیں وہ واقع نہیں ہے اور ان کو اس مرتبۂ مقدسہ کی مظہریت کی قابلیت بھی نہیں ہے، کیا ان مظاہر کے علاوہ بھی اس دنیا میں نفس شہود و مشاہدہ متحقق ہے یا نہیں؟

جواب: جو کچھ اس فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا کا حصہ صرف ایقان ہے اور رویت بصری و مشاہدہ کہ جس سے مراد رویت قلبی ہے تفاوت درجات کے مطابق وہ اسی ایقان کا نتیجہ و ثمرہ ہیں جو کہ آخرت کے ساتھ وابستہ ہے ——— صاحب تعرف[1] جو اس طائفہ عالیہ کے

[1] شیخ ابابکر محمد بن ابراہیم البخاری الکلاباذی المتوفی سنہ ۳۸۰ھ (کشف الظنون)

اکابرین میں سے ہیں انھوں نے اپنی کتاب میں اس امر پر مشائخ کا اجماع نقل کیا ہے اور کہتے ہیں کہ مشائخ نے اس پر اجماع کیا ہے کہ حق جل وعلا کی رویت اس دنیا میں نہ آنکھ سے واقع ہے نہ دل سے۔ اور ایقان کے علاوہ کوئی اور امر اس جگہ ثابت نہیں ہے۔

یقین کے تین درجے

سوال: اس طائفہ عالیہ کے نزدیک ثابت و مقرر ہے کہ یقین کے تین درجے ہیں: علم الیقین[1] عین الیقین[2] اور حق الیقین[3] ـــــ علم الیقین[1]، اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کرنے سے مراد ہے۔ جس طرح آگ کے وجود کا یقین دھوئیں کے وجود کے علم سے استدلال کے طور پر حاصل ہوتا ہے ـــــ اور عین الیقین[2] یہ ہے کہ آگ کو آنکھوں سے دیکھ لیا جائے ـــــ اور حق الیقین[3] آگ کو آنکھ سے دیکھ لینے کے بعد متحقق ہونے سے عبارت ہے ـــــ اور جب رویتِ قلبی ہی نہیں ہے تو عین الیقین کس معنی میں راست آئے گا اور مشائخ کا عدم رویت پر مطلقاً اجماع کس طرح صادق آئے

جواب: ہوسکتا ہے کہ اجماع سے ان کی مراد پہلے مشائخ کا اجماع ہو اور متاخرین (بعد کے مشائخ) نے اس کے خلاف حکم کیا ہو اور رویتِ قلبی کو تجویز کیا ہو۔ لیکن اس فقیر کے نزدیک یہ حکم ثابت نہیں ہوا ہے اور اس تجویز کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے ـــــ اور یہ سہ گانہ درجات جو یقین کے بارے میں بیان کئے گئے ہیں یہ سب علم الیقین میں داخل ہیں اور استدلال سے باہر نہیں نکلے۔ اور علم سے عین تک نہیں پہنچے، اور جو کچھ کہ عین الیقین میں آگ کا دیکھنا کہا گیا ہے وہ دھوئیں کا دیکھنا ہے کہ جس سے انھوں نے آتش کے وجود کا استدلال کیا ہے نہ کہ رویتِ آتش کا۔ جیسا کہ علم الیقین میں دھوئیں کے علم سے آگ کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہے اسی طرح یہاں دھوئیں کے دیکھنے سے آگ کے وجود پر استدلال ہے ـــــ اور یہ یقینِ ثانی، یقینِ اول کی نسبت اپنی قوتِ دلیل کی وجہ سے زیادہ اتم ہے کیونکہ وہاں علمِ دلیل ہے اور یہاں رویتِ دلیل۔ اور اسی طرح حق الیقین بھی دھوئیں کے ساتھ متصف ہوتا ہے نہ کہ آتش کے ساتھ، پھر اس سے آگ پر استدلال کرتا ہے۔ اور یہ یقین پہلے دونوں قسم کے یقین سے اتم و اکمل ہے کیونکہ وہ اپنے نفس سے دھواں بن چکا ہے اور آتش کے وجود پر استدلال کرتا ہے اور انفس سے آفاق تک فرق واضح ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ[41] (حم سجدہ آیت ۵۳)

(عنقریب ہم ان کو آفاق (کائنات) میں اور خود ان کے نفسوں میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ

ان پر واضح ہو جائے کہ یہی حق ہے) ——— نیز حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (ذاریات آیت ۲۱،۲۲) (اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے کھلی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں بھی تو کیا تم کو نہیں سوجھتا) ——— اور جو کچھ آفاق و انفس میں دیکھا جاتا ہے وہ سب مطلوب کی نشانیاں ہیں نہ کہ نفسِ مطلوب۔ لہٰذا آفاق و انفس میں مرئی چیز (جو نظر آسکے) دھواں ہے جو آگ کی نشانی ہے نہ کہ آگ۔ لہٰذا آفاق و انفس میں معاملہ استدلالی ہے جو علم الیقین کی حقیقت ہے۔ اور عین الیقین اور حق الیقین کو ماورائے آفاق و انفس تشخیص کرنا چاہئے ——— سبحان اللہ! بزرگوں نے مطلوب کے حصول کو انفس میں مقرر کیا ہے اور انفس سے باہر کو لاحاصل جانا ہے ——— کوئی کہتا ہے ؎

ہمچو نابینا مبر ہر سوئے دست | با تو در زیرِ گلیم ست آنچہ ہست

(ترجمہ) مثلِ نابینا تو ہر سومت ٹٹول | تیری گدڑی میں ہے سب کچھ تیرے پاس

دوسرا کہتا ہے ؎

چوں جلوۂ آں جمال بیروں ز تو نیست | پا در دامان و سر بجیب اندر کش

(ترجمہ) جب جلوہ اس کے حُسن کا تجھ سے نہیں ہے دور | سر کو جھکا کے اپنے ہی اندر نظارہ کر

تیسرا کہتا ہے ؎

ذرہ گر بس نیک ور بس بد بود | گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

(ترجمہ) ذرّہ ذرّہ ہی ہے اچھا یا بُرا | عمر بھر دوڑے مگر کیا پائے گا؟

صاحبِ فصوص (شیخ ابن عربیؒ) فرماتے ہیں: اَلتَّجَلِّيْ مِنَ الذَّاتِ لَا يَكُوْنُ اِلَّا بِصُوْرَةِ الْمُتَجَلّٰى لَهٗ (ذات کی تجلی متجلّٰی لہٗ (جس پر تجلی ڈالی گئی) کی صورت میں ہوتی ہے) ——— دوسرے بزرگ فرماتے ہیں: اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ بھی دیکھتے ہیں وہ اپنے ہی اندر دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں وہ بھی اپنے ہی اندر پہچانتے ہیں، اور ان کی حیرت اپنے ہی وجود میں ہے۔ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (ذاریات آیت ۲۱) (اور خود تمہارے نفسوں میں بھی (نشانیاں ہیں) تو کیا تم نہیں دیکھتے) ——— اور اس فقیر کے نزدیک انفس بھی آفاق کی طرح لاحاصل ہے اور مطلوب کی یافت سے خالی اور بے نصیب ہے۔ وہ سب جو آفاق و انفس میں ہے وہ مطلوب کی طرف

استدلال ہے اور مقصود پر دلالت ہے۔ مطلوب کا وصول آفاق و انفس سے ماوراء پر وابستہ ہے اور سلوک و جذبے کے ماسوا پر موقوف ہے، کیونکہ سلوک سیر آفاقی ہے اور جذبہ انفسی۔ لہذا سلوک و جذبہ اور سیر آفاقی و انفسی سب سیر الی اللہ میں داخل ہیں، نہ کہ وہ جو کچھ کہ انھوں نے بیان کیا ہے کہ سیر و سلوکِ آفاقی، سیر الی اللہ ہے اور جذبہ اور سیر انفسی سیر فی اللہ ہے۔ کیا کہا جا سکتا ہے اگر ان کو ایسا ہی بتایا گیا ہو اور مجھے اس طرح۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (بقرہ ۲ آیت ۳۲) (یا الٰہا! تو پاک و منزہ ہے ہم کو کچھ علم نہیں مگر جتنا کہ تو نے ہم کو سکھایا) ـــــــ مجھ جیسے مسکین کو جو ان کا پس خوردہ ہے کیا مجال کہ ان کے مذاق کے خلاف کوئی بات کہے لیکن چونکہ معاملہ تقلید سے گذر چکا ہے اس لئے جو کچھ پاتا ہوں کہہ دیتا ہوں خواہ وہ قوم (صوفیہ) کے مخالف ہو یا موافق ـــــ (امام) ابو یوسفؒ کے لئے تقلید کی منزل سے گذر جانے کے بعد (امام) ابو حنیفہؒ کی موافقت کا التزام کرنا جو ان کے استاد ہیں خطا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (بقرہ ۲ آیت ۲۸۶) (اے ہمارے رب ہماری بھول چوک اور خطاؤں پر مؤاخذہ نہ فرمائیو)۔

سوال: یقین کے یہ تینوں درجات جب علم الیقین میں داخل ہیں تو تمہارے نزدیک عین الیقین کیا ہے؟

جواب: عین الیقین سے مراد وہ حالت ہے جو نفسِ دخان کو آگ کے ساتھ ثابت ہے اور جب منزل (استدلال کرنے والا) دلیل کے انتہائی درجے تک پہنچ جائے جو کہ دخان ہے تو اس کے لئے بھی ایک حالت آگ کے ساتھ پیدا ہوگی جو دخان کو آتش کے ساتھ ثابت ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ حالت عین الیقین سے تعبیر ہے کہ جو علم استدلال کے اوپر ہے اور آفاق و انفس سے باہر ہے اور جب استدلال کا پردہ درمیان سے اٹھ گیا جو کہ مرتبۂ علم کی انتہا ہے تو لازمی طور پر علم سے کشف کی طرف آ گیا اور غیب سے شہود کی طرف حضور میں پہنچ گیا ــــــ جاننا چاہئے کہ شہود و حضور اور چیز ہے اور رویت و احساس اور ہے۔ کمزور نظر والے کے لئے آفتاب کی روشنی کے غلبہ کے وقت میں آفتاب کا شہود و حضور ثابت ہے مگر رویت و احساس متحقق نہیں۔

تنبیہ: دخان کے ساتھ متحقق ہونے کے دو درجے ہیں اور وہ علم الیقین اور عین الیقین کو شامل ہیں جیسا کہ اس کی تحقیق اوپر گذر چکی ہے جب تک دھوئیں کے ساتھ تحقیق میں اس کے تمام نقطوں کو

طے کر کے اس کے آخری نقطے (آگ) تک نہ پہنچے اس وقت تک علم الیقین ہے کیونکہ ہر نقطہ جو باقی رہ گیا ہے وہ اس کا حجاب ہے جس کے لئے استدلال لازم آتا ہے، اور جب تمام نقطوں سے منصف ہو گیا اور آخری نقطے پر پہنچ گیا تو وہ استدلال سے باہر نکل آیا اور اس کے تمام پردے اُٹھ گئے اور نفسِ دخان کی طرح اس کو (آگ کا) عین الیقین ثابت ہو گیا۔ پس خوب سمجھ لو ——— اور حق الیقین کے بارے میں کیا لکھا جائے کیونکہ اس کے ساتھ کامل طور پر متحقق ہونا آخرت کی زندگی سے وابستہ ہے۔ اور اگر اس دنیا میں اس دولت کا کوئی حصہ ثابت ہے تو وہ اخصِ خواص کے ساتھ مخصوص ہے کہ جن کے نزدیک سیرِ انفسی حق الیقین کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے، ان کے نزدیک علم الیقین میں داخل ہو چکی ہے اور ان کے انفس نے آفاق کا حکم حاصل کر لیا ہے اور ان کا علمِ حضوری جو انفس کے ساتھ تھا علمِ حصولی ہو چکا ہے اور آفاق و انفس کے ماورا ان کو عین الیقین حاصل ہو گیا ہے لیکن ایسے حضرات بہت کم ہیں۔

خاتمۂ حسنہ: اس حسن و جمالِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں جس کا تعلق پروردگارِ عالمیان جل شانہٗ کی محبت سے ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جمال کے ساتھ محبوب رب العالمین ہوئے ہیں۔ حضرت یوسفؑ اگرچہ اس صباحت کی وجہ سے جو وہ رکھتے تھے حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے محبوب ہوئے ہیں لیکن ہمارے پیغمبر خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات اس ملاحت کی وجہ سے جو وہ رکھتے ہیں خالقِ ارض و سما کے محبوب ہیں اور زمین و زمان کو آپ کے طفیل میں پیدا کیا ہے، جیسا کہ (حدیث شریف میں) وارد ہے۔

جاننا چاہیئے کہ خلقِ محمدیؐ دوسرے تمام افرادِ انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ افرادِ عالم میں سے کوئی بھی فرد ان کی پیدائش کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق جل و علیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: خُلِقْتُ مِنْ نُورِ اللّٰہِ[1] (میری پیدائش اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوئی ہے)۔ لہٰذا دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی ——— اس دقیق نکتہ کی وضاحت یہ ہے جیسا کہ پہلے بیان گذر چکا ہے کہ حضرت واجب الوجود جل سلطانہٗ کی صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن اس احتیاج کے باعث جو ان کو حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے ان میں امکان کی خوشبو موجود ہے اور جب

(حاشیہ:) آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و بزرگی

[1] حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ میں اس حدیث کو اس طرح بیان کیا ہے "انا من نور اللہ والمومنون من نوری"۔ (تشیید المبانی)

صفاتِ حقیقیہ قدیمیہ میں امکان کی خوشبو کی گنجائش ہوئی تو حضرت واجب الوجوب تعالیٰ کی صفاتِ اضافیہ میں امکان کا ثبوت بطریقِ اولیٰ ہوگا اور ان کا قدیم نہ ہونا ان کے امکان پر بہت بڑی دلیل ہوگا ——— اور کشفِ صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آن سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیدائش اسی امکان سے ہوئی ہے کہ جس کا تعلق صفاتِ اضافیہ سے ہے نہ کہ ایسے امکان سے جو تمام ممکناتِ عالم میں ثابت ہے۔ اور جسقدر بھی دقتِ نظر سے ممکناتِ عالم کے صحیفے کا مطالعہ کیا جاتا ہے آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کا وجودِ شریف وہاں مشہود نہیں ہوتا بلکہ آپؐ کی خلقت و امکان کا منشأ صفاتِ اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے اور چونکہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کا وجود عالمِ ممکنات سے نہیں ہے بلکہ اس عالم کے فوق سے ہے تو لازمی طور پر آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کا سایہ نہ تھا اور پھر یہ بھی ہے کہ عالمِ شہادت میں کسی شخص کا سایہ اس شخص سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اور آپؐ سے زیادہ عالم میں کوئی چیز لطیف ہی نہیں ہے تو سایہ کی کیا گنجائش ہے، علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات۔

سنو! خوب غور سے سنو! صفتِ علم، صفاتِ حقیقیہ سے ہے اور دائرہ موجودِ خارجی میں داخل ہے اور جب اس صفت کو کوئی اضافت عارض ہو جائے اور اس سے وہ تقسیم ہو جائے جیسے کہ علمِ اجمالی یا علمِ تفصیلی، تو اس کی یہ اقسام صفاتِ اضافیہ سے ہوں گی اور ثبوت نفس الامری کے دائرہ میں داخل ہوں گے جو صفاتِ اضافیہ کی قرارگاہ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ———

اور ایسا مشاہدہ میں آتا ہے کہ علمِ حملی جو صفاتِ اضافیہ میں سے ہے وہ ایک ایسا نور ہے جو عنصری پیدائش میں بہت سی پشتوں اور رحموں سے منتقل ہونے کے بعد (حق تعالیٰ کی) بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق صورتِ انسانی میں جو احسن التقویم ہے ظہور کیا ہے اور اس کا نام محمد اور احمد ہوا ہے، خوب اچھی طرح سننا چاہیئے کہ اس اجمال کی قید نے اگرچہ علمِ مطلق کو مقید کر دیا ہے اور حقیقت سے اضافت کی طرف لایا ہے لیکن اس نے علم میں کوئی زیادتی و اضافہ نہیں کیا اور نہ کسی چیز نے اس کو مقید کیا کیونکہ اجمالِ علم سے مراد نفسِ علم ہے نہ کہ امرِ زائد، جو علم سے ملا ہوا ہے بخلاف تفصیلِ علم کے جو زیادہ سے زیادہ جزئیات کا تقاضا کرتا ہے تاکہ تفصیل متصور ہو سکے ——— یہ عجیب قید ہے جو اطلاق کی مظہر ہے اور کیسی اچھی مقید ہے کہ (عین) نفسِ مطلق ہے۔ اسی قسم کی نزاکت

مطلق علم میں ذاتِ عالم جل سلطانہٗ کی نسبت ملاحظہ کرنی چاہیئے جہاں نفسِ عالم اور نفسِ معلوم کا علم ہو سکتا ہے جیسا کہ حضوری میں ثابت ہے بخلاف دوسری صفات کے کہ ان میں یہ قابلیت نہیں ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ قدرت عین قادر اور عین مقدور ہے اور ارادہ عین مرید اور عین مراد ہے لہذا علم کو ذاتِ عالم کے ساتھ ایسا اتحاد اور نیستی و اضمحلال ہے جو دوسروں کو اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اس جگہ "احمد" کا قرب جو "احد" کے ساتھ ہے دریافت کرنا چاہیئے کہ کونسا واسطہ ان کے درمیان ہے، وہ صفتِ علم ہی ہے اور ایک ایسا امر ہے جو مطلوب کے ساتھ اتحاد رکھتا ہے لہذا حجابیت کو وہاں کیا گنجائش ہو سکتی ہے ــــــــ اور اسی طرح علم کے لئے ایک ایسا ذاتی حُسن ہے جو دوسری صفات کے لئے یہ حُسن ثابت نہیں ہے، لہذا اس فقیر کے خیال کے مطابق صفاتِ واجبی میں سے محبوب ترین صفت حق جل وعلا کے نزدیک صفت العلم ہے اور چونکہ اس کا حُسن بے چونی کی آمیزش رکھتا ہے لہذا حِس اس کے ادراک سے قاصر ہے، اور اس حسن کا کامل ادراک آخرت کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے کہ وہ مقامِ رویت ہے۔ جب خدائے عزوجل کے دیدار سے مشرف ہوں گے تو جمالِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی پالیں گے ــــــــ اگرچہ اس دنیا میں دو تہائی حُسن حضرت یوسف (علیہ السلام) کے لئے مسلّم ہے اور باقی تہائی حصہ سب میں تقسیم ہوا ہے لیکن اس عالم (آخرت) میں حُسن صرف حُسنِ محمدی ہے اور جمال بھی صرف جمالِ محمدی علیہ الصلوات والتسلیمات ہے کیونکہ آپؐ محبوبِ خدا جل سلطانہٗ ہیں، دوسرے حسن کو آپؐ کے حُسن کے ساتھ کس طرح مشارکت ہو سکتی ہے کیونکہ آپ کا حُسن مطلوب کے حسن کے ساتھ اتحادِ نسبتی کے واسطے سے عین مطلوب ہے، اور چونکہ دوسروں کے لئے یہ اتحاد نہیں ہے اس لئے ایسا حسن بھی نہیں ہے، لہذا خلقت محمدی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام باوجود حادث ہونے کے ذات تعالیٰ کے قِدَم کے ساتھ مستند ہوئی، اور آپ کا امکان بھی وجوبِ ذات تعالیٰ کے ساتھ منتہی ہوا، اور آپ کا حُسن، حسن ذات تعالیٰ ہوا کہ اس میں غیرِ حُسن کی آمیزش نہیں۔ اور جب ایسا ہو گیا تو لازمی طور پر آپؐ کی محبت جمیلِ مطلق کی محبت سے متعلق ہو گئی اور آپؐ حضرت سبحانہٗ کے محبوب ٹھہرے۔

فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَمِیْلٌ یُّحِبُّ الْجَمَالَ[1] (بیشک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے)۔

حاشیہ: صفتِ علم کی فضیلت

حاشیہ: جمالِ محمدیؐ کی فضیلت و بزرگی

---

[1] اس حدیث کو مسلم اور ترمذی نے حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت کیا۔ (تشبیہ المباتی)

سوال: آیۂ کریمہ یُحِبُّهُمْ (مائدہ آیۃ ۵۴) (وہ (اللہ تعالیٰ) ان سے محبت کرتا ہے) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے علاوہ دوسروں کے ساتھ بھی حضرت حق سبحانہٗ محبت کا تعلق رکھتا ہے اور دوسرے حضرات بھی اس تعالیٰ کے محبوب ہیں تو پھر آپ کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے جو دوسروں میں موجود نہیں ہے؟

جواب: محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ محبت ہے جو محبت کرنے والے کو اپنی ذات کے ساتھ ہوتی ہے، اور ایک (دوسری وہ) محبت ہے جو اس کی ذات کے علاوہ غیر سے تعلق رکھتی ہے۔ پہلی قسم محبتِ ذاتی ہے جو محبت کی اقسام میں سب سے بلند ہے کیونکہ کوئی شخص بھی کسی چیز کو اسقدر دوست نہیں رکھتا جتنا کہ خود اپنے آپ کو۔ اور محبت کی یہ قسم احکم واوثق (سب سے زیادہ قوی اور ثقہ) ہے جو کسی عارض کے پیش آنے کی وجہ سے زوال پذیر نہیں ہوتی، نیز یہ محبوبِ صرف سے تعلق رکھتی ہے جو محبیت کی آمیزش نہیں رکھتی۔ بخلاف قسمِ دوم کی محبت کے کہ وہ عارضی اور زوال پذیر ہے اگرچہ اس محبت کا تعلق بھی ایک حیثیت سے محبوب ہے لیکن متعدد وجوہات کی بنا پر محبیت بھی رکھتی ہے، اور چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا حسن وجمال حضرت ذات تعالیٰ کے حسن وجمال سے مستفاد ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا تو لازمی طور پر محبت کی قسمِ اول جو جل شانہٗ کی ذات کے ساتھ متعلق ہے وہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق ہو گئی۔ اور ذات سبحانہٗ کی مانند اس محبت کے تعلق کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی محبوبِ صرف ہوئے۔ اور چونکہ دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی ہے اور حسنِ ذات سے بہت کم بہرہ ور ہوئے ہیں لہذا محبت کی دوسری قسم ان سے متعلق ہوئی اور ایک حیثیت سے ان کو محبوب بناتی ہے۔ پس محبوبِ مطلق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں جو کہ محب کی ذات کے مانند ہمیشہ محبوب ہیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس قسم کا غلبۂ محبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت حق سبحانہٗ کے ساتھ ہے اور وہ اس محبت کی وجہ سے رأس و رئیسِ محباں (محبوں کے سردار) ہوئے ہیں اسی طرح کی حد سے زیادہ محبت حضرت حق سبحانہٗ کو حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے ساتھ ہے ـــــ یہ فقیر جسقدر بھی محبت کے ان ۲ دو دریاؤں میں غواصی کرتا ہے کہ ان دو محبتوں کے درمیان قوت وضعف کا فرق معلوم کرے اور آیۂ کریمہ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (مائدہ آیۃ ۵۶) (بیشک اللہ تعالیٰ کا لشکر ہی

غالب آنے والا ہے) کے مطابق خالق کی محبت کو مخلوق کی محبت سے زیادہ مضبوط اور شدید پائے لیکن کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ گویا کہ ان دونوں محبتوں کو انصاف کی ترازو میں برابر وزن کیا ہے، اور بال برابر بھی کمی بیشی کا فرق تجویز نہیں کیا۔

سوال: صوفیہ عالیہ نے عالم کے تمام افراد کو اسماءِ الٰہی جل سلطانہٗ کے مظاہر اور جلوہ گاہ سمجھا ہے اور ان ہی اسماء کو اشیاء کی حقائق دریافت کیا ہے اور اشیاء کو ان کا ظلال جانا ہے لہٰذا تمام عالم اسماءِ الٰہی جل وعلا کا ظہور ہوا۔ اور وہ تخصیص جو بعض اسماء کے ظہور (صفتِ علم جلی) کے ساتھ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت کو حاصل ہے جیسا کہ اوپر گذرا، اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: صوفیہ کے نزدیک حقائقِ اشیاء اعیانِ ثابتہ ہیں جو اسماءِ الٰہی جل سلطانہٗ کی صورِ علمیہ ہیں نہ کہ اسماءِ الٰہی اپنی ذات کے ساتھ۔ اور اس عالم کو ان صورِ علمیہ کا ظہور کہا ہے، اگرچہ مجاز کے طور پر ان کو اسماءِ الٰہی کا ظہور بھی کہتے ہیں بلکہ کسی چیز کی علمی صورت بھی ان کے نزدیک اس شے کا عین ہے نہ کہ اس شے کی شبح ومثال ——— اور جو کچھ کہ اس فقیر نے آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت کے متعلق کہا ہے وہ اسمِ الٰہی جل سلطانہٗ کے نفس کا ظہور ہے نہ کہ اس اسم کی صورتِ علمی کا ظہور "کسی چیز کی نفسِ شے اور صورتِ علمیہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے" اگر آگ کو اس کی صورتِ علمیہ میں تصور کرتے ہیں تو اس میں وہ درخشندگی اور روشنی کہاں ہے جو اس آگ کے کمال وجمال کا باعث ہے اور صورتِ علمیہ میں آگ کی مثال اور شبیہ سے زیادہ اور کچھ موجود نہیں ہے۔ اربابِ عقول (فلاسفہ) اس کو پسند کریں یا نہ کریں خواہ عین آتش کہیں، لیکن ہمارا کشفِ صریح اس کی عینیت کی تکذیب کرتا ہے اور آتش کی صورتِ علمیہ سوائے شبح (صورت) کے اور کچھ نہیں جو کہ خارج میں موجود ہے ——— ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ اسماء کی صورِ علمیہ کا ظہور ہے اس کا امکان ووجود امکانِ عالم کی قسم سے ہے اور عالم کا وجود جس نے مرتبۂ وہم میں خداوند جل سلطانہٗ کی صنعت (کاریگری) سے ثبات وقرار پیدا کیا ہے اور وہ نفسِ اسمِ الٰہی جل سلطانہٗ کا ظہور ہے، جیسا کہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خِلقت (پیدائش) میں گذر چکا ہے، اس کا امکان صفاتِ اضافی کے امکان کی قسم سے ہے اور ان کا وجود بھی ان صفات کے وجود کی طرح نفسِ امر کے مرتبہ میں مقرر ہے، اور آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کوئی بزرگ ایسا نظر نہیں آتا

جو نفسِ اسمِ الٰہی تعالیٰ کا ظہور ہو، البتہ قرآن مجید کہ وہ بھی نفسِ اسمِ الٰہی جل سلطانہٗ کا ظہور ہے جیسا کہ مختصراً اوپر گزر چکا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ظہورِ قرآنی کا منشا صفاتِ حقیقیہ سے ہے اس لئے اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہتے ہیں اور ظہورِ محمدیؐ کا منشا صفاتِ اضافیہ سے ہے لہٰذا اس کو حادث اور مخلوق کہا ہے۔ اور کعبۂ ربانی کا معاملہ ان دونوں ظہورِ اسمی سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ وہاں صورتوں اور شکلوں کے لباس کے بغیر معنئ تنزیہی کا ظہور ہے، کیونکہ کعبۂ معظمہ جو کہ خلائق کا مسجود الیہ ہے اس سے مراد اینٹ و پتھر نہیں ہیں اور اسی طرح دیواریں اور چھت بھی مراد نہیں ہیں کیونکہ اگر یہ سب کچھ نہ ہوں تب بھی کعبہ کعبۂ معظمہ ہے اور مسجود الیہ ہے کیونکہ وہاں ظہور تو ہے لیکن اس کی کوئی شکل و صورت نہیں ہے اور یہ عجائبات میں سے عجیب ترین ہے۔

(حاشیہ: ظہورِ قرآنی، ظہورِ محمدی اور ظہورِ کعبہ کا منشا)

سنو! اور خوب غور سے سنو! کہ اس دولت خاصۂ محمدی میں اگرچہ کوئی دوسرا شریک نہیں ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق و تکمیل کے بعد جو آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی دولتِ خاصہ سے کچھ باقی رہ گیا تھا جس طرح کریموں کی دولتِ ضیافت کے دسترخوان پر کچھ نہ کچھ بچ جانا لازمی امر ہے جو پس خوردہ خادموں کا حصہ ہوتا ہے وہ بقیہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے ایک صاحبِ نصیب اُمتی کو عطا فرمایا گیا ہے اور اس پس خوردہ کے خمیر سے اس کا مادہ بنا کر اس کی طینت (مٹی) کی سرشت کو تیار کیا گیا اور آپؐ کی تبعیت و وراثت کے طور پر آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی دولتِ خاصہ کا شریک بنا دیا۔ ع

(حاشیہ: بقیہ طینتِ محمدیؐ سے متعلق دقائق)

با کریماں کارہا دشوار نیست (ترجمہ) کریموں کو نہیں ہے کام مشکل

اور یہ بقیہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طینت کے بقیہ کی طرح ہے جو کہ کھجور کے درخت کی پیدائش کا حصہ ہے جیسا کہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَکْرِمُوْا عَمَّتَکُمُ النَّخْلَۃَ فَاِنَّھَا خُلِقَتْ مِنْ طِیْنَۃِ اٰدَمَ[1] (اپنی پھوپھی نخلہ کھجور کا اکرام کرو کہ وہ آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا کی گئی ہے)۔ ہاں ع

وَلِلْاَرْضِ مِنْ کَاْسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٌ (ترجمہ) بڑوں کے پیالے سے حصہ زمیں کا

---

[1] اس حدیث شریف کے حوالہ جات کے لئے ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب ۱۶۲۔ (تشبید المبانی)

سوال: حضرت شیخ محی الدین بن العربیؒ اور ان کے متبعین نے "حقیقتِ محمدیؐ" سے مراد حضرت اجمالِ علم جانا ہے اور اس کو "تعینِ اول" کہا ہے اور اس کو تجلیٔ ذات سمجھ کر اس کے اوپر مرتبۂ لا تعین تصور کیا ہے جو کہ حضرتِ ذاتِ محض جل شانہٗ کا مرتبہ ہے اور تم نے اس کو علم کی قسم سے جانا ہے اور صفاتِ اضافیہ میں داخل کیا ہے جو کہ صفاتِ حقیقیہ سے نیچے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: شیخ محی الدینؒ خارج میں سوائے ذاتِ احدیتِ مجردہ کے اور کسی کو موجود نہیں جانتے اور صفات کے وجود کو بھی اگرچہ وہ حقیقی ہوں علم کے علاوہ ثابت نہیں کرتے۔ لہٰذا لازمی طور پر ان کے نزدیک تعینِ اول "علمِ جملی" ہے اور صفات کا ثبوت اس کے بعد شکل اختیار کرتا ہے کہ جس کا ثبوت علم کے ثبوت کی فرع ہے وہ سوائے علم کے ان کا کوئی ثبوت نہیں جانتے لہٰذا علم سب سے زیادہ اسبق ہوا اور تمام کمالات کا جامع ہوا ——— اور اس فقیر کے نزدیک جو مکشوف ہوا ہے وہ یہ ہے کہ صفاتِ حقیقیہ ثمانیہ، ذاتِ واجبی جل شانہٗ کی طرح خارج میں موجود ہیں، اگر کچھ فرق بھی ہے تو صرف مرکزیت اور عدم مرکزیت کے اعتبار سے ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ اور یہ قول علماء اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی آراء کے موافق ہے جنھوں نے صفات کے وجود کو ذات تعالیٰ کے وجود پر زائد فرمایا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں علمِ جملی کو تعین اول کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ تعیّن کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اور تمام صفات سے پہلے صفت الحیات ہے کیونکہ صفتِ علم بھی اس کے تابع ہے اور علم کو اس پر سبقت دینے کی کوئی صورت نہیں بالخصوص جبکہ علم کے ساتھ کوئی قید بھی لگی ہو کہ وہ مطلق علم سے پایاں تر (بہت نیچے) ہے اور داخلِ اضافات ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ——— ہاں اگر علمِ جملی کو تعینِ اول علم کہیں تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ اس کا تعینِ ثانی علمِ تفصیلی ہوگا۔

سوال: شیخ محی الدینؒ نے جو علمِ جملی کو "حقیقتِ محمدی" کہا ہے اور عنصری پیدائش کو اس کا ظہور جانا ہے تو ان کی مراد نفسِ اسم کا ظہور ہے جیسا کہ تم نے کہا ہے، یا اس قسم کی صورت کا ظہور ہے جیسا کہ باقی تمام ممکنات میں ہے۔

جواب: صورتِ اسم ہے کیونکہ تعینِ اول اُن قدس سرہ کے نزدیک تعینِ علمی ہے۔ چونکہ انھوں نے پہلے دونوں تعینوں کو تعینِ علمی کہا ہے اور تیسرے تعینِ آخر کو تعینِ خارجی فرمایا ہے اور تعینِ علمی، صورت شانِ علم ہے جس کو خارج میں عینِ ذات کہا ہے اور علم میں اس کی صورت کا

اثبات کیا ہے اور اس صورتِ علمی نے جو کہ "حقیقتِ محمدیؐ" ہے نشأ عنصری میں بصورتِ انسانی محمدیؐ میں ظہور کیا ہے ـــــــ مختصر یہ کہ شیخؒ کے نزدیک جہاں بھی ظہور رہے وہ صورتِ علمیہ کا ظہور ہے اگرچہ صفات واجبی جل سلطانہٗ ہی ہوں، کیونکہ ان کے نزدیک صفات کو بھی سوائے علم کے کوئی ثبوت نہیں ہے اور خارج میں ان کے نزدیک ذاتِ محض کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں۔

سوال: اس مرتبہ میں علم، عالم اور معلوم کا اتحاد ہے کہ جس کا حاصل علمِ حضوری ہے لہٰذا صورتِ اسم کی اس مقام میں کیا گنجائش ہے، کیونکہ صورت کا حصول علمِ حصولی میں ہے اور علمِ حضوری میں نفسِ معلوم حاضر ہے نہ کہ معلوم کی صورت۔

جواب: وہ مرتبۂ ذات بحت جل سلطانہ کا مرتبہ نہیں ہے۔ اسی لئے اس کو تعین و تنزل کہا ہے لہٰذا وہ خارج میں موجود نہ ہوا اور جب خارج میں موجود نہیں ہے تو ثبوتِ علمی سے چارہ نہیں، اسی لئے اس کو تعینِ علمی کہا ہے اور ثبوتِ علمی کو صورتِ معلوم کے بغیر چارہ نہیں ـــــــ اس بیان سے یہ بات لازم ہوئی کہ علمِ حضوری میں بھی صورتِ معلوم باوجود حضورِ نفسِ معلوم کے موجود ہے کیونکہ نفسِ معلوم حاضرِ خالص نہیں ہے بلکہ اس کے اندر ایک اعتبار نے راہ پالی ہے کہ اس کو نفس سے صورت میں لے آیا ہے۔ ہر شخص کی فہم اس نکتہ تک نہیں پہنچ سکتی، اور جب تک ذات بحت جل شانہٗ کی بے چونی سے واصل نہیں ہوتا اس وقت تک یہ دقیقہ سمجھ میں نہیں آسکتا۔ سبحان اللہ مجھ جیسے درماندہ و پس افتادہ حقیر کی کیا طاقت کہ خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت کے ہزار سال بعد اکابر انبیاء اولوالعزم علیہم الصلوات والتحیات والبرکات کے معارف و اسرار کی باتیں زبان پر لائے اور معاد کے دامن میں آکر مبدأ کے کمالات کے دقائق بیان کرے ؎

وے چوں شہ مرا برداشت از خاک	سزد گر بگذرانم سر ز افلاک
من آں خاکم کہ ابرِ نوبہاری	کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم	چو سبزہ شکر لطفش کے توانم

(ترجمہ) اٹھایا خاک سے شہ نے تو بیشک	مجھے حق ہے اٹھاؤں سر فلک تک
میں وہ مٹی ہوں جس پر ابرِ بہاری	کرے بارش کرم سے خوب ساری
زباں ہر بال ہو گر مثلِ سبزہ	ادا پھر بھی نہ ہوگا شکر اس کا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) عَلَیْھِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ہدایت دی، اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کی طرف سے رسول (علیہم الصلوات والتسلیمات) حق بات لے کر آئے)۔

میرے دل میں تھا کہ اس صباحت وملاحت کا کچھ حصہ جو حدیثِ نبوی میں آیا ہے کہ اَخِیْ یُوْسُفُ اَصْبَحُ وَاَنَا اَمْلَحُ[1] (میرے بھائی یوسفؑ زیادہ صباحت والے تھے اور میں زیادہ ملاحت والا ہوں) علیہما الصلوات والتحیات۔ اس بارے میں رمز واشارہ سے گفتگو کروں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ رمز واشارہ مقصود کے ادا کرنے میں قاصر ہے اور سننے والے بھی اس کے سمجھنے میں عاجز ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کے حروفِ مقطعات سب کے سب رموز واشارات ہیں اور ایسے حقائق احوال و دقائقِ اسرار ہیں جو محب اور محبوب کے درمیان ثابت ہیں لیکن کون ہے جو ان تک رسائی حاصل کرے علمائے راسخین جو حبیبِ رب العالمین کے غلام اور خادم کا درجہ رکھتے ہیں، اور خدام کے لئے جائز ہے کہ مخدوم کے بعض خفیہ اسرار کی ان کو اطلاع ہو، بلکہ مخدوم کی پیروی کی وجہ سے خادم کے لئے بھی گنجائش ہے کہ یہ معاملات اس کے درمیان میں بھی لائے جائیں اور پس خوردہ کھانے والے کی طرح وہ بھی مخدوم کی دولتِ خاصہ میں شریک ہو۔ لیکن اگر وہ اس میں سے تھوڑا سا بھی ظاہر کردے گا تو خائن شمار ہوگا اور اپنے سر کو برباد کردے گا اور گلا کاٹ دیا جائے گا جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے قُطِعَ الْبُلْعُوْمُ فرمایا تھا وہ اس خادم کے حق میں صادق آئے گا۔ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ (شعراء آیت ۱۳) (میرا سینہ تنگی محسوس کرتا ہے اور میری زبان (صاف طور پر) نہیں چلتی) پر وقت کی دولت ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (آل عمران آیت ۱۴۷) (اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہوئی ہیں ان کو بھی بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما)۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَآئِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْبَرَرَۃِ التُّقٰی۔

---

[1] اس کو حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں ذکر کیا۔ (شبیر الملتانی)

۳۱۳ + ۹۹ = ۵۱۳

مکتوب ۱۰۱

صدر و یکم

شیخ عبداللہ[1] کے نام صادر فرمایا ــــ فلاسفہ کے مذاق کے موافق آیاتِ قرآنی کی تفسیر و تاویل کرنے سے منع کرنے کے بیان میں۔

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَعَافَاکُمْ عَنِ الْبَلِیَّاتِ (اللہ سبحانہٗ آپ کو سلامت رکھے) اور بلیات سے عافیت بخشے)۔ کتاب "تبصیر الرحمن[2]" جو آپ نے بھیجی تھی بعض مقامات سے مطالعہ کر کے واپس بھیج رہا ہوں ـــــــ میرے مکرم! اس کتاب کا مصنف فلاسفہ کے مذہب کی طرف بہت زیادہ رجحان رکھتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حکماء کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا ہم پلہ بنا دے۔ سورہ ہود علیٰ کی ایک آیت[6] پر نظر پڑی جو حکماء کے طرز پر ہے اور انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے طریقے کے خلاف ہے اس میں انبیاء اور حکماء کے قول کے درمیان مطابقت پیدا کی ہے، آیۂ کریمہ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ باتفاق الانبیاء والحکماء اِلَّا النَّارُ الحسی او العقلی الخ ("یہی لوگ جن کے لئے آخرت میں کچھ نہیں ہے" باتفاق انبیاء اور حکماء "سوائے آگ کے" خواہ وہ حسی ہو یا عقلی) (یعنی وہ آگ انبیاء کے قول کے مطابق حسی ہے یا حکماء کے قول کے مطابق عقلی ہو)۔

انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے اجماع کے باوجود حکماء کا اتفاق کیا گنجائش رکھتا ہے اور عذابِ اخروی میں حکماء کے قول کا کیا اعتبار ہے بالخصوص جبکہ وہ قول انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے قول کے مخالف ہو۔ فلاسفہ جو عذابِ عقلی اثبات کرتے ہیں ان کا مقصد عذاب حسی کا دور کرنا ہے جس کے ثبوت پر انبیاء کا اجماع واقع ہے ــــــ اور دوسرے مواقع پر قرآنی آیتوں کو حکماء کے مذاق کے مطابق بیان کرتے ہیں اگرچہ وہ اہلِ ملل (متابعانِ انبیاءؑ) کے مذہب کے خلاف ہو۔ ــــــ لہٰذا اس کتاب کا مطالعہ ظاہر اور باطن کے نقصان سے خالی نہیں ہے۔ ان باتوں کا اظہار ضروری تھا اس لئے چند کلمات لکھ کر آپ کو تکلیف دی ہے۔ والسلام

حاشیہ: قرآن کریم کی تفسیر فلاسفہ کے مذاق کے مطابق نہ کی جائے

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔ [2] تفسیر مہائمی مصنفہ علامہ علی ابن احمد شافعی مہائمی۔ آپ اپنے زمانے کے اکابر علماء و صوفیہ میں سے تھے، وحدت الوجود کے قائل تھے اور بھی کئی تصانیف ہیں۔ ولادت ۷۷۶ھ میں اور وفات ۲۸ جمادی الآخر ۸۳۵ھ جمعہ کے دن ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۳، تذکرہ علماء ہند)

مکتوب ۱۰۲

صد و دوم

۳۱۳ + ۹۹ + ۱۰۲ = ۵۱۴

جناب میر محمد نعمان[1] کی طرف مجاہدات اور یکسوئی کی ترغیب میں اور طالبانِ حق جل و علا کی تربیت کے بیان میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔ اس طرف کے فقراء کے حال و احوال حمد اور شکر کے لائق ہیں۔ ہر حال میں اور ہمیشہ اللہ سبحانہ کی تعریف ہے ——— ایک عرصہ ہو گیا کہ آپ نے اپنے احوال نیک انجام کی کوئی اطلاع نہیں دی، امید ہے کہ آپ نے اپنی حالت کو بہتر بنا لیا ہو گا اور سستی و کاہلی سے عمل کی طرف آ گئے ہوں گے اور فراغت سے مجاہدہ کی طرف رغبت ہو گئی ہو گی۔ اب کھیتی کرنے اور محنت کرنے کا وقت ہے، کھانے اور سونے کا موسم نہیں ہے، آدھی رات سونے کے لئے مقرر کریں اور باقی نصف شب کو طاعت و عبادت کے لئے رکھیں۔ اگر اتنی ہمت نہیں کر سکتے تو رات کے تہائی حصہ کو جو نصف سے چھٹے حصے تک ہے اپنے اوپر (عبادت کے لئے) لازم کر لیں اور کوشش کریں کہ اس دولت کی مداومت اور حصول میں کسی قسم کی سستی واقع نہ ہو، اور مخلوق کے ساتھ صرف اسقدر اختلاط و انبساط رکھیں جتنا کہ ان کے حقوق ادا کرنے کے لئے ضروری ہوں۔ "ضرورت اپنے اندازے کے موافق مقرر کی جاتی ہے" — مخلوق کے ساتھ ضرورت سے زیادہ میل جول رکھنا فضول ہے اور لایعنی میں داخل ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ اس بات سے بہت بڑا نقصان واقع ہو جائے اور شریعت و طریقت کے ممنوعات میں داخل ہو جائے۔

——— جو شیخ اپنے مریدوں کے ساتھ بہت زیادہ اختلاط رکھے گا تو لازمی طور پر وہ اپنے مریدوں کو عقیدت و ارادت سے باہر نکال دے گا اور ان کی طلب میں سستی واقع ہو جائے گی۔ اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتا ہوں ——— اس معنی کی برائی کو خوب مدنظر رکھ کر طالبوں کے ساتھ ایسا سلوک اختیار کریں جو انس و الفت کا سبب ہو، نہ کہ ان کی نفرت و ناشناسائی کا موجب ہو۔ مخلوق سے یکسوئی ضروری ہے کیونکہ ضرورت سے زیادہ دوستی ان کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ اللہ سبحانہ کی توفیق سے یہ بات آپ کو سہولت کے ساتھ میسر ہے ——— مصیبت زدہ لوگ کیا کر سکتے ہیں

شب بیداری کی ترغیب اور مریدوں کے ساتھ رعایت

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۱۱۹ میں آپ کا تذکرہ درج ہے۔

وہ تو ہمیشہ ارباب تفرقہ (امراء و رؤساء) کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا اس نعمت (ولایت و معرفت) کی قدر کیجئے اور اس کے مطابق عمل کیجئے۔ اور طالبوں کے حالات سے اچھی طرح خبردار رہیے اور ان کی ظاہری اور باطنی تربیت میں متوجہ رہیے۔ زیادہ کیا لکھوں۔

مکتوب ۱۰۳

۳۱۳+۹۹+ مکتوب صدو سوم = ۵۱۵

شیخ حمید اجمیری (احمدی)[۱] کے نام کمال و تکمیل حاصل کرنے کی ترغیب میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) میرے عزیز بھائی شیخ حمید کا مکتوب گرامی موصول ہو کر بہت خوشی کا باعث ہوا۔ کتنی بڑی نعمت ہے کہ اس پرفتن زمانے میں کسی شخص کی صحبت میں ایک جماعت کو جناب قدسِ خداوندی جل سلطانہ کی رغبت پیدا ہو جائے۔ اور اس تعالیٰ کے ماسوا سے ان کے دل سرد ہو جائیں۔ اس کے باوجود وہ بھائی اس دولت سے مغرور نہ ہو اور اپنے کام سے بھی فارغ نہ ہو۔ کیونکہ مثل مشہور ہے "ہنوز دہلی دور است" (ابھی دہلی دور ہے)۔ معلوم نہیں کہ سو میں سے کوئی ایک انجام کو پہنچے۔ اور وہ احوال جو طالبوں کو ابتدا ہی میں پیش آتے ہیں اور اس میں ذوق و لذت حاصل ہوتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسا کہ بچوں کو "الف با" کا سبق یاد کرائیں۔ اصل کام تو یہ ہے کہ حروفِ تہجی سے مولویت تک پہنچ جائیں اور اذواق و لذات سے ہٹ کر ولایتِ خاصہ کے درجے میں داخل ہو جائیں ؂

> ہنوز ایوان استغنا بلند است — ترا فکر رسیدن ناپسند است
>
> (ترجمہ) غنا کا قصر اب بھی ہے بہت دور — نہیں اُس تک پہنچنا تجھ کو منظور

چاہئے کہ اپنے اوقات کو (یادِ الٰہی سے) معمور رکھیں اور ظاہر و باطن کو شریعت و طریقت سے آراستہ رکھیں۔ دوسروں کی تکمیل خود اپنے کمال کی ایک شاخ ہے جو کہ ولایتِ خاصہ کا درجہ ہے لیکن جب آپ کی صحبت میں طالبوں کو راہِ راست پیدا ہو اور احوال و مواجید ظاہر ہونے لگیں اگرچہ فنا و بقا کی حد تک نہ پہنچیں پھر بھی غنیمت ہیں، اور اس زمانے میں کبریتِ احمر کا حکم رکھتے ہیں۔ یہ کام بھی کرتے رہیں لیکن استخاروں اور توجہات کے بعد جس کسی کو طریقت کی تعلیم دیں تو مناسب ہے، بلکہ لازم ہے

(حاشیہ: کمال و تکمیل حاصل کرنے کی ترغیب میں)

---

[۱] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں دوسرا مکتوب دفتر ہذا کا ۵۷ نمبر ہے اور وہیں آپ کا تذکرہ بھی ہے۔

اس عمل سے ترساں و لرزاں رہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس راہ سے شیطان آپ پر غلبہ حاصل نہ کر لے

اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ شَرِّہٖ (اللہ سبحانہٗ اس کے شر سے محفوظ رکھے)۔

وہ تعداد جو میں نے آپ کو بتائی تھی اگر آپ نے پوری کر لی ہو تو اب اس سے دو چند تعداد میں کریں اس کے بعد اطلاع دیں تاکہ حال کے مناسب مطلع کیا جا سکے، انشاء اللہ تعالیٰ ——— وہ احباب جو آپ سے وابستہ ہیں ان کو دعا پہنچائیں ——— جو خط سید یحییٰ نے بھیجا تھا وہ بھی موصول ہو گیا اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے کہ اس زمانے میں جو قربِ قیامت کے کمال درجہ پہنچ چکا ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے: تَقُوْمُ السَّاعَۃُ عَلٰی اَشْرَارِ النَّاسِ (مشکوٰۃ) (قیامت برے لوگوں پر قائم ہو گی)۔ اکثر لوگوں کے دل حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور اس درگاہِ اقدس جل سلطانہٗ کے فریفتہ و شیدا ہیں ——— دوستوں سے غائبانہ دعا کی توقع اور خاتمہ بالخیر کی دعا کی درخواست ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (تحریم آیت ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے لئے نور کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا۔

حضرات ذوی البرکات حضرت مخدوم زادہ گرامی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

ان حضرات (مخدوم زادوں) کو بعض اعلیٰ مقامات کے حصول کی بشارت میں۔[1]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔ مدت گذری کہ فرزندانِ گرامی نے اپنے ظاہری و باطنی احوال کی نسبت کچھ نہیں لکھا شاید جدائی کے ایام دراز ہونے کے باعث مجھ دور اُفتادہ کو بھول گئے ہوں، ہم بھی ارحم الراحمین رکھتے ہیں، آیہ کریمہ: اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (زمر آیت ۳۶) (کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے) ہم نامراد غریبوں کو تسلی بخشنے والی ہے ——— عجیب معاملہ ہے کہ تمہاری اسقدر لاپروائی کے باوجود دل ہمیشہ تمہارے احوال کی طرف متوجہ رہتا ہے اور تمہارے کمال کا خواہاں ہے۔ کل صبح کی نماز کے بعد مجلسِ سکوت یعنی مراقبہ و خاموشی کے وقت ظاہر ہوا کہ وہ خلعت جو

باپ کی محبت کا تقاضا

[1] (یہ مکتوب دشکر سے تحریر شدہ معلوم ہوتا ہے)

حضرت خواجہ محمد معصوم کو خلعت قیومیت کی بشارت

میں پہنے ہوئے تھا مجھ سے جدا ہو گئی ہے اور اس کی بجائے دوسری خلعت میری طرف متوجہ ہے جو کہ اس خلعت کی جگہ پہنائی گئی میرے دل میں خیال آیا کہ یہ خلعتِ زائلہ (میری اتاری ہوئی خلعت) کسی کو دیتے ہیں یا نہیں۔ مجھے یہ آرزو ہوئی کہ اگر یہ خلعتِ زائلہ میرے فرزند ارشد محمد معصوم کو دیدیں تو بہتر ہے۔ ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ وہ میرے فرزند (محمد معصوم) کو مرحمت فرما دی گئی اور وہ پوری خلعت اس کو پہنا دی گئی ہے، یہ خلعتِ زائلہ "معاملہ قیومیت" سے مراد ہے جو کہ تربیت و تکمیل سے تعلق رکھتا ہے، اور اس کے اس عرصۂ مجتمعہ کے ساتھ ارتباط کا باعث ہوا ہے۔ اس خلعتِ جدیدہ کا معاملہ جب انجام تک پہنچ جائے گا اور خلع (اتار دینے) کی مستحق ہو جائے گی تو امید ہے کہ کمال مہربانی سے وہ میرے فرزند عزیز محمد سعید کو عطا فرمائیں گے۔ یہ فقیر ہمیشہ عاجزی کے ساتھ سوال کرتا ہے اور قبولیت کا اثر بھی پاتا ہے اور فرزند عزیز (محمد سعید) کو اس دولت کا مستحق سمجھتا ہے۔ ع

با کریماں کارہا دشوار نیست (ترجمہ) کریموں کے لئے مشکل نہیں کام

اگر استعداد ہے تو وہ بھی اسی (حق تعالیٰ) کی دی ہوئی ہے ۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

(ترجمہ) نہیں کچھ بھی لایا ہوں پہلے سے گھر سے دیا صرف تو نے فقط اپنے گھر سے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا ۳۴ آیت ۱۳) (اے آلِ داؤد عمل کرو اور شکر بجا لاؤ، میرے بندوں میں شکر گذار بہت کم ہیں)۔ تم جانتے ہی ہو کہ شکر سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے قوائے ظاہری و باطنی اور اعضاء و جوارح کو جس جس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے ان ہی جگہ میں صرف کرے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو شکر بھی ادا نہیں ہوتا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے)۔ اس قسم کے علوم پوشیدہ اسرار میں سے ہیں اگرچہ احتیاط کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں لیکن پھر بھی ان کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے تاکہ لوگ فتنے میں نہ پڑ جائیں۔

دوسرے یہ کہ وہ مشکل جو در پیش تھی شاید وہ معاملۂ عالم مثال سے تھی چنانچہ ان دنوں وہ بھی حل ہو گئی ہے اور کوئی پوشیدگی نہیں رہی، شاید اس امر میں خواجہ معین الدینؒ کی روحانیت کا بھی دخل ہو، اور شاید محمد معصوم بھی اس مشکل کو دل میں رکھتا ہو۔ والسّلام

شیخ حسن[1] برکی کے نام انھوں نے جو خط اپنے حالات کے بارے میں تحریر کیا تھا اس کے جواب میں اور احیائے سنت کی ترغیب اور بدعت کی تہدید میں صادر فرمایا۔ (یہ مکتوب لشکر سے خلاصی کے بعد کا ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ میرے عزیز بھائی شیخ حسن اَحْسَنَ اللّٰہُ مَآلَہٗ (اللہ تعالیٰ انجام بخیر فرمائے) کے گرامی نامے نے موصول ہو کر خوش وقت کیا۔ اور وہ علوم و معارف جو اس میں درج تھے ان کا مطالعہ فرحت پر فرحت کا باعث ہوا حَمْدًا لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہ کا شکر ہے) کہ آپ کے علوم صحیح ہیں اور معارف صادقہ ہیں جو کتاب و سنت کے موافق ہیں اور فرقۂ ناجیہ حقہ کے عقائد کے مطابق ہیں۔ حضرت حق سبحانہٗ استقامت عطا فرمائے اور اعلیٰ مقاصد تک پہنچائے۔

احیائے سنت اور بدعت دور کرنے کی فضیلت

آپ نے بدعتوں کے دور کرنے کے بارے میں بھی کچھ تحریر کیا تھا، یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ بدعت کی اس تاریکی کے زمانے میں کسی خوش نصیب کو بدعتوں میں سے کچھ بدعتیں دور کرنے کی توفیق مل جائے اور سنتوں میں سے کسی سنت کا احیا کرے ـــــ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ "جو شخص کسی ایسی سنت کو زندہ کرے کہ جس پر عمل اٹھ چکا ہو اس شخص کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے"[2]۔ لہٰذا اس (حدیث شریف) کی روشنی میں اس عمل کی بزرگی کو خیال فرمائیں، لیکن اس دقیقہ کی اس قدر رعایت کریں کہ کوئی فتنہ بیدار نہ ہو اور ایک نیکی بہت سی برائیوں کے ظہور کا باعث نہ بن جائے کیونکہ آخری زمانہ ہے اور اسلام کے ضعف کا وقت ہے۔

وہ رسالہ جو آپ نے بھیجا تھا اس کا مطالعہ بھی فرحت کا باعث ہوا۔ اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے کہ ان علوم میں اس فقیر کے ساتھ بہت زیادہ موافقت ہے اور کشف میں بھی مطابقت نظر آتی ہے اور آپ کی نظریں بہت بلند معلوم ہوتی ہیں ـــــ آپ کا خط جو احوال و علوم اور سوالوں پر مشتمل تھا اخوی خواجہ محمد ہاشم کشمی کے سپرد کر دیا تھا کہ جواب لکھتے وقت پیش کریں لیکن اتفاقاً وہ ان سے

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۷۱ پر درج ہے [2] رواہ الترمذی (مشکوٰۃ)

گم ہو گیا اس وجہ سے تفصیلی جواب میں توقف ہوا، اور جو کچھ یادداشت میں رہ گیا تھا اس کا جواب لکھا جا رہا ہے ——— مختصر یہ کہ آپ کے احوال پسندیدہ ہیں اور علوم کی صحت ثابت ہے، دوسرے یہ کہ مغفرت پناہ مولانا احمد (برکی) (م ۱۰۲۶ھ) کے فرزندوں کی تعلیم و تربیت میں بہت زیادہ کوشش کریں اور ان کو ظاہری و باطنی آداب کی بھی ہدایت کریں — اور اُس علاقہ کے تمام دوستوں کو بلکہ تمام اہلِ اسلام کو شریعت کی طرف رہنمائی اور التزامِ سنت کی تاکید فرمائیں اور بدعت کے ارتکاب سے ڈرائیں اور بچائیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اللہ سبحانہٗ ہی توفیق دینے والا ہے)۔

جلد ثالث کے بعض مکاتیب کو خواجہ محمد ہاشم سے لکھوا کر آپ کے پاس بھیجے ہیں ان سے فائدہ اٹھائیں ——— فقیر کے اوقات مختلف ہیں، بعض اوقات بے اختیار علوم و معارف کے تحریر کرنے میں رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور دوسرے اوقات میں اسرارِ غریبہ کا فیضان ہونے کے باوجود لکھنے سے نفرت پیدا کر دیتے ہیں یہاں تک کہ قلم پکڑنا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا، اسی وجہ سے آپ کے خطوط کے جواب کی تفصیل میں سستی واقع ہو جاتی ہے اور میں تکلف سے بھی کوئی چیز نہیں لکھ سکتا۔ باقی احوال شکر کے لائق ہیں ——— اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے لشکر کی ہمراہی سے خلاصی حاصل ہو گئی ہے حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ استقامت کے ساتھ رکھے۔ اس جگہ کے تمام دوستوں کے لئے مخصوص دعائیں ہیں۔ والسلام

لشکر کی ہمراہی سے خلاصی

مکتوب ۱۰۶ [1]
صد و ششم

۳۱۳ + ۹۹ + ۵۱۸ —

حضرات مخدوم زادگان سلمہم اللہ سبحانہٗ کی طرف صادر فرمایا ——— اس واقعہ کے بیان میں کہ جس میں حضرت مجددؒ آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپؐ سے اعلیٰ بشارتیں پائیں (یہ مکتوب لشکر گاہ سے تحریر فرمایا)

(فرزندانِ گرامی)

فرزندانِ گرامی کا صحیفہ شریفہ پہنچا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں ——— ایک تازہ معاملہ جو آج ہی ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں، اچھی طرح سماعت کریں ——— آج شنبہ (ہفتہ) کی رات کو بادشاہی [1] مجلس میں گیا تھا، ایک پہر رات گذرنے پر وہاں سے واپس آیا اور حافظ صاحب سے

بادشاہی مجلس میں تشریف لانا

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب نمبر ۱۰۵ اور نمبر ۱۰۶ سہواً مقدم مؤخر ہو گئے ہیں اس لئے کہ مکتوب نمبر ۱۰۵ میں درج ہے کہ "لشکر کی ہمراہی سے خلاصی حاصل ہو گئی" اور نمبر ۱۰۶ میں بادشاہی مجلس میں تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ (مرتب)

تین پارے قرآن مجید کے سنے، چونکہ دوپہر سے زیادہ رات گذر چکی تھی کہ نیند میسر ہوئی۔ صبح کے حلقہ کے بعد چونکہ رات کا تھکا ہوا تھا سوگیا ـــــ (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقیر کے لئے اجازت نامہ لکھا ہے جس طرح کہ مشائخ کی عادت ہے کہ اپنے خلفا کے لئے لکھتے ہیں۔ اور میرے دوستوں میں سے ایک دوست بھی اس معاملہ میں (ہمراہ) ہے ـــــ اسی اثنا میں ظاہر ہوا گویا کہ اس اجازت نامہ کے اجرا میں ایک طرح کا فتور (تاخیر) ہے۔ اس فتور کی خاص وجہ بھی اسی وقت معلوم ہوگئی۔ وہ دوست جو اس خدمت میں پیشکار ہے گویا وہ دوبارہ اس اجازت نامہ کو آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی خدمت میں لے گیا اور آں سرورؐ نے اس اجازت نامے کی پشت پر دوسرا اجازت نامہ لکھا ہے یا لکھوایا ہے اس بات کی تشخیص نہ ہوسکی لیکن آنسرورؐ کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے۔ اور لکھنے کے بعد آپ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو اپنی مہر مبارک سے مزین فرمایا ہے ـــــ۔ اس اجازت نامے کا مضمون یہ ہے کہ "دنیا کے اجازت نامے کے عوض آخرت کا اجازت نامہ دیا گیا ہے اور مقامِ شفاعت سے بھی حصہ عنایت فرمایا ہے"۔ اور کاغذ بھی بہت بڑا ہے اور اس میں سطریں بھی بہت سی لکھی ہوئی ہیں ـــــ میں اس دوست سے پوچھتا ہوں کہ پہلا اجازت نامہ کونسا ہے اور دوسرا اجازت نامہ جو لکھا ہے وہ کونسا ہے؟ ـــــ اور مجھے اس وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اور آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام باہم ایک ہی جگہ میں باپ بیٹے کی طرح زندگی بسر کررہے ہیں۔ حضور آنسرورؐ اور آپ کے اہلِ بیت علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات میرے لئے کچھ اجنبی نہیں ہیں اور میں اس کاغذ کو لپیٹ کر اور اپنے ہاتھ میں لے کر محرم فرزندوں کی طرح ان کے حرم شریف میں داخل ہوا ہوں امہات المؤمنین میں سے بڑی اماں (یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) مجھ سے آنسرورؐ کے حضور میں بعض خدمات کے لئے بڑے اہتمام سے حکم فرماتی ہیں اور کہتی ہیں کہ میں تیرا انتظار کررہی تھی اس اس طرح کرنا چاہئے ـــــ اسی اثنا میں (خواب سے) افاقہ ہوگیا اور یہ بات دل سے دور ہوگئی کہ اس فتور کی وجہ کیا تھی جو اس وقت معلوم نہیں ہوئی تھی۔ لیکن یوں جوں آنکھ کھلتی جاتی تھی اسی قدر معائنہ ہوتا تھا اور اس واقعہ کی خصوصیات دل سے نکلتی جاتی تھیں۔

آنحضرتؐ کا اجازت نامہ

خواب میں آنحضرتؐ اور حضرت مجددؒ باپ بیٹے کی طرح

شاید تمہیں یاد ہو کہ میں نے اس بارے میں پہلے بھی تم سے ذکر کیا تھا کہ یہ بلند نسبت عجیب ہے

کہ اپنے اندازہ کے موافق ظاہر نہیں ہوتی، پس دل میں یہ خیال گذرتا تھا کہ اس کا ظہور ظاہر آخرت کے لئے ذخیرہ ہے اور اس کا نعم البدل میسر ہوگا۔ اس واقعہ کی وجہ سے ان ترددات سے تشفی حاصل ہوئی —— قیامت قریب ہے اور ظلمتوں کی گھٹائیں چھا رہی ہیں، کہاں خیریت اور کجا نورانیت۔ شاید حضرت مہدی علیہ الرضوان ہی خلافتِ ظاہری کی تائید پاکر اس کو رواج دیں گے —— اس نعمت کے شکریہ میں ہم نے حکم دیا ہے کہ قسم قسم کے کھانے (پکاکر) آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کو ہدیہ کریں اور خوشی کی مجلس قائم کریں۔ شاید اس خط کے لیجانے والے بھی ان کھانوں میں سے تناول فرمائیں۔

نعمت کے شکریہ میں خوشی کی مجلس قائم کرنا

دوسری بات یہ ہے کہ کسی مکتوب[1] میں ایک واقعہ لکھا تھا جو کہ ظاہر ہوا تھا کہ تیسرے دوست کو نوکری میں قبول نہیں کیا، لیکن کچھ عرصے کے بعد ظاہر ہوا کہ محض کرم سے اس کو بھی قبول فرما لیا ہے اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوئے لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ النَّعْمَاءِ (اس نعمت پر اور تمام نعمتوں پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور احسان ہے) —— ان دنوں معارفِ غریبہ اور علوم عجیبہ بہت ظاہر ہو رہے ہیں گویا کہ وہ ورق مرقوم ہو گیا ہے اور ہر ایک کا معاملہ جدا ظاہر ہوا ہے۔ فرزند دُور ہیں اور عمر کا معاملہ نزدیک، دیکھو کیا ہوتا ہے۔ اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰہُ تَعَالٰی (بہتری اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے)۔ میں کہتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما، وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

خواجہ محمد اشرف[2] کی طرف صادر فرمایا —— نسبتِ رابطہ اور طاعات وعبادات کی لذت میں فتور آنے کے سبب کا بیان۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ میرے عزیز بھائی کا گرامی نامہ موصول ہوا، اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے کہ آپ صحت وعافیت سے ہیں —— آپ نے دریافت کیا تھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ جب رابطے کی نسبت میں فتور واقع ہو جاتا ہے تو تمام عبادات میں بھی لذت نہیں رہتی؟ ——

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل دفترِ ہذا کے مکتوب ۸۲ میں گذر چکی ہے۔
[2] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں، اور آپ کا تذکرہ دفترِ اول مکتوب ۱۳۱ میں گذر چکا ہے۔

(جواب) جاننا چاہئے کہ جو وجہ رابطے کے فتور کا سبب ہے وہی (عبادات میں) لذت کی مانع ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس فتور کا سبب قبض بھی ہوتا ہے اور کبھی کوئی کدورت لغزشوں کے ارتکاب کی وجہ سے طاری ہوجاتی ہے اگرچہ (لغزش) تھوڑی ہی کیوں نہ ہو (لیکن فتور کا سبب بن جاتی ہے) پہلی وجہ بُری نہیں ہے بلکہ سلوک کے طریقے کے لوازمات میں سے ہے اور دوسری وجہ کا تدارک توبہ و استغفار کے ذریعے کرنا چاہیئے تاکہ اللہ سبحانہٗ کے کرم سے اس کا اثر زائل ہوجائے۔ اور چونکہ قبض اور کدورت کے درمیان تمیز کرنا بہت مشکل ہے اس لئے ہر حال میں استغفار مفید ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ استقامت کے ساتھ رکھے۔ والسّلام

استغفار بہت کرنا چاہئے

۳۱۳ + ۹۹ + = ۵۲۰

مکتوب ۱۰۸ صد و ہشتم

ملا طاہر خادمؒ[۵۲] کے نام صادر فرمایا ـــــ ان معاملات کے بیان میں کہ جن کا تعلق اصل الاصل کے ساتھ ہے اور یہ معرفت معنی کے ساتھ منقول ہے۔

وہ معاملات جو اصل الاصل۔ سے تعلق رکھتے ہیں ۲ دو قسم کے ہیں: ایک قسم وہ ہے کہ جن کو صورِ مثالی یا کسی دوسرے امر کے طور پر وہاں سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ معاملہ اس وقت تک ہے کہ جب تک ان مقامات کی سیر حاصل کیجئے جس کو اس عالم کے ساتھ مناسبت یا اشتراک ہے، خواہ وہ وجود و اسم ہی کے طور پر ہو۔ اور اس سیر کی انتہا مقام رضا تک ہے۔ اور جب کسی شخص کو مقام رضا سے فوق (اوپر) کی سیر میسر ہوجاتی ہے تو وہاں اس کے علم میں کوئی چیز نہیں آتی، نہ صورتِ مثالی کے ساتھ اور نہ کسی اور امر کے ساتھ۔ اس وقت عارف کو محض فوق کے مقامات کے حصول کا علم ہوتا ہے بغیر اس کے کہ کوئی چیز اس کو معلوم ہو، حتیٰ کہ ان مقامات میں نبوت و رسالت اور اس کے مثل کا نام بھی مفقود ہے ـــــ میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کل بہشت میں ان کا علم نصیب فرمائے گا۔ اور اس سیر کی انتہا مرتبہ مخصوص تک ہے جس کا ذکر رو برو ہوچکا ہے۔ والسلام

مقام رضا سے فوق درجے کے مقام کی کیفیات

٭

[۵۲] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں۔ دوسرا مکتوب دفتر ہذا کا نمبر ۲۵ ہے۔

مکتوب ۱۰۹ صدو نہم

۳۱۳ + ۹۹ + ۱۰۹ = ۵۲۱

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ سبحانہٗ کی طرف صادر فرمایا ۔۔۔ اس بیان میں کہ عالم کی ایجاد وہم کے مرتبہ میں ہے لیکن وہ ایجاد کے استقرار و تعلق کی وجہ سے نفسِ امری ہوگیا ہے اور یہ مرتبہ، علم و خارج کے مرتبہ سے وراء ہے۔ اور اس بیان میں کہ وحدت بھی نفسِ امری ہے اور کثرت بھی۔ اور اس بات کی تحقیق میں کہ باوجود ثبات و قرار کے سالک کی فنا کس معنی میں ہے

(یہ مکتوب حوادثِ زمانہ کی وجہ سے نامکمل رہ گیا)

مرتبۂ وہم سے مراد وہ مرتبہ ہے جہاں نمودِ بے بود ہوتی ہے۔ مثلاً زید کی صورت اگر وہ آئینے میں متوہم ہو تو وہاں وہ نمودِ بے بود ہے کیونکہ آئینے میں ہرگز کوئی صورت موجود نہیں اور وہاں نمودِ وہمی سے زیادہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ۔۔۔۔۔ اور صحیح کشف اور صادق مشاہدہ سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کمال اقتدار سے عالم کو اسی مرتبہ میں پیدا فرمایا ہے اور اپنی کامل صنعت و کاری گری سے نمودِ محض کو بود بخشا ہے اور اسی مرتبہ میں اگرچہ نمودِ بے بود ہے لیکن چونکہ عالم کو اسی مرتبہ میں پیدا کیا ہے اس لئے وہ نمود با بود ہوگیا ہے کیونکہ اس تعالیٰ کی ایجاد بود و وجود کا اثبات کرنے والی ہے، اور جب نمود با بود ہوا تو وہ نفسِ امری ہوگیا اور سچے احکام و آثار اس پر مرتب ہوگئے ۔۔۔۔۔ اور یہ مرتبۂ وہم، مرتبۂ علم اور مرتبۂ خارج سے وراء ہے اور یہ مرتبۂ وہم، مرتبۂ علم کی نسبت مرتبۂ خارج کے ساتھ زیادہ شباہت و مناسبت رکھتا ہے اور اس کا ثبوت، ثبوتِ خارجی کے مشابہ ہے بخلاف ثبوتِ علمی کے کہ اس کو وجودِ ذہنی کہتے ہیں اس کے بالمقابل وجودِ خارجی ہے اور وہ ظہور جو مرتبۂ وہم میں ہے وہ بھی ظہورِ خارجی کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا ہے بخلاف مرتبۂ علم کے کہ وہاں بطون و کمون (پوشیدہ اور پنہاں) ہے گویا کہ مرتبۂ وہم میں مرتبۂ خارج کا ظل ڈال کر اس میں عالم کی ایجاد فرمائی ہے اور وجودِ خارجی کے ظل کے ساتھ عالم کو ظلِ خارج کے مرتبہ میں موجود کیا ہے لہٰذا نفسِ خارج میں سوائے ایک ذاتِ احدیت جل سلطانہٗ کے کوئی چیز موجود نہیں ہے اور ظلِ خارج میں وجودِ ظلی کے ساتھ عالم اس کثرت اور تعداد کے ساتھ خداوند جل سلطانہٗ کی

عالم کی ایجاد وہم کے مرتبہ میں ہے

سلہ آپ کے نام ۲۷ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر گذر چکا ہے۔

ایجاد سے موجود ہے، یعنی خارج میں نفسِ امر وحدت ہے اور ظلِّ خارج میں نفسِ امر کثرت ہے جیسا کہ علم میں بھی نفسِ امر کثرت ہے لہٰذا وحدت بھی نفسِ امری ہے اور کثرت بھی، اور ہر ایک کا اعتبار الگ الگ ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور جس طرح کہ خارج اور وجودِ عالم کے لئے ظل ہے اسی طرح اس کی تمام صفات یعنی حیات، علم اور قدرت وغیرہ بھی اس میں صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ کے ظلال ہیں بلکہ نفسِ امر جو کہ عالم کے ثبوت میں اثبات کیا جاتا ہے وہ بھی مرتبۂ خارج کے نفسِ امر کا ظل ہے۔ ؎

نیا وردم از خانہ چیزے نخست   تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

(ترجمہ) نہیں کچھ بھی لایا ہوں پہلے سے گھر سے   دیا صرف تو نے فقط اپنے در سے

اللہ تعالیٰ و تقدس کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ (فرقان آیہ ۴۵) کیا تو نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سایہ دراز کیا)۔

سوال: تم نے اپنے رسائل میں تحریر کیا ہے کہ ظل جو کچھ بھی رکھتا ہے وہ اصل سے رکھتا ہے اور ظل میں امانتداری سے زیادہ کوئی ہنر نہیں ہے۔ اگر سالک مستعد ظلیت کے طور پر جو کچھ خیر و کمال رکھتا ہے وہ وجود اور کمالاتِ توابعِ وجود ہے، اگر وہ اپنے اصل کو دیدے اور اپنے آپ کو تمام کمالات سے خالی پائے تو لازمی طور پر وہ فنا و نیستی کے ساتھ متحقق ہو جائے گا اور اس سے اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ اس کلام کا حاصل کیا ہے اور کمالات کو اصل کی طرف دینے کے کیا معنی ہیں اور سالک کے ثبوت و استقرار کے باوجود فنا و نیستی کس اعتبار سے ہے؟

جواب: اس فنا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مانگے ہوئے کپڑے پہنے ہو، اور اس کو معلوم ہے کہ یہ کپڑے اس کے نہیں ہیں بلکہ کسی دوسرے کے ہیں جو مانگ کر پہن لئے ہیں اور جب یہ "دید" غالب آجائے اور اس کا کلی طور پر غلبہ پیدا ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ کپڑے پہنے ہوئے ہونے کے باوجود ان کپڑوں کو تمام و کمال صاحبِ جامہ کو دیدے اور اپنے آپ کو برہنہ و عریاں سمجھنے لگے حتیٰ کہ اپنی برہنگی کی وجہ سے اپنے ساتھیوں میں شرمندگی اٹھائے اور شرم کی وجہ سے خود گوشہ نشینی اختیار کر لے۔

فنا کی مثال و تشریح

—— چونکہ سالک کا وجود توہم و تخیل کے مرتبہ میں پیدا کیا گیا ہے اس لئے فنائے تخیلی بھی اس کے لئے کافی ہے کیونکہ اس تخیل کا غلبہ اس کو یقین قلبی تک پہنچا دیتا ہے اور ذوقی و وجدانی

بنادیتا ہے اور جو کچھ فنا و نیستی سے مقصود ہے وہ وجود میں لے آتا ہے، کیونکہ فنا سے مقصود ظل کی گرفتاری کا زوال اور اصل کی گرفتاری کا حصول ہے۔ اور چونکہ ظل کا اصل کی طرف رجوع ہونا یقینی ہے اور یہ امر وجدانی اور ذوقی ہے لہٰذا لازمی طور پر ظل کی گرفتاری زائل ہو کر اس کی بجائے اصل کی گرفتاری قائم ہو جاتی ہے، اور اگر یہ تخیل حاصل نہ ہو تو ظل کی گرفتاری کے زوال کی دولت میسر نہیں ہوتی کیونکہ اس راہِ سلوک کا دارومدار توہم و تخیل پر ہے اور احوال و مواجید جو کہ اس راہ کے معانی کی جزئیات میں سے ہیں وہم ہی سے ادراک میں آئے ہیں اور سالکوں کی تجلیات و تلوینات خیال کے آئینے میں مشہود ہوتی ہیں۔ "اگر وہم نہ ہوتا تو فہم قاصر رہتا اور اگر خیال نہ ہوتا تو حال پوشیدہ رہتا"۔ ——
اس راہ میں وہم و خیال سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں، اور ان کے ادراک و انکشاف اکثر واقع کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہ وہم و خیال ہی ہے کہ پچاس ہزار سال کی راہ کو جو بندہ اور رب کے درمیان ہے خداوند تعالیٰ کے کرم سے بہت کم مدت میں قطع کر لیتا ہے اور وصول کے درجات تک پہنچا دیتا ہے۔ اور یہ خیال ہی ہے کہ غیب الغیب کے دقائق و اسرار کو اپنے آئینے کے اندر منکشف کرتا ہے اور مستعد سالک کو مطلع کر دیتا ہے۔ یہ وہم ہی کی شرافت ہے کہ حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے عالم کی پیدائش کو اس مرتبہ میں اختیار فرمایا ہے اور اس کو اپنے کمالات کا محل بنایا ہے۔ اور یہ خیال ہی کی بزرگی ہے کہ حضرت واجب الوجود نے اس کو عالمِ مثال کا نمونہ بنایا ہے جو کہ تمام عالموں سے وسیع تر ہے حتیٰ کہ اس عالم میں مرتبۂ وجوب جل شانہٗ کی ایک صورت بھی بیان کی جاتی ہے اور حکم کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کی مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے: وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (نحل[16] آیت ۶۰) (اور اللہ تعالیٰ کے لئے مثالِ اعلیٰ ہے) —— یہ احکامِ وجوبیہ کی صورتیں ہیں جن کو عارف اپنے خیال کے آئینے میں محسوس کرتا ہے اور ان کو معلوم کرنے کے ذوق سے ترقی کرتا ہے۔

سوال: سابقہ تحقیق سے یہ بات واضح ہو گئی کہ فنا و نیستی تخیل کے اعتبار سے ہے اگرچہ وہ یقینِ قلبی تک پہنچا دیتا ہے اور وجدانی و ذوقی بنا دیتا ہے اور احکامِ صادقہ اس پر مرتب ہوتے ہیں تحقق اور وجود کے اعتبار سے نہیں —— اور تم نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ یہ فنا وجود کے اعتبار سے ہے اور اس میں عین و اثر (ذات و صفات) کا زوال ہے اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟

فنا و نیستی تخیل کے اعتبار سے ہے

جواب: چونکہ ظل کے وجود کا رجوع اصل کی طرف یقین سے مل گیا اور وجدانی و ذوقی

ہو گیا تو لازمی طور پر وجود کے زوال کا حکم کیا گیا اور عین واثر کے رفع ہونے کو بھی کہا گیا ہے۔

سوال: فنائے وجودی کا یہ حکم ثبوت واستقرار کے باوجود صادق ہے یا کاذب؟ (باقی ناتمام)

۳۱۳ + ۹۹ + ۱۱۰ = ۵۲۲

مکتوب ۱۱۰ صد و دہم

یہ مکتوب بھی حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ——

اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ جب یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ جب کسی معلوم کی صورت اس میں حصول پیدا نہیں کرتی تو اس وقت ذرات میں سے ہر ذرہ اس کے لئے مطلوب کی طرف ایک شاہراہ ہوتا ہے۔ اور اس بیان میں کہ کسی مُنجر (جس کو کھینچا گیا ہو) کی محبت حق سبحانہ کی محبت تک لے جاتی ہے اور اس کے ساتھ بغض حق تعالیٰ کے بغض کا باعث ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اس کی تعظیم واہانت کا حال ہے۔ اور آنسرور کی آلؓ اور اصحابؓ کو بھی آں سرور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی یہی نسبت ہے۔ (یہ معارف معنی سے نقل کئے گئے الفاظ کے ساتھ نہیں نقل ہوئے)۔

جب کوئی عارف مقاماتِ ظل کو طے کر کے اپنے معاملے کو اصل الاصل تک پہنچا دیتا ہے تو اس وقت اس کا علم جو اشیاء کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ظلیت کی قید سے مبرا ہو جاتا ہے یعنی اشیاء اس کو اس طرح معلوم ہوں گی کہ ان میں سے کچھ بھی کسی وجہ سے حاصل نہ ہوگا کیونکہ ہر وہ چیز جو اس کو حاصل ہوگی وہ اس شے کی ظل اور صورت ہوگی اس شے کا عین نہ ہوگی، جیسا کہ علم کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہ عقل میں کسی شے کی صورت کا حصول ہے کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ شے کی وہ صورت جو عقل میں حاصل ہے اس شے کی شبح ومثال ہے نہ کہ اس کا عین۔ جیسا کہ کشفِ صریح اور الہام صحیح اس پر شاہد ہے —— اس وقت عارف عالم کے لئے حق سبحانہ کے ساتھ صانعیت اور مصنوعیت کی نسبت کے علاوہ کوئی چیز ثابت نہیں کریگا۔ اور ظلیت وعینیت او مرائیت سے تحاشی (بیزاری) کرے گا۔ کیونکہ یہ معاملہ کمالاتِ ذاتیہ کے ساتھ وابستہ ہے اور ذاتِ سبحانہ کو عالم سے غنائے ذاتی ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (عنکبوت ۲۹ آیت ۶) (بیشک اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے) بخلاف بعض اسماء وصفات کے مراتب کے کہ جن میں یہ نسبت متصور ہے لہذا جب تک ان مقامات میں سے نہ گذرے اور اصل الاصل تک نہ پہنچے اس نسبت سے بے نصیب رہتا ہے۔

عارف کے عروج کی انتہا

اس مقام میں عارف کے لئے ذرات میں سے ہر ذرہ خداوند جل شانہٗ کی جناب قدس کی طرف شاہراہ کا کام دیتا ہے بخلاف علمِ حصولی کے کہ جس میں عالِم ہر شے کی صورت کو اپنی جانب کھینچتا ہے اور خود تمام اشیاء کا آئینہ بن جاتا ہے اور اسی طرح ظلیت و مرائیت کی صورت میں ہر شے اس صاحبِ علم کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اس کی بصیرت کی نظر کو اپنے سے باہر نہیں چھوڑتی۔ اور جب اللہ سبحانہٗ کے فضل سے ظلیت کے حصول کی قید سے رہائی مل جاتی ہے تو موجودات کے ذروں میں سے ہر ذرہ خواہ وہ عرض ہو یا جوہر اور خواہ وہ آفاق ہو یا انفس اس کے لئے غیب الغیب کا دروازہ بن جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح پہلے وہ شخص تمام اشیاء کا آئینہ تھا اور جو کچھ کرتا تھا اپنے لئے کرتا تھا اور جو کچھ اس سے صادر ہوتا تھا وہ لازمی طور پر اس شخص کی طرف راجع ہو جاتا تھا خواہ وہ نیت کرے یا نہ کرے، لیکن اب جبکہ اس نے اپنے آئینے کو آئینہ داری سے روک لیا ہے اور ظل کی قید سے نکل چکا ہے اور پانی کے نالے کی طرح جو کچھ اس میں جاتا ہے باقی نہیں رہتا اور باہر نکال دیتا ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر جو کچھ کریگا وہ اپنے لئے نہیں کرے گا بلکہ حق کی خاطر کرے گا خواہ نیت کرے یا نہ کرے، کیونکہ نیت تو احتمال میں ہوتی ہے اور جہاں یقین ہوتا ہے وہاں نیت نہیں ہوتی۔ اس وقت اس عارف کی محبت اس کو حق تعالیٰ کی محبت کی طرف کھینچتی ہے اور اس کا بغض حق سبحانہٗ کے بغض کا باعث ہوتا ہے، اور اسی طرح اس کی تعظیم و توقیر حق سبحانہٗ کی تعظیم و توقیر ہوتی ہے اور اس کی بے ادبی و اہانت حق تعالیٰ کی اہانت و بے ادبی تک پہنچا دیتی ہے ——— یہی وہ نسبت ہے جو آں سرورؐ کے اصحاب کو آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے ساتھ اپنے اپنے درجات کے مطابق تھی اور ان کا حُب اور بغض بھی آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے حُب اور بغض تک پہنچا دیتا ہے۔ جیسا کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ (جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا)۔ اور یہی نسبت آنسرورؐ کے اہلِ بیت کو بھی آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ ہے لیکن اس نسبتِ عالیہ کا ظہور حضرت مرتضیٰؓ، فاطمۂ زہراؓ اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کامل تر ہے اور بقیہ بارہ[12] اماموں میں بھی یہ نسبت سرایت کرتی ہوئی مشہود ہوتی ہے پھر ان کے علاوہ میں یہ نسبت محسوس نہیں ہوتی۔ والسلام

---

[1] اس مکتوب میں بعض جگہ تحریف معلوم ہوتی ہے۔

شیخ نور محمد تہاری[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ مقامِ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ کے بعض اسرارِ غریبہ کے بیان میں اور اس راز میں کہ عارف اپنے کاتبِ شمال کو نہیں پاتا۔ یہ معارف بھی منقول بمعنی ہیں۔

قَابَ قَوْسَیْنِ (نجم آیت ۵۳) (بقدر دو کمان) کے معاملے میں ظاہر میں مظہر کا ایک رنگ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ سالک سے عین واثر (ذات وصفت) کا زائل ہونا حاصل نہیں ہوا ہے بخلاف معاملہ اَوْ اَدْنیٰ (یہاں تک کہ بہت نزدیک) کے کہ وہاں مظہر سے کوئی حکم یا اثر باقی نہیں رہا ہے۔ لہٰذا اس مرتبۂ ثانیہ میں لازمی طور پر مظہر ایک ایسا امر ہوگا جو مرتبۂ وجوب سے مستفاد ہوا ہو اور وہ ایک خلعتِ خاص ہے جو عارف کو تمام معاملات (کی تکمیل) کے بعد مرتبۂ اصل سے عنایت فرماتے ہیں اور اس کو فیض دینے کی صورت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک بہت دقیق اور پوشیدہ راز ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ سبحانہٗ کسی دوسری جگہ تحریر کی جائے گی۔ لہٰذا اس معاملہ میں مظہر ایک ایسا امر ہوتا ہے کہ جس میں عدم کی بُو کوئی راہ نہیں پا سکتی، اور امکان کی آمیزش کا وہاں کوئی دخل نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ہم اس مرتبہ میں کسی انفعال (اثر قبول کرنے) کا اثبات کریں تو وہ خود بخود ہوگا نہ کہ غیر کی طرف سے کیونکہ غیر کا کوئی نشان و اثر باقی نہیں رہا ؎

وَلِوَجْهِهٖ مِنْ وَجْهِهٖ قَمَرٌ   وَلِعَيْنِهٖ مِنْ عَيْنِهٖ كُحُلٌ

(ترجمہ) اُس کا چہرہ اُس کے چہرے سے قمر   سرمہ اُس کی آنکھ اُسی کی آنکھ سے

اگرچہ وہ انفعال جس کا مرتبۂ قاب قوسین میں اثبات کیا جاتا ہے وہ بھی حق ہے اور وہ ظہور جو اس مرتبہ میں ہے وہ بھی اصل کا ظہور ہے لیکن وہ ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں، اور اس بلند مرتبہ کی شایانِ شان نہیں ہے۔ وہ انفعال جو اس مرتبۂ مقدسہ کے لائق ہے وہ ہے جس میں ظلیت کی بُو نے راہ نہ پائی ہو اور کسی وجہ سے بھی غیر کو اس کے درمیان کوئی دخل نہ ہو، کیونکہ غیر عدم کی آلودگی سے خالی نہیں ہے اور امکان کے نقص سے باہر نہیں ہے۔ ہاں اگر مراتبِ ظلال کے انفعالات ہوں تو اس کی گنجائش ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس معاملہ اَوْ اَدْنیٰ میں جس کا مختصر تذکرہ ہو چکا ہے، عارف اپنے کاتبِ شمال

---

[1] آپ کے نام چھ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۰۷ میں درج ہے۔

مقامِ قاب قوسین کے بعض عجیب اسرار

(بائیں جانب کے کاتب) کو نہیں پاتا اس کا راز یہ ہے کہ اس وقت میں اس کے شمال نے یمین (بائیں جانب نے دائیں جانب) کا حکم اختیار کر لیا ہے، کیونکہ شمال عدم کے مقتضیات میں سے ہے اور جب عدم کے احکام زائل ہو گئے تو صرف وجود باقی رہ گیا لہٰذا اب وہاں کوئی شمال نہیں (جیسا کہ) حق سبحانہٗ کے دونوں ہاتھ یمین (دائیں) ہیں۔ اس کو سمجھ لو اور زمرہ میں نہ پڑو ـــــ جب تم نے ان گہرے اسرار اور معارفِ غریبہ کو سمجھ لیا تو اب سنو! اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی الآیہ (نجم آیت ۸)[۵۳] (پھر نزدیک ہوا اور پھر نیچے جھکا)۔ جان لو کہ اس دُنُوّ (نزدیک) کا تحقّق اَوْ اَدْنٰی کے اسرار کے تحقق کے بعد ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کیونکہ جب تک عارف کا کوئی حکم یا اثر باقی ہے اور وہ عدم کی آلودگی سے مبرا نہیں ہوا ہے اس کو اس دنو (قرب) کی لیاقت بھی نہیں ہے۔ اس قرب کے تحقق کے بعد یہ تدلی (جھکنا) متحقق ہوتا ہے کہ وہ نزول کی طرف رُخ رکھتا ہے جب تدلی متحقق ہو گیا تو عارف کو مخلوق کی طرف لاتے ہیں، اس وقت قوسین کی صورت ظاہر ہوتی ہے، اگرچہ قوسِ اول کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں رہا لیکن چونکہ اس کو تدلّی کے ساتھ مشرف کرتے ہیں اس لئے اس وقت قوسین کی صورت متوہّم ہوتی ہے اور تدلی کے بعد فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اس اعتبار سے فرمایا ہے کہ اس وقت قوسین کی صورت ثابت ہے نہ کہ اس کی حقیقت۔ اَوْ اَدْنٰی (بلکہ اس سے بھی قریب) یعنی اس مقام میں قوسِ ثانی کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں رہا اور وہاں حقیقتاً قوسین (دو قوس) نہیں ہیں۔ یہ معارف اللہ سبحانہٗ کے اسرار میں سے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے اپنے اخص الخواص بندوں میں سے کسی ایک پر ظاہر فرمایا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالْبَرَکَاتُ الْعُلٰی۔

شریعت پناہ قاضی اسلم[۱] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفاتِ حقیقیہ نہ اس کی عینِ ذات ہیں اور نہ اس سبحانہٗ کی غیرِ ذات۔

---

[۱] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ ہرات میں پیدا ہوئے کابل میں پرورش پائی۔ شیخ بہلول لاری کی خدمت میں علومِ متعارفہ کی تحصیل کی۔ پھر جہانگیر کی خدمت میں پہنچے تو اس نے آپ کو کابل کا قاضی مقرر کیا پھر اس نے اپنی خدمت میں بلا کر اردوئے معلیٰ کا عہدۂ قضا سپرد کر دیا۔ شاہجہاں نے آپ کو روپوؤں میں تلوایا۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ۔ علمائے اہلِ سنت شکر اللہ سعیہم نے واجب الوجود تعالیٰ کی صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ کے بارے میں کیا خوب کہا ہے "لَا هُوَ وَلَا غَیْرُهٗ" (نہ وہ (حق تعالیٰ کی عین ذات ہیں اور نہ اس کا غیر) ۔ یہ معرفت عقل سے بالاتر ہے جو کہ نورِ فراست اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی برکت سے دریافت کی ہوئی ہے ۔ عقلاء اس عبارت سے ارتفاعِ نقیضین (دو نقیضوں کا دور ہونا) سمجھتے ہیں ۔ اور یہ نہیں جانتے کہ تناقض کے حصول میں اتحادِ مکان اور اتحادِ زمان شرط ہے، اور جب اس حضرت جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں مکان و زمان کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو تناقض کیسے متصور ہو سکتا ہے ——— اور جو کچھ کہ علماء نے تناقض دفع کرنے کے لئے لفظ "غیر" میں تصرف کیا ہے اور غیر سے ایک خاص معنی مراد لئے ہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ نظرِ کشفی اس خصوصیت کو منع کرتی ہے اور غیریت کی نفی خواہ کسی معنی میں ہو اس کا اثبات کرتی ہے ہم جانتے ہیں کہ واجب جل شانہٗ کی صفات جس طرح اس تعالیٰ کی عینِ ذاتِ اقدس نہیں ہیں کیونکہ وہ ذاتِ سبحانہٗ سے زائد ہیں اسی طرح وہ غیرِ ذات سبحانہٗ بھی نہیں ہیں، اگرچہ تعالیٰ و تقدس سے زائد ہیں اور انھوں نے دوئی کی نسبت پیدا کر لی ہے ۔

یہاں اربابِ معقول کا وہ قضیۂ مقررہ اَلْاِثْنَانِ مُتَغَایِرَانِ (دو چیزیں ایک دوسرے کا غیر ہوتی ہیں) غلط ثابت ہوتا ہے ۔ اور ان کے اصول کا نقض ظاہر کرتا ہے ——— اور یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ عقل کے طریقے سے بالاتر ہے" یہ اس معنی میں ہے کہ عقل کی وہاں تک رسائی نہیں اور وہ اس کے ادراک سے قاصر ہے نہ یہ کہ عقل اس کے خلاف حکم کرتی ہے، وہ اس کے خلاف کس طرح حکم کر سکتی ہے جبکہ اس نے اس کا تصور ہی نہیں کیا بلکہ وہ اس کے احاطۂ ادراک سے باہر ہے، لہٰذا اس کے اثبات و نفی کا حکم کس طرح کر سکتی ہے ؛ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۸) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما) ۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) چھ ہزار پانچ سو روپے جو وزن کے برابر ہوئے وہ آپ کو بخش دیئے ۔ ۱۰۶۱ھ لاہور میں آپ کا انتقال ہوا ۔ (مآثر الامراء ج ۳ ص ۸۰ و تذکرہ علماء ہند اور مآثر الکرام ص ۲۰۸ ۔

حق تعالیٰ کی صفات نہ اس کی عین ذات ہیں نہ غیر ذات

ملا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حیات، علم اور باقی تمام کمالات کے ساتھ متصف ہیں اور جل سلطانہٗ کی ذات کے ساتھ صفات کے قیام کے معنی کی تحقیق میں۔

واجب الوجود جل سلطانہٗ کی صفات مثل حیات، قدرت اور علم وغیرہ کے جو اس ذات تعالیٰ و تقدس کے ساتھ قیام رکھتی ہیں وہ اپنے کمال تقدس اور تنزہ کے باعث صفاتِ ممکن کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں رکھتیں کیونکہ ممکن کی صفات اعراض ہیں جو جواہر کے ساتھ قیام رکھتی ہیں اور واجب الوجود جل سلطانہٗ کی صفات جواہر کو قائم رکھنے والی ہیں کیونکہ جواہر کا قیام ان ہی کے ساتھ ہے۔ اور اسی طرح ممکن کی صفات میت کا حکم رکھتی ہیں اور جمادِ محض ہیں اور حیات اور علم وغیرہ سے بے نصیب ہیں ــ پس اسقدر ضرور ہے کہ ممکن ان کے ذریعے سے حیّ، عالم اور قادر ہو جاتا ہے، لیکن یہ سب بذاتِ خود حیّ اور عالم نہیں ہیں بخلاف واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفاتِ مقدسہ کے کہ اس حقیر کی نظرِ کشفی میں یہ بھی اپنے موصوفِ حق سبحانہٗ کی طرح حی اور عالم ہیں اور اپنے مندرجہ کمالات کی تفصیل سے واقف اور ان پر فریفتہ ہیں لیکن ان کا علم، علمِ حضوری کی قسم سے مفہوم ہوتا ہے نہ کہ علمِ حصولی کی قسم سے۔

ــــ اور اسی طرح ہر وہ صفت و شان جس کو وجوب تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں اثبات کیا جاتا ہے وہ سب حیات اور علم کے ساتھ مکشوف ہوتے ہیں اور نورِ صرف دکھائی دیتے ہیں گویا کہ وہ کُل کا کُل حیات ہے اور کُل کا کُل علم و انکشاف ہے، اور یہ دونوں صفتِ کمال اس جگہ ظاہر و باہر ہیں بخلاف دوسری صفات کے جیسے قدرت اور ارادہ وغیرہ کہ وہ اتنی وضاحت کے ساتھ وہاں مکشوف نہیں ہوتے۔ ہاں جو کچھ درکار ہے وہ اس مقام میں کمالات کا انکشاف ہے جو صفتِ علم سے تعلق رکھتا ہے اور چونکہ وہ علم حیات کے تابع ہے اس لئے صفتِ حیات کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے اور قدرت و ارادہ مقدور اور مراد کے ساتھ وابستہ ہیں اور سمع و بصر سے علم کے ساتھ اکتفا کر سکتے ہیں۔ اور کلام سے مقصود فائدہ پہنچانا ہے، اور تکوین مخلوقات کے حصول کے لئے ہے۔ اس کے باوجود ہر صفت چونکہ

حق تعالیٰ کی صفات تمام کمالات کے ساتھ متصف ہیں۔

ـــــــ
سلہ آپ کے نام دو مکتوب ہیں۔ دوسرا دفتر ہذا کا مکتوب نمبر ۴۵ ہے۔

جامع ہے اس لئے لازمی طور پر یہ صفاتِ کمال ان میں موجود ہیں خواہ ظاہر ہوں یا ظاہر نہ ہوں۔

اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ معنی کا معنی کے ساتھ قیام لازم آتا ہے، کیونکہ صفات جب حی و عالم ہیں تو ان کے ساتھ قیامِ حیات و علم کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دونوں کا قیام واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے، ایک کا اصالت کے طور پر اور دوسرے کا تبعیت کے طور پر۔ چنانچہ علماء نے اعراض کی بقا میں کہا ہے کہ عرض اور بقائے عرض دونوں عرض کے محل کے ساتھ قائم ہیں ——— اور اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ صفات واجبی جل سلطانہ، کا قیام اس ذاتِ اقدس تعالیٰ کے ساتھ اس طرح نہیں ہے جس طرح عرض کا قیام جوہر کے ساتھ ہوتا ہے، ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ ان کا قیام اس طرح ہے جیسے مصنوع کا قیام صانع کے ساتھ ہوتا ہے، کیونکہ صانع اپنے مصنوع کا قیوم ہے اگرچہ وہاں اتصاف ہے اور یہاں اتصاف نہیں ہے بلکہ ان کا قیام شے کی طرح ہے جو اپنی ذات پر قائم ہے۔ بس اتنا فرق ضرور ہے کہ وہاں زیادتی ثابت ہے اور یہاں زیادتی متصور نہیں ہے لیکن وہ زیادتی غیریت کی حد تک نہیں پہنچاتی جس کو لَا غَیْرُہٗ (اس کا غیر نہیں) فرمایا گیا ہے۔ لہذا دونوں جگہ تغائرِ اعتباری ثابت ہوا اور قیام کی تحقیق ہو گئی اور اس مقام میں اتصاف کا حاصل ہونا انسان کا انسانیت کے ساتھ اتصاف کی طرح ہے یا جوہر کا جوہریت کے ساتھ اتصاف کی طرح۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اس مقام میں جہاں ذاتِ اقدس اور صفاتِ حقیقیہ مقدسہ ہیں جو کہ حضرتِ ذات کے ساتھ قائم ہیں وہاں صفت اور اتصاف کا کوئی ملاحظہ ثابت نہیں ہے، نہ حضرتِ ذات میں موصوفیت کا ملاحظہ ہے اور نہ صفاتِ مقدسہ میں صفاتیت ملحوظ ہے۔ جب وجود اور وجوب کو اس حضرت کی بارگاہ میں کوئی گنجائش نہیں تو صفت و اتصاف کی کیا مجال ہے جو کہ وجود کی فرع ہیں ———

اس مقام مقدس میں سوائے نور کے اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے اور وہ بھی بے چون (بے کیف و بے مثل) ہے، اگر حیات ہے تو بھی نور ہے اور اگر علم ہے تو وہ بھی نور ہی ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ اگر اس نور اقدس بے چون کے لئے مرتبۂ ثانی میں بے تغیر اور بے منتقل ظہور کا اثبات کیا جائے تو یقیناً اس کی مظہریت کے قابل سوائے وجود کے اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ لہذا تعینِ اول اس حقیر کے نزدیک تعینِ وجودی ہے اور باقی تمام تعینات اس تعینِ اول کے تابع ہیں اگرچہ تعین کے لفظ کا اطلاق بھی اس فقیر کے علوم کے مطابق اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا لیکن چونکہ قوم (صوفیہ) میں یہ لفظ متعارف ہو چکا ہے اس لئے ہم بھی اس کے اطلاق میں نرمی کرتے ہیں۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (تحریم آیت ۸)

(یہ مکتوب بغیر نام کے ہے) صفاتِ واجبی تعالیٰ کی تحقیق اور حق تعالیٰ کے علم کے ساتھ اپنے کمالات کے تعلق کی کیفیت، اور اس بیان میں کہ معنی کو عین کے ساتھ قیام کے بغیر چارہ نہیں لیکن اس کے محل کا اثبات کرنا کچھ ضروری نہیں، اور تعینِ وجودی کے بیان میں اور انبیاء، متبوعین اور انبیاءِ تابعین اور ملائکہ کرام علی الانبیاء وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبادیٔ تعینات اور اولیاء، عوام، مومنین وکفار اور اخروی پیدائش کے موجودات کے مبادی تعینات کا بیان۔

صفاتِ حقیقیہ جن کا ہم حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے مرتبہ میں اثبات کرتے ہیں، اس اثبات سے حضرت جل سلطانہ، کی بارگاہ میں کوئی تعین وتنزل پیدا نہیں ہوتا، اور مرتبۂ اولیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا مرتبہ بھی ثابت نہیں ہوتا، اور ان سے جدا ہونے کی وجوہات میں سے کوئی وجہ نہیں بنتی، اور جب تک مرتبۂ ثانی متحقق نہ ہو اور کسی طرح ان کا جدا ہونا حاصل نہ ہو، اس وقت تک تعین اور تنزل کی کوئی صورت نہیں بنتی۔ اور حضرت ذات اور اس سبحانہ، کی صفاتِ حقیقیہ گویا ایک مرتبہ میں ثابت ہیں اور باوجود زیادتی کے گویا عین ذات تعالیٰ وتقدس ہیں۔ اور اگرچہ یہ صفاتِ مقدسہ حضرت ذات سبحانہ، کے مندرجہ کمالات کی تفصیل ہیں لیکن ان کا حکم باقی تمام اجمال وتفصیل کے حکم سے علیحدہ ہے، کیونکہ اجمال تو اس مرتبہ میں ہوتا ہے جس مرتبہ کی تفصیل ثابت نہیں ہوتی، بلکہ مرتبۂ تفصیل مرتبۂ اجمال سے نیچے ہے اور حضرت جل سلطانہ، کی بارگاہ میں یہ معنی مفقود ہیں اور تفصیل عین مرتبۂ اجمال میں ہے۔

اور یہ معرفت عقل کے طور سے بالاتر ہے جس کی طرف نظرِ کشفی نے راہ پائی ہے۔ اور اس مرتبہ میں واجب جل سلطانہ، کا علم جو ان صفات کے ساتھ متعلق ہے بذاتِ خود اور اپنے ذاتی مندرجہ کمالاتِ علم کی طرح علمِ حضوری ہے۔ اور یہ صفات باوجود زیادتی کے گویا عین عالم ہیں اور ان کا حضور حضورِ نفسِ عالِم کی طرح ہے۔ چونکہ حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ان کے کمال اتحاد کی وجہ سے صوفیہ کی ایک کثیر جماعت نے ان صفات کو عین ذات تعالیٰ کہا ہے اور صفات کی زیادتی کا انکار کیا ہے

صفاتِ واجب تعالیٰ کی تحقیق

اور لَا هُوَ سے منع کر کے لَا غَیْرُہٗ کا اثبات فرمایا ہے، اور کمال یہ ہے کہ لَا هُوَ کی تصدیق کے باوجود لَا غَیْرُہٗ کا اثبات کیا جائے، اور باوجود زیادتی کے غیریت کی نفی کی جائے۔ یہ کمال انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے علوم کے مذاق کے موافق ہے اور فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی صائب رائے کے مطابق ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس مرتبہ میں وہ ذاتی انکشاف جو حضرت ذات تعالیٰ اور اس سبحانہ کی صفاتِ مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے وہ علمِ حضوری کی قسم سے ہے کیونکہ صفاتِ مقدسہ کا حکم بھی حضرتِ ذات تعالیٰ وتقدس کے حکم کی طرح ہے جیسا کہ بیان ہوا ——— اور یہ جو ہم نے کہا کہ وہ علمِ حضوری کی قسم سے ہے وہ اس لئے ہے کہ علمِ حضوری سے مراد حضورِ نفسِ عالِم ہے، اور صفات چونکہ نفسِ عالِم نہیں ہیں اس لئے ان کا علم بھی علمِ حضوری نہیں، لیکن چونکہ ان سے کوئی صورت جدا نہیں ہوتی اور ان کا حضورِ نفس ثابت ہے لہٰذا وہ علمِ حضوری کی قسم سے ہے، اور وہ انکشاف جو صفتِ علم سے تعلق رکھتا ہے وہ علمِ حصولی کی قسم سے ہے ——— اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ وہ علمِ حصولی کی قسم سے ہے اس لئے کہ علمِ حصولی، علم میں معلوم کے ذریعے حاصل ہونے والی صورت سے عبارت ہے۔ اور اس فقیر کے نزدیک یہ بات متحقق اور مکشوف ہوتی ہے کہ واجب جل شانہٗ کے علم میں کسی معلوم کی صورت منتقش نہیں ہے اور اس تعالیٰ کا علم کسی صورتِ معلومہ کا محل بھی نہیں ہے تو پھر حق تعالیٰ کی ذات میں صورت کا حصول کس طرح ممکن ہو سکتا ہے بلکہ اس تعالیٰ کے علم کو معلوم کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ہے۔ اور ایک طرح کا انکشاف ہے اس کے بغیر کہ معلوم کی کوئی صورت علم میں ثابت ہو اور خانۂ علم تمام نقوش اور علمی صورتوں سے خالی اور مصفیٰ ہے۔ اس کے باوجود ایک ذرہ بھی زمین وآسمان میں اس کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اور اس قدر مکشوف ہوتا ہے کہ جب حق تعالیٰ کا علم کسی معلوم سے تعلق اختیار کرتا ہے اور اس تعلق کی وجہ سے معلوم کی کوئی صورت الگ ہو جاتی ہے اور اس علم کے ساتھ قیام پیدا کر لیتی ہے بغیر اس کے کہ وہ علم میں کوئی حلول یا حصول پیدا کرے۔ اور جب علم کے تعلق کی وجہ سے ایک صورت معلوم سے الگ ہو جاتی ہے اور علم بلکہ عالِم کے ساتھ قیام پیدا کر لیتی ہے تو یہ بات راست آجاتی ہے کہ وہ علمِ حصولی کی قسم سے ہے۔ اور جب صفتِ علم اس تعالیٰ کی ذات میں مندرجہ

کمالات سے تعلق پیدا کر لیتی ہے تو لازمی طور پر اس تعلق کے باعث علمی صورتیں ان کمالات سے جدا ہو جاتی ہیں اور علم کے ساتھ قیام پیدا کر لیتی ہیں اگرچہ علم میں ان کا حلول یا حصول ثابت نہیں ہوتا۔

سوال: جب تم نے علمی صورتوں کا قیام صفتِ علم کے ساتھ پیدا کر لیا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان صورتوں کے ثبوت کا محل کونسا ہے جیسا کہ معنی کے لئے عین کے ساتھ بغیر قیام کے چارہ نہیں، اسی طرح عین کی محلیت کے بغیر بھی اس کو چارہ نہ ہوگا۔

جواب: ہاں معنی کو عین کے ساتھ بغیر قیام کے چارہ نہیں ہے لیکن اس کے لئے محل کے اثبات کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ معنی کے لئے محل کے ثابت کرنے سے مقصود اس کے ساتھ قیام کا اثبات کرنا ہے نہ کہ قیام پر کوئی اور امر زائد، جبکہ ممکن کے جواہر مجردہ ہیں جو کہ ان صورِ علمیہ کے لئے ظلال کی طرح ہیں اور یہ صورتیں ان جواہر کی مبادی تعینات ہیں ـــــــ فلاسفہ کہتے ہیں کہ ان کے لئے کوئی محل اور مکان ثابت نہیں بلکہ ان کو کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر ان جواہر مجردہ کے اصولوں کے لئے کوئی محل نہ ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں، لہٰذا ان علمی صورتوں کو اعراض کی طرح تصور نہ کریں جو کہ غیر کے ساتھ قیام رکھتی ہیں اور اعراض پر قیاس کرتے ہوئے ان کے محل کے اثبات کے درپے نہ ہوں کیونکہ یہ علمی صورتیں اصول بلکہ جواہر کے کہ جن کے ساتھ اعراض کا قیام ہے ان کے مبادی تعینات ہیں تو پھر اعراض کو ان کے ساتھ کیا نسبت ہے، بلکہ اعراض کے بارے میں بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ محل کے اثبات کرنے سے ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ ممکن کے ساتھ ان کا قیام ثابت ہو جائے نہ یہ کہ محل مستقل مقصود ہو ـــــــ اس کی تحقیق یہ ہے کہ یہ علمی صورتیں مرتبۂ وجوب میں موجود ہیں جہاں محل و مکان کی کوئی گنجائش نہیں، اور اس مقام میں قیام کے علاوہ کوئی چیز متصور نہیں ہے۔ اور واجب الوجود تعالیٰ کی صفاتِ حقیقیہ جو کہ حضرت ذاتِ اقدس کے ساتھ قیام رکھتی ہیں وہاں بھی کوئی حالیت و محلیت موجود نہیں ہے اور ثبوتِ ذہنی و خارجی جو کچھ کہا گیا ہے وہ مرتبۂ امکان میں تقسیم یافتہ ہے، کیونکہ اس بارگاہ میں نہ خارج کے لئے کوئی گنجائش ہے نہ علم کے لئے، کیونکہ جب وجود کو اس حضرت جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں دخل نہیں ہے تو وجود ذہنی و خارجی کو جو اس کی قسم سے ہیں ان کی کیا مجال ہوگی، اور وجود کے لئے ظرفیتِ علم و خارج کی وہاں کیا گنجائش ہوگی۔ لہٰذا یہ علمی صورتیں ثابت اور علم کی

صفت کے ساتھ قائم ہیں اور کوئی ثبوتِ علمی وخارجی ان میں متحقق نہیں ہے بلکہ وجودِ علمی وخارجی ان کے لئے عار ہے کیونکہ وہ امکان کی صفات اور حدوث کی علامات ہیں" کیونکہ اُن کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے" اور مرتبۂ وجوبِ وجود میں اگرچہ وجود ثابت ہوا ہے لیکن خارج اور علم کی ظرفیت خاص اس وجود کے لئے پیدا نہیں ہوئی کیونکہ ظرفیت اور مظروفیت کو اس مقام میں مجال نہیں ہے۔

خوب اچھی طرح سنو! کہ جب صورتِ معلوم سے مراد نفسِ علم ہے تو اس کا حصول وحلول علم میں کس طرح ہوگا؟ متاخرین صوفیہ عالیہ نے کہا ہے کہ صورِ علمیہ جو کہ اعیانِ ثابتہ سے مراد ہیں اور حقائقِ ممکنات ہیں ان کا ثبوت خانۂ علم میں ہے اور بس۔ اور خارج میں ان کے وجود کی بُو تک نہیں پہنچی ہے، لیکن چونکہ ان علمی صورتوں کے عکوس ظاہر وجود کے آئینے میں کہ جن کے علاوہ خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے ان پر پڑتے ہیں۔ اس لئے متوہم ہوتا ہے کہ وہ صورتیں خارج میں ان صورتوں کی طرح موجود ہیں جو کہ آئینے میں منعکس ہوتی ہیں تو وہم ہوتا ہے کہ وہ صورتیں آئینے میں موجود ہیں ــــــــ کاش! میں سمجھ سکتا کہ ان اکابر حضرات کی کیا مراد ہے اور علم میں صورتوں کے حصول سے ان کا کیا مطلب ہے حالانکہ صورِ شہادت میں صرف نفسِ علم ہے اور غائب میں حق تعالیٰ کا علم ازلی قدیم، بسیط اور وُحدانی ہے جس کا تعلق بے شمار معلومات سے ہے اور اس تعلق سے متعدد صورتیں حاصل ہوتی ہیں جو ان معلومات کو ایک دوسرے سے متمیز کرتی ہیں بغیر اس کے کہ اس کے علمِ ازلی میں ان کا حصول وحلول ثابت ہو۔ اور اس میں متعدد صورتیں کس طرح حلول کر سکتی ہیں جبکہ ان سے تبعّض[1] اور تجزّی[2] اور محل کی تقسیم لازم آتی ہے، نیز اس میں شے کا غیر شے کے ساتھ فرض کرنا پایا جاتا ہے اور یہ امر ترکیب کا موجب ہے جو کہ قدم اور ازلیت کے منافی ہے۔

عجیب بات ہے کہ اربابِ معقول (فلاسفہ) معلوم کی صورتِ حاصلہ کو ذہن میں ثابت کرتے ہیں اور اس کے حلول کو ذہن میں جانتے ہیں نہ کہ علم میں۔ کیونکہ وہ صورت ان کے نزدیک عین علم ہے نہ کہ علم میں حلول کرنے والی۔ اور متاخرین صوفیہ کی عبادت سے صاف ظاہر ہے کہ اس صورت کا حصول علم میں ہے جس کو باطنِ وجود کہتے ہیں، اور اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ یہ علمی صورتیں جو صفتِ علم کے تعلق سے حق تعالیٰ کے مندرجہ ذاتی کمالات کے ساتھ ثابت ہوتی ہیں نظرِ کشفی سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے لئے حیات اور علم ثابت ہے اور ایسا

[1] تبعض یعنی حصہ حصہ ہونا۔ [2] تجزی۔ یعنی پارہ پارہ ہونا

انکشاف جو علمِ حضوری کے مناسب ہے ان کو ایسے کمالات کی نسبت حاصل ہو جو ان میں داخل ہیں اور ثابت ہیں۔ جیسا کہ اس بحث کی تحقیق ایک مکتوب[1] میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے اگر اس معرفت کے کسی نکتہ میں کوئی پوشیدگی باقی رہ گئی ہو اور ضرورت محسوس ہو تو وہاں رجوع کریں۔

جب سابق بیان سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حق تعالیٰ کی ذاتِ اقدس اور اس کی صفاتِ مقدسہ ایک ہی مرتبہ میں موجود ہیں اور صفات کی زیادتی کے ثبوت کی وجہ سے اس بارگاہِ جل سلطانہٗ میں کوئی تعین اور تنزل پیدا نہیں ہوا۔ لہٰذا جاننا چاہئے کہ اس مرتبۂ مقدسہ کا جو کہ حضرت ذات تعالیٰ مع الصفات کا مرتبہ ہے مرتبہ ثانیہ میں بے شائبۂ تغیر و تبدل پہلا ظہور ہے۔ اور اس حقیر کے نزدیک کشف و شہود کی رو سے وہ یقیناً حضرت وجود ہی کا مرتبہ ہے جو کہ خیرِ محض اور کمالِ صرف ہے اور ظلیت کے طور پر تمام کمالات کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے، اور وجود کے علاوہ کسی کو یہ دولت میسر نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی علم اس مرتبۂ مقدسہ کے ساتھ متعلق ہو اور اس کے کمالات کو جدا کرے جیسا کہ بیان ہوا تو یقیناً پہلی چیز جو حضرت جل شانہٗ کی بارگاہ سے جدا ہو گی وہ حضرتِ وجود ہو گا اور دوسرے کمالات اس کے توابع ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ وغیرہ کی ایک کثیر جماعت نے وجود کو عین ذات سبحانہٗ تصور کیا ہے اور وجود کے تعین کو لاتعین خیال کیا ہے، اور اس تعینِ اسبق کا ثبوت علم و خارج سے ماوراء ہے جیسا کہ اس معنی کی تحقیق مختلف مقامات پر ہو چکی ہے۔

اور یہ حضرتِ وجود بطریقِ ظلیت تمام کمالاتِ ذاتیہ اور صفاتیہ کا اجمالاً جامع ہے، اور اس مرتبۂ جامع اجمالیہ کی تفصیل بھی ہے جس کو تعینِ ثانی کہا جا سکتا ہے۔ پہلی چیز جس نے تفصیل کے مرتبہ میں ثبوت پیدا کیا وہ صفت الحیات ہے جو تمام صفات کی اصل ہے۔ اور یہ صفتِ حیات گویا اس صفت الحیات کی ظل ہے جو حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ میں ثابت ہے وَلَا هُوَ وَلَا غَيْرُهٗ (اور نہ وہ وہ ہے اور نہ وہ اس کا غیر ہے) اس کے حق میں ثابت ہے۔ اور یہ ظل چونکہ ایسے مرتبہ میں پیدا ہوا ہے جو حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ سے الگ ہے اس لئے یقیناً لاغیرہ اس کے حق میں ثابت نہیں ہو گا، اور وہ غیریت کے داغ سے داغدار ہے ـــــ اور صفت الحیات کے بعد صفت العلم بطریقِ ظلیت جیسا کہ صفت الحیات میں گزرا ثابت ہے اور یہ صفت تمام صفات کی جامع ہے ـــــ اور صفت القدرت اور ارادہ وغیرہ باوجود استقلال کے گویا اس کے اجزا ہیں کیونکہ اس صفت کو

[1] اس سے پہلے والا مکتوب نمبر ۱۱۳

حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ایک قسم کا اتحاد ہے جو اس کے غیر کے لئے نہیں ہے، کیونکہ علمِ حضوری کی صورت میں علم، عالِم اور معلوم کا اتحاد ہے۔ اور قدرت ہرگز قادر و مقدور کے ساتھ متحد نہیں ہے اور ارادت میں بھی جو احد المقدورین (دو مقدوروں میں سے ایک) کی ترجیح رکھتی ہے یہ اتحاد ثابت نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس (اسی طرح دوسری صفات کا حال ہے)۔

اور اس حقیر کے نزدیک حضرت خلیل علیٰ نبینا و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین بالاصالت تعینِ اول ہے جو کہ تعینِ وجودی ہے اور اس تعین کا مرکز جو کہ اس کے اجزا میں سے اشرف ہے وہ بالاصالت حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کا مبدأ تعین ہے جیسا کہ ایک مکتوب میں اس بحث کی تحقیق تفصیل کے ساتھ گذر چکی ہے ــــــــــــ اور چونکہ حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت، ولایتِ اسرافیلی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، اس لئے یقیناً حضرت اسرافیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین بھی یہی تعینِ وجودی ہوا۔ اور ہر پیغمبر اور ہر رسول کا مبدأ تعین بالاصالت تعینِ اول وجودی کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور امتیوں میں سے بھی اگر کسی کو انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی برکت کی وجہ سے اس تعینِ وجودی میں کچھ حصہ حاصل ہوا اور اس تعین کے حصوں یا نقطوں میں سے کوئی حصہ یا نقطہ اس شخص کا مبدأ تعین ہو تو بھی جائز ہے بلکہ واقع ہے۔ اور جب تک اس تعین میں مبدأ تعین پیدا نہ ہو جائے حضرت ذات تعالیٰ تک بالاصالت وصول کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور ملائکہ علیین علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات جو مقربانِ حضرتِ (حق تعالیٰ) ہیں ان کے مبادئ تعینات بھی اسی تعینِ وجودی میں سے ہیں کیونکہ حضرت ذات تعالیٰ تک وصول اسی پر وابستہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ صفت العلم جو کہ مرتبہ تفصیل میں تعینِ وجودی سے پیدا ہوا ہے اگرچہ وہ اس تعینِ وجودی کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے لیکن چونکہ وہ جامعیت رکھتا ہے تو گویا نفسِ وجود کی مانند اس تعین کے تمام حصوں کا جامع ہے اور اس کا اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی۔ البتہ اجمال دائرہ کے مرکز کا حکم رکھتا ہے اور تفصیل اس کے محیط کا حکم رکھتی ہے۔ لہٰذا اس تعینِ علمی کا مرکز جو کہ اجمال ہے گویا کہ وہ اس تعینِ اول وجودی کے مرکز کا ظل ہے اور اس تعلق کی وجہ سے ایک جماعت نے یقین کر لیا کہ حضرت خاتم الرسل علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کا مبدأ تعین حضرتِ علم کا اجمال ہے، ہرگز ایسا نہیں ہے

بلکہ یہ اجمال آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مبدأ تعین کا ظل ہے جو کہ تعین اول وجودی کا مرکز ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ اور نیز اس اجمالِ علم کو تعینِ اول بھی کہا ہے اور مرتبۂ فوق کو لا تعین جانا ہے اور عین حضرتِ وجود خیال کیا ہے۔ ہاں ہاں عینِ وجود ضرور ہے لیکن تعین کے ساتھ منسوب ہے جیسا کہ گذر چکا۔

یہ بات مخفی نہ رہے کہ تعین اول کے مندرجہ حصے اگرچہ انبیاءِ کرام اور ملائکہ علیین عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادی تعینات ہیں لیکن چونکہ اس مرتبہ میں اجمال ثابت ہے اس لئے ہر ایک کے مبادی تفصیل کے ساتھ علیحدہ علیحدہ معلوم نہیں ہوتے اور ان کو کسی اسم سے مسمیٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب اس میں تفصیل پیدا ہو گئی تو ہر ایک کے مبادی متمیز ہو گئے اور ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ نام پایا۔ مثلاً تعینِ اول وجودی کا ایک حصہ اسم الحیات ہے اور دوسرا حصہ اسم العلم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہے ——— اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ اسم الحیات اپنی جامعیت کے اعتبار سے جو وہ رکھتا ہے ملائکہ علیینِ عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا مبدأ تعین ہے۔ اور نیز حضرت روح اللہ (عیسیٰؑ) جو ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت مہدی علیہ الرضوان بھی جو کہ حضرت روح اللہ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک خاص مناسبت رکھتے ہیں اسی مقام کے امیدوار ہیں۔

جاننا چاہئے کہ صفاتِ ثمانیہ میں سے جس صفت نے مرتبۂ تعینِ ثانی میں تفصیل پائی ہے وہ ہر ایک پیغمبر بزرگ مقتدا کا مبدا ہے۔ مثلاً "علم" حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا مبدأ تعین ہے، اور "قدرت" حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات کا مبدأ تعین ہے، اور "تکوین" حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے۔ اور ان اسماء کے کلیۂ مقدسہ کی جزئیات باقی انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادی تعینات ہیں۔ ان بزرگوں میں سے ہر گروہ جو کسی خاص اسم سے مناسبت رکھتا ہے اور کسی خاص مقتدا نبی کے ساتھ بھی اس کو مناسبت ہے تو اس کو اس اسم کے جزئیات سے جس کو اس کے مبادیٔ تعینات میں مناسبت ہے، اور اولیاء جو کہ پیغمبرانِ مقتدا علیہم الصلوات والتسلیمات میں سے کسی پیغمبر کے قدم پر ثابت ہیں، ان کے مبادی تعینات اس اسم کے جزئیات کے جزئیات ہیں جو کہ اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعین ہے۔ اور اسی طرح باقی مومنین کے تعینات اس اسم کے جزئیات ہیں جو کہ کسی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا

مبدأ تعین ہے کہ وہ اس کے نقشِ قدم پر ہیں ــــــــ اور کفار کے مبادی تعینات کا تعلق اسم المضل سے ہے اور ان کے مبادی مذکورہ مبادی سے علیحدہ ہیں۔ ــــــــ اور جب ممکنات کے مبادی تعینات معلوم ہو گئے تو جاننا چاہئے کہ تمام دائرہ وجوب انہی تعینات کی انتہا تک ہے اور اس کے گذر جانے کے بعد ممکنات کا دائرہ شروع ہوتا ہے۔

اور جب حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے کرم و احسان سے اپنے فیوض و انعامات دوسروں کو بھی عطا فرمائے اور اپنے خزانے سے بخشش کرے تو اس نے مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے وجود اور توابعِ وجود کے کمالات ان کو بخشش کئے، بغیر اس کے کہ کوئی چیز وہاں سے جدا ہو کر یہاں (مخلوق سے) ملحق ہو جائے کہ یہ نقص کی علامات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بہت بلند ہے ــــــــ مخلوق کی پیدائش کا مقصد ان کو انعام و احسان پہنچانا ہے، ان کے توسل سے اپنے اسمائی اور صفاتی کمالات کی تکمیل کو پورا کرنا نہیں ہے حَاشَا وَ کَلَّا (ہرگز ایسا نہیں ہے) کیونکہ اسماء و صفات اپنی ذات میں کامل ہیں اور ان کو ظہور و مظہر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت جل سلطانہٗ میں تمام کمال بالفعل حاصل ہیں، بالقوہ نہیں کہ جن کا حصول کسی امر سے وابستہ ہو۔ اگر شہود و مشاہدہ ہے تو وہ بھی حضرت جل شانہٗ میں از خود مجود ہے اور اگر علم و معلوم ہے تو وہ بھی خود عالم اور خود معلوم ہے، اور اسی طرح وہ خود متکلم ہے اور خود سامع ہے، وہاں تمام کمالات مفصل اور متمیز ہیں لیکن بے چونی کے عنوان سے، کیونکہ چون کو بے چونی کی طرف کوئی راہ نہیں ہے، مخلوق کی کیا حیثیت ہے کہ اس سبحانہٗ کے کمالات کا آئینہ بن سکے۔ ع

در کدام آئینہ در آید او (ترجمہ) کونسے آئینے میں آتا ہے وہ

اور عالم کی کیا حقیقت ہے کہ اس اجمال کی تفصیل کرے کیونکہ حضرت جل شانہٗ کی بارگاہ میں عین اجمال میں تفصیل اور عین تنگی میں کشادگی ہے اور چونکہ وہاں تفصیل و وسعت بے چون ہے اس لئے متوہم ہوتا ہے کہ اس اجمال کے لئے تفصیل درکار ہے جو کہ عالم کی تخلیق سے وابستہ ہے اور اس اجمال کی تکمیل اس تفصیل پر موقوف ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ وہاں اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی۔ جیسا کہ گزر چکا۔ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (اور اللہ تعالیٰ وسعت والا جاننے والا ہے)

جاننا چاہئے کہ اس عالم کی تخلیق ایک ایسے مرتبہ میں واقع ہوئی ہے کہ جس کو اس

مرتبۂ مقدسہ کے ساتھ کچھ بھی مزاحمت اور مدافعت نہیں ہے وجود احد الموجودین (دو وجودوں میں سے ایک کا وجود) اگرچہ دوسرے وجود کی تحدید (حد بندی) کا متقاضی ہے لیکن یہ قاعدہ یہاں مفقود ہے کیونکہ وجودِ عالم نے اُس وجودِ اقدس سے کوئی حدّ و نہایت پیدا نہیں کی اور کسی نسبت وجہت کا اثبات نہیں کیا ——— اور وہ صورت جو آئینے میں متوہم ہوتی ہے اس کا ثبوت مرتبۂ وہم میں ثابت ہے اور اس ثبوت کو زید کے ثبوت کے ساتھ کوئی مزاحمت و مدافعت جو کہ اس صورت کی اصل ہے حاصل نہیں ہے۔ اور اس صورت کے ثبوت نے کوئی حد یا کوئی انتہا اپنی اصل کے ثبوت میں پیدا نہیں کی اور کوئی نسبت یا جہت حاصل نہیں کی، لہٰذا وجودِ عالم بھی اسی صورت کے وجود کی مانند ہے جو مرتبۂ وہم میں ثابت ہے اور اپنی اصل کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں رکھتا جو کہ خارج میں موجود ہے، اور اس صورت کے وہمی ثبوت سے کوئی حد و نہایت اور جہت اس خارجی ثبوت میں جو اس صورت کی اصل ہے پیدا نہیں ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی[16] (نحل آیت ۶۰) (اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بلند و بالا امثال ہے) ——— اس تحقیق سے اس بات کی حقیقت مفہوم ہو گئی جو کہ کہا گیا ہے کہ عالم مرتبۂ وہم میں ثابت ہے یعنی عالم اس مرتبہ میں پیدا ہوا ہے جو مرتبہ، مرتبۂ وہم کے مشابہ ہے اور آئینے میں منعکس ہونے والی صورت کے لئے ثابت ہے نیز اپنی اصل کی نسبت سے خارج میں موجود ہے، بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ وجودِ خارجی کا اطلاق بھی اس مرتبۂ مقدسہ میں تشبیہ و تنظیر (مشابہ و مثال) کی قسم سے ہے کہ خارج کو بھی وہاں گنجائش نہیں ہے۔ اور جب وجود بھی اس مرتبۂ اقدس میں کوتاہی ظاہر کرے تو خارج کی کیا حقیقت ہے کیونکہ وہ تو وجود کی فرع اور اس کی قسم ہے۔

خَاتِمَۃٌ حَسَنَۃٌ

یہ تمام مبادی تعینات جن کا ذکر کیا گیا خواہ وہ تعینِ وجودی جلی سے ہوں یا تفصیلی سے ان سب کی نسبت اس دنیاوی ممکنہ موجودات کی پیدائش کے ساتھ ہے اور اس دنیاوی موجودات کا وجود اور تشخص اس مبادیٔ عالیہ کے ساتھ وابستہ ہے لیکن موجوداتِ اخرویہ مشہود ہوتا ہے کہ یہ مبادی مذکورہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہے، بلکہ ان کے مبادیٔ تعینات دوسرے امور ہیں۔ اور وہ امور اس فقیر کے نزدیک کمالاتِ ذاتیہ ہیں کہ ان کے دامنِ اقدس تک ظلیت کی گرد بھی نہیں پہنچی، اور وہ اُس مرتبۂ اقدس میں اندراج رکھتے ہیں بلکہ اس مرتبۂ مقدسہ میں

بیچونی کی تفصیل و تمیز کے ساتھ متمیز ہیں، ان کمالاتِ مفصلہ ذاتیہ مقدسہ میں سے ہر ایک کمال اخروی پیدائش کی موجودات میں سے کسی موجود کا مبدأ تعین ہے، گویا اہلِ بہشت کے لئے ان تعینات وجودی کے ساتھ خواہ وہ جبلی ہوں یا تفصیلی جو کہ دنیاوی پیدائش سے تعلق رکھتے ہیں کسی قسم کا تعلق نہیں ہے، اور وہاں (عالمِ آخرت) کی موجودات گویا اس مرتبۂ مقدسہ کے مقابل ہیں برخلاف اس دنیاوی موجودات کی پیدائش کے جن کا بہت کم حصہ ہے۔ اور اس دائمی (اخروی) زندگی کی موجودات کیا بیان کی جائیں جو اس مرتبۂ مقدسہ سے قسم قسم کے حصے اور حظ رکھتی ہیں ؎

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا (ترجمہ) مبارک منعموں کو اُن کی نعمت

؎ وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

(ترجمہ) بعد اس کے جو بھی ہے مفقود جان ہے چھپانا اس کا تو محمود جان

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (بقرہ آیت ۲۸۶) (اے ہمارے رب! تو ہماری بھول چوک پر ہم سے مؤاخذہ نہ کیجیو)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

خَاتِمَۃٌ حَسَنَۃٌ

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے امامِ ربانی مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کو بہت عمدہ ذوق اور عجیب خوبیوں سے نوازا تھا چنانچہ آپ کی ہر بات میں جدت اور خوبی پائی جاتی ہے منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ آپ نے اپنے مکتوباتِ شریفہ کے ہر دفتر کے مکتوبات کی تعداد کو ایک مبارک عدد کے مطابق رکھنے کا اہتمام فرمایا حضرات پیغمبران مرسلؑ اور اصحابِ بدرؓ کی مبارک تعداد کی مطابقت سے دفتر اول کو تین سو تیرہ ۳۱۳ مکتوبات پر ختم کرنے کی ہدایت فرمائی، اسی طرح "اسماء الحسنیٰ" کی مقدس تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے دفتر دوم کو ننانوے ۹۹ مکتوبات پر ختم کرنے کے لئے فرمایا۔ نیز قرآن مجید کی سورتوں کی مبارک تعداد کی مطابقت سے ایک سو چودہ ۱۱۴ مکتوبات پر دفتر سوم کو ختم کرنے کی ہدایت فرمائی۔ لہٰذا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے حکم کی تعمیل کا خیال کرتے ہوئے پیش نظر دفتر سوم کو ایک سو چودہ مکتوبات پر ختم کر دیا گیا ہے، اور بقیہ دس مکتوبات جو بعد میں دستیاب ہوئے ان کو قرآن مجید کی آیتِ کریمہ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (یہ کامل دس ہوتے) کے مبارک عنوان کے تحت آئندہ صفحات میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں ملتجی ہوں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس کوشش کو منظور و مقبول فرمائے اور مخلوق کے لئے نفع بخش ہو۔ آمین

طالبِ دعا
احقر محمد اعلیٰ عفی عنہ

جمعرات
۱۷ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
۱۵ اکتوبر ۱۹۹۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

مکتوب ۱۱۵

۳۱۳ + ۹۹ + ۱۱۴ = ۵۲۷

عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد[1] کی طرف ان کے سوالات کے جواب میں صادر فرمایا۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔ اس طرف کے فقراء کے احوال و اطوار شکر کے لائق ہیں۔ اللہ سبحانہٗ سے آپ کی سلامتی اور عافیت کے لئے دعا گو ہوں۔ جو گرامی نامہ آپ نے شفقت و محبت سے اس فقیر کے نام ارسال کیا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے مع اپنے متعلقین حرمین شریفین میں سے کسی ایک شہر کو وطن اختیار کرکے وہیں مدفون ہونے کا اشتیاق ظاہر فرمایا تھا ــــــ میرے مخدوم و مکرم! متعلقین کا وہاں جانا نظر نہیں آتا بلکہ ممکن ہے کہ ممانعت ظاہر ہو جائے، ہاں اگر آپ تنہا جائیں تو نظر میں مستحسن و پسندیدہ معلوم ہوتا ہے اور امید ہے کہ سلامتی کے ساتھ پہنچ جائیں گے۔ وَالۡاَمۡرُ اِلَی اللّٰہِ سُبۡحَانَہٗ (اور اصل حکم تو اللہ سبحانہٗ کا ہے)۔

مرزا حسام الدین کا اشتیاق حرمین شریفین

اور سیادت مآب کے بارے میں جو کچھ آپ نے لکھا تھا کہ اطباء نے ان کے ضرر کا حکم کیا ہے، میرے مخدوم شفقت آثار! فقیر نے تو بہت غور کیا لیکن اس بارے میں کوئی ضرر معلوم نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہاں ایک تاریکی محسوس ہوتی ہے جو اس ضرر کی ظلمت کے علاوہ ہے، معلوم نہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ مختصر یہ کہ طبیبوں کا ضرر (کا حکم کرنا) مفقود ہے اور یہ ظلمت کسی دوسری وجہ سے ہے وَالۡاَمۡرُ اِلَی اللّٰہِ سُبۡحَانَہٗ (اور حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے) ــــــ دوسرے یہ کہ فرزندی محمد سعید بہت کمزور ہو گیا تھا، اللہ سبحانہٗ کا شکر اور احسان ہے کہ اب رو بصحت ہے اور عافیت حاصل ہو رہی ہے

[1] آپ کے نام ۱۶ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر گذر چکا ہے۔ یہ مکتوب مکرر آگیا ہے ۲/۴۳ بھی یہی ہے

آپ سے دعا کی درخواست ہے ——— قرۃ العین خواجہ جمال الدین حسین مع اپنے بھائیوں اور بہنوں کے آخر زمانے کے حوادث سے محفوظ رہیں، اور مخدوم زادہائے کرام ظاہری اور باطنی جمعیت کے ساتھ آراستہ رہیں۔

خواجہ ابوالمکارمؒ کی طرف مخلوقِ خدا کی خدمت گاری کی ترغیب میں صادر فرمایا۔

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ حدِّ اعتدال اور مرکزِ عدالت پر استقامت عطا فرمائے۔ یہ کتنی بڑی دولت ہے کہ واہب العطیات (عطیات کے بخشنے والے) حضرت جل سلطانہٗ اپنے کسی بندے کو بعض فضائل سے مخصوص کر کے اپنے بندوں کی ایک جماعت کی حاجتوں کی کنجی اس کے دستِ تصرف کے حوالے کر دے اور اس کو ایک جماعت کا ملجا اور جائے پناہ بنا دے۔ اور یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ اپنی مخلوق میں سے ایک جماعت کو اپنے کمال کرم سے جن کو اپنا عیال فرمایا ہے اس کے ساتھ وابستہ کر دے اور ان کی تربیت کو اس کے سپرد کر دے۔ وہ بڑا سعادت مند ہے جو اس دولت کے قیام پر شکر ادا کرے، اور وہ بڑا ہوشمند ہے جو اس نعمت کے شکر میں پیشقدمی کرے اور حق تعالیٰ کے عیال کی خدمت گاری کو اپنی سعادت جانے اور اپنے مالک (حق تعالیٰ) کے غلاموں اور کنیزوں کی تربیت کو اپنے لئے شرف خیال کرے۔ اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے کہ اس جگہ کے رہنے والے آپ کے ذکرِ خیر سے رطب اللسان ہیں اور آپ کے احسان و کرم کے ذکر کو زبان پر رکھتے ہیں۔

خلق خدا کی خدمت گاری کی ترغیب

۵۲۹ = مکتوب ۱۱۷ ۳ (عربی) + ۳۱۳ ۹۹ ۱۱۴

مولانا شیخ غلام محمدؒ کی طرف صادر فرمایا ——— آیہ کریمہ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی الآیہ کے معنی اور دوسرے اعتراضات کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے)

۱؎ آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ مولانا غلام محمد امروہی ابن دیار حسینی امروہہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی پہنچے اور متعدد علماء سے تحصیلِ علوم کیا پھر حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ سے تعلیمِ طریقت حاصل کیا۔ اچھے شعراء میں آپ کا شمار ہے سنہ ۱۰۴۰ھ میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۰۱)۔

۲؎ آپ کے نام دو مکتوبات ہیں۔ دوسرا مکتوب پیشِ نظر دفتر کا مکتوب ۳۸ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ شیخ اجل (شیخ شہاب الدین سہروردی) قدس سرہٗ نے اپنی کتاب عوارف المعارف کے دوسرے باب میں آیۂ کریمہ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَ ھُوَ شَھِیْدٌ (قٓ آیت ۳۷) (اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس دل ہو اور وہ توجہ سے سُنے) کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ " (ابوبکر) واسطی[1] نے کہا ہے کہ یہ ایک مخصوص قوم کے لئے نصیحت ہے سب لوگوں کے لئے نہیں ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ (انعام آیت ۱۲۲) (کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا)" ـــــ نیز واسطی نے یہ بھی کہا ہے کہ "مشاہدہ غفلت و نسیان زائل کرتا ہے اور حجاب سے سمجھ اور فہم حاصل ہوتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ جب کسی شے پر تجلی فرماتا ہے تو وہ جھک جاتی ہے اور اس میں خشیت پیدا ہو جاتی ہے" ـــــ شیخ (صاحب العوارف) نے فرمایا کہ جو کچھ واسطی نے کہا وہ بعض لوگوں کے حق میں صحیح ہے لیکن یہ آیت اس امر کے برخلاف دوسرے لوگوں کے لئے حکم کرتی ہے اور وہ اربابِ تمکین ہیں جن کے مشاہدہ اور فہم دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ واسطی کا جو قول پہلے نقل ہوا ہے وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نصیحت خاص اہلِ تمکین کے لئے ہے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد زندہ کیا ہے، یعنی فنا کے بعد ان کو بقا سے مشرف فرمایا ہے۔ اور اہلِ تلوین کے لئے نہ فنا ہے نہ بقا اور نہ ان کو دوسری زندگی عطا فرمائی گئی ہے کیونکہ وہ ابھی راہ کے وسط میں ہیں، اور فنا و بقا کا تعلق منتہی حضرات سے ہے ـــــ اور ان (واسطی) کا دوسرا قول اگر انھوں نے آیت کے بیان میں ذکر کیا ہے تو وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نصیحت، حجاب اور پوشیدگی کی حالت میں ہے جو اہلِ تلوین کے لئے ہے نہ کہ مشاہدہ اور مکاشفہ کے وقت، کیونکہ وہ نسیان کا وقت ہے۔ لہٰذا یہ قول پہلے قول کے منافی ہے، اور اگر انھوں نے اس معرفت کو اس کے توسط حال میں کسی دوسری جگہ ذکر کیا ہے اور اس آیت کے بیان میں ذکر نہیں کیا تو پھر کوئی منافات (نفی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی شیخ کو اس پر اعتراض ہو گا جو واسطی نے کہا ہے کہ وہ بعض لوگوں کے حق میں صحیح ہے جو اہلِ تلوین ہیں۔ حالانکہ یہ آیت اس امر کے

آیۂ کریمہ ان فی ذلک لذکری کے معنی

[1] ابوبکر واسطی کا نام محمد موسیٰ ابن فرغانی کے نام سے مشہور ہیں نیز آپ اصحاب جنید بغدادی اور علماء مشائخ ثوری سے تعلق رکھتے ہیں، تصوف کے اصول میں آپ جیسی باتیں کسی نے نہیں کہیں سنہ ۳۲۰ھ سے پہلے مرو میں انتقال ہوا۔

برخلاف دوسرے لوگوں کے لئے حکم کرتی ہے اور وہ اربابِ تمکین ہیں۔ کیونکہ واسطی نے آیت کے معنی میں بیان کیا ہے کہ نصیحت اربابِ تمکین کے لئے مخصوص ہے اور وہی موت کے بعد زندہ ہوتے ہیں نہ کہ اہلِ تلوین ـــــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ انھوں نے دوسری مرتبہ اہلِ تلوین کے احوال میں ایک مستقل معرفت کا بیان کیا جس کا آیت کے مفہوم سے کوئی تعلق نہیں اس لئے اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیونکہ یہ آیت کے حکم کے برخلاف ہے بلکہ یہ آیت تو ایک قوم کے حق میں وارد ہوئی ہے اور یہ معرفت دوسری قوم کے احوال کے بیان میں ہے۔ اور اگر واسطی نصیحت کو ابتدا میں اہلِ تمکین کے ساتھ مخصوص نہ کرتے اور اس چیز کو مان لیتے کہ نصیحت اہلِ تلوین کے لئے بھی ہے جبکہ وہ حجاب کی حالت میں ہوں۔ تو ان دونوں قولوں میں کوئی منافات نہ ہوتا اور نہ ہی شیخ کا اعتراض ان پر وارد ہوتا۔

اور میرے نزدیک جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں دونوں فریقوں کا حال بیان ہوا ہے یعنی مَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ (جس کے پاس دل ہو) وہ اربابِ قلوب ہیں جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں ان ہی کو اصحابِ تلوین کہتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کے ارشاد اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ (اور وہ متوجہ ہو کر سنے اس کے لئے اس میں نصیحت ہے) میں اہلِ تمکین کا حال بیان ہوا ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے عین شہود کی حالت میں سمجھنے کے لئے اپنے کانوں کو لگا رکھا ہے، البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلی قوم کے لئے بعض اوقات نصیحت ہے اور دوسری قوم کے لئے تمام احوال میں نصیحت ہے جیسا کہ واضح ہے ـــــ اور اگر شیخ قدس سرہ اس طرح کہتے کہ یہ آیت اس امر کے برخلاف دوسری قوم کے لئے بھی حکم کرتی ہے تو زیادہ مناسب ہوتا۔ اور کلمۂ اَوْ[ل] منع خلو کے لئے ہے۔ پس وہ نصیحت میں فریقین کے جمع ہونے کے منافی نہیں ہے ـــــ

اس کے بعد پھر شیخ فرماتے ہیں کہ فہم کا مقام محادثہ اور مکالمہ (گفتگو اور کلام) کا محل ہے اور وہ دل سے سنتا ہے، اور مشاہدہ کا مقام دل سے دیکھتا ہے۔ پھر جو شخص سکر کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم ہو جاتے ہیں، اور جو شخص صحو و تمکین کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم نہیں ہوتے کیونکہ وہ اپنے حال کا مالک اور باخبر ہے اور وجودی آلہ (یعنی کان) سے جو کلام سمجھنے کے لئے تیار رہتا ہے سمجھتا ہے کیونکہ فہم و الہام اور سماع کا مورد دو محل ہے۔ اور الہام و سماع وجودی آلے کے خواہاں ہیں۔ اور یہ وجد موہوب

ل یہ ایک منطقی اصطلاح ہے،

اس شخص کو مقام صحو میں متمکن ہونے کے لئے دوسری مرتبہ عطا کیا جاتا ہے، اور یہ وجود اس وجود کے علاوہ ہے جو مشاہدہ کے نور کے چمکنے کے وقت جو فنا سے گذر کر بقا تک پہنچا ہو اس کے لئے لاشے ہو جاتا ہے۔ (انتہی کلامہ الشیخ)۔

پس موضع "فہم" اللہ عزوجل کے ساتھ محادثہ و مکالمہ (گفتگو اور کلام) کا محل ہے۔ اس کے کان اس کی آنکھوں میں گُم ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ مشاہدے کے وقت سمجھ نہیں رکھتا، اور یہ اہلِ تلوین کا حال ہے کہ مشاہدہ کے وقت اپنے آپ سے فراموش ہو جاتے ہیں، جیسا کہ واسطی نے کہا ہے "اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم نہیں ہوتے" یعنی وہ عین مشاہدے کی حالت میں بھی سمجھتا ہے۔ اور اہلِ تمکین کا حال ہے کہ وہ مشاہدہ اور فہم کو جمع کر دیتے ہیں، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ـــــــ اور لِمَنْ جَازَ (جو اس کو جائز رکھے) آپ کے قول مَوْهُوْبًا (عطا کیا ہوا) سے متعلق ہے۔ یعنی یہ اس شخص کو عطا کیا جاتا ہے جو فنا سے گذر کر بقا تک پہنچ جائے۔

اور پوشیدہ نہ رہے کہ اہلِ تلوین کے مشاہدے سے کیا مراد ہے کیونکہ مشاہدہ تو ذات میں ہوتا ہے جیسا کہ مشہور ہے اور وہ ابھی ذات تک نہیں پہنچا تو اس کے حق میں صفاتِ متخیلہ متلونہ کا مکاشفہ بہتر ہے اور جو مکاشفہ ذات میں ہوتا ہے اس میں نہ تلوین ہے اور نہ تغیر ہے، اور اس مقدس مرتبہ میں ایسا نہیں ہوتا کہ کبھی نسیان و فراموشی ہو اور کبھی شعور، بلکہ وہاں عین نسیان میں بھی شعور ہے اور نفسِ شہود میں بھی فہم ہے ــــــــــ اور شیخ قدس سرہ کے کلام سے دنیا میں دل کی آنکھوں سے مشاہدہ کا واقع ہونا ظاہر ہوتا ہے اور صاحب تعرف (کلاباذی) قدس سرہٗ جو صوفیہ کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو دنیا میں دل اور آنکھ سے دیکھنا ناممکن ہے اور اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے اور کہا ہے کہ (مشائخ کا) اس بات پر اجماع ہے کہ حق تعالیٰ کو دنیا میں آنکھوں اور دل دونوں سے نہیں دیکھا جا سکتا مگر یہ کہ ایقان کی جہت سے۔

دنیا میں حق تعالیٰ کی رویت کی تحقیق

جو کچھ صاحبِ تعرف نے کہا ہے وہ صواب سے زیادہ قریب ہے بلکہ وہی صحیح و صواب ہے، کیونکہ (صوفیہ) جس کو حق تعالیٰ کی رویت خیال کرتے ہیں وہ صرف خیالی رویت ہے، یعنی خیال میں اس یقین کی صورت کا کشف ہے جو دل کو حاصل ہوتا ہے اور موقن یہ (جس کا یقین کیا گیا) کی بھی ایک صورت ہے جس کا دل پر کشف ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے حق تعالیٰ کے لئے مثال کو جائز

جائز رکھا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نہیں ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (نحل آیت ۶۰) اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بلند و بالا امثال ہے) یہ تو خیال میں یقین اور موقن بہ کی صورت نقش ہو جاتی ہے اگرچہ حق تعالیٰ کی واقعی طور پر کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ وہ معانی جو دل کو حاصل ہوتے ہیں اور تمام لطائف کے لئے ہیں بلکہ ہر وہ چیز جو موجود ہے یا موجود ہوگی سب کی ایک خیالی صورت ہے جو عالمِ مثال کے مشابہ ہے اور جو تمام عالموں پر محیط ہے۔ پس اس جگہ قلب کو ایقان کے سوا کچھ حاصل نہیں بلکہ بلکہ یقین کی اور موقن بہ کی صورت ہے جو کہ خیال میں بصورتِ رویت اور بصورتِ مرئی متمثل ہوتی ہے، ورنہ حقیقت میں دل کے لئے بھی حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے چہ جائیکہ آنکھ کو رویت حاصل ہو وہ تو قلب کے لئے ایک مثالی صورت ہے یعنی قلب کا ایقان رویت کی صورت میں اور موقن بہ مرئی (آئینے میں دیکھی ہوئی چیز) کی صورت میں متمثل ہو گیا ہے جس کی وجہ سے (سالک) گمان کرتا ہے کہ اس نے حقیقت میں حق تعالیٰ کو دیکھ لیا ہے حالانکہ وہ صرف ایک خیالی رویت ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ موقن بہ کی صورت حق تعالیٰ کی صورتِ مثالیہ بھی نہیں ہے بلکہ وہ تو ایک کشفی صورت ہے جس کا تعلق ایقان و یقین سے ہے جو کہ خیال میں ظاہر ہوا ہے، اور ہرگز حق تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں ہے خواہ وہ خیالی ہی کیوں نہ ہو بلکہ وہ ان بعض اشیاء کی صورت ہے جن کا کشف سالک کے دل پر بعض وجوہ و اعتبارات کی وجہ سے ہو گیا ہے جن کا تعلق حق تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب عارف حق تعالیٰ کی ذات سے واصل ہوتا ہے تو اس کو اس قسم کی خیالی صورتیں متمثل نہیں ہوتیں کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات کے لئے کوئی صورت نہیں ہے نہ خیال میں اور نہ مثال میں ——— اور میرے نزدیک حق تعالیٰ کی مثالی صورت بھی نہیں ہے جس طرح کہ اس کی مثل نہیں ہے کیونکہ صورت مراتب کے خواہ کسی مرتبہ میں بھی ہو حد و نہایت کو مستلزم ہے، اور حق تعالیٰ تحدید و تقیید سے منزّہ ہے اور تمام مراتب حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو سلطانِ خیال عطا فرمایا اور اس کو معانی کمال کی صورتوں کے حصول کے لئے آئینہ بنایا۔ اگر خیال نہ ہوتا تو ہم اتصال کے درجات کو انفصال کے درکات سے متمیز نہ کر سکتے، اور نہ ہی ہمیں احوال کے واردات کا علم ہوتا کیونکہ اس میں ہر ایک معنی

اور حال ایک صورت ہے، اگر وہ صورت مکشوف ہو جائے تو اس سے معنی اور حال کا ادراک ہو سکتا ہے۔ پس ساتوں لطائف کی شان سیر و سلوک اور ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل ہونا ہے اور خیال کی شان یہ ہے کہ سیر و سلوک کے وہ درجات جو سالک کو حاصل ہوئے ہیں ان کو اپنی منقوش صورتوں کے ذریعے دکھاتا ہے تاکہ اس کے دیکھنے سے فوق کی طرف زیادہ رغبت پیدا ہو جائے، نیز اس کے دکھانے سے یہ فائدہ بھی ہے کہ سیر حقیقی (بصیرت پر) حاصل ہوتی ہے اور معرفت کی طرف سلوک آسان ہو جاتا ہے اور اس کے غلبہ کی وجہ سے سالک جہالت سے نکل کر اہلِ علم میں سے ہو جاتا ہے۔ فَلِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ دَرُّهٗ (اس کی خوبی حق سبحانہ ہی کی طرف سے ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مولانا عبدالقادر انبالوی[1] کی طرف صادر فرمایا۔

شیخ (شہاب الدین سہروردی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب عوارف المعارف کے دوسرے باب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس مرفوع حدیث کے بیان میں کہا ہے کہ "قرآن مجید میں جو آیت بھی نازل ہوئی ہے اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، اور ہر حرف کے لئے ایک حد ہے اور ایک مطلع (طلوع ہونے کی جگہ)" ——— اور میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ مُطَّلَعٌ سے یہ مراد نہیں ہے کہ صفائے فہم سے آیت کے پوشیدہ اسرار اور دقیق معانی پر واقفیت حاصل ہو جائے، بلکہ مُطَّلَعٌ سے مراد یہ ہے کہ ہر آیت کی تلاوت کے وقت تلاوت کرنے والے کو اس آیت کے کلام کرنے والے (حق تعالیٰ) کا شہود حاصل ہو، کیونکہ اس کے اوصاف میں سے کسی وصف کی اور صفات میں سے کسی صفت کی امانت گاہ کا وہی مقام ہے۔ پس آیات کی تلاوت اور ان کے سماع کے وقت نئی سے نئی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں جو اس کے لئے حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کے آئینے کا کام دیتی ہیں اور اس توجیہ اور اس کی شرح میں شیخ نے یہی کچھ کہا ہے۔

قرآن کریم کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن

---

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۲۸۷ پر آپ کا تذکرہ درج ہے۔

اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو کچھ میرے دل میں خیال گزرتا ہے وہ یہ ہے کہ ظہر سے مراد قرآن مجید کا نظم ہے جو کہ اعجاز کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ اور بطن سے مراد صفائے فہم کے اختلافِ مراتب پر اس کے دقیق معانی اور پوشیدہ اسرار پر اس کی تفسیر و تاویل ہے۔ اور حدّ سے مراد کلام کے مراتب کی انتہا ہے اور وہ متکلم کا شہود ہے جو تجلی نعتی ہے اور حق تعالیٰ کے عظمت و جلال کی خبر دیتی ہے اور مُطّلعؔ وہ ہے جو تجلی نعتی سے بلند تر ہے اور وہ تجلی ذاتی ہے جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ہے پس کلام کی حدّ اور نہایت کے لئے ایک مطلع ثابت کیا ہے جو مطلع کلام اور نہایت سے وراء ہے اور کلام، اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور صفت کے آئینے میں متکلم کا شہود اور اس صفت کی تجلی ہے اور اس کے مراتب کی انتہا کمال ہے اور اس تجلی کے مابعد فوق کی اطلاع ذاتی تجلی کی طرف ترقی کرنے سے ہوتی ہے، پس اس جگہ ذات کی طرف وصول صفت کلام کے ذریعے اور نظمِ قرآنی کی تلاوت کے وسیلے سے ہوگا جو اس صفت پر دلالت کرتا ہے۔ تو لازمی طور پر یہاں دو قدم ہیں، ایک قدم نظمِ قرآنی کا جو مدلول یعنی صفت کی طرف دلالت کرنے والی ہے اور دوسرا قدم صفت کا اپنے موصوف کی طرف ہے۔

——— عارف (شعرانی) قدس سرہٗ نے فرمایا کہ "دو قدم چل اور واصل ہو جا" لیکن شیخ قدس سرہٗ نے صرف پہلے قدم کا ذکر کیا ہے اور سیر کو اسی کے ساتھ تمام کیا۔ اور تلاوت کے فائدہ کو اسی کے ساتھ مقید کیا ہے اور اس کے علاوہ اور کچھ بیان نہیں کیا۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (بقرہ ۲ آیت ۳۲) (تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہم کو دیا ہے اس کے علاوہ ہمیں کچھ معلوم نہیں بیشک تو جاننے والا حکمت والا ہے)۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے کلام کی تشریح

اس کے بعد شیخ (شہاب الدینؒ) فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے آبائے کرام سے منقول ہے کہ آپ نماز میں تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا "میں ایک آیت کی تکرار کرتا تھا حتیٰ کہ میں نے اس کو اس کے متکلم سے سنا" لہذا جب صوفی کی پیشانی میں توحید کا نور چمکتا ہے اور وعد و وعید کے سننے کے وقت وہ اپنے کانوں کو اس طرف لگاتا ہے (یعنی غور سے سنتا ہے) اور اس کا دل حق تعالیٰ کے ماسویٰ سے آزاد ہو کر حق تعالیٰ کے سامنے حاضر اور شہید ہو جاتا ہے تو اس وقت تلاوت میں اپنی زبان کو اور دوسرے کی زبان کو شجرۂ موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح پاتا ہے جہاں سے حق تعالیٰ نے فرمایا تھا اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ (قصص ۲۸ آیت ۳۰)۔

(بیشک میں اللہ ہوں)۔ پھر جب اس کا سماع (سننا) بھی حق تعالیٰ کی طرف سے اور اس کا سنانا بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو جاتا ہے تو اس کے کان آنکھیں ہو جاتی ہیں اور اس کی آنکھیں کان بن جاتی ہیں، اور اس کا علم سراسر عمل اور اس کا عمل بالکل علم ہو جاتا ہے اور اس کا آخر اول اور اول آخر ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ انھوں نے کہا کہ جب صوفی اس وصف سے متحقق ہو جاتا ہے تو اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود ابدی اور اس کا سماع نئے سے نیا اور متواتر ہوتا ہے۔

شیخ کا یہ قول کہ "جب صوفی کی پیشانی میں توحید کا نور چمکتا ہے"۔ یہ جملہ حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا بیان ہے، اور متکلم سے سننے کی تشریح ہے کہ جب صوفی پر توحید کا حال غالب ہو جاتا ہے اور غیر کا شہود اس کی نظر سے دور ہو جاتا ہے تو وہ حق تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر اور موجود ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے آپ سے یا کسی غیر سے (حق تعالیٰ کا) کلام سنتا ہے تو اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا کہ وہ اس کو حق تعالیٰ کی طرف سے سن رہا ہے اور اپنی اور غیر کی زبان کو شجرۂ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح دیکھتا ہے پس جب جوں امام صاحبؒ آیت کی تکرار کرتے رہے تو وہ اپنے نفس اور زبان سے سنتے رہے اور جب تکرار کی اثنا میں توحید کی حالت کا غلبہ ہوا تو ان کو ایسا محسوس ہوا گویا کہ وہ اس کو متکلم (حق تعالیٰ) سے سن رہے ہیں، اگرچہ اس کا صدور ان کی اپنی طرف سے اور ان کی اپنی زبان سے ہوا تھا، تو انھوں نے اس وقت اپنی زبان کو شجرۂ موسوی کی طرح محسوس کیا اور اس وقت زبان سے ادا ہونے والا کلام اس کلام کی طرح تھا جو اس درخت سے ظاہر ہوا تھا کہ حق تعالیٰ کا کلام ہے۔

حق تعالیٰ کی عصمت و توفیق سے میں یہ کہتا ہوں کہ شجرۂ موسوی سے سنا جانے والا کلام یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کا کلام تھا یہاں تک کہ اگر کوئی اس کا انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور یہ کلام جو دوسروں کی زبان سے سنا جاتا ہے وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے، اگرچہ صوفی غلبۂ توحید میں اس کو حق تعالیٰ کا کلام خیال کرے، اگر کوئی اس کا انکار کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا بلکہ حق و صداقت پر ہوگا کیونکہ یہ کلام زبان کی حرکت اور مخارج کے اعتماد سے حاصل ہوا ہے اور شجرہ کے کلام کا حال ایسا نہیں ہے لہٰذا ان دونوں کلاموں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ پہلا کلام تحقیقی ہے اور دوسرا تخیلی۔

تعجب ہے کہ شیخ اجل قدس سرہ نے توحید کے بارے میں بہت مبالغہ کیا ہے یہاں تک کہ انھوں نے تخیلی کو تحقیقی بنا دیا اور بندہ سے صادر ہونے والے کلام کو غلبۂ حال میں حق تعالیٰ سے

صادر ہونے والے کلام کی طرح سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ انھوں نے اپنی اسی کتاب میں دوسرے مقامات پر ان اقوال سے جو غلبۂ حال کے وقت توحید والوں سے توحید کے بارے میں صادر ہوتے ہیں انکار کیا ہے اور حلول و اتحاد سے ڈر کر ان اقوال کو حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت پر محمول کیا ہے لیکن اس مقام پر انھوں نے حلول کی آمیزش سے گریز نہیں کیا بلکہ اتحاد و عینیت کا حکم لگایا ہے ——
—— اس مقام پر حق بات یہ ہے کہ غلبۂ حال میں اتحاد و عینیت کا حکم کرنا تخیلی ہے تحقیقی نہیں ہے، خواہ اتحاد ذات میں ہو یا صفات میں یا افعال میں۔ پس پاک و مقدس ہے وہ ذات جو حدوث و اکوان کی وجہ سے اپنے اسماء، وصفات اور افعال میں متغیر نہیں ہوتی، اور نہ اس کی ذات وصفات اور افعال کے ساتھ کسی کے ذات وصفات اور افعال متحد ہو سکتے ہیں، پس پاک و منزہ ہے وہ سبحانہٗ تعالیٰ اور وہی ہے جیسا کہ ہے —— اور ممکن تو ممکن ہی ہے جو اپنی ذات وصفات اور حال میں حادث ہے۔ اور قدیم اور حادث کے درمیان اتحاد کا حکم کرنا عشق کی تیز رنگیاں اور محبت و سکر کے غلبات سے ہے، اور حلول کی آمیزش اور اتحاد کے گمان کی وجہ سے ہے جو کہ کفر و الحاد کو مستلزم ہے، لیکن ان پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ یہ ان کی مراد نہیں ہے اور جو امر حق تعالیٰ کی مقدس بارگاہ کے لائق نہ ہو وہ ہرگز ان کی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے دوست اور محب ہیں اور وہ ایسی نامناسب باتوں سے محفوظ ہیں کہ کسی ایسی چیز کو جائز رکھیں جس کو حق تعالیٰ نے جائز نہ کیا ہو۔

اور جن لوگوں نے بغیر حال کے ان سے مشابہت کی اور بغیر صدق کے ان کے کلام کی طرح کلام کیا اور اس سے ان کی مراد کے علاوہ کوئی اور مفہوم سمجھا تو وہ الحاد و زندقہ میں پڑ گئے حتیٰ کہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ حلول و اتحاد کے قائل ہو گئے اور ممکن کے واجب ہونے کا حکم لگا دیا۔ پس یہی لوگ زندیق ہیں اور اس بحث سے خارج ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (توبہ آیت ۳۰) (اللہ تعالیٰ ان کو قتل (غارت) کرے کیسی بری باتیں کرتے ہیں)۔

پوشیدہ نہ رہے کہ شیخ قدس سرہٗ نے جو کچھ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے متعلق بیان کیا اگرچہ وہ اہلِ تلوین میں سے ان لوگوں کے حق میں صادق آتا ہے جن پر سکر کا غلبہ اور توحید کا حال غالب آچکا ہے لیکن چونکہ میں امام کی شان میں حسنِ ظن رکھتا ہوں اس لئے میں ان کے حق میں اس بات کو صحیح نہیں سمجھتا کیونکہ وہ میرے نزدیک اکابر اربابِ تمکین وصحو میں سے ہیں ان پر حالی کیفیت

متحقق ہو کر غلبہ نہیں کر سکتی اور نہ وہ غیر سے سُنے ہوئے کلام کو حق تعالیٰ سے سُنا ہوا کلام سمجھ سکتے ہیں،
لہٰذا ان کے کلام کے لئے اس توجیہ کے علاوہ کوئی اور عمدہ توجیہ تلاش کرنی چاہئے جو اس کے
حال کے مناسب ہو، اور وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بلا کیف سُنے جیسا کہ حضرت
موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوہِ طور پر سُنا۔
(سوال) اگر آپ دریافت کریں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کے کیا معنیٰ ہیں کیونکہ جو کچھ سُنا جاتا ہے
وہ تو حروف و آواز ہیں سُنا جاتا ہے؟ ———— (جواب) میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے
کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق تعالیٰ اپنے کلام کو حروف و آواز کے بغیر سنتا ہے، اور بندہ بھی جب حق تعالیٰ
کے اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے تو وہ بھی حرف و آواز کے بغیر کلام کو سُن لیتا ہے۔ اور تمام ممکن بظاہر
فرق ہونے کے باوجود وہم میں غائب کو شاہد پر قیاس کرتا ہے۔ بھلا حاضر پر غائب کا قیاس کس طرح
کیا جائے جبکہ حاضر زمانے کی تنگی میں ہے جو کہ ترتیب، تقدم اور تاخر کو چاہتا ہے۔ اور غائب پر
نہ زمانے کے احکام جاری ہوتے ہیں نہ ترتیب، تقدم اور تاخر کے۔ لہٰذا جائز ہے کہ غائب میں ایسی
چیزیں ثابت ہوں جن کا ثبوت شاہد میں نہ ہو۔ پس خوب سمجھ لو۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

اور تحقیق یہ ہے کہ کلام کا سننا اگر کان کی حس کے ساتھ ہو تو ضروری ہے کہ سُنا ہوا کلام
حرف اور آواز کی صورت میں ہو لیکن اگر سماع سننے والے کے اجزاء میں سے ہر جز کے ساتھ ہو اور
کان کی حس سے نہ ہو تو جائز ہے کہ سننا حرف و آواز کے بغیر ہو کیونکہ ہم اپنے تمام جسم سے اور اپنے
اجزا کے ہر جزو سے ایسے کلام کو سنتے ہیں جو حرف و آواز کی قسم سے نہیں ہوتا اگرچہ وہ خیال میں حرف
اور آواز کے ساتھ متخیل ہوتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ کلام ہمارے پورے جسم سے سُنا گیا ہے، وہ
شروع میں حروف و آواز سے خالی تھا پھر دوسری مرتبہ خیال نے اس نے حرف و آواز کا لباس پہنا تاکہ
فہم و افہام (سمجھنے اور سمجھانے) کے نزدیک ہو جائے ———— اس کے علاوہ ہم ایک
اور بات کہتے ہیں جو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ حق تعالیٰ ہمارے کلام کو سنتا ہے جو حروف و
کلمات سے مرکب ہے اور اس میں تقدم و تاخر کی ترتیب بھی ہے لیکن حق تعالیٰ کا سننا بغیر حروف و
کلمات کے اور ترتیب و تقدم کے وسیلے کے بغیر ہوتا ہے اور اس میں ترتیب و تقدیم اور تاخیر نہیں ہوتی
کیونکہ وہ کلام جو مقدم، مؤخر اور ترتیب سے مرکب ہوتا ہے وہ زمانہ اور وقت چاہتا ہے لیکن

حق تعالیٰ پر زمانہ جاری نہیں ہوتا، کیونکہ حق تعالیٰ تمام زمانوں کا خالق و مالک ہے، لہٰذا حق تعالیٰ کے لئے ایسے کلام کا سننا جو حروف و آواز اور کلمات سے مرکب ہو بغیر کسی حروف کے توسط کے جائز ہے تو پھر ایسے کلام کا سننا جو حروف و اصوات کی قسم سے نہیں ہے بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ پس اس کو سمجھو اور کم عقل غافل لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو کہ حقیقت میں جاہل ہیں، وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ (اور اللہ سبحانہٗ ہی بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے)۔

ان سطور کے لکھنے کے بعد اس مقام کی تحقیق میں جو کچھ مجھے الہام ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس بندے کا فہم جو خطاب کے لئے مستعد اور حق تعالیٰ کا کلام سننے کی اہلیت رکھتا ہو حق تعالیٰ سے اس کا اخذ کرنا پہلے حرف و کلمہ کے توسط اور صوت و آواز کے بغیر القائے روحانی سے ہوتا ہے پھر یہ معنی جس پر القا ہوا ہے خیالی طور پر جہاں تمام اشیاء کی صورتیں منقوش ہیں وہاں حرف و آواز کی شکل اختیار کرتا ہے، کیونکہ عالم شہادت میں افادہ و استفادہ الفاظ و حروف ہی کے ذریعے سے ہوتا ہے اور اس القا پر سماعِ بے کیف کا اطلاق کرنا بھی جائز ہے کیونکہ کلام بلا کیف ہے اور ضروری ہے کہ اس قسم کا سماع بلا کیف ہو۔ ۔ ۔ ۔ کیونکہ کیف کو بلا کیف کی طرف رجوع کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے پس جائز ہوا کہ حق تعالیٰ کا کلام جو کہ حروف و اصوات سے مجرد ہے اس کا بلا کیف سننا جائز ہے پھر اس کے بعد یہ کلام خیال میں حرف اور کلمہ کی صورت اختیار کرے تاکہ عالمِ اجسام میں افادہ و استفادہ حاصل ہو ——— اور جو لوگ اس دقیق نکتہ سے آگاہ نہیں ہوئے ان میں سے بعض تو اچھے حال والے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کا کلام حروف و کلمات کے ذریعے سنتے ہیں جو کہ حادث ہیں اور کلام پر دلالت کرتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں، اور وہ اس میں کچھ فرق نہیں کرتے کہ کیا بات حق تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور کیا لائق نہیں۔ یہ لوگ جاہل اور باطل پرست ہیں ان کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ حق تعالیٰ کے لئے کن چیزوں کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور کن کا نہیں۔ اور حق بات وہی ہے جس کی حق سبحانہٗ کے فضل و کرم سے میں نے تحقیق کی ہے۔

اور شیخ کا یہ قول کہ "اس کے کان اس کی آنکھیں بن جاتی ہیں اور اس کی آنکھیں اس کے کان بن جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کا آخر اس کا اول ہو جاتا ہے اور اس کا اول آخر ہو جاتا ہے"۔ یعنی اس کے کان اس کی آنکھوں کا حکم اور اس کی آنکھیں اس کے کانوں کا حکم حاصل کر لیتی ہیں یعنی وہ اپنی

پوری کلیت سے سنتا ہے اور پورے جسم سے دیکھتا ہے اور جانتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے بعض حصے سے سنتا ہے اور دوسرے بعض حصے سے دیکھتا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے کان بالکل ہی آنکھ نہیں بن جائیں گے ——— پھر اپنے اس قول کی مزید وضاحت کی ہے کہ "اس کا اول اس کا آخر ہو جاتا ہے اور اس کا آخر اس کا اول ہو جاتا ہے"۔ چونکہ اس بات میں ایک قسم کی پوشیدگی تھی لہذا اس کی وضاحت کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہٗ نے ارواح کو مخاطب کر کے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (اعراف آیت ۱۷۲) (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) تو انھوں نے اس آواز کو بالکل صاف صاف بغیر کسی واسطے کے سُنا۔ پھر وہ ارواح مختلف اصلاب میں منتقل ہوتی رہیں بعد ازاں وہ رحموں میں منتقل ہوئیں حتیٰ کہ وہ اپنے جسموں میں ظاہر ہو گئیں لہذا وہ حق تعالیٰ کی قدرت سے حکمت کے ساتھ پوشیدہ ہو گئیں اور مختلف اطوار و حالات میں انقلابات کی وجہ سے ان پر بہت سی ظلمتیں چھا گئیں، پھر جب حق تعالیٰ کسی بندے کے متعلق حسنِ استماع کا ارادہ کرتا ہے تاکہ اس کو صوفی صافی بنائے تو اس کو تزکیہ و تجلی کے مختلف مراتب میں ترقی دیتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قدرتی فضا میں آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی بصیرت سے حکمت کے حجاب دور کر دیئے جاتے ہیں پھر اس کو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا سماع کشفاً و عیاناً ہوتا ہے اور اس کی توحید و عرفان سراسر تبیان و برہان (بیان و دلیل) کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، حتیٰ کہ اس کی اپنی زبان اور غیر کی زبان بھی اس کے حق میں شجرۂ موسوی کا حکم حاصل کر لیتی ہے اور وہ اس سے حق تعالیٰ کا کلام سنتا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس درخت سے حق تعالیٰ کے کلام کو سُنا تھا۔ پس صحیح ہو جاتا ہے کہ "اس کا آخر اس کا اول ہو جاتا ہے اور اس کا اول اس کا آخر ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے حق تعالیٰ کا کلام آخر میں بھی اسی طرح سُنا جس طرح اس نے اول میں سُنا تھا ——— (شیخ نے) اسی پر ان بعض اقوال کو محمول کیا ہے جس نے کہا کہ "مجھے وہ خطاب یاد ہے جو حق تعالیٰ نے "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کے الفاظ سے کیا تھا۔ یعنی وہ خطابِ اول بھی اسی خطاب کی طرح تھا جو میں اب حق تعالیٰ کا کلام مختلف زبانوں سے سُنتا ہوں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ حق تعالیٰ کا پہلا خطاب تحقیقی تھا اور ارواح کا حق تعالیٰ سے سننا حقیقی طور پر تھا لیکن یہ خطاب جو کہ زبانوں سے سُنا جاتا ہے اور زبان سے صادر ہوتا ہے جب اس کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی جائے تو وہ تخیل اور توہم کے طور پر ہو گا جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ پھر کس طرح

ایک دوسرے کا عین ہو سکتا ہے ———— اور بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ شیخ قدس سرہ نے اپنی جلالتِ شان کے باوجود ایک کو دوسرے کا عین کہا ہے اور تحقیق و تخیل کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا حالانکہ وہ عین سکر اور خالص توحید ہے اور اس کی مثال بعینہٖ (انا الحق) سُبْحَانِیْ اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللہ وغیرہ کی طرح ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ شیخ نے اس کے بعد کہا ہے کہ جب صوفی اس وصف سے متحقق ہو جاتا ہے تو اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود ابدی اور اس کا سننا متواتر اور متجدد ہو جاتا ہے۔ حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ وہ صوفی اس مقام میں صرف تجلی معنوی صفاتی سے متصف ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ اور یہ مقام تلوین کا مقام ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں، پھر کس طرح اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود ابدی ہو گا، کیونکہ سرمدی اور دائمی وقت تو اس وقت ہوتا ہے جب حق تعالیٰ کی ذات تک وصول حاصل ہو جائے اور تجلیٔ ذات میسر آجائے۔ اور اسی طرح شہود و مشاہدہ بھی اسی شخص کو ہوتا ہے جو کہ واصل الی ذاتہٖ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اور جو کچھ مرتبہ صفات میں حاصل ہوا اُسے مکاشفہ کہا جاتا ہے۔ پس شہود اور دوام تو اربابِ تمکین کا حصہ ہے جو ذات تک واصل ہیں نہ کہ اہلِ تلوین کا حصہ جو کہ صفات میں مقید ہیں کیونکہ یہ اربابِ قلوب اور اصحابِ تقلب ہیں۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (بقرہ آیہ ۳۲)

مولانا شیخ مودود محمد[۱] کی طرف صادر فرمایا۔

حلول کے رد میں صاحب عوارف کے قول کی تشریح

شیخ (شہاب الدین سہروردی) قدس سرہٗ نے اپنی کتاب عوارف المعارف کے نویں باب میں ان اشخاص کے تذکرے میں جو کہ صوفیہ کی طرف منسوب ہیں بیان کیا ہے کہ ان میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جو حلول کے قائل ہیں خَذَلَهُمُ اللهُ سُبْحَانَهٗ (اللہ سبحانہٗ ان کو ذلیل و رسوا کرے) اور وہ زعم کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ ان میں حلول کئے ہوئے ہے۔ نیز کہتے ہیں ان اجسام میں بھی وہ حلول کرتا ہے جن کو وہ دوست رکھتا ہے

[۱] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

اور نصاریٰ کے قول لاہوت اور ناسوت کی طرف ان کے ذہن سبقت کرتے ہیں۔ اور ان میں سے
بعض وہ ہیں جو اسی وہم کی بنا پر حسین عورتوں کی طرف دیکھنا جائز سمجھتے ہیں، اور خیال کرتے ہیں
کہ جن لوگوں نے اپنے غلبۂ حال میں کچھ کلمات کہے ہیں تو ان میں بھی وہی امر مضمر اور پوشیدہ ہے
جو انھوں نے گمان کیا ہے جیسا کہ حلاج کا اَنَا الحَقّ (میں خدا ہوں) کہنا، یا بایزید بسطامیؒ کا سُبْحَانِی
(میں پاک ہوں) کہنا۔ حَاشَا وَکَلَّا (ہرگز ایسا نہیں ہے) کہ ہم بایزیدؒ کے متعلق یہ اعتقاد رکھیں کہ انہوں نے
یہ بات کہی ہے بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے طور پر کہا ہے، اور حلاج کے قول میں بھی ایسا ہی
عقیدہ رکھنا چاہئے۔ اگر ہمارے نزدیک اس قسم کے اقوال میں کچھ نہ کچھ حلول مضمر اور پوشیدہ ہو تو
بھی ہم اس کی تردید اسی طرح کریں گے جس طرح حلول والوں کی تردید کرتے ہیں۔ انتہی کلامہ (الشیخ)

کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے کیا معنی ہیں اور اربابِ سُکر کی تخصیص اس میں
کونسی ہے، اور اس قسم کے اقوال جو کہ حق تعالیٰ کے قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟
سوائے اس کے کہ یہ خیال کیا جائے کہ شیخ قدس سرہ کی یہ مراد ہے کہ اس قسم کی بات کہنے والا اگرچہ
بندہ ہے جیسا کہ اکثر کے نزدیک ظاہر ہے تو لازم ہے کہ یہ قول حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے
طور پر ہو، کیونکہ بندہ "رب" نہیں بن جاتا لیکن اس قول کا کہنے والا حقیقت میں اللہ سبحانہٗ ہے البتہ
زبان بندہ کی ہے جیسا کہ شجرۂ موسوی ہے۔ اس صورت میں نہ حلاج پر کوئی اعتراض آتا ہے اور نہ
بایزید بسطامی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما پر۔ مگر شیخ کی ظاہر عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ ایسے
الفاظ کو حکایت کے معنیٰ پر محمول نہ کرتے تو اس سے حلول کے معنی سمجھے جاتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے
کیونکہ ہو سکتا ہے کہ توحید کے غلبہ اور شہود کا نور چمکنے کے وقت حلول و اتحاد کی آمیزش کے بغیر ایک مشہود
کے علاوہ ہر چیز پوشیدہ ہو جانے کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔ پس قول انا الحق کے معنی یہ ہوئے کہ میں کچھ
نہیں ہوں موجود حق تعالیٰ ہی ہے۔ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ میں حق کے ساتھ متحد ہوں یا حق تعالیٰ میں
حلول کئے ہوئے ہوں کیونکہ یہ کفر ہے اور توحیدِ شہودی کے منافی ہے۔ اس میں شہود صرف واحد احد
کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، اور حلول و اتحاد کی صورت میں مشہود متعدد ہو جاتے ہیں اگرچہ اتحاد و حالیت
کی صفت پر ہوں۔

اور شیخ کا یہ قول کہ ان میں سے بعض حسین عورتوں کی طرف دیکھنا جائز سمجھتے ہیں۔ اس سے

اشارہ حلول کی طرف ہے ـــــــ تعجب ہے کہ شیخ اجلؒ نے ایسی عبارتوں سے حلول و اتحاد سمجھا ہے حالانکہ ان اقوال سے جو چیز ذہن میں آتی ہے وہ ظہور ہے جو حلول کے علاوہ ہے، اس لئے کہ حلول یہ ہے کہ کوئی شے بنفسہٖ دوسری شے میں داخل ہو جائے جیسے زید بنفسہٖ مکان میں داخل ہو، اور ظہور یہ ہے کہ ایک شے کا عکس دوسری شے میں موجود ہو جیسا کہ آئینے میں زید کا عکس ہونا۔ پہلی بات (حلول) حق تعالیٰ کے لئے ناممکن ہے اور اس مرتبۂ مقدسہ کے لئے نقص ہے، اور دوسری بات (یعنی ظہور) کے ثبوت کے باعث جائز و ممکن ہے اور اس کے حصول میں کوئی نقص نہیں ہے کیونکہ پہلی بات سے تغیر لازم آتا ہے جو کہ ازلی ہونے کے منافی ہے اور دوسری بات اس کو مستلزم نہیں ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے ـــــــ اگر کمالاتِ وجوبیہ امکانیہ اعدام کے آئینے میں ظاہر ہوں تو اس سے حلول لازم نہیں آتا کیونکہ اس سے ان کمالات کا ان آئینوں میں حلول کرنا لازم نہیں آتا اور نہ ان کا تغیر و انتقال قدم کے منافی ہے، وہ تو صرف ایک ظہور ہے جو آئینے میں کمالات کو دکھاتا ہے لہٰذا حق تعالیٰ کے کمالات کا آئینے میں جلوہ گر ہونے کو جائز قرار دینا ان کمالات کا آئینے میں حلول کرنا نہیں ہے بلکہ وہ تو آئینے میں کمالات کے ظہور کا تجویز کرنا ہے اور اس میں کوئی نقص نہیں ہے، اگرچہ اس قسم کے شہود کو جائز قرار دینے والا صاحبِ نقص اور راستہ پر چلنے میں غیر مستقیم ہی کیوں نہ ہو، مقصود یہ ہے کہ حلول کی تہمت اس سے دور ہو جائے نہ کہ اس کے کمال کو ثابت کرنا اور نہ ہی اس کا کسی شے پر ہونا، وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا (اور اللہ سبحانہٗ ہی تمام امور کے حقائق کو جاننے والا ہے)۔

۳۱۳ + ۹۹ + ۱۱۴ = ۵۳۲

مکتوب ۱۲۰ (۶)

میر منصور[1] کی طرف گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بارے میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) میرے عزیز بھائی کے گرامی نامے یکے بعد دیگرے موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوئے، اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے کہ بے مناسبتی کے اسباب کے باوجود جو محبت و وابستگی فقراء کے ساتھ آپ کو حاصل ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ کسی قسم کا فتور واقع ہوا، بلکہ اس ربط و ضبط میں

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر سوم مکتوب ۶۳ پر درج ہے۔

مزید قوت پیدا ہو گئی ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ اس گروہِ صوفیہ کی محبت میں استقامت عطا فرمائے کیونکہ یہ سعادت کا سرمایہ ہے۔ ـــــــ اے محبت کے نشان والے! اس فرصت میں عزلت کا شوق غالب۔ اگر گوشہ نشینی اختیار کر لی، اور جمعہ کے علاوہ مسجد میں نہیں جاتا، اور پانچوں وقت کی نماز اسی مقررہ گوشہ (خانقاہ) میں ادا ہوتی ہے، اور لوگوں سے ملاقات بھی بند کر دی ہے، اوقات بڑی جمعیت و سکون سے بسر ہو رہے ہیں، گویا تمام عمر کی آرزو اب میسر ہوئی ہے۔ حَمْدًا اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ (اس پر اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے) ـــــــ باقی ظاہرا حالات خیر و عافیت سے ہیں اور فرزندان و متعلقین سب جمعیت کے ساتھ ہیں ـــــــ جناب خواجہ عبداللہ (غالباً حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے صاحبزادے) رمضان المبارک سے پہلے دہلی تشریف لے گئے، اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے کہ خواجہ نے یہاں کے قیام میں بہت فائدے حاصل کئے اور ان کے حالات میں بہت تبدیلی آگئی ہے اور توحید کے غلبے سے تنزیہ کے دریا میں غوطہ لگائے ہیں اور عمق (گہرائی) کی طرف متوجہ ہیں، اور ظاہر سے باطن کی طرف بلکہ باطن سے بطون کی طرف جا رہے ہیں۔ باقی احوال کی تفصیل چونکہ حافظ بہاء الدین (غالباً حضرت کے بھتیجے) وہاں آرہے ہیں وہ زیادہ تفصیل سے بیان کریں گے۔

۳۱۳ + ۹۹ + ۱۱۴ = ۵۳۳

مکتوب ۱۲۱

میرزا حسام الدین احمد[1] کے نام ایک مکتوب۔ کی عبارات کے حل میں جو اسرار پر مشتمل ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔ گرامی نامہ جو آپ نے ازروئے محبت و مہربانی اس فقیر کے نام تحریر کیا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ ایک بزرگ (غالباً حضرت شیخ عبدالحق؟) نے اس مکتوب (دفتر سوم مکتوب ۸) کی عبارت پر جو آپ نے اجمیر میں تحریر کیا تھا بہت اعتراض کئے، ان کے حل میں کچھ لکھنا چاہیے۔ اور جبکہ بعض دوستوں نے ان مشتبہ مقامات کی نشاندہی بھی کر دی اس لئے ان کے اندازے کے مطابق ان اشتباہ کے حل میں اللہ سبحانہٗ کی مدد سے چند مقدمات

[1] آپ کے نام سولہ[16] مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر گزر چکا ہے۔

تحریر کئے جاتے ہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَلْهَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ (اور اللہ سبحانہٗ ہی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے)

سیرِ مرادی اور سیرِ مریدی کی وضاحت

میرے مخدوم و مکرم! سیرِ مرادی اور سیرِ مریدی ایک ایسا امر ہے جو اس صاحبِ سیر کے وجدان سے تعلق رکھتا ہے اور یہ کسی نہ کسی امر کا التزام کرنا نہیں ہے جو بغیر تعلق کے ہو، لہٰذا اس کے اثبات پر حجت اور برہان طلب کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے باوجود جس شخص کو حضرت حق سبحانہٗ نے قوت حدسیہ (سرعت فہم) عطا کی ہے وہ اگر اس صاحبِ سیر کے احوال و اوضاع میں بغور ملاحظہ کرے اور وہ فیوض و برکات اور علوم و معارفِ الٰہی جل شانہٗ کہ جس کے ساتھ اس کو ممتاز کیا ہے اس کا مشاہدہ کرے تو ہو سکتا ہے کہ اس پر سیرِ مرادی کا حکم کرے، اور وہ کسی دلیل کا محتاج نہ ہو۔ وہ اس شخص کے مانند ہے جو آفتاب و ماہتاب کے قرب و بعد اور مقابلہ و اجتماع کے ملاحظہ کے بعد اس امر کا فیصلہ کرے گا کہ چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ معنی تیز فہم ارباب کے علاوہ کسی دوسرے پر حجت نہیں ——— اور یہ بھی ہے کہ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ نے فقیر کی سیر کے شروع احوال میں اس سیر کو سیرِ مرادی مقرر فرمایا تھا۔ شاید دوستوں نے بھی اس معنی کو اُن سے سنا ہوگا۔ اور مثنوی کے یہ اشعار اس فقیر کے حال کے مطابق جانتے ہوئے پڑھا کرتے تھے ؎

عشقِ معشوقاں نہاں است و ستیر ۔۔۔ عشقِ عاشق با دو صد طبل و نفیر
لیک عشقِ عاشقاں تن زہ کند ۔۔۔ عشقِ معشوقاں خوش و فربہ کند

(ترجمہ) عشقِ معشوق ہے نہاں ہر پل ۔۔۔ عشقِ عاشق عیاں بہ بانگِ دُہل
عشق عاشق کو کردے بس لاغر ۔۔۔ عشق معشوق کو کرے خوشتر

اور مرادوں میں سے جو کوئی واصل ہوا ہے وہ راہِ اجتبا، (برگزیدہ ہونے) کے راستے ہی سے گیا ہے اور راہِ اجتبا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے ——— صاحبِ عوارف قدس سرہٗ نے مجذوب سالک اور سالک مجذوب کے بیان میں اس معنی کی تصریح فرمائی ہے، اور مریدوں کی راہ کو "راہِ انابت" اور مرادوں کی راہ کو "راہ اجتبا" کہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ (شوریٰ آیت ۱۳ پ ۲۵) (اللہ تعالیٰ جس کو

چاہتا ہے اس کو برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اس کو ہدایت دیتا ہے) ——— ہاں اجتباء کی راہ بالاصالت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے، اور امتوں کو دوسرے کمالات کی طرح ان کی پیروی کے باعث اس سے بھی حصہ حاصل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اجتباء کا راستہ مطلقاً طور پر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور امتوں کے لئے اس میں ہرگز کوئی حصہ نہیں ہے کہ وہ غیر واقع ہے۔

میرے مخدوم! سالک کو فیوض کا پہنچنا حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے توسط اور حیلولت (پردہ) کے ساتھ اس وقت تک ہے جبتک کہ اس سالک کی حقیقت محمدی المشرب ہے اور حقیقتِ محمدی کے ساتھ منطبق نہیں ہوئی ہے اور نہ اس کے ساتھ متحد ہے، اور جب کمال متابعت کی وجہ سے بلکہ محض حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے عروج کے مقامات میں اس حقیقت کو اس حقیقت کے ساتھ اتحاد حاصل ہو جائے تو واسطہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ توسط اور حیلولت تو مغائرت میں ہے اور اتحاد میں توسط اور متوسط اور حاجب و محجوب نہیں ہوتے۔ جہاں اتحاد ہے وہاں شرکت کا معاملہ ہے لیکن چونکہ سالک تابع الحاقی اور طفیلی ہے لہذا اس کی شرکت مخدوم کے ساتھ خادم کی قسم سے ہے۔

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس کی حقیقت کو آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کے ساتھ انطباق و اتحاد پیدا ہو جاتا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ حقیقتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام تمام حقائق کی جامع ہے اور اس کو "حقیقت الحقائق" کہتے ہیں اور دوسروں کی حقیقتیں اس کے اجزاء یا جزئیات کے مانند ہیں۔ کیونکہ اگر وہ محمدی المشرب ہے تو سالک کی حقیقت اس کُلّی (حقیقت) کے لئے جزئی کے رنگ میں ہے اور اسی پر محمول ہے۔ اور غیر محمدی المشرب کی حقیقت اس کل کے لئے جزو کی طرح ہے اور اس پر محمول نہیں ہے، اور اس حقیقتِ غیر محمدی المشرب والے کو اگر عروج میں اتحاد پیدا ہو جائے تو وہ اس پیغمبر کی حقیقت کے ساتھ ہوگا جس کے قدم پر وہ ہے اور اس کی حقیقت محمول ہوگا اور اس کے کمالات میں مناسب شرکت پیدا ہو جائے گی، لیکن وہ شرکت خادم کی مخدوم کے ساتھ جیسی ہوگی جیسا کہ پہلے گزر چکا ——— اور جب اس جزئی کو کمال متابعت کی وجہ سے بلکہ محض حق تعالیٰ کے فضل سے اپنی کلی کے ساتھ خاص محبت پیدا ہو جائے اور اس کے وصول کا شوق اس کو دامنگیر ہو جائے تو وہ قید جو کلی کو جزئی کے ساتھ لائی تھی۔ خداوند جل شانہٗ کے

فضل وکرم سے رو بزوال ہونے لگتی ہے اور بتدریج زوال کے بعد اس جزئی کو اس کلی کے ساتھ انطباق اور الحاق حاصل ہو جاتا ہے ــــــ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ "خاص محبت پیدا ہو جاتی ہے" یہ بات ایسی ہے جیسی کہ ابتدا میں محض حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس فقیر کو پیدا ہوئی تھی اور اس محبت کے غلبوں میں کہا کرتا تھا کہ "میری محبت حضرت حق سبحانہ کے ساتھ اسی جہت سے ہے کہ وہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب ہے"[1]۔ میاں شیخ تاج اور دوسرے دوست اس مقولے سے تعجب کرتے تھے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ شاید آپ کو بھی یاد ہو اور یہ بات آپ کے دل سے نہ نکلی ہوگی۔ بہرحال جبتک اس قسم کی محبت پیدا نہ ہو جائے تو الحاق واتحاد کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۶۲) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

خاص محبت کا غلبہ

اب توسط اور عدم توسط کی حقیقت کو بیان کیا جاتا ہے۔ خوب توجہ سے سنیں۔ جذبے کے طریق میں چونکہ مطلوب کی جانب سے کشش ہوتی ہے اور عنایتِ الٰہی جل شانہ طالب کے حال کی کفیل ہوتی ہے اس لئے لازمی طور پر وہ وسیلہ وساطت کو قبول نہیں کرتی اور چونکہ سلوک کے طریق میں انابت طالب کی جانب سے ہوتی ہے اس لئے ذرائع کے وجود کے بغیر چارہ نہیں۔ اور نفسِ جذبہ میں اگرچہ ذرائع ووسائط درکار نہیں ہیں لیکن جذبے کا مکمل ہونا سلوک کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ اگر سلوک جو کہ شریعت کی بجا آوری اور توبہ وزہد وغیرہ سے عبارت ہے اگر جذبے کے ساتھ پیوست نہ ہو تو جذبہ ناتمام اور ابتر ہے۔ ہم نے بہت سے ہندو اور ملحدوں کو دیکھا ہے کہ جذبہ رکھتے ہیں لیکن چونکہ صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں ہیں لہٰذا خراب اور ابتر ہیں اور سوائے صورتِ جذب کے ان کو کچھ حاصل نہیں ہے۔

توسط اور عدم توسط کی حقیقت

سوال:۔ جذبے کا حصول ایک قسم سے محبوبیت کی طلب ہے، لہٰذا کفار جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں ان کو جذب سے کس طرح حصہ ملنا تجویز کیا جا سکتا ہے۔

جواب:۔ ہو سکتا ہے کہ بعض کفار کے حقائق ایک طرح کی محبوبیت کے معنی رکھتے ہوں جو اُن کے حصولِ جذبہ کا سبب ہو، اور چونکہ وہ صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں ہیں لہٰذا وہ خاسر اور ذلیل وخوار ہیں، اور اس جذبے نے سوائے حجت قائم کرنے کے

[1] دیکھیں مبدا ومعاد (منہ ۱۹ ۱۰م)

ان کے لئے اور کچھ نہیں کیا ہے کیونکہ ان کی استعداد تو معلوم ہوگئی جس کو وہ جہالت اور دشمنی کی وجہ سے قوت سے فعل میں نہیں لائے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (نحل آیت ۳۳) (اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے)۔ اور طریق جذبہ میں اگر صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے توسط سے جو کہ سلوک سے عبارت ہے، مطلوب تک وصول میسر ہو جائے تو وہ کسی امر کے واسطے اور حیلولت کے علاوہ ہوگا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے لَوْ دُلِّيْتُمْ بِدَلْوٍ لَوَقَعْتُمْ عَلَى اللّٰهِ (اگر تم ڈول کو کنویں میں ڈالو اور گہرائی تک پہنچا دو تو وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا) یعنی اگر تم حضرت حق سبحانہٗ کی طرف کھینچے جاؤ اور بطون کے باطن میں پہنچا دیئے جاؤ تو یقیناً تمہارے اور حق جل وعلا کے درمیان کوئی امر حائل اور حجاب نہ ہوگا ——— شاید آپ کی خاطر مبارک میں یہ بات یاد ہوگی کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس معیت کی راہ سے جو حق جل سلطانہٗ کو بندے کے ساتھ ہے اگر وصول میسر ہو جائے تو لازمی طور پر وہ کسی امر کے توسط کے بغیر ہوگا کیونکہ وہ معیت کے مناسب ہے، اور اگر واسطہ ہے تو تربیت کے سلسلے میں ہے کہ جس سے مراد سلوک ہے۔ اور معیت کی راہ جذب کے طریقوں میں سے ایک ہے اور آنحضرت علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ آدمی کو جب اپنے محبوب کے ساتھ محبت ثابت ہوگئی تو درمیان سے واسطہ زائل ہوگیا۔

غور سے سنیں! کہ ہر ظل کو اپنی اصل کی طرف ایک شاہراہ ہے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے، لیکن اگر خداوند جل شانہٗ کی عنایت سے کسی ظل کو اپنی اصل کے ساتھ کوئی رغبت پیدا ہو جائے اور ایک کشش ظاہر ہو اور صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی دولت سے اس ظل کو اپنی اصل کے ساتھ وصول والحاق حاصل ہو جائے تو یقیناً وہ کسی امر کے واسطے اور حیلے کے بغیر ہوگا، اور چونکہ وہ اصل حق تعالیٰ جل شانہٗ کے اسماء میں سے کوئی ایک اسم ہے تو لازمی طور پر اسم اور اس کے مسمیٰ کے درمیان کوئی واسطہ حائل نہ ہوگا اور ظل کا وصول اس راہ سے اپنی اصل الاصل کے ساتھ جو اس اسم کا مسمیٰ ہے بغیر کسی امر کے توسط کے ہوگا۔ اور اسی طرح جو شخص بے چونی وصول کے ساتھ حضرت ذات تعالیٰ سے واصل ہے تو اس کے حق میں کسی امر کا توسط اور حیلولت مفقود ہے۔ پھر جب

حضرت ذات سبحانہٗ کے ساتھ وصول کی صورت میں صفات واجبی جل سلطانہٗ کی حیلولت اور حجابیت زائل ہو جاتی ہے تو پھر غیر صفات کی حیلولت اور حجابیت کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

سوال: جب واجب جل شانہٗ کی صفات کا حضرت ذات تعالیٰ سے جدا ہونا جائز نہیں تو پھر واصل اور موصول الیہ کے درمیان سے صفات کے حیلولہ کا اٹھ جانا کیا معنی ہوگا؟

جواب: جب سالک کو اپنی اصل کے ساتھ جو اسماءِ الٰہی جل شانہٗ میں سے ایک اسم ہے اور وہ سالک اس کا ظل ہے اس کو وصول اور تحقق حاصل ہو جاتا ہے تو یقیناً اس کے اور حضرت ذات تعالیٰ کے درمیان کوئی توسط اور حیلولت باقی نہیں رہتا جس طرح کہ اسم اور اس کے مسمیٰ کے درمیان کسی امر کا حائل ہونا ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا نہ ارتفاع لازم آتا ہے نہ انفکاک۔ اسی طرح کی تحقیق اوپر گزر چکی ہے جو حقیقتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اور سالک کی حقیقت کے اتحاد کے بیان میں ہے، اور نیز اس کا کچھ تھوڑا سا حصہ ظل کا اپنی اصل سے وصول کے بیان میں بھی گزر چکا ہے۔

تنبیہ: اس عدم توسط سے جو کہ طریق جذبہ وغیرہ میں کہا گیا ہے کوئی بے وقوف یہ گمان نہ کرے کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی ضرورت نہیں ہے اگرچہ وہ بعض لوگوں کی نسبت ہی سے ہو، اور اسی طرح آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت و تبعیت کے عدم احتیاج کا بھی وہم وگمان نہ کریں کیونکہ وہ کفر و الحاد اور زندقہ ہے اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعتِ حقہ کا انکار ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جذبہ سلوک کے توسط کے بغیر جس سے اتباعِ شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ مراد ہے ابتر اور ناتمام ہے جو نعمت کی صورت میں ایک عذاب ہے اور ناتمام جذبے نے صاحبِ جذبہ پر حجت کو پورا کر دیا ہے ——

مختصر یہ کہ کشفِ صحیح اور الہامِ صریح سے بھی یہ بات یقین کو پہنچ گئی ہے کہ اس راہ کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ اور اس گروہ کے معارف میں سے کوئی معرفت آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور آپؐ کے توسط کے بغیر میسر نہیں ہے اور منتہی کو بھی مبتدی اور متوسط کی طرح اس راہ کے فیوض و برکات آپؐ کی تبعیت اور طفیل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز در پئے مصطفیٰؐ

(ترجمہ) سعدی محال ہے کہ طے ہو راہِ مستقیم   جب تک نصیب ہو نہ غلامی مصطفیٰؐ

افلاطون (حکیم) نے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے مستغنی سمجھا، کیونکہ اس نے اپنے نفس میں ریاضات و مجاہدات کی وجہ سے صفائی حاصل کرلی تھی اور کہتا تھا نَحْنُ قَوْمٌ مُّهَذَّبُوْنَ لَا حَاجَةَ بِنَا اِلٰى مَنْ يُّهَذِّبُنَا (ہم ایک مہذب قوم ہیں اس لئے ہم کو کسی تہذیب سکھانے والے آدمی کی ضرورت نہیں) ۔ اس بے وقوف نے یہ نہیں جانا کہ یہ صفائی جو اس نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے بغیر اپنی ریاضتوں کی وجہ سے حاصل کی ہے اس کا حکم ایسا ہی ہے جیسے سیاہ تانبے پر ملمع سازی کر کے سونا چڑھا دینا، یا زہر پر شکر کا غلاف چڑھا دیں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت ہی ہے جو تانبے کی حقیقت کو تبدیل کر کے خالص سونا بنا دیتی ہے اور نفس کو امارگی سے نکال کر اطمینان کی طرف لے آتی ہے۔ حکیم مطلق جل شانہٗ نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت اور ان کا تقرر اسی نفسِ امارہ کو عاجز اور خراب کرنے کے لئے بنایا ہے اور اس کی خرابی کو بلکہ اس کی اصلاح کو ان بزرگوں علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے علاوہ کسی اور چیز میں نہیں رکھا، اگرچہ ہزاروں ریاضات و مجاہدات ان بزرگوں علیہم الصلوات و التسلیمات کی متابعت کے بغیر کئے جائیں تو بھی اس کی امارگی میں بال برابر کمی نہ ہوگی بلکہ اس کی سرکشی میں زیادتی ہوتی رہے گی۔ ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود (ترجمہ) جو بھی کھائے مریض ہو وہ مرض

اس کی ذاتی مرض کا ازالہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی شریعتوں کے ساتھ وابستہ ہے وَدُوْنَهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (ورنہ بے فائدہ تکلیف اٹھانا ہے) ـــــــــــ جاننا چاہیئے کہ جذبے کو سلوک کے بغیر چارہ نہیں ہے خواہ جذبہ سلوک پر مقدم ہو یا مؤخر، لیکن جذبے کی تقدیم خاص طور پر فضیلت رکھتی ہے کیونکہ سلوک اس صورت میں اس کا خادم ہے اور جذبے کی تاخیر میں سلوک اس کا مخدوم ہوتا ہے چونکہ سلوک کی دولت کی وجہ سے اس کو جذبہ میسر ہوا ہے، اور جذبے کی تقدیم میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ وہ بالذات مطلوب و مدعو ہے لہذا یہ (صاحبِ جذب) مراد ہوا اور وہ (صاحبِ سلوک) مرید۔ اور مرادوں کے سردار اور محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم ہیں کیونکہ اس دعوت سے مقصود ذاتی مدعوِّ اول (سب سے پہلے بلایا ہوا) آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں، اور دوسروں کو آپ ﷺ ہی کے طفیل میں بلایا گیا ہے خواہ وہ مراد ہوں یا مریداں ہوں۔ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ فرماتا اور نہ اپنی ربوبیت کا اظہار فرماتا جیسا کہ وارد ہوا ہے:۔

بعثتِ انبیاء کی حکمت

جذبے کو سلوک کے بغیر چارہ نہیں

آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہی اس دعوت کے مقصودِ اصلی ہیں، لہٰذا لازمی طور پر سب آپؐ کے طفیلی اور فضلہ ہوئے اور آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے توسط سے فیض و برکات اخذ کرتے ہیں۔ اور اسی معنی میں اگر سب کو علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی آل و اولاد کہیں تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ سب آپؐ کے پیچھے پیچھے چلنے والے ہیں اور آپ کے توسط کے بغیر کمال اخذ نہیں کر سکتے، جب ان سب کا وجود آپ کے توسط کے بغیر کوئی صورت اختیار نہیں کر سکتا تو دوسرے کمالات جو خود وجود کے تابع ہیں آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے توسط کے بغیر کس طرح صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ ہاں محبوب ربّ العالمین ایسا ہی ہونا چاہئے۔

حضرتؐ کے توسط سے فیض و برکات

غور سے سماعت فرمائیں! منکشف ہوا ہے کہ آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت واجب جل شانہٗ کی اُس محبت کے ساتھ ثابت ہے جو شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر اس تعالیٰ کی ذات بحت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور حضرتِ حق تعالیٰ کی ذات اس محبت کی وجہ سے محبوب ہوئی ہے بخلاف دوسروں کی محبوبیت کے کہ وہ بھی اس محبت کے ساتھ ثابت ہے جس کا تعلق شیون و اعتبارات سے ہے یا اسماء و صفات کے ساتھ ہے، یا اسماء و صفات کے ظلال کے درجات کے تفاوت کے ساتھ ملتبس ہیں ؎

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

(ترجمہ) محمدؐ کی بزرگی کی نہیں حد زباں لائے کہاں طاقت بیاں کی

عَلَیْہِ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالْبَرَکَاتُ۔ (آپؐ پر اور تمام انبیاء مرسلین اور ملائکۃ المقربین پر صلوٰۃ وسلام اور تحیات و برکات ہوں۔

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ سرورِ کائنات علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا توسط دو معنی سے ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وسلم سالک اور اس کے مطلوب کے درمیان حائل اور حاجب ہوں، اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ سالک آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اور آپؐ کی تبعیت و متابعت کے توسط کی وجہ سے مطلوب سے واصل ہو۔ اور سلوک کے طریق میں حقیقتِ محمدی تک پہنچنے سے پہلے دونوں معنوں کے ساتھ توسط و وسیلہ ثابت ہے۔ بلکہ

آنحضرتؐ کے توسط کے دو معنی

میں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ اس طریق میں وہ شیوخ جو درمیان میں آئے ہیں وہ شہود سالک میں متوسط اور حاجب ہیں، اگر آخرِ حال میں بھی جذبہ ان کا نزارک نہ کرے اور معاملہ پردہ سے بے پردہ تک نہ پہنچے تو اس کا حال قابلِ افسوس ہے، کیونکہ طریق جذبے میں حقیقۃ الحقائق (یعنی حقیقتِ محمدی) تک پہنچنے کے بعد توسط دوسرے معنی میں ہے جو کہ طفیل و تبعیت ہے نہ کہ حیلولت اور حجاب، جو شہود و مشاہدہ جیسی چیزوں کے لئے پردہ ہے۔

یہ بات ہرگز نہیں کہی جا سکتی کہ عدم توسط کی وجہ سے اگرچہ ایک ہی معنی میں ہو حضرت خاتمیت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی بارگاہ میں قصور لازم آتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ عدم توسط آنجناب علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کمال کو مستلزم ہے نہ کہ قصور کو، بلکہ قصور تو توسط کے وجود میں ہے کیونکہ متبوع کا کمال یہ ہے کہ تابع اس کے طفیل اور تبعیت کی وجہ سے کمال کے تمام درجات تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑے، اور یہ معنی عدم توسط میں ثابت ہیں نہ کہ وجودِ توسط میں، کیونکہ وہاں شہود بے پردہ ہے جو کمال کے درجات کی آخرترین منزل ہے اور یہاں (وجودِ توسط کے) پردہ میں ہے، لہٰذا کمال عدم توسط میں ہوا اور قصور توسط میں۔ یہ مخدوم کی شوکت و عظمت ہے کہ اس کا خادم کسی مقام میں بھی اس سے پیچھے نہ رہے اور اس کی تبعیت سے اس کے ہمسروں کی دولت میں شریک ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں) عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

آخرت میں حق جل وعلا کا دیدار کسی امر کے توسط اور حیلولت کے بغیر ہوگا، اور حدیثِ صحیح علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہے کہ جب بندہ نماز میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ حجاب جو بندہ اور حق تعالیٰ کے درمیان ہے اُٹھ جاتا ہے اسی لئے نماز مومن کی معراج ہوئی، اور منتہی واصل کے لئے اس سے بہت حصہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ حجاب کا اُٹھنا واصل منتہی کے ساتھ مخصوص ہے، لہٰذا توسط اور حیلولہ کا زائل ہو جانا ثابت ہو گیا۔ یہ معرفت اس فقیر کے معارف لدنیہ کے خواص میں سے ہے کہ محض اپنے فضل و کرم سے مجھے عطا فرمائی گئی ہے اور اس کی حقیقت سے متحقق کیا گیا ہے ؎

آخرت میں حق تعالیٰ کا دیدار بغیر کسی توسط کے ہوگا

کند از لطف بر من قطرہ باری	من آں خاکم کہ ابرِ نو بہاری
کرے بارش کرم سے خوب ساری	(ترجمہ) میں وہ مٹی ہوں جس پر ابرِ بہاری

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اگر بادشاہ بر درِ پیر زن   بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

(ترجمہ) اگر بادشہ آئے بڑھیا کے گھر   تو اے خواجہ کچھ بھی تعجب نہ کر

توسط اور عدم توسط میں اختلاف

آں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے توسط اور عدم توسط میں مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارہم کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ ایک جماعت توسط کی طرف گئی ہے اور دوسری عدم توسط کی طرف۔ اور ان میں سے کسی نے بھی توسط اور عدم توسط کی تحقیق نہیں کی اور ان کے کمال و قصور کی بابت کچھ نہیں کہا۔ بہت ممکن ہے کہ ارباب ظواہر عدم توسط کو جو ایمان کا کمال ہے کفر خیال کریں اور اس کے قائل کو نادانستہ طور پر گمراہ کہیں، اور توسط کو ایمان کا کمال سمجھیں اور اس کے قائل کو مکمل تابعداروں میں شمار کریں۔ جبکہ حال یہ ہے کہ عدم توسط کمال متابعت کی خبر دیتا ہے، اور توسط متابعت کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کیونکہ ان کا یہ کہنا حقیقتِ حال سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (یونس آیہ ۳۹) (بلکہ انھوں نے اس کو اس وجہ سے جھٹلایا کہ وہ اس کے علم کا احاطہ نہ کرسکے اور نہ اس کی تاویل ان پر واضح ہوئی۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا تھا)۔

اویسی کہنے کا مطلب

میرے مخدوم! اویسی کہنے کا مطلب ظاہری پیر سے انکار نہیں ہے کیونکہ اویسی وہ شخص ہے کہ جس کی تربیت میں روحانیوں کو دخل ہو۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کو باوجود پیر ظاہر کے چونکہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی روحانیت سے امداد حاصل تھی اس لئے وہ اپنے آپ کو اویسی کہتے تھے، اور اسی طرح حضرت خواجہ نقشبندؒ بھی باوجود پیر ظاہر کے حضرت خواجہ عبدالخالق (غجدوانی) قدس سرہما کی روحانیت سے مدد حاصل کئے ہوئے تھے لہٰذا اویسی تھے۔ بالخصوص وہ شخص جو اویسیت کے باوجود اپنے ظاہری پیر کا بھی اقرار کرے پھر بھی پیر کا انکار اس کے ذمے لگا دینا عجب انصاف ہے۔

لفظ عبدالباقی کی ترکیب سے مراد

میرے مخدوم! لفظِ عبدالباقی کی ترکیب سے مراد معنی اضافی ہے نہ کہ معنی عَلَمی۔ ہر چند یہ لفظ بلیغ وجوہ سے بھی معنی عَلَمی کا اظہار کرتا ہے یعنی میرا پیر اگرچہ بندۂ باقی ہے لیکن میری تربیت کا ذمہ دار اور متکفل اللہ باقی ہے۔ اس میں کونسی تحریف اور بے ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ انصاف عطا فرمائے۔

میرے مخدوم! وہ قصور جو سُبحانی کے معنی میں حضرت بسطامی قدس سرہٗ سے سکر کے غلبہ

کی وجہ سے صادر ہوا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ قصور قائل میں ہمیشہ ہمیشہ مستقل رہے اور دوسرے اس سے افضل ہو جائیں، کیونکہ بہت سے معارف ایسے ہیں کہ کسی وقت میں تقاضائے حال کی بنا پر صادر ہوتے ہیں اور دوسرے وقت میں خداوند جل شانہٗ کی عنایت سے جب اس معرفت کا قصور ان کو معلوم ہوا تو وہ اس سے گذر کر مقامِ فوق پر پہنچ جاتے ہیں۔

(سوال) گرامی نامے میں درج تھا کہ اربابِ سُکر اگر اس قسم کی شطح آمیز باتیں لکھیں تو اس کی گنجائش ہے لیکن اربابِ صحو سے اس قسم کی باتوں کا اظہار بہت بعید ہے۔

(جواب) میرے مخدوم! جو بھی اس قسم کی باتیں لکھتا ہے وہ سکر کی وجہ سے لکھتا ہے اور سکر کی آمیزش کے بغیر اس نے قلم نہیں اٹھایا ——— خلاصۂ کلام یہ کہ سکر کے بھی بہت سے مراتب ہیں۔ جسقدر سکر زیادہ ہوگا اتنی ہی شطح[1] زیادہ ہو گی۔ بسطامیؒ کا سکر ہے کہ ان سے بے تحاشا قول لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ ﷺ (میرا جھنڈا حضرت محمدؐ کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے) صادر ہوا۔ لہٰذا جو بھی صحو لکھتا ہوا اس کے متعلق یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ اس کے ساتھ سکر نہیں ہے کہ وہ عین قصور ہے، کیونکہ صحو خالص عوام کا حصہ ہے، جس نے بھی صحو کو ترجیح دی ہے اس کی مراد غلبۂ صحو ہے نہ کہ خالص صحو۔ اور اسی طرح جو سکر کو ترجیح دیتا ہے اس کی مراد غلبۂ سکر ہے نہ کہ خالص سکر، کہ وہ آفت ہے ——— حضرت جنید قدس سرہ اربابِ صحو کے رئیس ہیں اور صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی بہت سی عبارتیں سکر آمیز ہیں جن کا شمار کرنا مشکل ہے، (مثلاً) وہ فرماتے ہیں هُوَ الْعَارِفُ وَالْمَعْرُوْفُ (وہی عارف ہے اور وہی معروف ہے)۔ اور یہ بھی فرمایا لَوْنُ الْمَاءِ لَوْنُ اِنَائِہٖ (پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہے)۔ نیز فرماتے ہیں اَلْمُحْدَثُ اِذَا قُوْرِنَ بِالْقَدِیْمِ لَمْ یَبْقَ لَہٗ اَثَرٌ (حادث جب قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کا اپنا کوئی اثر باقی نہیں رہتا) ——— اور صاحبِ عوارف جو اربابِ صحو میں کامل ترین ہیں اپنی کتاب (عوارف المعارف) میں اسقدر سکر یہ معارف لکھے ہیں کہ ان کی شرح کیا بیان کی جائے ——— اس فقیر نے ایک صفحہ میں آں قدس سرہ کے معارفِ سکریہ جمع کئے ہیں وہ سکر ہی کی باقیات میں سے ہیں انھوں نے اسرار کو ظاہر کرنا جائز رکھا ہے، اور یہ سکر ہی ہے جس کی وجہ سے وہ فخر و مباہات کرتے ہیں، اور یہ سکر ہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر فضیلت دیتے ہیں، اگر

[1] قولِ شطح۔ شطح سے مراد وہ بات جو بظاہر خلافِ شریعت ہو۔

صحو خالص ہوتا تو اسرار کا افشا کرنا اس مقام میں کفر ہوتا، اور خود کو دوسروں سے بہتر جاننا شرک ہوتا۔ اور صحو کی حالت میں سکریہ باتیں کھانے میں نمک کی مانند ہیں جو کھانے کو لذیذ کرتا ہے، اگر نمک نہ ہو تو کھانا معطل اور بیکار ہو جاتا ہے ؎

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے — چندیں سخنِ نغز کہ گفتے کہ شنودے

(ترجمہ) گر عشق نہ ہوتا نہ غمِ عشق ہی ہوتا — لذت میں کہاں اس کی کوئی جان کو کھوتا

صاحب عوارف المعارف قدس سرہ نے حضرت شیخ عبد القادر قدس سرہ کے اس قول کو قَدَمِیْ هٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیٍّ (میرے یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہیں) بقیہ سکر پر ہی محمول کیا ہے اس لئے ان کی مراد اس قول کا قصور نہیں ہے جیسا کہ وہم کیا گیا ہے کہ وہ ان کی عین مدحت اور تعریف ہے بلکہ واقع کا بیان کیا ہے۔ یعنی اس قسم کی باتوں کا صادر ہونا جو کہ مباہات و افتخار پر مبنی ہوں بغیر سکر کے ثابت نہیں ہیں۔ کیونکہ صحو خالص میں اس قسم کی باتوں کا سرزد ہونا دشوار ہے ——— اس فقیر نے جو یہ تمام دفاتر اس طائفہ عالیہ کے علوم و اسرار کے بیان میں لکھے ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی خاطر شریف میں خیال گزرے گا کہ وہ صحو خالص کی رُو سے سکر کی آمیزش کے بغیر لکھے گئے ہیں، حاشا وکلا (ہرگز ایسا نہیں ہے) کہ وہ حرام اور منکر ہیں اور سخن بافی (باتیں بنانا) ہے، باتیں بنانے والے جو صحو خالص سے متصف ہیں بہت ہیں۔ وہ اس قسم کی باتیں کیوں نہیں بناتے اور لوگوں کے دلوں کو اصلاح کی طرف مائل کیوں نہیں کرتے ؎

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست — ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست

(ترجمہ) نہیں بیہودہ ہے حافظ کی فریاد — کہانی ہے عجیب و خانہ برباد

میرے مخدوم! اس قسم کی باتیں جو افشائے راز پر مبنی ہوتی ہیں اور ظاہر کی طرف مصروف اور پھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں ہر وقت مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سے ظہور میں آتی رہتی ہیں اور ان بزرگوں کی دائمی عادت بن گئی ہے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جس کی ابتدا اس فقیر نے کی ہو اور اس کی اختراع کی ہو۔ لَیْسَ هٰذَا اَوَّلَ قَارُوْرَةٍ کُسِرَتْ فِی الْاِسْلَامِ (یہ کوئی پہلا شیشہ نہیں ہے جو اسلام میں توڑا گیا ہے) لہٰذا یہ تمام شور و غوغا کیسا ہے۔ اگر کوئی ایسا لفظ صادر ہو گیا ہے جو ظاہر علوم شرعیہ سے مطابقت نہیں رکھتا تو اس کو تھوڑی سی توجہ سے

ؔلہ شیخ عبدالحق کی اخبار الاخیار (مطبع مجتبائی دہلی) کے آخر میں ۱۳ صفحات (۳۱۵۔۳۰۳) میں شیخ نے حضرت مجددؒ سے جو مسئلہ رکھی ہیں اس کا بیان ہے

ظاہر سے پھیر کر شریعت کے مطابق بنا دینا چاہئے اور ایک مسلمان پر تہمت نہیں لگانی چاہئے فاحشہ کو رسوا کرنا اور فاسق کا خوار کرنا جب شریعت میں حرام اور منکر ہے تو ایک مسلمان کا محض شبہ کی بنا پر رسوا کرنا کہاں تک مناسب ہے اور شہر بشہر اس کی منادی کرانا کونسی دینداری ہے۔

مسلمانی اور مہربانی کا طریقہ تو یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جو بظاہر علوم شرعیہ کے مخالف ہو تو دیکھنا چاہئے کہ اس کا کہنے والا کون ہے اگر ملحد و زندیق ہے تو اس کا رد کرنا چاہئے اور اس کی اصلاح کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، اور اگر اس کا کہنے والا کوئی مسلمان ہے اور خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہے تو اس کے بیان میں اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے اور اس کے صحیح محمل (صحیح معنی) پیدا کرنا چاہئے، یا اس کہنے والے سے اس کا حل طلب کرنا چاہئے۔ اگر وہ اس کے حل میں عاجز ہو تو اس کو نصیحت کرنی چاہئے اور نرمی کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا چاہئے کیونکہ وہ اجابت و قبولیت کے نزدیک ہے۔ اور اگر مقصود تسلیم کرانا نہ ہو اور صرف رسوا کرنا مطلوب ہو تو دوسری بات ہے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ آپ کے مکتوب گرامی سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس عزیز سے اس فقیر کا مکتوب سننے کے بعد آپ کے خادموں میں بھی اشتباہ و انحراف طاری ہو گیا تھا شاید کہ اس کا عکس یا پر تو ہو۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مشتبہ مقامات کو آپ خود حل کر لیتے اور اس فقیر پر پردہ چھوڑتے اور فتنے کو فرو کر دیتے۔ دوسرے دوستوں سے کیا گلہ کروں کہ ان میں سے بعض نے شبہ کے دفع کرنے کی قدرت کے باوجود اپنے آپ کو معاف رکھا اور خاموشی اختیار کر لی۔ ع

ما ز یاراں چشم یاری داشتیم[1] خود غلط بود آں چہ ما پنداشتیم

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما)۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔

[1] (ترجمہ) ہم کو یاروں سے تھی یاری کی امید ٭ یہ خیالِ خام نکلا اور بعید

۳۱۳
۹۹ } + ۵۳۴ =
۱۱۴

مولانا حسن[۱] دہلوی کی طرف صادر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

(شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور بڑا رحم والا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــــ حقیقتِ محمدی علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا ظہورِ اول ہے اور حقیقت الحقائق اس معنی میں ہے کہ دوسرے حقائق خواہ وہ انبیاء کرام کے حقائق ہوں یا ملائکہ عظام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقائق سب اس کے ظلال کی طرح ہیں اور وہ تمام حقائق کی اصل ہے جیسا کہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ[۲] (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا) ۔ اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُّوْرِیْ[۳] (میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور مومن میرے نور سے پیدا ہوئے ہیں) ۔ لہذا لازمی طور پر حق جل وعلا اور تمام حقائق کے درمیان آپ ؐ واسطہ ہیں، اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ کے بغیر کسی کو بھی مطلوب تک وصول محال ہے ۔ پس آپ ؐ تمام انبیاء و مرسلین کے نبی ہیں اور آپ ؐ کا بھیجنا تمام جہان والوں کے لئے رحمت ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انبیائے اولوالعزم اصالت کے باوجود آپ کی اتباع کے خواہاں ہیں اور آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی اُمتوں میں داخل ہونے کے آرزومند ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے ۔

سوال: وہ کونسا کمال ہے جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں ہونے سے وابستہ ہے اور انبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو دولتِ نبوت کے باوجود میسر نہ ہوا۔

جواب: وہ کمال اس حقیقۃ الحقائق کے ساتھ وصول واتحاد ہے جو تبعیت ووراثت کے ساتھ وابستہ ہے بلکہ حق تعالیٰ کے کمال فضل پر موقوف ہے جو آپ علیہ وعلیٰ اتباعہ الصلوٰۃ والسلام

---

[۱] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۹۹ پر درج ہے ۔ [۲] مدارج النبوۃ

حاشیہ: حقیقت محمدیہ کے فضائل

کی امت میں سے اخصِ خواص کا حصہ ہے، اور جبتک امتی ہیں سے نہ ہو جائے اس وقت تک اس دولت تک نہیں پہنچ سکتا اور توسط کا حجاب زائل نہیں ہوتا جو کہ اتحاد کے وسیلے سے میسر ہوتا ہے شاید حق شانہٗ نے اسی لئے فرمایا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ (آل عمران آیت ۱۱۰) (تم بہترین امت ہو) پس آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح تمام انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ہر فرد سے افضل ہیں اسی طرح کُل ہونے کی حیثیت سے کُل سے بھی افضل ہیں۔ کیونکہ اصل کو اپنے ظل پر فضیلت ہے اگرچہ وہ ظل ہزاروں ظلال کو متضمن ہو کیونکہ حضرت جل شانہٗ کی بارگاہ سے فیوض کا وصول اسی ظل کے واسطہ اور طفیل سے ہے ——— اس فقیر نے اپنے رسائل میں تحقیق کی ہے کہ فوق کے نقطے کو تمام زیرین نقطوں پر جو کہ اس کے ظلال کے مانند ہیں فضیلت حاصل ہے اور عارف کا اس نقطۂ فوق کو طے کرنا جو کہ اصل کی طرح ہے زیادہ درجہ رکھتا ہے اس سے کہ تمام زیرین نقطوں کو جو کہ اس کے ظلال کے مانند ہیں قطع کرے۔

سوال: اس بیان سے لازم آتا ہے کہ اس امت کے خواص کو انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات پر فضیلت حاصل ہے۔

جواب: کوئی فضیلت لازم نہیں آتی۔ پس اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس امت کے خواص انبیاءؑ کے ساتھ اس دولت میں شریک ہیں، لیکن بہت سے دوسرے کمالات ایسے بھی ہیں کہ جن کی وجہ سے انبیاء علیٰ نبینا علیہم الصلوات والتسلیمات کو فضیلت اور خصوصیت حاصل ہے۔ اس امت کے اخصِ خواص اگر بہت زیادہ ترقی کر لیں تب بھی ان کا سر پیغمبروں میں سب سے کم رتبہ والے پیغمبر کے قدم تک پہنچ سکتا، برابری اور قربت کی کہاں گنجائش ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ (صٰفّٰت آیت ۱۷۱) (ہمارے مرسلین بندوں کے حق میں ہمارا حکم پہلے ہی ہو چکا ہے) علیہم الصلوات والتسلیمات۔ اگر امتیوں میں سے کوئی فرد اپنے پیغمبر کے طفیل اور اتباع کی وجہ سے بعض پیغمبروں سے آگے چلا جائے تو وہ خادمیت اور تبعیت کے عنوان سے ہوگا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ خادم کو اپنے مخدوم کے ہمسروں کے ساتھ سوائے خادمیت اور تبعیت کے اور کیا نسبت ہو سکتی ہے کیونکہ خادم اور طفیلی ہمہ وقت طفیلی ہیں۔

اور حقیقتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے اس کے متعلق

کوئی فرد خواہ کتنا ہی بڑا ولی ہو جائے کسی معمولی پیغمبر کے قدم تک نہیں پہنچ سکتا

مراتبِ ظلال طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے کہ وہ تعین اور ظہورِ حُبّی ہے جو مبدأ ظہورات اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے: کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ[1] (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا)۔ سب سے پہلی چیز جو اس پوشیدہ خزانے سے ظہور کے میدان میں جلوہ گر ہوئی وہ یہی حُبّ ہے جو مخلوق کی پیدائش کا سبب بنی۔ اگر یہ حُب نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر رہتا۔ اور حدیثِ قدسی لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ[2] (اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا) کے راز کو جو کہ حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی شان میں واقع ہے اس جگہ تلاش کرنا چاہئے۔ اور لَوْلَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِیَّةَ[3] (اگر تو نہ ہوتا تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت اس مقام میں طلب کرنی چاہئے۔

حضرت ﷺ کے فضائل

سوال: صاحبِ فتوحاتِ مکیّہ نے تعینِ اول کو جو کہ حقیقتِ محمدی ہے حضرتِ اجمالِ علم کہا ہے اور تم نے اپنے رسائل میں تعینِ اول کو تعینِ وجودی کہا ہے اور اس کے مرکز کو جو کہ اس کے اجزا میں سے اشرف و اسبق ہے حقیقتِ محمدی قرار دیا ہے اور تعینِ حضرت اجمال کو اس تعینِ وجودی کا ظل خیال کیا ہے اور یہاں لکھتے ہو کہ تعینِ اول حُبّی ہے اور وہ حقیقتِ محمدی ہے۔ ان اقوال کے درمیان مطابقت کی کیا صورت ہے؟

جواب: اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی شے کا ظل اپنے آپ کو اصلِ شے ظاہر کرتا ہے اور سالک کو اپنے آپ میں گرفتار کر لیتا ہے لہٰذا وہ دونوں تعین، تعینِ اول کے ظلال ہیں جو عروج کے وقت میں عارف پر تعینِ اول کے اصل کی طرح جو کہ تعینِ حبّی ہے ظاہر ہوتے ہیں۔

سوال: تعینِ وجودی کو تعینِ حُبّی کا ظل کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے حالانکہ وجود کو حُب پر سبقت ہے، کیونکہ حُب وجود کی فرع ہے؟

جواب: اس فقیر نے اپنے رسائل میں تحقیق کی ہے کہ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ بذاتِ خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ۔ اور اسی طرح حق تعالیٰ کی صفاتِ ثمانیہ ذاتِ واجب جل شانہٗ کے ساتھ

[1] قال علی القاری معناہ صحیح مستفاد من قولہ تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ای لیعرفون (تشیید المبانی)

موجود ہیں نہ کہ وجود کے ساتھ۔ کیونکہ وجود بلکہ وجوب کو بھی اس مرتبہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔
اس لئے کہ وجوب و وجود دونوں اعتبارات میں سے ہیں۔ پہلا اعتبار جو ایجادِ عالم کے لئے پیدا ہوا
وہ حب ہے اس کے بعد اعتبار وجود ہے جو کہ ایجاد کا مقدمہ ہے کیونکہ حضرت ذات جل شانہٗ اس
حُب کے اعتبار کے بغیر اور اس وجود کے اعتبار کے بغیر عالم سے مستغنی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ
الْعٰلَمِیْنَ (عنکبوت ۲۹ آیت ۶) (یقیناً اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے) نصِ قاطع ہے۔ اور
تعین علمی جملی کو ان دونوں تعین کا ظل کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ دونوں تعین باعتبار حضرت ذات تعالیٰ
کے بغیر ملاحظۂ صفات کے ہیں اور اس تعین میں صفت ملحوظ ہے جو ذات عز شانہ کے لئے ظل کی مانند ہے۔
جاننا چاہئے کہ تعینِ اول جو تعینِ حُبّی ہے جب دقتِ نظر سے دیکھا جاتا ہے تو اللہ سبحانہٗ
کے فضل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حُبّ ہے جو کہ حقیقتِ محمدی علیٰ آلہ الصلوٰۃ
والسلام ہے اور اس کا محیط جو کہ مثالی صورت میں ایک دائرہ کی مانند ہے اور وہ محیط اس مرکز
کے لئے ظل کی مانند ہے جو کہ خُلّت ہے جس کو حقیقتِ ابراہیمی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام
کہتے ہیں، لہٰذا حُبّ اصل ہوئی اور خُلّت اس کے لئے ظل کی مانند ہوئی۔ اور یہ مرکز و محیط کا مجموعہ
جو کہ ایک دائرہ ہے تعین اول ہے اور اس کے اشرف و اسبق اجزاء کے نام پر ہے
جو کہ مرکز ہے اور اس سے مراد حُبّ ہے۔ اور نظرِ کشفی میں بھی اصالت کے اعتبار سے اور اس جزء کے
غلبہ کی وجہ سے تعینِ حُبّی ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور چونکہ دائرہ کا محیط اس مرکز کے لئے ظل کے مانند ہے
اور اسی سے پیدا ہوا ہے اور وہ مرکز اس کی اصل و منشا ہے لہٰذا اس محیط کو اگر تعینِ ثانی کہیں
تو گنجائش ہے۔ لیکن نظرِ کشفی میں دو تعین نہیں ہیں بلکہ ایک ہی تعین ہے جو کہ حُبّ اور خُلّت پر
مشتمل ہے کہ دونوں ایک ہی دائرہ کے مرکز و محیط ہیں۔ اور نظرِ کشفی میں تعینِ ثانی تعینِ وجودی ہے
جو تعینِ اول کے لئے ظل کے مانند ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ———— اور چونکہ مرکز محیط
کی اصل ہے لہٰذا لازمی طور پر محیط کے لئے مطلوب تک پہنچنے میں مرکز کے توسط سے چارہ نہیں ہے
کیونکہ مطلوب تک وصول مرکز ہی کی راہ سے ہے جو دائرہ کی اصل اور اجمال ہے۔ اس بیان سے
حضرت حبیب اللہ ؐ کے ساتھ حضرت خلیل اللہ علیہما و علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوات و التسلیمات
کی مناسبت اور اتحاد معلوم کرنا چاہئے ———— اور چونکہ ظل کے لئے مطلوب تک پہنچنے میں

اصل ہی واسطہ ہے اس لئے لازمی طور پر حضرت خلیل اللہؑ نے حضرت حبیب اللہ علیہما وعلی جمیع الانبیاء الصلوات والتحیات اتمہا واکملہا کے توسط کی درخواست کی اور اس کی آرزو فرمائی کہ آپؐ کی امت میں داخل ہوں، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

سوال: جب معاملہ ایسا ہے تو پھر حضرت حبیبؐ اللہ کو حضرت خلیل اللہ علیہما الصلوات والتسلیمات کی ملّت کی متابعت کا امر کرنا کس معنی میں ہے اور آنحضرت علیہما الصلوات والتسلیمات نے اپنے اوپر صلوٰۃ وسلام کے بیان میں کَمَا صَلَّیْتَ اور کَمَا سَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ کیوں فرمایا؟

جواب: حقیقتیں خواہ کتنی ہی بلند تر ہوں اور تنزیہ کے بھی زیادہ قریب ہو لیکن اس حقیقت کا مظہر عالم عناصر میں پست تر ہوتا ہے اور صفاتِ بشریت کے ساتھ زیادہ تر ملبس ہوتا ہے لہٰذا اس مظہر کا عروج کے طریقے پر اس حقیقت تک پہنچنا بہت دشوار ہے اور وہ ملت جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی ہے وہ حقیقتِ ابراہیمیؑ کے وصول کی شاہراہ ہے جو حقیقتِ محمدیؐ کے قرب وجوار میں واقع ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ——

اور چونکہ حضرت ابراہیمؑ اسی راہ سے اس مقام پر پہنچے ہیں اسی لئے حکم ہوا کہ ان کی ملت کی متابعت کر کے حقیقت الحقائق تک وصول فرمائیں اور اسی لئے آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی کَمَا صَلَّیْتَ فرمایا ہے کہ آپ علیہ السلام پر صلوٰۃ ورحمت ہو۔ یہ وصولِ حقیقت کی دولت کے بعد ہے۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فاضل (اعلیٰ) کو مفضول (ادنیٰ) کی متابعت کا حکم کرتے ہیں اور اس متابعت کے امر سے ان کی فاضلیت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ارشاد فرماتا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمران آیہ ۱۵۹) (اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لے لیا کرو)۔ یہاں اصحاب کے ساتھ مشورہ کرنے کا حکم ان کی متابعت کے حکم سے خالی نہیں ہے ورنہ مشورت کا کیا فائدہ ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت

جاننا چاہئے کہ حضرت صدیقؓ کی حقیقت یعنی اسماءِ الٰہی جل شانہٗ میں سے ان کا رب جو ان کا مبدأ تعین ہے بغیر کسی امر کے توسط کے حقیقتِ محمدی کا ظل ہے اس نہج پر ہے کہ جو کچھ اس حقیقت میں موجود ہے وہ تبعیت اور وراثت کے طریق پر اس ظل میں بھی ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ (حضرت صدیق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت کے وارثوں میں سے اکمل وافضل قرار پائے

(جیسا کہ) آپ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَا صَبَّ اللّٰهُ شَيْئًا فِي صَدْرِي إِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُهُ فِي صَدْرِ أَبِي بَكْرٍ (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا وہ میں نے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا) اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ حقیقتِ اسرافیلی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی وہی حقیقتِ محمدی علیہ وعلیٰ جمیع اخوانہ الصلوٰۃ والسلام ہے نہ کہ اصالت وظلیت کے طریق سے جو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقت کے مانند ہے کیونکہ وہ اس حقیقت کا ظل ہے بلکہ یہاں دونوں اصالت رکھتے ہیں جس کے درمیان کوئی ظلیت حائل نہیں۔ اگر فرق ہے تو کلیت اور جزئیت کا فرق ہے کیونکہ آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کُل ہیں لہٰذا وہ حقیقت آپ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم سے مسمّٰی ہے۔ اور حقائقِ ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات اسی حقیقتِ اسرافیلی علیٰ نبینا علیہ وعلی جمیع اخوانہ الکرام الصلوٰۃ والسلام سے پیدا ہوئی ہے۔

سوال: عارف کو اپنی حقیقت سے جو کہ اسم الٰہی جل شانہٗ سے عبارت ہے اور جو اس کا رب ہے اس حقیقت کے وصول کے بعد ترقی جائز ہے یا نہیں۔

جواب: اس حقیقت تک پہنچنا مراتبِ سلوک طے کرنے کے بعد جو سیر الی اللہ کے تمام ہونے سے مراد ہے دو قسم پر ہے۔ ایک قسم وہ ہے کہ جس میں اس اسم کے ظلال میں سے ایک ظل تک وصول ہے کہ جس نے اپنے آپ کو مظاہرِ وجوبیہ میں اپنی حقیقت ظاہر کیا ہے اور لور اصل کے رنگ میں نمایاں ہے اور یہ شبہ اس راہ میں بہت زیادہ ہے اور سالک کے لئے یہ ایک بڑا دشوار مقام ہے۔ مگر یہ کہ محض حق تعالیٰ کے فضل سے اس مشکل سے خلاصی میسر ہو جائے اور اور اس میں شک نہیں کہ اس حقیقت نما ظل سے ترقی جائز بلکہ واقع ہے اور اگر اپنے نفسِ حقیقت تک وصول واقع ہو جائے تو دوسرے کی طفیل و تبعیت کے بغیر اس سے آگے ترقی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ حقیقت اس کی ذاتی استعداد کے مراتب کی انتہا ہے۔ لیکن اگر اس کو کسی دوسرے کی حقیقت کے طفیل جو اس کی حقیقت سے فوق ہے پہنچا دیں تو جائز ہے بلکہ واقع ہے اور یہ سیر گویا کہ سیرِ قسری (خارج از ذات) ہے جو سیرِ طبعی اور استعدادی کے علاوہ ہے جیسا کہ اس کا کچھ حصہ پچھلے بیانات وصولِ حقیقتِ محمدی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں گزر چکا۔

حقیقت محمدی سے اوپر ترقی جائز نہیں

سوال: حقیقتِ محمدیؐ جو حقیقۃ الحقائق ہے اور ممکنات کے حقائق میں سے کوئی حقیقت اس سے اوپر نہیں ہے، تو پھر کیا اس سے اوپر ترقی جائز ہے یا نہیں؟ اور تم نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ حقیقتِ محمدیؐ سے ترقی واقع ہوئی۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: جائز نہیں ہے کیونکہ اس مرتبہ سے فوق مرتبہ لاتعین ہے کہ وہاں متعین کا وصول والحاق محال ہے، اور بے تکیف وصول والحاق کہنا محض ایک زبانی بات ہے کیونکہ معاملہ کی حقیقت تک پہنچنے سے پیشتر اس سے تسلی کی جاتی ہے لیکن حقیقت کار تک پہنچنے کے بعد عدم وصول والحاق کا حکم لازم ہے کیونکہ اس مقام میں شک و تردد کا کوئی شائبہ نہیں ہے ———— اور یہ جو میں نے لکھا ہے کہ حقیقتِ محمدی سے ترقی واقع ہوئی ہے۔ اس حقیقت سے مراد اس حقیقت کا ظل ہے جو اجمال حضرتِ علم سے عبارت ہے اور جس کو وحدت سے تعبیر کیا ہے۔ (اس فقیر پر) اس وقت ظل اپنی اصل کے ساتھ مشتبہ ہوا تھا اور جب محض فضلِ خداوندی جل سلطانہ سے اس ظل اور دوسرے تمام ظلال سے نجات و خلاصی میسر ہو گئی تو معلوم ہوا کہ اس حقیقۃ الحقائق سے ترقی واقع نہیں ہے بلکہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے آگے قدم اٹھانا اور رکھنا وجوب میں قدم رکھنا ہے اور امکان سے باہر آنا ہے جو عقلی اور شرعی طور پر محال ہے۔

سوال: اس تحقیق سے لازم آتا ہے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی اس حقیقت سے ترقی واقع نہیں ہوئی۔

آنحضرتؐ اپنی علو شان کے باوجود ممکن ہی ہیں

جواب: آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی علو شان اور جاہ و جلال کے باوجود ہمیشہ ممکن ہی ہیں اور ہرگز امکان سے باہر نہیں آسکتے۔ اور نہ وجوب کے ساتھ متحد ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ امر الوہیت کے ساتھ متحقق ہونے کو مستلزم ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ نِدٌّ وَّشَرِیْکٌ (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی اس کا ہمسر اور شریک ہو)۔

دَعْ مَا ادَّعَتْہُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّہِمْ (ترجمہ) نہ دیکھو نصاریٰ کہیں جو نبیؑ کو

سوال: سابقہ تحقیق سے واضح ہو گیا کہ دوسروں کو بھی آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل اور وراثت سے حقیقۃ الحقائق کے ساتھ وصول اور الحاق و اتحاد ثابت ہے اور آپ کے خاص کمال میں شرکت موجود ہے۔ لہٰذا اس حالت میں متبوع اور تابع کے درمیان اور اصلی اور

طفیلی کے درمیان اس کمال میں فرق جو کہ حجاب کے زائل ہو جانے اور واسطے کے ضمن میں ہے اور تمام کمالات سے فوق ہے وہ کیا ہے اور کونسی فضیلت و بزرگی ہے جو متبوع اور اصل میں ہے لیکن تابع اور طفیلی میں نہیں ہے؟

خادم اور مخدوم کے امتیاز کی تحقیق

جواب: دوسروں کا اس حقیقت کے ساتھ الحاق خادم کا اپنے مخدوم کے ساتھ اور طفیلی کا اصل کے ساتھ وصول کی مانند ہے۔ اگر کوئی واصل اخصِ خواص میں سے ہے جو کہ اَقَلِ قلیل (بہت ہی کم) ہیں تو وہ بھی خادم ہی ہے، اور اگر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات میں سے ہے تو بھی وہ طفیلی ہے اور ان ہی کا پس خوردہ خادم ہے اس کو اپنے مخدوم کے ساتھ کیا شرکت ہو سکتی ہے اور اس کے مقابلے میں اس کی کونسی عزت و آبرو ہے، طفیلی اگرچہ ہم جلیس و ہم لقمہ ہے لیکن طفیلی پھر بھی طفیلی ہی ہے۔ خادم جو اپنے مخدوم کی پیروی سے اس عالی مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور ان کے مخصوص اولش (پس خوردہ) کھاتے کھاتے ہیں اور عزت و احترام پاتے ہیں، یہ سب کچھ مخدوم کی بزرگی اور اس کی متابعت کی بلندی کی وجہ سے ہے۔ گویا کہ مخدوم کو اپنی ذاتی عزت کے علاوہ خادموں کے الحاق کی وجہ سے ایک اور عزت حاصل ہو جاتی ہے اور ان کی شان اور زیادہ بلندی کا باعث بنتی ہے ——— خوب اچھی طرح سنو! کہ حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں وارد ہے: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا (جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس شخص کا اجر بھی جس نے اس پر عمل کیا) ——— لہٰذا سنتِ حسنہ میں متبوع کے جسقدر بھی تابعدار ہوں گے اس کو بھی ان کے اجر کے مانند اسی قدر زیادہ اجر ملے گا اور اس کی قدر و منزلت کی زیادتی کا باعث ہوگا۔ لہٰذا اتباع کرنے والوں کو اپنے متبوع کے ساتھ کیا شرکت ہو گی اور کونسی برابری متوہم ہو سکتی ہے ———

——— سنو سنو! جائز ہے کہ ایک جماعت ایک ہی مقام میں ہو اور ایک ہی دولت میں شریک ہو لیکن ان میں سے ہر ایک کا معاملہ جداگانہ ہو، اور ایک کو دوسرے کے متعلق کوئی اطلاع نہ ہو (جیسا کہ) ازواجِ مطہرات بہشت میں آنسرور علیہ و علیٰ اہلِ بیتہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ ایک ہی مقام میں ہوں گی اور سب ایک ہی طعام و شراب طہور سے تناول فرمائیں گے لیکن جو معاملہ آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ ہو گا وہ ان (ازواجِ مطہرات)

کے ساتھ نہ ہوگا۔ اور وہ لذّت وسرور جو آپؐ کو حاصل ہوگا وہ ان کو نہ ہوگا۔ اور اگر وہاں ان کو تمام امور میں آنحضرتؐ کے ساتھ شرکت ہو تو آپؐ کی افضلیت کی طرح ان کی افضلیت بھی سب پر لازم آئے گی، کیونکہ یہاں افضلیت کے معنی "اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثرتِ ثواب ہے۔

سوال: یہ تعینِ حُبّی جو کہ تعینِ اول ہے اور حقیقتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہے یہ ممکن ہے یا واجب، حادث ہے یا قدیم؟۔ صاحبِ فصوص نے تعینِ اول کو جو حقیقتِ محمدی کہا ہے اور اس کو وحدت سے تعبیر کیا ہے، اور اسی طرح تعینِ ثانی کو واحدیت کہا ہے۔ اور اعیانِ ثابتہ جن کو حقائقِ ممکنات کہا ہے اس مرتبہ میں ان کا اثبات کیا ہے، اور دونوں تعین کو تعینِ وجوبی کہا ہے اور قدیم سمجھا ہے، اور باقی تینوں تنزلات کو جو کہ روحی، مثالی اور جسدی ہیں ان کو تعینِ امکانی تصور کیا ہے۔ اس مسئلہ میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟

جواب: اس فقیر کے نزدیک نہ کوئی تعین ہے اور نہ کوئی متعین۔ وہ کونسا تعین ہے جو لاتعین کو متعین کردے۔ اور یہ الفاظ حضرت شیخ محی الدین اور ان کے متبعین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مذاق کے موافق ہیں۔ فقیر کی عبارت میں اگر اس قسم کے الفاظ واقع ہوگئے ہوں تو ان کو صنعتِ مشاکلہ کی قسم سے جاننا چاہئے۔ بہرحال ہم کہتے ہیں کہ وہ تعین تعینِ امکانی اور مخلوق و حادث ہے جیسا کہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ نُوْرِیْ (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا)۔ اور دوسری احادیث میں اس نور کی خلقت کے وقت کا تعین بھی آیا ہے جیسا کہ فرمایا قَبْلَ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ بِاَلْفَیْ عَامٍ (آسمانوں کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل) اور اس کی مثل دوسری روایات بھی ہیں اور جو کچھ وہ مخلوق اور عدم کے ساتھ مسبوق ہے، وہ ممکن وحادث ہے۔ لہٰذا جب حقیقۃ الحقائق جو کہ سابق حقائق (سب سے پہلی حقیقت) ہے مخلوق اور ممکن ہوئی تو دوسروں کے حقائق بطریقِ اولیٰ مخلوق ہوں گے اور امکان وحدوث رکھتے ہوں گے ــــــــ تعجب ہے کہ شیخ قدس سرہ نے حقیقتِ محمدی کو بلکہ تمام ممکنات کے حقائق کو اعیانِ ثابتہ کہا ہے، یہ نہیں معلوم کہ ان کے وجوب کا حکم کہاں سے کیا ہے اور کیوں ان کو قدیم جانتے ہیں، اور پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کے خلاف کیسے التزام کرتے ہیں۔ ممکن مع اپنے تمام اجزا کے

ممکن مع اپنے تمام اجزا کے ممکن ہی ہوتا ہے

ممکن ہی ہے اور اپنی صورت و حقیقت سے بھی ممکن ہے، اور تعینِ وجوبی ممکن کی حقیقت کس طرح ہو سکتا ہے ممکن کی حقیقت بھی ممکن ہی ہونی چاہئے کیونکہ ممکن کے لئے واجب تعالیٰ کے ساتھ کوئی شرکت اور مناسبت نہیں ہے سوائے اس کے کہ ممکن اس کی مخلوق ہے اور وہ تعالیٰ اس کا خالق ہے، اور شیخ چونکہ واجب اور ممکن کے درمیان تمیز نہیں کرتے اور خود فرماتے ہیں کہ "ان دونوں کے درمیان کوئی تمیز نہیں ہے اگر کوئی واجب کو ممکن اور ممکن کو واجب کہہ دے تو کوئی حرج نہیں"۔ اگر حق تعالیٰ ان کو معذور سمجھے تو یہ اس کا کمالِ کرم اور عفو ہے ۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (بقرہ آیۃ ۲۸۶) (اے ہمارے رب! ہماری بھول اور خطاؤں پر مواخذہ نہ فرمائیو) ۔

سوال: تم نے اپنے رسائل میں واجب تعالیٰ اور ممکن کے درمیان اصالت (اصل) اور ظلیت کی نسبت کا اثبات کیا ہے اور ممکن کو واجب تعالیٰ کا ظل کہا ہے، اور نیز واجب تعالیٰ کو اصالت کے اعتبار سے ممکن کی حقیقت کہا ہے جو اس کے ظل کی مانند ہے اور اس پر بہت سے معارف متفرع کئے ہیں۔ اگر اس اعتبار سے شیخ قدس سرہ بھی واجب تعالیٰ کو ممکن کی حقیقت کہتے ہیں تو اس میں کیا ڈر ہے اور کیوں ان کو ملامت کا نشانہ بنایا جائے ؟

جواب: اس قسم کے علوم جو واجب تعالیٰ اور ممکن کے درمیان نسبت کا اثبات کرتے ہیں اور شرع شریف میں ان کے ثبوت میں کچھ وارد نہیں ہوا، وہ سب معارفِ سکریہ میں سے ہیں اور حقیقتِ معاملہ کی نارسائی کے باعث ہیں۔ ع

ممکن چہ بود کہ ظلِ واجب باشد (ترجمہ) یہ ممکن کہاں ظلِّ واجب بنے

اور واجب تعالیٰ کا ظل کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ ظل سے مثل کے پیدا ہونے کا وہم ہوتا ہے اور اصل میں کمال لطافت کے نہ ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہے جبکہ حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لطافت کی وجہ سے سایہ نہ تھا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا کا ظل (سایہ) کیسے ہوگا ۔ خارج میں موجود بالذات اور بالاستقلال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس تعالیٰ وتقدس کی صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ اس تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور ممکن و مخلوق اور حادث ہے اور کوئی مخلوق بھی اپنے خالق کا ظل نہیں ہے اور سوائے مخلوقیت کے خالق کے ساتھ اس کو کوئی نسبت نہیں، اور شرع شریف میں اس سے زیادہ وارد نہیں۔

عالم کی ظلیت کا یہ علم سالک کو اس راہ میں بہت کام آتا ہے اور کشاں کشاں اصل کی طرف لیجاتا ہے اور جب کمال عنایت سے ظلال کے منازل طے کرکے اصل تک پہنچتا ہے تو محض حق تعالیٰ کے فضل سے ایسا پاتا ہے کہ اصل بھی ظل کا حکم رکھتا ہے اور مطلوبیت کے لائق نہیں ہے کیونکہ وہ امکان کے داغ سے داغدار ہے اور مطلوب احاطۂ ادراک اور وصل و اتصال سے ماوراء ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (کہف آیت ۱۰) (اے ہمارے رب! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں خوبی اور بھلائی پیدا کر)۔

فصل

فضائل مآب کمالات دستگاہ مولانا حسن کشمیری دہلوی نے "اللہ سبحانہ ان کے احوال کو اچھا کرے اور ان کی مرادوں کو پورا فرمائے" ایک رسالہ لکھ کر فقیر کے پاس بھیجا تھا اور اس میں چند سوالات درج کرکے ان کا حل طلب کیا تھا۔ اور چونکہ ان کا حل بعض اسرار کے اظہار کا متضمن تھا اور کچھ دوسرے موانع کی وجہ سے فقیر نے اس کے جواب کی جرأت نہیں کی تھی غرض لیت و لعل میں وقت گزر رہا تھا۔ چونکہ مشارٌ الیہ کا اس فقیر پر بہت بڑا حق ہے کہ ان کے حسنِ دلالت اور رہنمائی کی وجہ سے حضور ولایت پناہ ہادی طریق اندراج النہایت فی البدایت کی دولت سے مشرف ہوئے اور اس طریق کے الف باکا سبق انہی سے اخذ کیا ہے اور ان کی خدمت میں بے اندازہ فیوض و برکات کا استفادہ کیا ہے۔ اس لئے مجبوراً بعض سوالات کا حل جو اس رسالہ کے علوم کے مناسب ہیں اس رسالہ کے ذیل میں درج کردیئے ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِيْ اِلٰى سَبِيْلِ الرَّشَادِ (اللہ سبحانہ ہی سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے)۔

(سوال) آپ نے پوچھا تھا کہ "جب کمالاتِ صوری و معنوی اور ظاہری و باطنی اور علمی و عملی، اور دنیادی و اخروی جو کچھ بھی نوعِ بشر میں ممکن ہیں وہ سب حضرت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام الی یوم الحشر کو بالفعل حاصل اور متمکن ہیں، جیسا کہ حدیثِ نفیس اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں) ۔ وَاٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (اور حضرت آدمؑ اور ان کے علاوہ تمام انبیاءؑ روزِ قیامت میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے) فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ (مجھے تمام اولین و آخرین کا علم دیا گیا ہے) اور ان جیسی اور بھی احادیث سے

سمجھا جاتا ہے اور جو کچھ چیز مشروط یا موقوف ہے وہ مناسب وقت پر با حسن وجوہ ظاہر ہو جائے گا۔
لہٰذا اس صورت میں آنسرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حزن جو کہ دوام اور کثرت کے ساتھ موصوف اور معروف ہے کیوں ہے اور اس کا سبب کیا ہے؟ کیونکہ حزن واندوہ کا سبب کسی چیز کا فقدان ہوتا ہے کہ جس کو وہ چاہتا ہے؟۔

آنحضرتؐ کے دائمی حزن واندوہ کی وجہ

میرے مخدوم! جب حضرت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیہ کے جاہ وجلال پر نظر ڈالی جائے اور خداوند جل سلطانہ کی عنایت پر غور کیا جائے جو کہ آپؐ کے حال خیر مآل کو شامل ہے تو آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے حزن واندوہ کا بعید نظر آتا اور کمال کا گم ہونا مسلم ومستحسن معلوم ہوتا ہے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی عبدیت وعبودیت اور عجز وبشریت پر نظر کی جائے اور حق تعالیٰ کی عزت وجلال اور عظمت وکبریائی اور استغنائے ذاتی کو ملاحظہ کیا جائے تو آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بھی حق تعالیٰ کے بے انتہا کمالات میں سے کسی کمال کا گم ہونا اور حزن کا حاصل ہونا کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا بلکہ بندگی کے حال کے شایانِ شان ہے۔ آیہ کریمہ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (طٰہٰ۲۰ آیت ۱۱۰) (اور وہ اپنے علم کے ذریعے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے) اور آیۂ کریمہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (انعام۶ آیت ۱۰۳) (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) یہ دونوں آیتیں اس معنی پر گواہ عدل ہیں اور ہر ایک کے حق میں فقدان کا اثبات ظاہر کرتی ہیں۔ ہاں! ممکن خواہ کتنے ہی بلند درجات تک پہنچ جائے لیکن واجب کی حقیقت کو کیا سمجھ سکے اور حادث قدیم کو کس طرح سمجھے اور متناہی غیر متناہی کا کیوں کر احاطہ کر سکے۔

اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ جو کمال بھی نوعِ بشر میں ممکن ہے وہ حضرت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو بالفعل حاصل ہے۔ ہاں فضلِ کُلّی اور ہر ایک پر فضیلت آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص ہے لیکن بعض وہ کمال جو فضلِ جزئی کی طرف راجع ہوتے ہیں جائز ہے کہ وہ بعض انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہوں اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے فضلِ کلی میں کوئی کمی وقصور واقع نہ ہو۔ چنانچہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے کہ امتیوں کے افراد میں بعض کمالات ایسے ہیں کہ جن پر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بھی رشک کرتے ہیں، حالانکہ تمام امتیوں کے افراد پر انبیاء کو کلی فضیلت حاصل ہے۔ اور یہ بھی

۶۰ بعض افراد پر انبیاء بھی رشک کرتے ہیں

حدیث میں آیا ہے کہ شہداء فی سبیل اللہ چند چیزوں میں انبیاء سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں مثلاً شہداء کو غسل کی حاجت نہیں اور انبیاء کو غسل دینا چاہیئے۔ اور شہداء کے لئے نمازِ جنازہ بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ امام شافعیؒ کے مذہب میں ہے اور انبیاء کے جنازہ کی نماز ادا کرنی چاہیئے۔ اور قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ تم شہداء کو مُردہ نہ خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور انبیاء کو موتی فرمایا ہے یہ سب فضائلِ جزئیہ ہیں جو انبیاءؑ کے فضلِ کلی میں کوئی کمی و قصور پیدا نہیں کرتے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان فضائلِ جزئیہ میں سے بعض جزئی فقدان کی وجہ سے آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حزن واندوہ کا سبب ہو جو کہ ان فضائل کی استعداد کے حاصل ہونے اور وہاں تک پہنچنے کا باعث ہے مثلاً نبوت کے ساتھ درجۂ شہادت بھی جمع ہو جائے ——— اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ تمام افرادِ انسانی کے تمام کمالات آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں بالفعل جمع ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمت بہت بلند واقع ہوئی ہے وہ ان کمالات پر اکتفا نہیں کرتے اور هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (قٓ آیت ۳۰) (کیا کچھ اور بھی ہے) کے تحت فوق کا شوق رکھتے ہیں۔ اور چونکہ فوق کے کمالات کا حصول امکانِ بشری سے خارج ہے اس لئے لازمی طور پر دائمی حزن اور اندوہ کی زیادتی آپ کا نقدِ وقت ہے ——— اور اس بحث کی تحقیق یہ ہے وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ (اور اللہ سبحانہٗ حقیقت حال سے زیادہ واقف ہے) کہ طریقت و حقیقت اور قربت و معرفت میں تمام کاموں کا دارومدار فنا اور صفاتِ بشری اور احکامِ امکان کے زوال پر منحصر ہے ؎

ہیچ کس را تا نگردد او فنا | نیست رہ در بارگاہِ کبریا

(ترجمہ) ہو نہ جب تک تو راہِ حق میں فنا | اُس کے در پر نہ پائے راہِ بقا

جسقدر بھی بشریت کی وجوہات باقی ہیں اسی قدر اس راہ کے حجاب بھی ہیں، بالکلیہ طور پر بشری صفات کا زائل ہو جانا ممکن نہیں خواہ وہ خواص ہوں یا اخصِ خواص۔ شیخ عطارؒ فرماتے ہیں ؎

مے بینی کہ شاہے چوں پیمبر | نیافت او فقر کل تو رنج کم بر

(ترجمہ) نہ پائیں جب کہ فقرِ کل پیمبر | نہ کر محنت نہ غم کر رنج مت کر

اور فقرِ کُل سے کُلّی طور پر صفاتِ بشری اور امکانی کا زوال مراد ہے جس کا حصول متصور نہیں ہے

کیونکہ اس سے قلبِ حقائق (حقیقتوں کا بدل جانا) لازم آتا ہے کیونکہ اگر ممکن ترقی کرکے اپنے امکان سے جدا ہو جائے تو یقیناً وہ واجب ہو جاتا ہے اور یہ چیز عقلی اور شرعی طور پر محال ہے۔ اور کسی بزرگ نے یہ جو کہا ہے ؎

چو ممکن گردِ امکان برفشاند بجز واجب در و چیزے نماند

(ترجمہ) جھٹک دے گردِ امکاں جب بھی ممکن تو واجب ہی ملے گا اس کو بیشک

یہ تمثیل اور تشبیہ پر محمول ہے نہ کہ تحقیق و تقریر پر۔ کیونکہ وہ غیر واقع ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

سیہ روئی ز ممکن در دو عالم جدا ہرگز نہ شد واللہ اعلم

(ترجمہ) سیہ روئی نہ ممکن کی ہوئی کم دو عالم میں کبھی واللہ اعلم

سوال: امکان کے آثار واحکام کا باقی رہنا مقام قاب قوسین سے ظاہر ہے جہاں قوسِ امکان اور قوسِ وجوب برپا ہے لیکن مقامِ اَوْ اَدْنیٰ جو آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بالاصالت مخصوص ہے تو امکان کے احکام کی بقا کس معنی میں ہوئی؟

جواب: وجوب اور امکان کے درمیان جس چیز سے تمیز ہو سکتی ہے وہ عدم ہے جو امکان سے ایک طرف ہے اور امکان سے دوسری طرف وجود ہے جو قدرِ مشترک ہے وجوب اور امکان کے درمیان۔ مقام اَوْ اَدْنیٰ میں اس عدم کے احکام رو بزوال ہو جاتے ہیں اور قوسین کا امتیاز رفع ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ امکان بالکل مرتفع ہو جائے اور وجوب میں منقلب ہو جائے کہ یہ بات محال ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ قاب قوسین کے مقام میں ظلمانی حجابات سے باہر نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عدم کے آثار ہیں، اور مقام او ادنیٰ میں اگر حجابات ہیں تو وہ نورانی ہیں اور وہ امکان کی طرف وجود کی راہ سے آئے ہیں۔ اور اسی توجیہ پر ہم اس بزرگ کے شعر کے معنی بیان کر سکتے ہیں جو اوپر گزر چکا ہے ——— اور امکان کی گرد جھاڑ دینے کا مطلب عدم کے احکام کا زوال ہے جو سراسر کدورت سے مراد ہے۔

(حاشیہ: مقام قاب قوسین او ادنیٰ کی تحقیق)

سوال: جب امکان سے عدم کی طرف زائل ہو گئی اور امکان اور وجوب کے درمیان جو تمیز کا باعث تھا اٹھ گیا اور وجود کے علاوہ جو امکان کی دوسری طرف ہے اور وجوب و امکان کے درمیان قدرِ مشترک ہے وہ اس مقام میں نہ رہا تو یہ بات درست ہوئی کہ امکان اپنی حقیقت سے

جدا ہوکر وجوب کے ساتھ جو وجود صرف ہے ملحق ہوگیا اور قلبِ حقیقت لازم آگئی تو اس بزرگ کے شعر کے معنی جو بیان کئے ہیں "کہ سوائے واجب کے اس میں کوئی چیز باقی نہیں رہی" حقیقت پر محمول ہوا۔

جواب: یہ وجود جو ممکن کی طرف میں ثابت ہے وہ اس وجود کا ظل ہے جو وجوب میں ثابت ہے نہ کہ اس وجود کا عین۔ اور یہ وجوب جو عدم کی طرف کے زوال سے ممکن میں پیدا ہوا ہے وجوب بالغیر ہے جو ممکن کی ایک قسم ہے نہ کہ وجوب بالذات ہے جس سے قلبِ حقیقت لازم آئے کیونکہ یہ عدم کا ارتفاع ممکن کی راہ سے نہیں آیا کہ واجب بالذات ہو جائے اور محال لازم آجائے بلکہ ممکن میں اس عدم کا ارتفاع حضرت واجب الوجود کے غلبہ کی وجہ سے ہے اور یہ کہ ممکن کی ذات پر حضرت وجوب تعالیٰ و تقدس کی حکومت ہے۔ اور وجوب سے متبادر جو کہ مصرعِ سابق میں واقع ہوا ہے وہ وجوب ذاتی ہے نہ کہ وجوب بالغیر۔ اور وجود کو وجوب و امکان کے درمیان قدر مشترک کہنا لفظی اشتراک کی قسم سے ہے نہ کہ معنوی اعتبار سے۔ اگرچہ اس کو کلی مشکک کہتے ہیں کیونکہ ممکن کے وجود کو واجب تعالیٰ کے وجود کے ساتھ حقیقت میں کوئی شرکت نہیں ہے تاکہ کلیہ اور جزئیہ کا ہونا متصور ہو سکے۔

وجوب و امکان کے درمیان عدم ہے

سوال: فنا و بقا جس کو صوفیہ عالیہ نے کہا ہے اور اس سے ولایت مراد لی ہے، وہ کس معنی میں ہے جبکہ صفاتِ بشریت کا ارتفاع متصور نہیں ہے تو فنا کی کیا گنجائش ہے؟

جواب: وہ فنا جو ولایت میں معتبر ہے وہ شعور و شہود کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس سے مراد حق سبحانہٗ کے ماسویٰ سے نسیان ہے نہ کہ ماسویٰ کے ارتفاع سے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ صاحبِ فنا سکر کے غلبوں میں اشیاء کے عدم شعور کو عدم اشیا جانتا ہے اور اس کو ماسویٰ کا ارتفاع سمجھتا ہے اور اس سے تسلی حاصل کرتا ہے۔ اور اگر محض (حق تعالیٰ اپنے) فضل سے اس کو ترقی دے کر صحو کی دولت سے مشرف فرمادے اور صاحبِ تمیز کردے تب وہ سمجھ سکتا ہے کہ وہ فناءِ اشیا کا نسیان تھا نہ کہ ان اشیاء کا اعدام۔ اور اگر اس نسیان سے کوئی چیز زائل ہوتی ہے تو وہ صرف اشیاء کی گرفتاری ہے جس نے قرار پا لیا تھا اور متوہم تھی نہ کہ نفسِ اشیاء۔ کیونکہ اشیا اسی صرافت پر اپنی جگہ قائم اور موجود ہیں اور اس کی نفی و اعدام سے ان کی نفی نہیں ہو سکتی۔ ع

سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است (ترجمہ) کہاں حبشی سے جاتی ہے سیاہی

اور جب اس کے فضل سے یہ دید اور یہ تمیز عطا ہو گئی وہ تسلی زائل ہو گئی اور اسکی بجائے حزن و اندوہ اور بے آرامی آگئی اور اس نے جان لیا کہ "بود یا و" (اس کا ہونا) ایک ایسا مرض ہے جو اس کی سعی اور اہتمام سے بھی نیست و نابود نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی یا فت جو کہ مور کے ڈوپاؤں کی طرح ہمیشہ اس کے لئے جانکاہ ہے (اسی طرح) امکان کا نقص اور حدوث کا قصور ہمیشہ اس کا جان لیوا رہے گا۔

عجیب معاملہ ہے کہ عارف جسقدر بالاتر ہوتا جاتا ہے اور جسقدر ترقیات و عروجات حاصل کرتا رہتا ہے اسی قدر یہ دید نقص اس میں زیادہ ہوتی جاتی ہے اور (اپنا) قصور نظر میں زیادہ آنے لگتا ہے اور بے قرار و بے آرام کر دیتا ہے اور اس کا حال اس رسن تاب (رسی بٹنے والے) شاگرد کی مانند ہو جاتا ہے جس نے تعجب کے طور پر اپنے استاد سے کہا تھا کہ "میں جسقدر کام زیادہ کرتا ہوں اسی قدر زیادہ دُور ہوتا جاتا ہوں"۔ شاید اسی وجہ سے آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (کاش محمدؐ کا رب محمدؐ کو پیدا نہ کرتا)۔ اور نیز آپ علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ (جتنی ایذا مجھے پہنچی ہے اتنی کسی نبی کو نہیں پہنچی) ——— شاید اس ایذا سے مراد یہی ایذائے دید نقص و قصور ہو جو کمال حزن و اندوہ کا باعث ہے، کیونکہ دوسری ایذاؤں کے متعلق دیگر انبیا علی نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات میں کہا جا سکتا ہے کہ زیادہ ہوں۔ چنانچہ حضرت نوح علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نو سو پچاس سال تک اپنی قوم میں رہ کر دعوت دیتے رہے اور طرح طرح کی ایذائیں برداشت کرتے رہے۔ منقول ہے کہ آپ علیہ السلام کی قوم دعوت کے وقت آپ پر اسقدر پتھر برساتی کہ آپ سنگ باری کی زیادتی کی وجہ سے بیہوش ہو جاتے اور تڑپتے رہتے اور پتھروں کے نیچے دب جاتے پھر جب ہوش آجاتا تو پھر دعوت و تبلیغ شروع کر دیتے تھے، اور قوم پھر آپؑ کے ساتھ اس سے زیادہ وہی معاملہ کرتی۔ اِلٰی اَنْ یَبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَہٗ (یہانتک کہ لکھا ہوا اپنے وقت کو پہنچ گیا)۔

حضرت نوحؑ پر ایذائیں

جاننا چاہئے کہ یہ "دید نقص و قصور" دوری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ قرب و حضوری کی وجہ سے ہے کیونکہ صاف و شفاف اور روشن مقام میں تھوڑی سی کدورت بھی زیادہ نظر آتی ہے اور مکدر مقام میں بہت زیادہ کدورت بھی بہت تھوڑی معلوم ہوتی ہے ——— اور یہ جو پہلے بیان کیا گیا کہ قرب و معرفت کے کام کا مدار فنا پر ہے کیونکہ جبتک سالک اپنے آپ سے فانی نہیں

ہو جاتا اور اپنی بشریت اور امکان کی صفات سے بالکل باہر نہیں آجاتا اس وقت تک مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ اس کا مطلوب کے ساتھ جمع ہونا دو نقیضوں کے جمع ہونے کے قسم سے ہے۔ اس لئے کہ امکان میں ثبوتِ عدم لازمی ہے اور وجوب میں سلبِ عدم ضروری ہے۔ اور جب تک مطلوب تک نہ پہنچے مطلوب کے کمالات کو کیا پا سکتا ہے اور اس کے کمال کو اپنے کمال کے مانند جاننے کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے کیونکہ کسی چیز کا ادراک اس کی ضد اور مخالفت سے نہیں کیا جا سکتا (بلکہ اپنے مماثل اور مشابہ سے ہوتا ہے) یہ اربابِ معقول کا قاعدۂ مقررہ ہے۔

وہ بچہ جو ابھی جماع کی لذت تک نہیں پہنچا (اگر کوئی اس کے سامنے) جماع کی لذت کو بیان کرے تو وہ اس کو شیرینی کہے گا نہ تلخ، اور اس کی لذت کو مٹھائی کی شیرینی کی طرح سمجھے گا، کیونکہ اس کے وجدان میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، اور یہ کمال اس کا کمال نہیں ہے بلکہ ایسا کمال ہے جو اس بچے کا مجعول و اختراع ہے اور حقیقت میں اس بچے کی طرف راجع ہے نہ کہ جماع کی طرف۔ لہٰذا (سالک) جو کچھ اپنی جانب سے مطلوب کے بارے میں اس کے اعلام کے بغیر کہے گا وہ اس کا اپنا کہا ہوا ہوگا اور جو کچھ اس کی تعریف کرے گا وہ اس کی اپنی تعریف ہوگی۔ اس مقام پر ایک عارف فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے آیۂ کریمہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (بنی اسرائیل آیۃ ۴۴) (کوئی چیز ایسی نہیں جو اس (حق تعالیٰ) کی تسبیح اور حمد بیان نہ کرتی ہو) میں بِحَمْدِہٖ کی ضمیر اس چیز کی طرف راجع ہو یعنی کوئی شے تسبیح و تقدیس اور حمد و ستائش بیان نہیں کرتی مگر خود اپنی (حیثیت کے مطابق)۔ اسی لئے بسطامیؒ نے فرمایا سُبْحَانِیْ (میں پاک ہوں) تاکہ تسبیح کا اعادہ اسی کی طرف ہو۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

اے شدہ ہم در جمالِ خویشتن	مے پرستی ہم خیالِ خویشتن
قسم خلقاں زاں جمال و زاں کمال	ہست گر بر ہم نہی مشتِ خیال
گر ز معشوقت خیالے در سرست	نیست معشوق آں خیالِ دیگرست
(ترجمہ) اے کہ تو ہے سر بسر محوِ جمال	لے کے بیٹھا تھا فقط اپنا خیال
یار کا اصلی جمال و اصلی کمال	پا سکے مخلوق، ہے وہم و خیال
یار کے بارے میں جو بھی ہو خیال	وہ نہیں ہے یار مت کر قیل و قال

صاحب فصوص فرماتے ہیں: وَالتَّجَلِّیْ مِنَ الذَّاتِ لَا یَکُوْنُ اِلَّا بِصُوْرَۃِ الْمُتَجَلِّیْ لَہٗ فَالْمُتَجَلِّیْ لَہٗ مَارَاٰی سِوٰی صُوْرَتِہٖ فِیْ مِرْاٰتِ الْحَقِّ وَمَارَاٰی الْحَقَّ وَلَا یُمْکِنُ اَنْ یَّرَاہُ (تجلی ذات صرف متجلی لہ کی صورت میں ہوتی ہے، پس متجلی لہ حق کے آئینے میں اپنی صورت کے سوا کچھ نہیں دیکھتا کیونکہ اس نے حق تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور یہ ممکن بھی نہیں ہے کہ وہ اس کو دیکھ سکے) (اس میں) رویت کے عدم امکان کو مبالغہ کے طور پر کہا ہے نہ کہ تحقیق کے طور پر۔ کیونکہ رویت دنیا میں جائز ہے اور آخرت میں واقع ہے۔

اور جب سالک کا بالکلیہ طور پر فانی ہونا ممتنع اور محال ہے اور اس کے بغیر مطلوب کے ساتھ وصول و اتصال بھی ممنوع ہوا، اور معرفت بغیر وصول کے صورت اختیار نہیں کرتی، لہذا لازمی طور پر معرفت سے عجز لازم آیا اور معرفت سے عاجز ہونا عین معرفت ہوا ـــــ کوئی یہ نہ کہے کہ معرفت سے عاجز ہونا جو کہ معرفت کی نقیض ہے معرفت کیونکر ہوا۔ کیونکہ معرفت سے عاجز ہونا ہی معرفت ہے بِاَنَّہٗ لَا یُعْرَفُ (اس طرح کہ وہ پہچانا نہیں جا سکتا) ـــــ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ (معرفت کے) ادراک سے عاجز ہونا ہی (اس کی معرفت کا) ادراک ہے) فَسُبْحَانَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلْ لِلْخَلْقِ اِلَیْہِ سَبِیْلًا اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَّعْرِفَتِہٖ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت سے عاجزی کے سوا اپنی مخلوق کے لئے کوئی راستہ نہیں بنایا) ـــــ

حق تعالیٰ کی معرفت سے عاجز ہونا ہی اس کی معرفت ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

سبحان خالقے کہ صفاتش ز کبریا   بر خاک عجز مے فگند عقل انبیاءؑ

(ترجمہ) وہ ذات پاک اعلیٰ صفات اس کی ہیں سبھی   پیغمبروں کی عقل بھی ان تک نہ جا سکی

جبکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات، صفات کبریا کی معرفت میں عاجز ہیں اور ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کہتے ہیں سُبْحَانَکَ مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ (پاک ہے تو، ہم نے تجھے نہیں پہچانا جیسا کہ تجھے پہچاننے کا حق ہے) ـــــ اور جب صدیق اکبرؓ جو اس خیر الامم امت کے رئیس اور سردار ہیں اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں تو دوسرا کون ہوتا ہے جو معرفت کا دم بھرے، مگر یہ کہ اپنے جہل مرکب کو معرفت سمجھے اور غیر حق کو حق جانے۔ اور یہ معرفت سے عاجز ہونا مراتب عروج کی نہایت کی انتہا ہے اور قرب کے مدارج کی غایت درجے منتہا ہے۔ اور جب تک (سالک) نقطۂ آخر تک نہ پہنچے اور تجلیات و ظہورات کے مراتب کو طے نہ کرلے اور وصل و اتصال کو

جس پر مدتوں تک خوش رہا تھا اس کو عین فصل و انفصال نہ پائے اس وقت تک اس عجز کی دولت سے مشرف نہیں ہو سکتا، اور خدا ناشناسی سے خلاصی نہیں پاتا اور غیر حق کو حق نہیں جانتا۔

سوال ۳: حق تعالیٰ جل شانہ کی معرفت کے واجب ہونے کے کیا معنی ہیں؟

جواب: وجوبِ معرفت اس معنی میں ہے کہ شرع شریف میں واجب جل شانہٗ کی ذات و صفات کی معرفت کے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے اس کا پہچاننا واجب ہے۔ اور ہر وہ معرفت جو شریعت کے بغیر حاصل کی جائے اس کو اس فقیر کے نزدیک معرفتِ خدا کہنا دلیری ہے۔ اور حق جل و علا ہر ظن و تخمین کا حکم کرتا ہے۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (اعراف آیت ۲۸) (کیا تم اللہ تعالیٰ کے لئے وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے)۔ شاید اسی لئے سراجِ امت و امام الائمہ امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَلٰكِنْ عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ (پاک ہے تو ہم نے تیری عبادت اس طرح نہیں کی جس طرح کہ تیری عبادت کا حق ہے لیکن تجھ کو پہچان لیا جیسا کہ تجھ کو پہچاننے کا حق ہے) ـــــــــ اگرچہ یہ قول اکثر لوگوں پر گراں ہے لیکن بہت معقول توجیہ کے قابل ہے کیونکہ معرفت کا حق یہی ہے کہ حق سبحانہٗ کو ان تمام کمالات تنزیہات اور تقدیسات کے ساتھ پہچانا جائے جن کو شریعت نے بیان کیا ہے کیونکہ اس سے ماوراء کسی چیز کی معرفت باقی نہیں رہتی جو حقِ معرفت کو مانع ہو۔

سوال: اس معرفت میں تو عوام و خواص سب شرکت رکھتے ہیں بلکہ مساوی ہیں، اور لازم آتا ہے کہ عام مؤمنوں کی معرفت خواص انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی معرفت کی مانند ہو کیونکہ سب کو حقِ معرفت حاصل ہے۔ اور یہ مسئلہ اس مسئلہ کی طرح ہے جس طرح کہ امام اعظمؒ نے فرمایا ہے اَلْاِیْمَانُ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ (ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم) ـــــــ اور اسی جگہ کہا گیا ہے کہ اس عبارت سے لازم آتا ہے کہ عام مؤمنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ایمان کے مانند ہو۔

جواب: اس قوی شبہ کا حل ایک نکتہ پر مبنی ہے کہ اس فقیر کو محض (حق تعالیٰ کے) فضل و کرم سے اس کی راہ یابی عطا کی گئی ہے۔ اور وہ دقیقہ یہ ہے کہ حقِ معرفت یہ ہے کہ ان معارفِ شرعیہ کی وجہ سے عارف کو معرفت سے عجز لاحق ہو جائے۔ مثلاً شریعت میں وارد ہے کہ واجب تعالیٰ کے لئے صفتِ علم کا اثبات کیا گیا ہے اور وہ علم واجب تعالیٰ کی ذات کی طرح بے چون و بے چگون ہے اور ہمارے ادراک کے

احاطہ سے باہر ہے۔ اگر اس علم کو اپنے علم پر قیاس کر کے پہچانا جائے تو نہیں پہچانا جائے گا، بلکہ وہ شناخت اپنی مجعول و مخترع (اپنی بنائی ہوئی اور اپنی گھڑی ہوئی) ہوگی نہ کہ حق تعالیٰ کے علم کی معرفت، جو کہ اس سبحانہٗ کے کمال کی صفت ہے۔ اور اس صورت میں جب نفسِ معرفت حاصل نہیں تو حقِ معرفت کیوں کر حاصل ہوگا۔ اور اگر اس کا معاملہ قیاس و تخمین سے عجز میں آجائے اور وجدان و حال ساتھ ہو جائے کہ اس کو پہچان نہیں سکتے اور جان لے کہ اس صفتِ کمال کے ثبوت پر ایمان لانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ تو اس وقت معرفت بھی حاصل ہوگی اور حقِ معرفت بھی حاصل ہوگا۔ لہٰذا حقیقت میں معرفت کی اصل یہی حقِ معرفت ہوا اور جو حقِ معرفت نہیں ہے وہ اصل معرفت بھی نہیں ہے۔ لہٰذا عوام کو معرفت کے حق میں خواص کے ساتھ شرکت نہ ہوئی تو مساوات کی کیا گنجائش ہے۔

سوال: جب حقِ معرفت نفسِ معرفت ہے تو چاہیئے کہ عوام کو نفسِ معرفت بھی حاصل نہ ہو، کیونکہ ان کو حقِ معرفت بھی نہیں ہے۔

جواب: معرفت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے۔ وہ معرفت جو عینِ حقِ معرفت ہے وہی حقیقتِ معرفت ہے جو کہ معرفت سے عجز پر وابستہ ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس عجز کی حد تک نہ پہنچے اور امکان کی صفات کے قیاس کرنے کی آمیزش سے رہائی نہ پائے، جیسا کہ گذر چکا ــــــــ یہ (حق تعالیٰ کا) کمال فضل ہے کہ صورتِ معرفت کو بھی نفسِ ایمان میں اعتبار کیا ہے اور نجات کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے چنانچہ ایمان کی صورت کو بھی معتبر سمجھا ہے اور جنت میں داخل ہونا اس پر مترتب کیا ہے۔ لہٰذا صورتِ ایمان میں صورتِ معرفت کافی ہے اور ایمان کی حقیقت میں حقیقتِ معرفت کے بغیر چارہ نہیں۔ پس اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی دو فرد ہیں، صورت اور حقیقت۔ اور وہ جو عوام کا حصہ ہے وہ صورت ہے اور جو خواص کو عطا کیا ہے وہ حقیقت ہے، لہٰذا عوام کا ایمان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ایمان کے مانند نہ ہوا جو کہ اخص خواص علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔ چونکہ اُن کا ایمان اور ہے اور ان کا ایمان دوسری طرح کا، لہٰذا یہ (دونوں) ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت نہیں رکھتے ــــــــ اور ایمان کی حقیقت میں چونکہ معرفت کا عجز حاصل ہے اور معرفت میں بِاَنَّہٗ لَا یُعْرَفُ

صورتِ ایمان میں صورتِ معرفت کافی ہے اور حقیقتِ ایمان میں حقیقتِ معرفت [illegible]

(وہ پہچانا نہیں جاتا) موجود ہے تو یقینی طور پر زیادتی اور کمی اس جگہ مفقود ہے کیونکہ مطلب معرفت کی معرفت میں درجات کے تفاوت کا احتمال نہیں ہے، اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہاں درجات میں تفاوت ہے لہٰذا ایمان کی حقیقت میں زیادتی اور کمی کا احتمال نہیں ہوتا۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (اور اللہ سبحانہ ہی حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے)۔

سوال: اس تقریر سے لازم آیا کہ صوفیۂ عالیہ کے کشفیہ علوم و معارف اعتبار کے مقام سے ساقط ہیں اور حق جل وعلا کی معرفت ان کے ساتھ وابستہ نہیں کیونکہ حق معرفت علوم و معارفِ شرعیہ سے حاصل ہو گئے اور کوئی معرفت باقی نہ رہی جس کو صوفیہ تلاش کے ساتھ حاصل کرتے ہیں پس حق جل شانہٗ کی معرفت میں صوفیہ کو علماء پر کوئی فضیلت ثابت نہ ہوئی۔

جواب: صوفیہ کے علوم و معارف اس عجز کے لئے ذرائع اور وسائل ہیں جو کہ ان صوفیہ میں سے منتہیوں کو نہایت النہایت میں میسر ہوتا ہے اور یہ بزرگوار ان معارفِ کشفیہ کے زینوں سے اس عجز کی دولت سے مشرف ہو جاتے ہیں لہٰذا ان برگزیدہ حضرات کے معارف معتبر ہوں گے جو کہ حق معرفت حاصل کرنے کا وسیلہ اور ایمانِ حقیقی کے وصول کا ذریعہ ہیں۔

سوال: جب معرفت سے عجز ثابت ہو گیا اور کمال کا انحصار عجز میں منحصر ہوا تو صوفیۂ عالیہ نے جو تین طرح کے مراتب کا اعتبار کیا ہے، اس کے کیا معنی۔ اور علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین سے کیا مراد ہے؟

جواب: فقیر کو اس مسئلہ میں قوم (صوفیہ) سے اختلاف ہے۔ ان بزرگوں نے ان مراتبِ سہ گانہ کو حق جل وعلا کی ذات کی نسبت سے اعتبار کیا ہے، اور علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کو حضرت جل سلطانہٗ میں اثبات کیا ہے۔ اور یہ مثال جو لائے ہیں کہ آتش کے علم کو جو دھوئیں کے استدلال سے حاصل ہوتا ہے وہ اس کو علم الیقین کہتے ہیں اور آگ کے دیکھنے کو عین الیقین تصور کیا گیا ہے اور آگ کے ساتھ متصف ہونے کو حق الیقین شمار کیا ہے۔ اور یہ فقیر ان سہ گانہ مراتب کو ان نشانیوں میں جو حضرت واجب جل سلطانہٗ کی ذات پر دلالت کرنے والی ہیں منحصر سمجھتا ہے۔ اور علم، عین اور حق (ان تینوں کو) دوالؒ (دلیل دینے والا) کہتا ہے نہ کہ مدلول (حق جل وعلا) ہے کہ وہ علم، عین اور حق سب سے برتر ہے اور مذکورہ بالا مثال میں علم، عین اور حق کی نسبت دھوئیں کے متعلق جاننا ہے،

نہ کہ آتش کے ساتھ۔ کیونکہ اگر دھوئیں کا علم استدلال کے ساتھ حاصل ہوا ہے تو وہ دھوئیں کی نسبت علم الیقین ہے جو کہ آتش کو مستلزم ہے اور اگر دھوئیں کو دیکھا ہے اور وہاں سے آتش کے وجود کا استدلال کیا ہے تو وہ دھوئیں کی نسبت سے عین الیقین ہے، اور اگر وہ دھوئیں کے ساتھ متصف ہو گیا اور وہاں سے آتش کے وجود کا استدلال کیا ہے تو وہ دھوئیں کی نسبت سے حق الیقین ہے۔ اور یہ استدلال پہلے استدلال کی نسبت زیادہ کامل ہے، کہ وہ استدلال آفاق سے ہے اور یہ استدلال انفس سے، جو دھوئیں کے ساتھ متصف ہوا ہے۔ اور اسی طرح عین الیقین میں دھواں ایک واسطہ ہے اور حق الیقین میں واسطہ نہیں ہے بلکہ وہ نسبت جو دھوئیں کو آگ کے ساتھ ثابت ہے اس کو بھی وہی نسبت حاصل ہو جاتی ہے اور قرب کے اعلیٰ مدارج تک پہنچ جاتی ہے جو کہ علم، عین اور حق سے ماوراء ہے۔

یہ نہ کہا جائے کہ جب واسطہ اٹھ گیا تو رویت متحقق ہو گئی جو عین الیقین ہے۔ کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ واسطہ کا زائل ہو جانا رویت کے ثبوت میں کفایت نہیں کرتا کچھ دوسری چیزیں بھی درکار ہیں جن کا وجود مفقود ہے، اور جب یقین کے تمام مراتب نشانیوں کی طرف راجع ہو گئے اور کوئی معرفت باقی نہ رہی جس کو مدلول کی طرف راجع کیا جائے تو لازمی طور پر مدلول کی معرفت میں عجز لازم آ گیا اور غیر کی معرفت سلب معرفت کے علاوہ اس مقام میں متحقق نہ ہوئی۔ اگر ان سہگانہ یقین کے مراتب کو آیات کی طرف راجع نہ کیا جائے اور مدلول کی طرف راجع کیا جائے تو معرفت سے عجز کی کیا صورت ہو گی اور سلب معرفت کے کیا معنی ہوں گے۔

نور محمد تہاری[1] کی طرف صادر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جناب قدس سے ملانے والے دو[2] راستے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

وہ راستے جو جناب قدس کی طرف پہنچانے والے ہیں، دو[2] ہیں۔ ایک راستہ وہ ہے جس کا تعلق قرب نبوت علی اربابہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہے اور وہ اصل الاصل تک پہنچانے والا ہے۔

---

[1] آپ کے نام چھ مکتوب ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۰ میں درج ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ

اس راہ کے واصلین بالاصالت انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں، اور ان کے صحابہ، اور باقی امتوں میں سے جس کو بھی اس دولت سے نوازیں اگرچہ وہ قلیل بلکہ اقل (بہت کم) ہیں۔ اور اس راہ میں توسط اور حیلولہ نہیں ہے، جو کوئی بھی ان واصلوں میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی توسط کے اصل سے اخذ کرتا ہے اور کوئی ایک دوسرے کے لئے حائل نہیں ہے۔

اور دوسرا راستہ قربِ ولایت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اقطاب، اوتاد، ابدال و نجبا اور عام اولیاء اللہ سب اسی راہ سے واصل ہوئے ہیں، اور راہِ سلوک سے مراد یہی راہ ہے بلکہ جذبۂ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے اور توسط اور حیلولہ بھی اسی راہ میں ثابت ہے۔ اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور اس کے سرگروہ، اور ان بزرگوں کے فیض کا منبع حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان منصب آپ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام میں گویا آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں مبارک قدم آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے سرِ مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اس مقام میں ان کے شریک ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر نشاءِ عنصری سے پیشتر بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسا کہ آپ نشاءِ عنصری کے بعد ہیں۔ اور جس کسی کو بھی اس راہ سے فیض و ہدایت پہنچتی ہے وہ آپؓ ہی کے توسط سے پہنچتی ہے کیونکہ آپ اس راہ کے نقطۂ منتہیٰ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز آپ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جب حضرت امیرؓ کا دور ختم ہو گیا تو یہ منصب عظیم القدر حضرات حسنینؓ کو بالترتیب سپرد اور مسلّم ہوا، اور ان کے بعد وہی منصب ائمہ اثنا عشر میں سے ہر ایک کو علی الترتیب اور تفصیل وار قرار پایا، اور ان بزرگوں کے زمانے میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد بھی جس کسی کو فیض اور ہدایت پہنچتی رہی وہ ان ہی بزرگوں کے توسط سے اور ان ہی کے حیلولہ سے پہنچتی رہی خواہ وہ اقطاب و نجباءِ وقت ہی کیوں نہ ہوں سب کے ملجا و ماویٰ یہی بزرگوار ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ لاحق ہونے کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ تک یہ نوبت پہنچ گئی اور جب یہ نوبت ان بزرگوار کے پاس آئی تو منصب مذکور آپ قدس سرہ کے سپرد ہو گیا۔ ائمہ مذکورین اور حضرت شیخ کے درمیان اس مرکز پر کوئی اور مشہود نہیں ہوتا۔ اور اس راہ میں فیض و برکات کا وصول جس کو بھی ہوا خواہ وہ اقطاب و نجباء ہوں آپ ہی کے توسطِ شریف سے مفہوم ہوتا ہے

کیونکہ یہ مرکز ان کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا ہے۔ شعر

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا   اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

(ترجمہ) سورج تمام اگلوں کے جب ہو گئے غروب   سورج ہمارا روشنی دے گا اَبَد تلک

شمس[1] سے مراد فیضانِ ہدایت و ارشاد کا آفتاب ہے اور اُفُول سے مراد فیضانِ مذکور کا نہ ہونا ہے اور چونکہ وہ معاملہ جو پہلے حضرات سے متعلق تھا اب حضرتِ شیخ کے سپرد ہوا اور آپ رشد و ہدایت کے وصول کا واسطہ بن گئے جیسا کہ آپ سے پیشتر پہلے حضرات تھے، اور پھر یہ بھی ہے کہ جبتک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے آپ ہی کے توسل سے ہے لہٰذا لازمی طور پر یہ درست ہوا کہ اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا الخ۔

سوال: یہ حکم مجدد الف ثانی کے ساتھ منتقض (ٹوٹ جانے والا) ہے کیونکہ مکتوبات کے دفتر دوم کے مکتوب (۴ ۲) میں مجدد الف ثانیؒ کے معنی کے بیان میں اندراج ہے کہ "جو کچھ بھی فیض کی قسم سے اس مدت میں امتیوں کو پہنچتا ہے وہ اسی کے توسط سے پہنچتا ہے، اگرچہ وہ اقطاب و اوتاد ہوں یا ابدال و نجباءِ وقت ہوں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ مجدد الف ثانیؒ اس مقام میں حضرت شیخؒ کے نائب مناب ہیں اور حضرت شیخؒ کی نیابت ہی سے یہ معاملہ ان کے ساتھ وابستہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُّوْرِ الشَّمْسِ (چاند کا نور سورج کے نور سے فیضیاب ہے) اس میں کیا قباحت ہے۔

سوال: مجدد الف کے معنی جو اوپر مذکور ہوئے مشکل ہیں کیونکہ اس مدتِ مذکورہ میں حضرتِ عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نزول فرمائیں گے اور حضرت مہدی علیہ الرضوان بھی ظہور فرمائیں گے اور ان بزرگوں کا معاملہ اس سے بالاتر ہے کہ وہ کسی کے توسط سے اخذِ فیض کریں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ توسط کا معاملہ مذکورہ بالا راستوں سے دوسری راہ کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ قربِ ولایت سے مراد ہے اور راہِ اول سے جو کہ قربِ نبوت سے مراد ہے جس میں توسط کا معاملہ مفقود ہے جو کوئی بھی اس راہ سے واصل ہوا ہے وہ کوئی حائل اور توسط درمیان میں نہیں رکھتا اور بغیر کسی توسط کے فیوض و برکات اخذ کرتا ہے، توسط اور حیلولت دوسرے راستے میں ہیں۔ ان کا معاملہ علیحدہ مقام سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

[1] مکتوب ۲۹۳/۱ بھی دیکھیں

اور حضرت مہدی علیہ الرضوان راہِ اول سے واصل ہیں جیسا کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما راہِ اول سے اور آں سرور علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں واصل ہوئے ہیں اور وہ وہاں اپنے اپنے درجات کے مطابق ایک خاص شان رکھتے ہیں ۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ ممکن ہے کہ کوئی شخص قربِ ولایت کی راہ سے قربِ نبوت تک پہنچ جائے اور دونوں معاملات میں شریک ہو اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل اس کو وہاں بھی جگہ دیدی جائے اور کارخانہ کو اس سے وابستہ کردیں اور اس جگہ کا معاملہ بھی اس سے متعلق کردیا جائے ۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را (ترجمہ) خاص کرتا ہے کسی کو تاکہ سب ہوں مستفید

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ط سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے پاک ہے تمہارا رب عزت والا ان صفات سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو مرسلین پر اور تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے) (صافات آیت ۱۸۰ تا ۱۸۲)

۳۱۳ + ۹۹ + ۱۱۴ = ۵۳۶

مکتوب ۱۲۴

شیخ محمد طاہر بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ میرے بھائی شیخ محمد طاہر بدخشی نے دریافت کیا تھا کہ رسالہ مبدأ و معاد میں لکھا ہے کہ جس طرح صورتِ کعبہ، صورتِ محمدی کا مسجود ہے اسی طرح حقیقتِ کعبہ بھی حقیقتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کا مسجود ہے ۔ اس عبارت سے حقیقتِ محمدی علیٰ مظہرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ پر حقیقتِ کعبہ کی افضلیت لازم آتی ہے ۔ حالانکہ یہ قاعدہ مقررہ ہے کہ عالم کی پیدائش سے مقصود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور حضرت آدمؑ اور تمام آدمی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیلی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے :-

جس طرح صورتِ کعبہ صورتِ محمدی کا مسجود ہے اسی طرح حقیقتِ کعبہ بھی

---

[1] آپ کے نام گیارہ مکتوب ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۲ میں درج ہے ۔

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ وَلَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِیَّۃَ (اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا)۔

(جواب) جاننا چاہئے کہ صورتِ کعبہ سے مراد (موجودہ) اینٹ پتھر نہیں ہیں کیونکہ اگر اگر بالفرض یہ اینٹ پتھر درمیان میں نہ ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہی ہے اور مسجودِ خلائق ہے۔ بلکہ صورتِ کعبہ باوجود اس کے کہ عالمِ خلق سے ہے لیکن دوسری اشیاء کی مانند نہیں ہے بلکہ ایک مُبْطَن (پوشیدہ) امر ہے جو حس و خیال کے احاطہ سے باہر ہے اور اس کا تعلق عالم محسوسات سے ہے لیکن کچھ بھی محسوس نہیں ہے، اور اگرچہ تمام اشیاء کا متوجہ الیہا ہے لیکن کچھ بھی توجہ میں نہیں ہے، وہ ایک ایسی ہستی ہے جو نیستی کا لباس پہنے ہوئے ہے، اور ایسی نیستی ہے جس نے اپنے آپ کو ہستی کے لباس میں ظاہر کیا ہے اور جہت میں ہو کر بے جہت ہے اور سمت میں ہو کر بے سمت میں ہے۔

غرض یہ کہ یہ صورت حقیقت منش ایک عجیب چیز ہے کہ عقل اس کی تشخیص میں عاجز ہے اور عقلمند اس کے تعین میں حیران ہیں، گویا کہ وہ عالم بے چونی و بے چگونگی کا نمونہ ہے۔ اور بے شبہی اور بے نمونی کا نشان اس میں پوشیدہ ہے، ہاں اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ مسجودیت کے شایانِ شان نہ ہوتا اور بہترین موجودات علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات شوق و آرزو کے ساتھ اس کو اپنا قبلہ اختیار نہ فرماتے۔ فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ (آل عمران آیۃ ۹۷) (اس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں) اس کی شان میں نص قاطع ہے۔ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا (آل عمران آیۃ ۹۷) (اور جو کوئی اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہو گیا) اس کے حق میں قرآن مجید میں مدح آئی ہے۔

وہ بیت اللہ ہی ہے جس میں صاحبِ خانہ جل شانہ کی بے کیف بود و باش ہے، اور بے چون و بے چگونہ کا اتصال اور مجہول الکیفیت نسبت اسی کے ساتھ ثابت ہے۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (نحل آیۃ ۶۰) (اور اللہ تعالیٰ کی مثال سب سے اعلیٰ ہے)۔ اور عالم مجاز میں جو کہ حقیقت کا پل ہے اسی کے گھر کی بیتوتت (آرام کرنے کی جگہ) کی خبر دیتا ہے کیونکہ وہ صاحب خانہ کی جائے قرار و آرام گاہ ہے، اہلِ دولت کے لئے اگرچہ نشستگاہیں بکثرت ہیں اور نشست و برخاست کے بے شمار مقامات ہیں لیکن گھر پھر بھی گھر ہے جو کہ اغیار کی مزاحمت سے بیگانہ ہے اور معشوقِ حقیقی کا مقام و جائے قرار اور آرام گاہ ہے۔ اگرچہ حدیثِ قدسی کے حکم کے مطابق وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ

کعبہ معظمہ کی افضلیت کی تحقیق

(لیکن میں اپنے مومن بندے کے قلب میں سما سکتا ہوں) مومن بندے کے دل میں بے چونی کے ظہور کی گنجائش پیدا کی ہے، لیکن گھر ہونے کی نسبت جو بیتوتت کے ساتھ مبنی ہے وہ کہاں سے پیدا ہو اور اغیار کی مزاحمت جو گھر کے لوازمات میں سے ہے کہاں سے آئے، اور جب غیر اور غیریت کو اس مقام میں دخل نہ ہوا تو لازمی طور پر وہ مخلوق کا سجدہ گاہ ہوا۔ کیونکہ غیر کو سجدہ نہیں اور غیریت مسجودیت کے منافی ہوتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی جانب سجدہ تجویز نہیں فرمایا اور شوق و رغبت کے ساتھ بیت اللہ کی جانب سجدہ کرتے رہے۔ اس فرق کے راز کو یہاں سمجھنا چاہیے کہ ساجد و مسجود کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے۔

اے بھائی! جب تم نے صورتِ کعبہ کا تھوڑا بیان سُن لیا تو اب حقیقتِ کعبہ کے بارے میں بھی تھوڑا سا سن لو ——— حقیقتِ کعبہ سے مراد ذاتِ بے چون واجب الوجود ہے کہ جس کو ظہور اور ظلیت کی گرد بھی وہاں تک نہیں پہنچی اور جو مسجودیت و معبودیت کی شان کے لائق ہے، اس حقیقت جل سلطانہا کو اگر حقیقتِ محمدیؐ کا مسجود کہیں تو اس میں کیا خطرہ لازم آتا ہے اور آپ کی افضلیت میں اس سے کس طرح قصور واقع ہوتا ہے۔ ہاں حقیقتِ محمدیؐ باقی تمام افرادِ عالم کے حقائق سے افضل ہے لیکن حقیقتِ کعبۂ معظمہ عالم کی جنس سے نہیں ہے تاکہ اس کی طرف یہ نسبت ظاہر کی جائے اور اس کی افضلیت میں توقف کیا جائے۔

عجیب بات ہے کہ ان دونوں صاحبِ دولت کی صورتوں اور ساجدیت و مسجودیت کی حقیقت کے فرق کا عقلائے ذی فنون بھی سراغ نہیں لگا سکے، اسی وجہ سے انھوں نے اس مقام سے اعراض اختیار کیا اور طعن و تشنیع میں لب کشائی کی۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو انصاف عطا فرمائے کہ بغیر سمجھے ملامت نہ کریں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۔ (آل عمران آیت ۱۴۷) (اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہوئی ہیں ان کو بھی بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ۔

حق سبحانہ و تعالیٰ کے فضل و کرم سے دفتر سوم کی تکمیل ہوگئی۔

بروز ہفتہ ۲۵ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۱ نومبر سنہ ۱۹۹۲ء

اِشاریہ

آیاتِ قرآنی

احادیث نبوی ﷺ

اقوالِ بزرگان

اسماء الرجال

مصطلحات

عبادات

اسماء الکتب

اسماء الاشیاء

اسماء البلاد

حامدًا و مصلیًا

مکتوبات حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے ہرسہ دفاتر کے

مضامین کا اشاریہ

مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت ملاحظہ ہو

قارئین کرام کی سہولت کے پیش نظر جملہ مضامین اشاریہ پیش خدمت ہے، ساتھ ہی مکتوبات شریفہ کے نمبر اس طرح دیدیئے گئے ہیں ۶۷/۲ ص ۲۴۳ یعنی مکتوب نمبر ۶۷ دفتر نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۴۳ ۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اس کوشش کو مقبول فرمائے اور ناظرین کے لئے نفع بخش اور سود مند ہو ۔ آمین

مرتّب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مکتوباتِ شریفہ کے ہر سہ دفاتر کے مضامین کا اشاریہ

حضرت حق سبحانہ، وتعالیٰ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام

حضرات انبیاء علیہم السلام ۲۶۶/۱ ص۲۶۸

صحابۂ کرامؓ اور اولیاءِ عظام علیہم الرضوان

اولیاءِ عظام رحمہم اللہ

شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ

عبادات وادعیہ

متفرق مضامین

(الف)

(ب)

(پ)

(ت)

ج

چ

ح

خ

(د)

ش

ص

ع

(غ)

(ف)

(ق)

ک

(ن)

(و)

تمت بالخیر

ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳ کراچی کی جملہ مطبوعات

- اثبات النبوۃ۔ (عربی مع اردو ترجمہ)۔ (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- انوارِ معصومیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- حضرت مجدد الفِ ثانی رح۔ سوانح حضرت مجدد الفِ ثانی رح۔ 〃 〃 〃
- حیاتِ سعیدیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد سعید احمد پوری رح۔ 〃 〃 〃
- رسالہ تہلیلیہ۔ (عربی مع اردو ترجمہ) —— (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- ریڈیو تقاریر۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- زبدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ۔ 〃 〃
- 〃 حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃
- 〃 حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم 〃 〃 〃
- شرح رباعیات (فارسی مع اردو ترجمہ) (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- طریقہ حج اور دعائیں۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- عمدۃ السلوک 〃 〃 〃
- عمدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ۔ حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃
- 〃 حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ۔ اور حصہ چہارم کتاب الحج 〃 〃 〃
- مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی فارسی۔ ہر سہ دفتر (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ)
- اردو ترجمہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی دفتر اول حصہ اول و دوم 〃
- 〃 〃 دفتر دوم۔ دفتر سوم 〃
- مبدأ و معاد (فارسی مع اردو ترجمہ) 〃
- معارف لدنیہ 〃 〃
- مکتوبات معصومیہ فارسی کامل ہر سہ دفتر (حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ)
- اردو ترجمہ مکتوبات معصومیہ ہر سہ دفتر 〃
- معجم القرآن (لغات القرآن) ۔ گلدستہ عربی ۔ گلدستہ مناجات
- مقاماتِ زواریہ ۔ ہدایت الطالبین

ادارۂ مجددیہ: ۲/۵، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی